

جو شیخ آدمیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کھوکھلے نعروں سے قوم کو بھڑکاتا نہیں۔ حقیقت کی بات کرتا ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اس کی قوم کو حقیقت اور تربیت سے دُور رکھیں اور اسے جذباتی بنادیں۔ اس قوم میں شعور کی بجائے جوش رہ جائے۔ وہ جوش جس میں حقیقت پسندی اور دانشمندی نہ ہو، دشمن کے پہلے تیر سے ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ خواہ تیر قریب سے گزر جائے۔ ہم ان میں صرف جوش رہنے دیں گے۔ تم نے سنا ہے کہ میں اپنے درس میں صلاح الدین ایوبی کی بہت تعریفیں کر رہا تھا؟

”یہ باتیں تو ہم بعد میں کر لیں گے۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”دونوں اونٹیاں دکھا دیں اور یہ بتائیں کہ یہیں یہاں کس وقت اور کس طرح پناہ مل سکتی ہے اور یہاں اپنا کوئی اور آدمی رہتا ہے یا نہیں؟“

”نہیں!“ عالم نے جواب دیا۔ ”یہاں اور کوئی نہیں رہتا۔“

ان کے درمیان کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ خفیہ الفاظ میں ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے۔ عالم کمرے سے نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو بڑی ہی خوبصورت اور جوان لڑکیاں تھیں۔ یہی وہ دو لڑکیاں تھیں جن کے متعلق اس نے لوگوں کو بتایا تھا کہ اس کی بیویاں ہیں۔ انہیں وہ سر سے پاؤں تک برقعے میں چھپا کر لایا تھا۔ مگر ان دو آدمیوں کے سامنے وہ بے پردہ آئیں۔ عالم نے ان کا تعارف دونوں آدمیوں سے کرایا اور اماری میں سے شراب کی بوتل نکالی۔ ایک لڑکی گلاس لے آئی۔ شراب گلاسوں میں ڈالی گئی۔ ان دونوں آدمیوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔ پہلے کام کی باتیں کر لیں۔ ہری پٹی والے نے کہا۔

”ہمیں دو آدمیوں کو قتل کرنا ہے۔“ دوسرے نے کہا۔ ”صلاح الدین ایوبی کو اور علی بن سفیان کو۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم نے دونوں کو نہیں دیکھا۔ میں دونوں آدمی دکھا دیں۔ کیا آپ نے انہیں دیکھا ہے؟“

”اتنا دیکھا ہے کہ دونوں کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتا ہوں۔“ عالم نے کہا۔ ”میں نے جو ہم شروع کر رکھی ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ دونوں کو اچھی طرح پہچان لوں۔ علی بن سفیان اتنا ذہین اور گھاگھ ہے کہ اپنے کسی جاسوس کو یہاں بھیجنے کی بجائے خود یہاں آ سکتا ہے۔ اگر وہ جیسے بدل کر میرے سامنے آئے تو بھی اسے پہچان لوں گا۔“

”اور صلاح الدین ایوبی کے متعلق کیا خیال ہے؟“ ہری پٹی والے پوچھا۔

”اسے بھی خوب پہچانتا ہوں۔“ عالم نے جواب دیا۔

معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے کوزا کبڑا بکھرا ہوا تھا۔ دروازے کے بائیں لاکھٹا ہوا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دروازہ برسوں سے نہیں کھولا گیا اور کھولا بھی نہیں جائیگا۔ ایک پہلو میں کھڑکی تھی۔ اسے ہاتھ لگایا تو کھل گئی۔ عالم اندر گیا۔ اس کے نیچے یہ دونوں آدمی اندر پہلے گئے۔ اندر سے کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کے ایک طرف حضرت عیسیٰ کی دستی تصویر اور دوسری طرف مریم کی تصویر تھی۔ عالم نے کہا۔ ”یہ میرا گرجا ہے اور پناہ گاہ بھی۔“

”خطرے کی صورت میں آپ کے پاس کیا انتظام ہے؟“ آنکھ کی ہری پٹی والے نے پوچھا اور مشورہ دیا۔ ”آپ کو صلیب اور یہ تصویریں اس طرح سامنے نہیں رکھنی چاہئے۔“

”یہاں تک کسی کے آنے کا خطرہ نہیں۔“ عالم نے جواب دیا اور ہنس کر کہا۔

”مسلمان بڑی سیدھی اور جذباتی قوم ہے۔ یہ قوم جذباتی الفاظ اور سنسنی خیز دلائل پر مرتقی ہے۔ جس انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں ان لوگوں میں یہ کمزوری اُبھار رہا ہوں۔ انہیں یہ سبق دے رہا ہوں کہ چار شاہیاں فرض ہیں۔ آہستہ آہستہ انہیں برکاری کی طرف راغب کر رہا ہوں۔ مذہب کے نام پر ختم مسلمان سے بدی بھی کرا سکتے ہو نیکی بھی۔ ہاتھ میں قرآن رکھ کر بات کرو تو یہ لوگ احتفانہ بالوں کے بھی قائل ہو جاتے ہیں اور حجت کو بھی پیچ مان لیتے ہیں۔ میرا تجربہ کامیاب ہے۔ میں یہاں اپنے جیسا ایک گروہ پیدا کر لوں گا جو مسجد میں بیٹھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر ان لوگوں کے جذبہ جہاد کو اور کوراج کو قتل کر دے گا۔ عورت کے متعلق میں ان لوگوں کے نظریات بدل رہا ہوں۔ مسلمان الدین نے عورتوں کو بھی عسکری تربیت دینی شروع کر دی ہے۔ میں انہیں بتا رہا ہوں کہ عورت کو گھر میں قید رکھو۔ میں اس قوم کی نصف آبادی کو بیکار کر دوں گا۔“

”فوج کے غلات نفرت پیدا کرنا ضروری ہے۔“ ہری پٹی والے کے ساتھی نے کہا۔ ”صلاح الدین ایوبی نے یہی کمال کر دکھایا ہے کہ قوم اور فوج کو ایک کر دیا ہے۔ وہ اس وقت اعلان کر دے کہ یروشلم فتح کرنا ہے تو مصر کی ساری آبادی اس کے ساتھ چل پڑے گی۔“

”لیکن وہ ایسا اعلان کرے گا نہیں۔“ عالم نے کہا۔ ”وہ دانشمند ہے۔ وہ جذباتی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک تربیت یافتہ سپاہی کو ایک سو غیر تربیت یافتہ

دیا تھا کیونکہ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ملک میں، خصوصاً قاہرہ میں صلیبیوں نے بہت سے جاسوس اور تخریب کار بھیج دیئے تھے۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کی کردار کشی کی جو زمین دوزیم چلاتی تھی وہ سلطان ایوبی کو زیادہ پریشان کر رہی تھی۔ اسے جب علی بن سفیان نے اطلاع دی تھی کہ ایک مسجد کا پیش امام ہر رات درس دیتا ہے اور اسلامی نظریات کو بگاڑ رہا ہے تو سلطان ایوبی نے فوراً ہی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اس عالم کو گرفتار کرلو۔ اس نے کہا تھا۔ ”علی! مذہب میں فرقہ بندی شروع ہو گئی ہے۔ یہ پیش امام کسی فرقے کا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کی اپنی تفسیریں پیش کر رہا ہو۔ میں مذہب میں دخل نہیں دینا چاہتا۔ میں حاکم ہوں عالم نہیں ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تخریب کار ہے، تو گرفتاری سے پہلے پوری طرح جہان بین کرلو۔ پیش امام کا درجہ مجھ سے بہت زیادہ بلند ہے۔“

علی بن سفیان خود اس مسجد میں درس سننے نہیں گیا تھا کیونکہ اسے شک تھا کہ اگر یہ پیش امام واقعی دشمن کا بھیجا ہوا تخریب کار ہے تو اسے پہچانتا ہوگا۔ اس نے اپنے ذہین سراغرساں مسجد میں بھیجے تھے جو دس بارہ مرتبہ وہاں گئے اور انہوں نے جو درس سننے وہ من و عن علی بن سفیان کو سنا دیئے۔ آخر ایک رات اس صلیبی ”عالم“ نے جہاد پر درس دیا اور یہ تاویل پیش کی جو صلاح الدین ایوبی نے بھی سنی۔ سراغرسانوں نے یہ درس علی بن سفیان کو سنایا تو کوئی شک نہ رہا۔ علی نے سلطان ایوبی کو بتایا اور یہ رائے دی کہ اگر یہ شخص صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار نہیں تو بھی اسے پکڑنا یا روکنا ضروری ہے کیونکہ وہ جہاد کا ایسا نظریہ پیش کر رہا ہے جو صرف وہ آدمی پیش کر سکتا ہے جو دشمن کا آدمی ہو یا اس کا دلع چل گیا ہو۔

سلطان ایوبی نے یہ رپورٹ بڑی ہی غور سے سنی اور کہا کہ معاملہ بہر حال مذہب، مسجد اور پیش امام کا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ علی بن سفیان کے ساتھ خود ہر وہاں میں درس سننے جائے گا اور خود یقین کرے گا کہ پیش امام کی نیت اور اصلیت کیا ہے۔ جہاد کے ساتھ حیوانی جذبے کے ذکر نے سلطان ایوبی کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے یہ ہروپ تیار کر لیا تھا جس میں وہ مسجد میں گئے تھے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور جاسوسی کے خلاف دفاع کے فن کا ماہر تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو اپنی ایک اور کامیابی سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ فیض

ہری پٹی والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی کپٹیوں پر رکھے۔ دائرہ کو پکڑا اور ہاتھوں کو نیچے کو جھکا دیا۔ اس کی لمبی دائرہ اور گھنی مونچھیں اس کے چہرے سے الگ ہو گئیں۔ پیچھے چھوٹی سی دائرہ رہ گئی جو نہایت اچھی طرح تراشی ہوئی تھی۔ مونچھیں بھی تراشیدہ تھیں۔ لمبی دائرہ اور گھنی مونچھیں معنوی تھیں جو اب اس نے ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔ اس نے آنکھ سے ہری پٹی بھی نوج کر پے پھینک دی۔ عالم جہاں تھا وہیں بت بن گیا۔ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور اس کا منہ کھل گیا۔ دونوں لڑکیاں حیران و ششدر کہیں اس آدمی کو دیکھتیں جس نے اپنا ہروپ اتار دیا تھا، کبھی عالم کو دیکھتیں جس کا رنگ لاش کی طرح ہو گیا تھا۔ عالم کے منہ سے حیرت اور گھبراہٹ میں ڈوبی ہوئی سرگوشی نکلی۔ ”صلاح الدین ایوبی؟“

”ہاں دوست!“ اسے جواب ملا۔ ”میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ تمہاری شہرت سن کر تمہارا درس سننے آیا تھا۔“ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھی کی دائرہ کو مسٹی میں لے کر جھٹکا دیا تو اس کی دائرہ چہرے سے الگ ہو گئی۔ اس نے عالم سے کہا۔ ”آپ اسے بھی پہچانتے ہوں گے؟“

”پہچانتا ہوں“ عالم نے بارے ہوئے بچے میں کہا۔ ”علی بن سفیان؟“

علی بن سفیان کی سرت ٹھوڑی پر دائرہ تھی۔ اچانک لڑکیاں اور عالم بیچے کو دوسرے اور اماری میں سے چھڑنا تو ایسی نکال لیں مگر وہ ادھر کو گھومے تو ان کی تلواریں جھک گئیں کیونکہ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان نے چغلوں کے اندر سے اسی قسم کی تلواریں نکال لی تھیں۔ لڑکیوں کو تیغ زنی کی مشق تو کرائی گئی تھی لیکن دو پیشہ در تیغ زلوں کے مقابلے میں نہ آ سکیں۔ ان سے تلواریں رکھوالی گئیں۔ علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ ذرا سی دیر میں چھ آدمی جو باہر کھڑے تھے اسی سائز کی تلواریں سونٹے کھڑکی میں سے کود کر آ گئے۔ دوسرے دن مسجد کے سامنے اس علاقے کے لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہاں چند ایک سرکاری اہل کار بھی تھے جو لوگوں کو باری باری عالم کے اس خفیہ کمرے میں لے جا رہے تھے جہاں صلیب، حضرت عیسیٰ اور مریم کی تصویریں آویزاں تھیں۔ لوگوں کو شراب کی بوتلیں بھی دکھائی گئیں۔ اہل کار لوگوں کو عالم کی اصلیت بتا رہے تھے اور وہ جہاد کا جو نظریہ پیش کرتا رہتا تھا اس کی وضاحت کر رہے تھے۔



سلطان ایوبی کی ہدایت پر علی بن سفیان نے سارے ملک میں جاسوسوں کا جال بچھا

علی بن سفیان نے اس جاسوس کو اور دونوں لوگوں کو اپنے تہہ خانے میں بند کر دیا اور سب سے پہلے اس علاقے میں جا کر تفتیش کی کہ یہ شخص اس مسجد پر تابع کس طرح ہوا اور اس سے پہلے وہ جس جھوٹے میں رہتا تھا وہ اُسے کس نے دیا تھا۔ وہاں کے مختلف لوگوں نے جو بیان دیئے ان سے پتہ چلا کہ یہ شخص دو بیویوں کے ساتھ اس آبادی میں آیا۔ پہلے ایک آدمی کے گھر مہمان رہا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی عالم فاضل ہے تو انہوں نے اسے یہ جھوٹا دے دیا۔ وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا۔ وہاں بہت مدت سے ایک پیش امام تھا۔ یہ شخص پیش امام کا مرید بن گیا۔ پندرہ سولہ روز بعد پیش امام نے مسجد میں ہی پیٹ درد کی شکایت کی۔ یہ شکایت اتنی تیزی سے بڑھی کہ اس کے بعد پیش امام مسجد میں نہ آ سکا۔ حکیموں نے گھر جا کر دیکھا۔ دوائیاں دیں مگر وہ تیسرے روز مر گیا۔ اس کے بعد اس عالم نے لوگوں سے بات کر کے مسجد منبھال لی۔ اس نے ایسا تاثر پیدا کیا کہ لوگ اس کے عقیدت مند ہو گئے اور اس کی ضرورت کے مطابق اسے مکان دے دیا۔

علی بن سفیان کے پوچھنے پر لوگوں نے اسے بتایا کہ انہوں نے کئی بار اس شخص کو پیش امام کے لیے کھانا لے جانے دیکھا تھا۔ علی بن سفیان جان گیا کہ پیش امام کو اس آدمی نے زہر دیا ہے اور اسے راستے سے ہٹا کر مسجد پر قبضہ کیا تھا اس جاسوس کے گھر کی تلاشی میں بہت سے ہتھیار برآمد ہوئے تھے جو مختلف جگہوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ وہاں سے زہر بھی برآمد ہوا۔ وہ ایک کتے کو دیا گیا تو کتا تین دن بے چین رہا اور گرتا اور اٹھتا رہا۔ تیسرے دن شام کے بعد کتا مر گیا۔

علی بن سفیان نے اپنی تفتیش سلطان ایوبی کے آگے رکھی تو سلطان نے اُسے کہا: "ان تینوں کو قید میں خوب پریشان کرو اور انہیں خوفزدہ کیے رکھو، لیکن میں انہیں جلاوٹ کے حوالے نہیں کروں گا اور انہیں قید میں بھی نہیں ڈالوں گا۔"

"بھرا آپ کیا کریں گے؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"میں انہیں حفاظت اور عزت سے واپس بھیج دوں گا" علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھا۔ سلطان نے کہا: "میں ایک جوا کھینا چاہتا ہوں علی! ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بازی لگاؤں یا نہیں۔" اس نے ذرا توقف سے کہا: "کل دوپہر کے کھانے کے بعد نائب سالاروں، مشیروں، اعلیٰ کمانداروں اور انتظامیہ کے ہر شعبے کے سربراہ کو میرے پاس لے آنا۔ تمہاری

الفاظی کو جس صلیبی لڑکی نے موقع پر گرفتار کرایا اور احمد کمال نام کے ایک کماندار کی خاطر اسلام قبول کرنے اور اس کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر ماری گئی تھی۔ اس نے وہ خفیہ الفاظ اور اشارے بتائے تھے جو صلیبی جاسوس ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس کی نشان دہی پر چند ایک مسلمان بھی پکڑے گئے تھے جو صلیبیوں سے زبرد جواہرات اور خوبصورت لڑکیاں لے کر ان کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ انہوں نے بھی علی بن سفیان کے تہہ خانے میں تعیناتی کی تھی کہ یہ الفاظ اور اشارے استعمال ہوتے ہیں۔ اشارے یہ تھے کہ جاسوس جو ایک دوسرے سے پہلی بار ملتے اور ایک دوسرے کے متعلق یقین کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک آسمان کی طرف دیکھ کر کہتا تھا: "معلوم نہیں موسم کیسا رہے گا۔"

وہ ایسی بے پروائی کے سے بچے میں کہتا تھا جیسے یونہی اسے موسم کا خیال آ گیا ہو۔ دوسرا کہتا تھا: "بارش آئے گی۔" اسے جواب ملتا تھا: "آسمان بالکل صاف ہے۔" دوسرا کہتا تھا: "ہم گھٹائیں لائیں گے۔" اور وہ قہقہہ لگاتا تھا۔ قہقہے کی ضرورت یہ ہوتی تھی کہ یہ مکالمہ کوئی اور سن لے یا دوسرا آدمی جاسوس نہ ہو تو وہ یہ سمجھے کہ اس آدمی نے مذاق کیا ہے۔ علی بن سفیان کو بتایا گیا تھا کہ یہ خفیہ مکالمہ اس وقت بدلا جائے گا جب یہ ظاہر ہو جائے گا۔ دوسری بات جو علی نے معلوم کی تھی وہ یہ تھی کہ جاسوس ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتاتے۔ ان کا ہیڈ کوارٹر فلسطین کا ایک قصبہ شوبک تھا جو ایک قلعہ تھا۔ یہ صلیبیوں کا جاسوسی کا مرکز تھا۔

ان انکشافات کے سہارے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان ہر دوپہر میں مسجد میں چلے گئے۔ انہوں نے جہاد کے درس کی خواہش ظاہر کی تو عالم نے خوش پوری کر دی۔ پھر وہ اس کے پاس اکیلے رہ گئے اور ان خفیہ مکالموں نے عالم کو بے نقاب کر دیا۔ اس نے بعد میں بیان دیا تھا کہ وہ اتنا کچا جاسوس نہیں تھا کہ وہ اجنبی آدمیوں کے آگے اپنا آپ ظاہر کر دیتا۔ اُسے ان خفیہ الفاظ نے پھنسا یا، کیونکہ یہ مکالمہ ہر ایک جاسوس کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ جاسوسوں کے اعلیٰ درجے کا مکالمہ ہے۔ اس سے نیچے اس سے کوئی جاسوس واقف نہیں ہوتا۔ اس مکالمے

کے بعد کا قہقہہ خاص طور پر قابل ذکر تھا۔ اس کے بغیر ایک دوسرے پر اپنا راز فاش نہیں کیا جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے قہقہہ لگایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ چھ جاتبا زوں کو بھی لے گیا تھا تاکہ بوقت ضرورت مدد دیں۔

ادھر کی خبریں اُدھر بھیجتے اور تمہارے اُمنہ کے ارادے معلوم کرنے رہتے ہیں۔ ہر شعبے میں میرا رتبہ بہت اونچا ہے۔ میں عالم ہوں۔ اپنے مذہب کا مطالعہ اتنا ہی گہرا کیا جتنا تمہارے مذہب کا۔ انجیل اور قرآن کی تہہ تک پہنچا ہوں۔ میں اعتراض کرتا ہوں کہ تمہارا مذہب بہتر اور سادہ ہے۔ یہ ہر انسان کا مذہب ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ اس کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے مذہب کی اصلیت کو بگاڑ دیا ہے تاکہ اس کی مقبولیت ختم ہو جائے۔ یہودیوں نے مسلمان علماء کے بھیس میں اس میں بے بنیاد روایات شامل کر دی ہیں۔ اسلام تو ہمارے کے خلاف تھا مگر اس ذلت سب سے زیادہ تو ہم پرست مسلمان ہیں۔ میں نے چاند گرہن اور سورج گرہن کے ذلت مسلمانوں کو مسجد سے کرتے اور مندرانے دیتے دیکھا ہے اور ایسی کئی ایک بدعتیں تمہارے مذہب میں شامل کر دی گئی ہیں۔۔۔۔

”ہم ایک نبی موت سے تمہارے اصل نظریات کو بگاڑ رہے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں صرف دو مذہب رہ جائیں گے۔ ایک عیسائیت دوسرا اسلام، اور یہ دونوں اس وقت تک معرکہ آرا رہیں گے جب تک کہ دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔ کسی بھی مذہب کو تیروں اور تلواروں سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ کسی مذہب کو تبلیغ سے بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا یہی ایک طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا تھا۔ میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ اس مہم میں میں اکیلا نہیں۔ پورا ایک گروہ تمہارے نظریات پر حملہ آور ہوا ہے۔“

علی بن سفیان اس کے سامنے ٹھل رہا تھا اور اس کی بانیں غور سے سن رہا تھا۔ اس نے عالم جاسوس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ اس کا ارادہ تو یہ تھا کہ اس جاسوس کو بھی ہر جاسوس کی طرح اذیتوں کے اُسی مرحلے میں سے گزارے گا جہاں کسی بھی لمحے جاسوس سارے راز اُگل دیتے ہیں لیکن اس نے قید خانے کے ایک محافظ کو بلا کر اس آدمی کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھلوادیں اور اس کے لیے پانی اور کھانا منگوایا۔ اس نے کہا: ”میرے اس سلوک کو اگلوانے کا حربہ نہ سمجھنا۔ ہم عالموں کی قدر کیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔ میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ جو کچھ بتانا پسند کرتے ہو بتا دو۔“

”اور میں تمہاری قدر کرتا ہوں علی!“ عالم جاسوس نے کہا۔ ”میں نے

موجودگی بھی ضروری ہے۔“



علی بن سفیان نے اس رات پہلی بار اس ”عالم“ سے گفتگو کی لیکن وہ بڑا سخت آدمی نکلا۔ اس نے کہا: ”غور سے میری بات سن لو علی بن سفیان! ہم دونوں ایک ہی میدان کے سپاہی ہیں۔ تم میرے ملک میں کبھی پکڑے گئے تو مجھے امید ہے کہ تم جان دے دو گے، اپنے ملک اور اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دو گے۔ تم یہی توقع مجھ سے رکھو۔ مجھے معلوم ہے میرا انجام کیا ہوگا۔ اگر میں تمہیں وہ ساری باتیں بتا دوں جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو تو بھی تم لوگ مجھے بخشو گے نہیں۔ مجھے اس تہہ نلنے میں مزہ ہے خواہ تم جلد سے مرادو خواہ اذیت میں ڈال کر مار دو۔ پھر میں کیوں اپنی قوم کو دھوکہ دوں۔“

”مجھے امید ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل دو گے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”کیا تم ان دو لڑکیوں کی عزت بچانے کی خاطر یہ پسند نہیں کرو گے کہ میں جو پوچھوں وہ مجھے بتا دو؟“

”کیسی عزت؟“ اس نے جواب دیا۔ ”ان لڑکیوں کے پاس صرف حسن اور خیر ہے۔ میں یادہ استادی ہے جس سے وہ پتھر دل کو بھی موم کر لیتی ہیں۔ ان کے پاس عزت نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہی تو انہیں سکھایا جاتا ہے کہ اپنی عزت سے دستبردار ہو جاؤ۔ ہم لوگ اپنی جان اور عزت بہت دور بھینک آتے ہیں۔ تم ان لڑکیوں کے ساتھ جیسا بھی سلوک کرنا چاہو کرو۔ انہیں میرے سامنے ذلیل کر لو، میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ لڑکیاں بھی تمہیں کچھ نہیں بتائیں گی۔“

”جاسوس لڑکیوں کو ہم سزائے موت دے دیا کرتے ہیں انہیں ذلیل کبھی نہیں کیا۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”ہمارا مذہب عورت کو اذیت میں ڈالنے کی ہمیں اجازت نہیں دیتا۔“

”میرے دوست!“ جاسوس نے کہا۔ ”تم پہاڑ کا حربہ استعمال کرو یا اذیت کا ہم میں سے کوئی بھی اپنے ان ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کرے گا جو تمہاری سلطنت کی جڑوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم نے لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اس کے عہد تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری جنگ نہیں یہ صلیب اور چاند تارے کی جنگ ہے۔ میں اُن معمولی سے جاسوسوں میں سے نہیں ہوں جو

تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قوم میں اخلاقی تباہی کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں۔ عرب کے اصرار و زور تو پوری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ صلاح الدین ایوبی میدان جنگ میں صلیبیوں کو شکست دے کر سلطنت اسلامیہ کو وسیع تر کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر صلیبیوں نے ایسے پہلو سے حملہ کیا تھا جسے روکنا سلطان ایوبی کے بس سے باہر نظر آتا تھا.... علی بن سفیان عالم جاسوس کی کوٹھڑی بند کرا کے اُن کو ٹھہرائی کے سامنے جا کھڑا ہوا جن میں لڑکیاں قید تھیں۔ وہ ایک کوٹھڑی کھلوا کر اندر چلا گیا۔ لڑکی فرش پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علی اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔



اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد فوج اور انتظامیہ کے تمام حاکم اور عہدیدار اس کمرے میں جمع تھے جہاں صلاح الدین ایوبی انہیں احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ ان سب کو پتہ چل چکا تھا کہ ایک جاسوس دو لڑکیوں کے ہمراہ پکڑا گیا ہے۔ وہ آپس میں چپے میگوئیاں کر رہے تھے کہ سلطان ایوبی آگیا۔ اس نے سب کو گہری نظر سے یوں دیکھا جیسے ان میں سے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

”میرے عزیز ساتھیو!“ اس نے کہا۔ ”آپ نے سُن لیا ہوگا کہ ہم نے ایک مسجد سے ایک صلیبی کو پکڑا ہے جو وہاں باقاعدہ امام بنا ہوا تھا۔“ اس نے تفصیل سے بتایا کہ اُسے کس طرح پکڑا گیا ہے۔ پھر انہیں وہ باتیں سنائیں جو جاسوس نے علی بن سفیان کے ساتھ قید خانے میں کی تھیں۔ علی بن سفیان یہ باتیں سلطان ایوبی کو سنا چکا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ”میں نے آپ کو یہ وعظ سنانے کے لیے نہیں بلایا کہ جاسوسوں اور تخریب کاروں سے بچو۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے والے کے لیے میں یہ دنیا جہنم بنا دوں گا۔ میں اب کسی غدار کو سزائے موت نہیں دوں گا موت سب کا ذریعہ ہے۔ میں نے اب غدار کے لیے یہ سزا مقرر کی ہے کہ اس کے گلے میں رسی ڈال کر ایک تختی آگے اور ایک پیچھے دھکا کر اسے ہر روز بازاروں میں گھما پھرا کر چوک میں کھڑا کر دیا جائے گا تختیوں پر لکھا ہوگا۔ ”میں غدار ہوں۔“ اسے ہر روز صبح سے شام کھڑا رکھا جائے گا تا آنکہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے گا اور اس کی لاش شہر سے باہر پھینک دی جائے گی۔“

تمہاری بہت تعریف سنی ہے۔ تم میں فن کا کمال بھی ہے اور جذبے کی حرارت بھی۔ تمہارے لیے سب سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ صلیبی بادشاہ تمہیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کے ہم پلہ ہو.... میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں نے علم سے یہ حاصل کیا ہے کہ کسی قوم کے تہذیب و تمدن اور مذہب کو بگاڑ دو تو فوجوں کے حملے اور جنگ و جدل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں جنسی آگ بھڑکا دو۔ یقین نہ آئے تو اپنے مسلمان حکمرانوں کی حالت دیکھ لو۔ تمہارے رسولؐ نے کہا تھا کہ نفس کو مارو کہ یہی تباہی کی جڑ ہے۔ تمہاری قوم نے اس پر کب تک عمل کیا؟ رسولؐ کی زندگی تک۔ یہودیوں نے اپنی حسین لڑکیوں سے تمہاری قوم کو بھڑکایا۔ آج تمہاری قوم نفس کی غلام ہو گئی ہے۔ تم میں جس کے پاس دولت آجاتی ہے وہ سب سے پہلے حرم کو عورتوں سے بھرتا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ غریب ہی ہو، چار بیویاں ضرور رکھنا چاہتا ہے۔ یہودیوں نے مولویوں کے روپ میں تمہارے نظریات میں جنسیت ڈال دی۔ اگر اپنے رسولؐ کی ہدایت پر مسلمان عمل پیرا رہتے تو میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ آج دنیا کا تین چوتھا حصہ مسلمان ہوتا، مگر اب یہ حال ہے تین چوتھا حصہ مسلمان برائے نام مسلمان ہیں اور تمہاری سلطنت سکرٹنی سمنٹی چلی جا رہی ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ اس حملے کا نتیجہ ہے جو مجھ جیسے عالموں نے تمہارے مذہب اور تہذیب و تمدن پر کیا ہے۔

”میرے دوست! یہ حملے جاری رہیں گے۔ میں پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ ایک روز اسلام اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا تو ایک فرسودہ نظریے کی شکل میں موجود رہے گا اور اس کے پیروکار جنسی لذت میں مست ہوں گے۔ ہر کوئی صلاح الدین اور نور الدین نہیں بن سکتا۔ انہیں کل پرسوں مر جانا ہے۔ ان کے بعد جو آئیں گے، انہیں ہم نفس پرستی میں مبتلا کر دیں گے۔ مجھے قتل کر دو۔ میری ہم کو قتل نہیں کر سکو گے۔ انسانوں کے مرنے سے مقاصد نہیں مر جاتا کرتے۔ میری جگہ کوئی اور آئے گا۔ ہم اسلام کو ختم کر کے یا اپنا غلام بنا کر دم لیں گے.... اب چاہو تو مجھے جلاوے کے حوالے کر سکتے ہو۔ میں اور کچھ نہیں بتاؤں گا۔“

علی بن سفیان نے اس سے اور پوچھا بھی کچھ نہیں۔ وہ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس کا کام کس قدر دشوار اور کتنا نازک ہے۔ اس صلیبی تخریب کار نے جو کچھ کہا پس

جائے گی جس کے لواحقین کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ اس کا جنازہ پڑھیں
اسے دفن کریں....

"لیکن میرے عزیز دوستو! اس سے دشمن کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ایک اور
غدار پیدا کر لے گا۔ جب تک اس کے پاس عورت کی بے حیائی اور زور و سواہرات
کی فراوانی اور ہمارے پاس ایمان کی کمی ہے، وہ غدار پیدا کرتا رہے گا۔ کیا یہ آپ
کی غیرت کے لیے چیلنج نہیں کہ آپ کا دشمن آپ کی مسجد میں بیٹھ کر آپ کا قرآن ہاتھ
میں لے کر آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مسخ کرے؟ اس پہلو پر
بھی غور کریں کہ صلیبی جو لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے اور ہماری قوم کی کردار
کشی کے لیے بھیج رہے ہیں، ان میں بہت سی لڑکیاں مسلمانوں کی بچیاں ہیں جنہیں
ان کفار نے قافلوں سے اغوا کیا اور انہیں بدکاری کی شرمناک تربیت دے کر جاسوسی
کے لئے تیار کیا ہے۔ فلسطین کفار کے قبضے میں ہے۔ وہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد
مورہا ہے، وہ مختصراً یہ ہے کہ صلیبی ان کے گھروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ وہ فریاد کرتے
ہیں تو قید خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کی کسن بچیوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ ان
میں جو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی ہیں ان کے ذہنوں سے مذہب اور قومیت نکال
دی جاتی ہے اور انہیں بے حیائی کی تربیت دے کر مردوں کو انگلیوں پر سچانا سکھا کر
انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔
اس گروہ میں ان کی اپنی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان میں تو شرم و حجاب اور عصمت کی
کوئی قدر ہی نہیں۔ وہ مسلمان بچیوں کو بھی بری کے لیے استعمال کرتے ہیں....

"انہوں نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو وہ وہاں سب سے بڑا جو انقلاب لائے وہ
یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے جینا حرام کر دیا۔ ان کا قتل عام کیا، ان کے گھروں کو
کو لوٹ لیا، مسجدوں کو ملبوں اور گرجوں میں بدل دیا، مسلمان بچیوں کو اغوا کر کے انہیں
قید خانوں میں بٹھا دیا گیا، جو خوبصورت نکلیں انہیں تخریب کاری اور بدکاری کی تربیت
دے کر ہمارے امیروں اور وزیروں کے حرموں میں داخل کر دیا اور انہیں ہمارے خلاف
بھی استعمال کیا۔ مسلمان گھرانوں کی بچیوں کے گھروں میں انہوں نے صلیب لٹکا دی۔

مسلمان جو فلسطین سے بھاگے اور ہمارے پاس پناہ لینے کے لیے قافلہ در قافلہ چلے
انہیں راستے میں شہید کر دیا گیا۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی آبروریزی سرعام ہوئی
اور میرے کلمہ گو بھائیو! یہ سلسلہ رکا نہیں۔ ابھی تک جاری ہے۔ صلیبیوں کا مقصد

مرث یہ ہے کہ اسلام کا کوئی نام لیوا زندہ نہ رہے اور مسلمان لڑکیاں عیسائیوں کو جہنم دیں۔
ہم سب پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے کہ ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں اور ان کی بچیوں
کو فراموش کیے بیٹھے ہیں جو وہاں ذلت اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس
سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان شہیدوں کو بھی فراموش کیے بیٹھے ہیں جو صلیبیوں
کی بربریت کا شکار ہوئے.... میں آپ کو کوئی حکم دینے سے پہلے آپ سے پوچھنا ہوں
کہ اس صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ میں تجربہ کار فوجی ہیں اور انتظامیہ
کے حاکم بھی۔"

پرانی عمر کا ایک کمانڈر اٹھا۔ اس نے کہا۔ "امیر مصر! ہمیں آپ کے حکم کی ضرورت
ہی کیا ہے۔ یہ حکم خداوندی ہے کہ تمہارے پڑوس میں مسلمان نسل پر ظلم ہو رہا ہو اور وہاں
کے مسلمان خدا کو مدد کے لیے پکار رہے ہوں تو ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس ملک پر
فوج کشی کر کے اپنے کلمہ گو بھائیوں کو نجات دلائیں۔ ہمیں فلسطین پر فوج کشی کرنی
چاہئے۔"

نائب سالار کے رتبے کے ایک اور شخص نے اٹھ کر جوش سے کہا۔ "کفار پر
فوج کشی سے پہلے آپ ان مسلمان حاکموں اور امراء پر فوج کشی کریں جو درپردہ کفار کے
ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ صورت حال باعث شرم ہے کہ ہماری صفوں میں
غدار بھی ہیں۔ فیض الفاطمی کے رتبے کا آدمی غدار ہو سکتا ہے تو چھوٹے عہدوں پر کیا بھروسہ
کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمان بچی کی آبروریزی کا انتقام لینے کے لیے ساری قوم کو فنا ہو جانا
چاہئے مگر یہاں ہماری ایک پوری نسل کی آبروریزی ہو رہی ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ
ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ صلیبیوں نے ہماری بچیوں کو بدکاری کے لیے تیار کیا اور ہم سے ان کے
ساتھ بدکاری کو رہا ہے ہیں۔ محترم امیر! اگر میں جذباتی نہیں ہو گیا تو مجھے یہ تجویز پیش کرنے
کی اجازت دیں کہ ہمیں فلسطین لینا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے قبیلہ اول کو بری کا مرکز
بنا دیا ہے۔"

ایک اور آدمی اٹھا لیکن سلطان ایوبی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بٹھا دیا اور
کہا۔ "میں یہی سننا چاہتا تھا۔ آپ میں سے جو میرے قریب رہتے ہیں جانتے ہیں کہ میرا دین
ہدف فلسطین ہے۔ میں مصر کی امارت کے فرائض سنبھالتے ہی فلسطین پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر
دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، ایمان فروشوں نے مجھے مصر میں ایسا الجھایا ہے جیسے میں
دلیل میں پھنس گیا ہوں۔ ذرا ان دو سالوں کے واقعات پر غور کریں۔ آپ صلیبی تخریب کاروں

جس کا ایک کوارٹر کھلا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے ٹپٹپٹے ٹپٹے کہا۔ "میں فوری طور پر کرک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں؟"

کرک فلسطین کا ایک فنو نما قصبہ تھا۔ دوسرا مشہور قصبہ شوبک تھا۔ یہ بھی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ شوبک کو صلیبیوں نے مرکز بنا رکھا تھا۔ صلیبی بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر شوبک میں ہی اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہیں صلیبیوں کی انتہیلی جنس کا ہیڈ کوارٹر تھا اور یہ جاسوسوں کا ٹریننگ کیمپ تھا۔ سلطان ایوبی کے فوجی اور شہری انتظامیہ کے حلقوں میں یہ خیال یقین کی حد تک تھا کہ سلطان ایوبی سب سے پہلے شوبک پر حملہ کرے گا کیونکہ اس جگہ کی اہمیت ہی ایسی تھی۔ اگر اس مضبوط اڈے کو سر کر لیا جاتا تو صلیبیوں کی کمر توڑی جاسکتی تھی۔ مگر سلطان ایوبی کہہ رہا تھا کہ پہلے کرک پر حملہ کیا جائے گا۔ یہ تو ثانوی اہمیت کی جگہ تھی۔ ایک نائب سالار نے کہا۔ "محترم! آپ کا حکم سرانگھوں پر، میری ناقص رائے یہ ہے کہ پہلے شوبک سر کر لیا جائے۔ دشمن کی مرکزی کمان ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم نے شوبک لے لیا تو کرک لینا کوئی مشکل نہ ہوگا اور اگر ہم نے کرک پر طاقت ضائع کر دی تو شوبک لینا ناممکن ہو جائے گا۔"

دوسرے کمرے میں جاسوس بیٹھے تھے۔ درمیانی دروازے کا ایک کوارٹر کھلا تھا۔ سلطان ایوبی کے کمرے کی آوازیں اس کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ عالم جاسوس کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ آہستہ آہستہ سرک کر دروازے کے ساتھ ہو گیا۔ اس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا۔ "میں درجہ بدرجہ پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں۔ کرک شوبک کی نسبت آسان شکار ہے میں اس پر قبضہ کر کے اسے اڈہ بنا لوں گا۔ ملک منگوا کر اور فوج کو کچھ عرصہ آرام دے کر پوری تیاری کے بعد شوبک پر حملہ کر دوں گا۔ اس قصبے کا دفاع، ہمارے جاسوسوں کے کہنے کے مطابق، اتنا مضبوط ہے کہ ہمیں لمبے عرصے تک اسے محاصرے میں رکھنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ کرک پر ہماری زیادہ طاقت ضائع نہیں ہوگی۔ ہمیں پہلے ایک اڈہ چاہئے اور ایسی رسد گاہ جہاں سے ہمیں فوری طور پر رسد ملتی رہے۔"

عالم جاسوس دروازے کے ساتھ بیٹھا سُن رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی اس کے پاس آ بیٹھیں۔ علی بن سفیان نے بھی دھیان نہ دیا کہ ایسی راز کی باتیں جاسوسوں کے کانوں میں پہنچ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان نے اس لیے

اور غداروں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ سوڈانیوں کو ہمارے خلاف لڑانے والے ہم میں سے ہی ہیں۔ سوڈانی جیشیوں سے مصر پر حملہ کرانے والے ہمارے اپنے سالار اور کمانڈر تھے۔ وہ اس قوی خزانے سے تنخواہ لیتے تھے جس میں قوم کا پیسہ ہے اور جس میں خدا کے نام پر دی ہوئی زکوٰۃ کا پیسہ ہے۔ میں نے اس امید پر دو سال گزار دیئے ہیں کہ میں جاسوسوں، انہیں پناہ اور مدد دینے والوں اور ایمان فروشوں کو ختم کر کے فلسطین پر حملہ کروں گا، لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تخریب کاری کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ کیوں نہ اس چشمے کو باکر بند کیا جائے جہاں اسلام دشمنی کے سامان پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم صلیبیوں کو خود موقع دے رہے ہیں کہ وہ ہماری صفوں میں غدار پیدا کریں۔۔۔۔

"میں نے آپ کو آج اس لیے بلایا ہے کہ فلسطین پر حملے میں اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی۔ فوج کی جنگی مشقیں اور تربیت تیز کر دو۔ مجاہدین کو لمبے عرصے کا محاصرہ کرنے کی مشق کراؤ۔ لمحے ترک اور شامی دستوں پر پورا اعتماد ہے۔ مصریوں اور وفادار سوڈانیوں میں جذبہ پیدا اور پختہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں دشمن کے خلاف فہر اور غضب پیدا کر دو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ ان میں غیرت پیدا کرو اور انہیں بتاؤ کہ وہ تمہاری ہی بنیں اور بیٹیاں ہیں جو صلیبیوں کی دزدگی کا شکار ہو رہی ہیں۔۔۔۔ آپ میں انتظامیہ کے جو حضرات ہیں ان کے ذمے یہ فرض ہے کہ وہ مسجدوں کے پیش اماموں سے کہیں کہ لوگوں پر جہاد کی غرض و غایت واضح کریں اور نو عمر لڑکوں میں عسکری خیالات پیدا کریں۔ کوئی بھی پیش امام یا خطیب اسلامی نظریات کو غلطی سے یا دانستہ غلط رنگ میں پیش کرتا ہے اسے امامت کے فرائض سے سبکدوش کر دیں۔ اگر کردار مضبوط ہو تو کوئی کشش اور کوئی انگیزش گمراہ نہیں کر سکتی۔ ذہنوں کو نارغ نہ رہنے دیں، کھانا چھوڑیں۔ ورنہ دشمن انہیں استعمال کرے گا۔۔۔۔ فوجوں کے کوچ کے احکامات آپ کو جلدی مل جائیں گے۔ اللہ آپ کا حامی اور ناصر ہے۔"



سات روز گزر گئے۔

عالم جاسوس اور دونوں لڑکیوں کو سلطان ایوبی نے ملاقات کے لیے بلایا۔ انہیں لایا گیا تو سلطان ایوبی نے کہا کہ انہیں دوسرے کمرے میں بٹھا دو۔ ان کے پاؤں میں جڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں تھیں۔ انہیں جس کمرے میں بٹھا یا گیا وہ سلطان ایوبی کے خاص کمرے کے ساتھ تھا۔ دونوں کے درمیان ایک دروازہ تھا،

ان میں حاتم الاکبر نام کا ایک مصری مسلمان بھی بیٹھا تھا۔ وہ انہیں یہ خبریں تفصیل سے سنا چکا تھا کہ خلیفہ العاصد معزولی کے بعد مرچکا ہے۔ مصر اب بغداد کے خلیفہ کے تحت آگیا ہے۔ صلیبیوں کا وفادار مسلمان نائب سالار جب پراسرار طریقے سے مارا جا چکا ہے۔ وہ جن تین لڑکیوں کو شوبک سے لے گیا تھا وہ ماری جا چکی ہیں اور صلیبیوں کا ایک اور وفادار مسلمان فوجی ماکم فیض العاطمی بھی جلاد کے ہاتھوں مروا دیا گیا ہے۔ اب حاتم الاکبر نے انہیں یہ خبر بد سنائی کہ جس عالم جاسوس کو دو لڑکیوں کے ساتھ قاہرہ بھیجا گیا تھا وہ عین اس وقت لڑکیوں سمیت گرفتار ہو گیا ہے جب اس کا مشن کامیاب ہو رہا تھا۔

”یہ ثبوت ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا سراغ رسانی کا نظام بہت ہوشیار ہے۔“ کونارڈ نے کہا۔ ”کونارڈ صلیبیوں کا مشہور حکمران اور فوجی کمانڈر تھا۔ اس نے کہا۔“ ان لڑکیوں کو وہاں سے آزاد کرانا ممکن نہیں۔ نہایت اچھی لڑکیاں منائے ہوئی جا رہی ہیں۔“

”صلیب کی خاطر ہمیں یہ قربانی دینی پڑے گی۔“ صلیبیوں کے ایک اور بادشاہ اور فوجی کمانڈر گے آف لوزینان نے کہا۔ ”ہمیں بھی مرنا ہے۔ ہمارے جو آدمی پکڑے گئے ہیں ان میں سے دو بھول جاؤ۔ ان کی جگہ اور آدمی بھیجو۔ یہ دو لڑکیاں کہاں سے آئی تھیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”اور وہ تین لڑکیاں کون تھیں جو رجب کے ساتھ ماری گئی تھیں؟“ ”ان میں دو عیسائی تھیں۔“ ان کے اٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا۔

”دونوں اطالوی تھیں اور تین مسلمان تھیں۔ انہیں بچپن میں اڑایا گیا تھا۔ بہت خوبصورت تھیں، جوانی تک انہیں یاد نہیں رہا تھا کہ وہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں بچپن میں ہی اس فن کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ یہ شک نہیں کیا جاسکتا کہ انہیں چونکہ معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے انہوں نے ہمیں دھوکا دیا۔“

”مسلمان تھیں تو کیا؟“ کونارڈ نے کہا اور حاتم الاکبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”ہمارا پیارا دوست حاتم بھی تو مسلمان ہے۔ کیا اسے اپنے مذہب کا پاس نہیں؟“ اس نے شراب کا گلاس حاتم کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ ”حاتم جانتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی مصر کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے اور وہ اسلام کے نام پر کھیل رہا ہے۔ ہم مصر کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر میں چپن سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔“

حاتم الاکبر صلیبیوں کی شراب میں بدست اس کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ اس نے

احتیاط نہ کی ہو کہ ان جاسوسوں کو شوبک واپس تھوڑے ہی جانا تھا۔ انہیں تو ساری عمر قید میں گزارنی تھی یا جلاد کے ہاتھوں مرنا تھا۔ عالم جاسوس نے لڑکیوں سے سرگوشی میں کہا۔ ”کاش، ہمیں سے کوئی ایک یہاں سے نکل سکے اور صلاح الدین ایوبی کے اس ارادے کی اطلاع شوبک اور کرک تک پہنچا دے۔ یہ کتنا قیمتی راز ہے، اگر پہلے ہی وہاں پہنچا دیا جائے تو مسلمانوں کی فوج کو کرک کے راستے میں ہی روائی ہیں اُلھا کر اس کی طاقت ختم کی جاسکتی ہے۔ ان کا حملہ کرک سے دُور ہی پسپائی میں بدلا جاسکتا ہے۔“

”ہمیں مکمل رازداری کی ضرورت ہے۔“ سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہلے ہوئے کہ رہا تھا۔ ”اگر صلیبیوں کو ہمارے حملے کی خبر قبل از وقت ہوگئی تو ہم کرک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ ہمیں راستے میں روک لیں گے۔ ہمارے لیے خطرہ یہ ہے کہ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری فوج بہت کم ہے۔ صلیبیوں کی فوری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے گھوڑے اور ہتھیار ہم سے بہتر ہیں۔ ان کے خود لوہے کے ہیں اور وہ زرہ بکتر بھی پہنتے ہیں۔ اس سے ہمارے تیر انداز بیکار ثابت ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ صلیبیوں کو بے خبری میں جالوں تاکہ انہیں کھلے میدان میں لڑنے کا موقع نہ ملے۔ اگر وہ کھلے میدان میں لڑے تو ہمارے عقیدے میں رکھ دیں گے۔ اس کا نتیجہ پسپائی اور شکست کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ میں وہ راستہ اختیار کروں گا جو جاریب کے ٹیلوں میں سے گزرتا ہے۔ یہ بڑا وسیع اور عریض علاقہ ہے۔ مجھے خطرہ مرنے کا نظر آ رہا ہے کہ صلیبی راستے میں آکر لڑے تو ہمیں شکست کے لیے تیار رہنا چاہئے۔“

”اس کا علاج یہ ہے کہ فوج کو تین چار حصوں میں تقسیم کر کے صرف رات کے وقت کوچ کرایا جائے۔ دن کے وقت کوئی حرکت نہ کی جائے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”راستے میں کوئی بھی اجنبی آدمی یا قافلہ نظر آئے اسے روک لیا جائے اور کرک تک پہنچے تک اسے اپنے ساتھ رکھا جائے۔ جاسوسی کے خلاف یہی اقدام کارگر ہو سکتا ہے۔“

اس وقت جب عالم جاسوس اور دو لڑکیاں سلطان ایوبی کی زبان سے اس قدر نازک اور اہم منصوبہ سن رہی تھیں، شوبک کے قلعے میں صلیبیوں کی اہم شخصیتوں اور کمانڈروں کی کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ پریشان سے تھے۔

اس وقت سلطان ایوبی اپنے دونوں بیٹوں اور علی بن سفیان کو اپنے اس منصوبے سے آگاہ کر رہا تھا کہ وہ کرک پر حملہ کرے گا۔ اس نے بیس روز بعد کا دن بتایا جب اسے فوجوں کو کوج کرانا تھا۔ یہ تمام تر منصوبہ عالم جاسوس اور دو لڑکیاں ساتھ والے کمرے میں سن رہی تھیں۔ عالم نے ایک بار پھر لڑکیوں کے ساتھ افسوس کا اظہار کیا کہ انہیں ایک راز معلوم ہو گیا ہے مگر وہ اسے شوبک تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک لڑکی نے کہا: ”میں کوشش کروں گی کہ صلاح الدین ایوبی مجھے پسند کر لے۔ اگر فتور سی دیر کے لیے بھی وہ مجھے اپنے ساتھ تنہائی میں رکھ لے تو میں اس سے رہائی پاؤں گی۔ مجھے اُمید ہے کہ میں اس کی عقل پر قبضہ کروں گی۔“

”معلوم نہیں اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟“ عالم جاسوس نے کہا۔ ”تم دونوں یاد رکھو۔ اگر وہ تمہیں اکیلے اکیلے بلائے تو دونوں یہ کوشش کرنا کہ اسے حیلان بنا سکے۔ اگر وہ شراب پئے تو تم جانتی ہو کہ اسے کتنی پلا کر بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔ وہ بیہوش ہو جائے تو فرار کا طریقہ تم جانتی ہو اور دونوں کو معلوم ہے کہ تمہیں کس کے پاس پہنچنا ہے۔ اس کا گھر مسجد کے بالمقابل ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔“ ایک لڑکی نے کہا۔ ”مہدی ابادان۔“

”یہاں؟“ عالم نے کہا۔ ”اگر تم مہدی تک پہنچ گئیں تو وہ تمہیں شوبک تک پہنچا دے گا۔ میرے فرار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے ایوبی کا منصوبہ سن لیا ہے۔ کوج کی تاریخ یاد رکھو۔ راستہ یاد کرو۔ کوج رات کے وقت ہوا کرے گا۔ دن کے وقت اس کی فوج کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ حملہ کرک پر ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اطلاع قبل از وقت پہنچ گئی تو ہماری فوج ایوبی کو راستے میں روک لے گی۔ ایوبی اسی صورت حال سے ڈرتا ہے۔ شوبک میں جا کر یہ ناموس طور پر بتانا کہ ایوبی کھلے میدان میں آنے سے سانسے نہیں لڑنا چاہتا کیونکہ اس کے پاس فوج کم ہے۔“

سلطان ایوبی کے کمرے سے ایسی آوازیں آئیں جیسے اجلاس ختم ہو گیا ہو اور نابین باہر جا رہے ہیں۔ عالم اور لڑکیاں فوراً اس جگہ سرک گئیں جہاں انہیں بٹھایا گیا تھا۔ عالم کے کہنے پر انہوں نے سرگھٹنوں میں دسے لیے جیسے انہوں نے کچھ بھی نہیں سنا اور گرد و پیش کا کوئی ہوش نہیں۔ انہیں اپنے کمرے میں قدموں کی آواز سنائی دی تو بھی انہوں نے اہر نہ دیکھا۔ عالم نے اس وقت ادھر دیکھا جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ ”اٹھو۔ میرے ساتھ آؤ۔“ وہ علی بن سفیان تھا۔ علی نے لڑکیوں کو بھی اٹھایا اور انہیں سلطان ایوبی کے کمرے میں لے گیا۔

”کہا۔“ میں اب وہاں ایسا انتظام کروں گا کہ آپ کا کوئی آدمی وہاں پکڑا نہیں جائیگا۔“ اگر ہم مصر میں یہ زمین مدد گزار جاری نہ رکھتے تو صلاح الدین ہم پر کبھی کا حملہ کر چکا ہوتا۔ ایک سیلیبی کانڈر نے کہا۔ ”یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم اس کی طاقت اس کے اپنے آدمیوں پر ضائع کر رہے ہیں۔“

”کیا اس کے اور علی بن سفیان کے خاتمے کا ابھی کوئی انتظام نہیں ہوا؟“ کونارڈ نے پوچھا۔

”کئی بار ہو چکا ہے۔“ انٹیلی جنس کے سربراہ نے کہا۔ ”لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔“ ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں پتھر قسم کے انسان ہیں۔ نہ وہ شراب پیتے ہیں نہ عورت کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے نہ انہیں شراب میں کچھ دیا جاسکتا ہے نہ عورت کے ہاتھوں مر دیا جاسکتا ہے۔ اب کامیابی کی توقع ہے۔ ایوبی کے باڈی گارڈز میں چار آدمی قتل ہوئے ہیں۔ انہیں میں نے بڑی پابندی سے وہاں تک پہنچایا ہے۔ جب بھی موقع ملا وہ دونوں کو یا ایک کو ختم کر دیں گے۔“

”کیا ہمارے ہاں ایوبی کے پیچھے ہوئے جاسوس ہیں؟“ گے آف لوزینان نے پوچھا۔ ”یقیناً ہیں۔“ انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا۔ ”جب سے ہم نے مصر میں اپنے ادھر شام میں جاسوسی اور تباہ کاری کا سلسلہ شروع کیا ہے صلاح الدین نے بھی اپنے جاسوس ہمارے ہاں بھیج دیئے ہیں۔ ان میں سے دو پکڑے گئے ہیں۔ وہ افریقہ سے مر گئے مگر اپنے کسی تیسرے ساتھی کی نشاندہی نہیں کی۔“

”ان کی کامیابی کس حد تک ہے؟“

”بہت مددگار۔“ دوسرے نے جواب دیا۔ ”کرک میں ہماری رسد کو جو آگ لگی تھی جس میں آدمی رسد جل گئی اور گیارہ گھوڑے زندہ جل گئے تھے، وہ ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں کا کام تھا۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ہماری جنگی کیفیت اور اہلیت کی پوری معلومات صلاح الدین ایوبی کو ملتی رہتی ہیں۔ اس کے جاسوسوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ جان پر کھیل جاتے ہیں اور کام پوری دیانت داری سے کرتے ہیں۔“

ان میں بہت دیر اس مسئلے پر بحث ہوتی رہی کہ مصر اور شام میں تخریبی کارروائیوں کو کس طرح تیز اور مزید تباہ کن کیا جاسکتا ہے۔ حاتم الاکبر انہیں سلطان ایوبی کی حکومت کی کمزور رگیں اور مضبوط پہلو دکھا رہا تھا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ حاتم الاکبر کو کچھ آدمی اور دو تین لڑکیاں دی جائیں۔

”میں تمہارے علم اور تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔“ سلطان ایوبی نے عالم باسوس سے کہا۔ ”ان کی زنجیریں کھول دو۔۔۔۔۔ تم تینوں بیٹھ جاؤ۔“ علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ سلطان ایوبی نے عالم سے کہا۔ ”لیکن تم علم کو کس شیطانی کام میں استعمال کر رہے ہو۔ اس کی بجائے تم یہاں آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تو میں تمہاری نقد دل کی گہرائیوں سے کڑا کر تم اپنے مذہب اور اپنے نبی کی خدمت کر رہے ہو۔ کیا تمہارے مذہب میں یہ دعا ہے کہ تم دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں اُس کے مذہب میں جھوٹ شامل کرو؟ کیا تمہارے دل میں اپنی مقدس صلیب کا، حضرت عیسیٰ کا اور کنواری مریم کا یہ احترام ہے کہ جھوٹ اور ابلیت جیسے بکیر و گناہ کر کے تم ان کی عبادت کرتے ہو؟“

”یہ جھوٹ میرے فرائض میں شامل ہے۔“ عالم نے کہا۔ ”میں نے جو کچھ کیا

مقدس صلیب کے لیے کیا۔“

”تم کہتے ہو کہ تم نے انجیل اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”کیا ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی انسان کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اس قسم کی نوخیز لڑکیوں کو بکاری کی راہ پر ڈالو اور غیر مردوں کے پاس بھیج کر اپنی مطلب براری کر دے؟ کیا انبیل کے یوں ہی سلوک کیا جائے؟“

”میں نے ان دونوں کی طرف اپنی عصمت غیر کے حوالے کر دے کیا تم نے کسی مسلمان لڑکی کو قرآن اور اسلام کے نام پر اپنی عصمت غیر مردوں کے حوالے کرتے کبھی دیکھا ہے؟“

”اسلام کو میں عیسائیت کا دشمن سمجھتا ہوں۔“ عالم نے کہا۔ ”مجھے جو زہر باغداد آئے گا اسلام کی رگوں میں ڈالوں گا۔“

”تم اتنے میٹھے زہر سے چند ایک مسلمانوں کے کردار کو ہلاک کر سکتے ہو۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔“ اس نے لڑکیوں سے کہا۔ ”تم کس غلامان کی بیٹیاں ہو؟ معلوم ہے تمہیں؟ اپنی اہلیت جانتی ہو تو مجھے بتاؤ۔“ دونوں خاموش رہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”تم نے اپنی پاکیزگی ختم کر لی ہے۔ اب بھی تم کسی باعزت گھر کی قابلِ احترام بیویاں بن سکتی ہو؟“

”میں قابلِ احترام بیوی بننا چاہتی ہوں۔“ ایک لڑکی نے کہا۔ ”کیا آپ مجھے قبول کریں گے؟ اگر نہیں تو مجھے کوئی باعزت غلامدوسے دیں۔ میں اسلام قبول کر کے گناہوں سے توبہ کر لوں گی۔“

سلطان ایوبی مسکرایا اور خدا سوچ کر کہا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ اس عالم کا علم جلاؤ

کی تموار سے خون میں ڈوب جائے اور میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کی جوانی اور حسن میرے قید خانے میں گنا سڑنا رہے.... سنو لڑکی! تم اگر واقعی گناہوں سے توبہ کرنا چاہتی ہو تو میں تمہیں تمہارے ملک میں بھیج دیتا ہوں، لیکن وہ ملک تمہارا نہیں، ہمارا ہے۔ میں ایک نہ ایک دن اپنا ملک تمہارے بادشاہوں سے لے لوں گا۔ تم جاؤ اور کسی کی بیوی بن جاؤ... میں تم تینوں کو رہا کرتا ہوں۔“

تینوں یوں پر کے جیسے انہیں سوئیاں چھوڑ دی گئی ہوں۔ اتنے میں علی بن سفیان لوہار کے ساتھ کمرے میں آیا اور تینوں کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ سلطان نے کہا۔ ”علی! میں نے انہیں رہا کر دیا ہے۔“ علی بن سفیان کا رد عمل بھی وہی تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سلطان ایوبی کے سنہ کی طرف دیکھتا رہا۔ سلطان نے کہا۔ ”انہیں تین اونٹ دو اور چار مسلح محافظ ساتھ بھیجو جو گھوڑ سوار ہوں۔ نہایت ذہین اور دلیر محافظ جو انہیں شوبک کے قلعے میں چھوڑ کر واپس آجائیں۔ راستے کے لیے سامان ساتھ دو اور آج ہی انہیں روانہ کر دو۔“ اس نے عالم سے کہا۔ ”دباں جا کر یہ غلط فہمی نہ پھیلا دینا کہ صلاح الدین ایوبی جاسوسوں کو بخش دیا کرتا ہے۔ میں انہیں دانے کی طرح بکلی میں پس پس کر مارا کرتا ہوں، تمہیں صحت اس لیے اکڑا رہا ہوں کہ تم عالم سے تین سو روپے کا قرض دے رہا ہوں کہ علم کا روشن پہلو دیکھو۔ تمہاری نجات اسی میں ہے۔“



سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا جب انہیں اونٹوں پر سوار کر کے چار محافظوں کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔ محافظ خاص طور پر منتخب کیے گئے تھے۔ اس انتخاب کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ انہیں صلیبی کمانڈروں کے سامنے جانا تھا۔ وہ خوبرو اور وجہ تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی نہایت اچھی قسم کے بھیجے گئے تھے، مگر سب حیران تھے کہ سلطان ایوبی نے یہ فیاضی کیوں کی ہے۔ دشمن کو بخش دینا اس کا شیوہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے پوچھا تو اس نے اتنا ہی کہا۔ ”علی، میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ایک جوا کھیلنا چاہتا ہوں۔ اگر میں بازی ہار گیا تو صرف اتنا ہی نقصان ہوگا جو میں پہلے ہی اٹھا چکا ہوں کہ دشمن کے تین جاسوس میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔“ علی بن سفیان نے اس جوئے کی وضاحت چاہی لیکن سلطان ایوبی نے اسی پر بات ختم کر دی کہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔

تو اچھا ہے۔ صبح تک ہم بہت دور نکل جائیں گے۔“

دو محافظ آگے اور دو پیچھے اپنی گپ شپ لگاتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ دو اتنی دلکش لڑکیاں ان کی تحویل میں ہیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ایک نے عالم سے کہا کہ ہم ابھی رکیں گے نہیں۔ رات کا پہلا پیر چلنے گزاریں گے۔۔۔ وہ چلتے گئے اور صبح کی رات تارکک ہوتی گئی۔ عالم اور لڑکیاں اونٹوں کو قریب کر کے محافظوں کے قتل کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ بہت دیر بعد ایک سرسبز سی جگہ آگئی۔ محافظ رک گئے اور وہیں پڑاؤ کیا۔ انہوں نے کھانے کے لیے جاسوسوں کو سامان دیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ جاسوسوں نے دیکھا کہ تین محافظ لیٹ گئے تھے اور ایک ٹہل رہا تھا۔ عالم لڑکیوں کے ساتھ محافظوں سے کچھ دور لیٹا۔ ان تینوں کی نظر محافظوں پر تھی۔ وہ چوتھے محافظ کو دیکھتے رہے۔ وہ پڑاؤ کے ارد گرد ٹہلتا رہا۔ ایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ دوڑ کر ادھر گیا اور اچھی طرح دیکھ بھال کر کے آگیا۔ تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اس نے اپنے ایک اور ساتھی کو جگایا اور خود اس کی جگہ لیٹ گیا۔ جو باگ تھا وہ پڑاؤ کے ارد گرد ٹہلنے لگا۔ کبھی جانوروں کے پاس جانکر آئیں دیکھتا اور کبھی سوتے ہوئے انسانوں کو دیکھتا۔ عالم نے لڑکیوں سے کہا۔ ”ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ یہ کمبخت پہرہ دے رہے ہیں، جو ہوگا ہو کے رہے گا، سو جاؤ۔“ اور وہ سو گئے۔

رات گزر گئی۔ صبح ابھی دھندلی تھی جب محافظوں نے انہیں جگایا اور روانہ ہونے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی ترتیب میں چلے جا رہے تھے جس میں ایک روز پہلے تھے۔ تین اونٹ پہلو بہ پہلو، دو محافظ آگے اور دو اونٹوں کے پیچھے۔ وہ ایک بار پھر لڑکیوں سے لائق ہو گئے۔ انہوں نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی تھی جس سے شک ہوتا کہ یہ لوگ ادب و باش یا بد معاش ہیں۔ سورج اُبھرتا آیا۔ پھر یہ قافلہ ٹیلوں کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ مٹی اور ریت کی پہاڑیاں منحنی سی دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں گلیاں سی تھیں اور ان پر پہاڑیوں کا سایہ تھا۔ لڑکیاں ڈرنے لگیں۔ ڈر ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہ میں یہ جگہ بڑے اور قتل وغیرہ کے لیے موزوں تھی مگر محافظ ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ ”ان سے کہو کہ ہمارے ساتھ باتیں کریں“ ایک لڑکی نے عالم سے کہ

باقی سب تو جبران تھے مگر رہا ہونے والے خوشی سے باڈے ہوئے جا رہے تھے۔ خوشی مرث رہائی کی نہیں تھی۔ اصل خوشی اس راز کی تھی جو وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ قاہرہ شہر سے دُور نکل گئے تھے۔ ان کے اونٹ پہلو پہلو جا رہے تھے۔ دو محافظ آگے تھے اور دو پیچھے۔ عالم نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ ان کی زبان سمجھتے ہیں؟ چاروں اپنی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ عالم اور لڑکیاں ان کی زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔ یہ انہیں خاص طور پر سکھائی گئی تھی۔

عالم نے لڑکیوں سے اپنی زبان میں کہا — "خدا نے یسوع مسیح نے معجزہ دکھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے ہمارے ساتھ پیار ہے اور اسے ہماری فتح منظور ہے۔ یہ سچے مذہب کی نشانی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جیسے دانائوں کو خدا نے عقل کا ایسا اندھا کیا ہے کہ انتہائی خطرناک راز ہمارے کانوں میں ڈال کر ہمیں سلا کر دیا ہے۔ ہم اپنی فوج کو ان کا سلا منصوبہ سنائیں گے اور ہماری فوج ایوبی کو صحرا میں گھیر کر ختم کر دے گی۔ اسے کرک تک پہنچنے کی ہمت ہی نہیں ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے کمانڈر جنگ کو حملے تک مدد نہیں رکھیں گے۔ وہ مصر پر ضرور چڑھائی کریں گے۔ مصر فوجوں سے خالی ہوگا۔ یہ فتح بڑی آسان ہوگی"

”آپ عالم ہیں، تجربہ کار ہیں۔“ ایک لڑکی نے کہا۔ ”مگر آپ جسے معجزہ کہہ رہے ہیں وہ مجھے ایک خطرہ دکھائی دے رہا ہے.... خطرہ یہ چار محافظ ہیں۔ کہیں اُگے جا کر یہ ہمیں قتل کر کے واپس چلے جائیں گے۔ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ جلاؤ کے حوالے کرنے کی بجائے ہمیں ان کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ ہمیں جی بھر کے خراب کریں گے اور قتل کر دیں گے۔“

”اور ہم نہتے ہیں۔“ عالم نے یوں کہا جیسے اس کے ذہن سے خوش فہمیاں نکل گئی ہوں۔ اس نے کہا۔ ”تم نے جو کہا ہے وہ درست ہو سکتا ہے۔ کوئی حکمران اپنے دشمن کے جاسوس کو بخش نہیں سکتا اور مسلمان اس قدر جنس پرست ہیں کہ تم جیسی حسین لڑکیوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔“

”ہمیں راتوں کو چوکنا رہنا پڑے گا۔“ دوسری لڑکی نے کہا۔ ”اگر رات کو یہ سو جائیں تو انہیں انہی کے ہتھیاروں سے ختم کر دیا جائے۔ ذرا ہمت کی ضرورت ہے۔“

”ابھی یہ ہمت کرنی پڑے گی۔“ عالم نے کہا۔ ”یہ کام آج ہی رات ہو جائے

سے کھڑے محافظوں اور جاسوسوں کے قافلے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا انداز اور لباس بتا رہا تھا کہ وہ کون ہیں۔

”جانتے ہو یہ کون ہیں؟“ — محافظوں کے کمانڈر نے عالم سے پوچھا۔
 ”مصرائی ڈاکو“ — عالم نے جواب دیا۔ ”معلوم نہیں کتنے ہوں گے۔“
 ”دیکھا جائے گا۔“ — محافظ نے کہا۔ اس نے اٹھتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر ڈاکوؤں کی طرف چلے گئے۔ ان کے پاس تلواروں کے علاوہ برچھیاں بھی تھیں۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر نشتر سوار بلندی کے پیچھے غائب ہو گئے۔ دو محافظ جو پیچھے رہ گئے تھے، قریب کے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ عالم نے لوہیوں سے کہا۔ ”میرا خیال ہے تمہارا نقشہ صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ یہ ڈاکو نہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کے پیچھے ہوئے آدمی معلوم ہوتے ہیں ورنہ یہ محافظ اتنی دیر سے ان کی طرف نہ چلے جاتے۔ ایوبی تم دونوں کو بہت زیادہ ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ میرے لیے تو موت لکھی ہوئی ہے۔ تمہیں بڑی خوفناک سزا دی جائے گی۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آزاد نہیں۔“ ایک لوہی نے کہا۔ ”ہم ابھی تک تیری ہیں۔“
 ”یہی معلوم ہوتا ہے۔“ — دوسری لوہی نے کہا۔

دونوں محافظ واپس آ گئے۔ ان کے ساتھی اور جاسوس ان کے گرد جمع ہو گئے۔
 محافظوں کا کمانڈر جس کا نام صدید تھا انہیں بتانے لگا۔ ”وہ مصرائی ترقاق ہیں۔ ہم ان سے مل آئے ہیں۔ ان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ دونوں جو ہمیں دیکھ رہے تھے کہتے ہیں کہ صبح سے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ تم فوج کے آدمی اور مسلمان معلوم ہوتے ہو لیکن یہ لوہیاں مسلمان نہیں۔ یہ دونوں لوہیاں ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔ میں نے انہیں کہا ہے کہ یہ لوہیاں کسی بھی مذہب کی ہوں، ہمارے پاس امانت ہیں۔ ہم جیتے جی تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ ہم اپنی جانیں ضائع نہ کریں۔ میں انہیں کہہ آیا ہوں کہ پہلے ہماری جانیں ضائع کر دو پھر لوہیوں کو لے مانا۔“ اس نے عالم اور لوہیوں سے پوچھا۔ ”تم کوئی ہتھیار استعمال کر سکتے ہو؟“

”ان لوہیوں کو ہر ایک ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی ہے۔“ عالم نے کہا۔ ”تمہارے پاس برچھیاں ہیں، تلواں بھی ہیں اور تیر کمان بھی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک ہتھیار

ان کی خاموشی اور لائق مجھے ڈرا رہی ہے۔ انہیں کہو کہ ہمیں مارنا چاہتے ہیں تو فوراً مار دیں۔ میں موت کا انتظار نہیں کر سکتی۔“

عالم خاموش رہا۔ وہ لوہیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تینوں ان محافظوں کے رحم و کرم پر تھے۔۔۔۔۔ سوچ سر پہ آگیا تو وہ ان ٹیلوں کے اندر ایسی جگہ رک گئے جہاں ریت کی سلتوں والے ٹیلے تھے اور اوپر جا کر آگے کو جھکے ہوئے۔ ان کے سائے میں انہوں نے قیام کیا۔ کھانے کے دوران عالم نے محافظوں سے پوچھا۔ ”تم لوگ ہمارے ساتھ باقیں کیوں نہیں کرتے؟“

”جو باقیں ہمارے فرض میں شامل نہیں وہ ہم نہیں کیا کرتے۔“ — محافظوں کے کمانڈر نے جواب دیا اور پوچھا۔ ”اگر تم لوگ کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہو تو ہم سنیں گے اور جواب دیں گے۔“

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم کون ہیں؟“ عالم نے پوچھا۔

”تم تینوں جاسوس ہو۔“ — محافظ نے جواب دیا۔ ”یہ لوہیاں بکار ہیں۔ یہ ان آدمیوں کے استعمال کے لیے ہیں جنہیں تم لوگ ہمارے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہو۔ امیر مصر صلاح الدین ایوبی، اللہ اس کے نیک ارادوں میں برکت، تمہیں معلوم نہیں کیوں بخش دیا ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں قلعہ شوبک میں چھوڑ آئیں۔ تم امانت ہو۔۔۔۔۔ تم نے یہ بات مجھ سے کیوں پوچھی ہے؟“

”تمہارے ساتھ باقیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔“ — عالم نے جواب دیا۔
 ”اتنا لمبا سفر اس لائق اور بیگانگی سے بڑا کٹھن ہو رہا ہے۔ ہمارے ساتھ باقیں کرتے چلو۔“

”ہم ہمسفر ہیں۔“ — محافظ نے کہا۔ ”لیکن ہماری منزلیں جدا ہیں۔ دو روز بعد ہم جدا ہو جائیں گے۔“

عالم جاسوس نے جیسے محافظ کا جواب سنا ہی نہ ہو۔ اس کی آنکھیں کسی دور کی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ مصر سے اچھی طرح واقف تھا۔ مصر کے خطروں سے واقف تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور غائبانہ ڈر سے پھٹی جا رہی تھیں۔ محافظ نے اس طرف دیکھا جس طرف عالم دیکھ رہا تھا۔ محافظ کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ کوئی دوسو گز دور ایک بلند جگہ دو اونٹ کھڑے تھے۔ ان پر دو آدمی سوار تھے جن کے چہروں اور سروں پر پگڑیاں لپیٹی ہوئی تھیں۔ اونٹوں کی ٹانگیں نظر نہیں آ رہی تھیں وہ بلندی کے پیچھے تھیں۔ سوار خاموشی

حدید نے لڑکی کو پکار کر کہا۔ ”تم گھوڑے پر بیٹھو اور شوبک کی طرف نکل جاؤ۔ میں ان دونوں کو تمہارے پیچھے نہیں آنے دوں گا۔“ مگر لڑکی وہیں کھڑی رہی۔

حدید نے دونوں کا خوب مقابلہ کیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بار بار کہا۔ ”ایک لڑکی کے لیے اپنی جان مت گنواؤ۔“ حدید نے ہر بار یہی جواب دیا۔ ”پہلے میری جان کو پھر لڑکی کو لے جانا۔“ اور اس نے کئی بار لڑکی سے کہا۔ ”تم یہاں کیوں کھڑی ہو، بھاگو یہاں سے۔“ آخر لڑکی نے کہا۔ ”تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔“ حدید زخمی ہونے لگا۔ اس نے ایک بار پھر لڑکی سے کہا۔ ”میں زخمی ہو گیا ہوں۔ میرے مرنے سے پہلے نکل جاؤ۔“

ایک ڈاکو لڑکی کی طرف گھوما۔ حدید کو موقع مل گیا۔ اس نے برچی اس کے پہلو میں اتار دی، لیکن اس وقت دوسرے ڈاکو کی تلوار اس کے کندھے پر لگی۔ لڑکی نے ایک ڈاکو کو گرتے دیکھ لیا۔ اس نے دوڑ کر اس کی تلوار لے لی اور پیچھے سے آکر دوسرے ڈاکو کی پیٹھ میں برچی کی طرح اتار دی۔ وہ سنبھلنے لگا تو آگے سے حدید کی برچی اس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ ڈاکو بھی ختم ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی حدید بھی کھڑا رہنے کے قابل نہ رہا۔ لڑکی نے اسے سہارا دیا تو اس نے کہا۔ ”تم ٹھیک ہونا، بھے چھوڑو۔ گھوڑے پر بیٹھو اور فوراً شوبک کو روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں خیریت سے پہنچا دے گا۔ شوبک دور نہیں۔ اپنے ساتھیوں کی طرف نہ جانا۔ وہاں شاید کوئی زندہ نہیں ہوگا۔“

”زخم کہاں کہاں ہیں؟“ لڑکی نے اس سے پوچھا۔

”مجھے مرنے دو لڑکی!“ حدید نے کہا۔ ”تم نکل جاؤ۔ خدا کے لیے میرا فرزند تم خود ہی پورا کر دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور قزاق ادھر آئے۔“

لڑکی کی غلط فہمی اور شکوک رفع ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس شخص نے اس کی خاطر جان خطرے میں ڈالی ہے۔ اس نے اسے اکیلا چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ دوڑ کر گئی۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی پانی کی چھاگل کھول لائی اور حدید کے منہ کے ساتھ لگا دی۔ اسے پانی پلا کر چھاگل گھوڑے کے ساتھ باندھ دی اور اس سے پوچھنے لگی کہ اس کے زخم کہاں ہیں۔ حدید نے اسے زخم بتائے تو اس نے اپنے کپڑے بھاڑے اور کچھ ٹکڑے حدید کے لباس سے بھاڑے۔ انہیں پانی میں بھگو کر اس نے حدید کے زخموں پر باندھ دیا۔ اسے اس کام کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس نے حدید کو سہارا دے کر اٹھایا اور گھوڑے تک لے گئی۔ بڑی مشکل سے اسے گھوڑے پر بٹھایا اور دوسرے گھوڑے پر بیٹھنے لگی تو حدید نے کہا۔ ”میں اکیلا گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا گا۔“ وہاں تین

اپنے ساتھیوں کو پکارا لیکن اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اسے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھوڑے کے سر پر دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ حدید سمجھ گیا کہ کوئی ڈاکو ایک لڑکی کو اونٹ کی بجائے کسی محافظ کے گھوڑے پر ڈال کر لے گیا ہے۔ وہ دوڑ کر ایک گھوڑے تک پہنچا۔ زین کسی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگنے والے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز پر تعاقب میں گیا۔ دوسری لڑکی کے متعلق اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ صحرائیں کوئی رکاوٹ، کوئی ندی نالہ نہیں تھا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اگلے گھوڑا بھی اچھی نسل کا تھا۔ فرق یہ کہ اس گھوڑے پر دو سوار تھے۔

کوئی ایک میل بعد حدید کو اگلے گھوڑے کا سایہ نظر آنے لگا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا۔ ناصطدم ہو رہا تھا۔ حدید نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے بھی ایک گھوڑا آ رہا ہے جس کا سوار محافظ بھی ہو سکتا تھا ڈاکو بھی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پچھلا گھوڑا قریب آگیا تھا۔ حدید نے پکارا۔ ”کون ہو؟“ اسے جواب نہ ملا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا اور گھوڑے کو اور زیادہ تیز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی باگ شاید لڑکی کے ہاتھ میں آگئی تھی کیونکہ حدید دیکھ رہا تھا کہ وہ گھوڑا دائیں بائیں ہو رہا ہے اور اس کی زندگی بھی گھٹی جا رہی ہے۔ وہ اس تک پہنچ گیا۔ اس کے پاس برچی تھی۔ اس نے اگلے سوار کے پہلو پر جا کر برچی کا کار کیا لیکن وہ گھوڑا ایک طرف ہو گیا۔ سوار تو بچ گیا برچی گھوڑے کو لگی۔ حدید نے گھوڑا روکا اور گھمایا۔ دوسرا سوار بھی گھوڑے کو گھمانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لڑکی جو اس کے آگے بیٹھی تھی، باگیں ادھر ادھر کر کے گھوڑے کا رخ صحیح نہیں ہونے دیتی تھی۔ حدید نے لڑکی کو پکارا تو لڑکی اور زیادہ دیر ہو گئی۔

سوار لڑکی کو ساتھ لیے گھوڑے سے کود گیا اور اس نے اپنے گھوڑے کو ڈھال بنا لیا۔ حدید اپنے گھوڑے کو گھما کر لڑکا مگر بدھ سے بھی وار کرنے آتا ڈاکو لڑکی کو ساتھ لیے اپنے گھوڑے کی اوٹ میں ہونے لگا۔ آخر حدید گھوڑے سے اتر آیا۔ اتنے میں دوسرا سوار بھی آگیا۔ وہ محافظ نہیں ڈاکو تھا۔ وہ بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ حدید نے انہیں لاکارا۔ ”لڑکی کو نہیں لے جا سکو گے۔“ ایک ڈاکو نے لڑکی کو دبوچے رکھا اور دوسرا حدید سے لڑنے لگا۔ لڑکی کے پاس اب تلوار نہیں تھی۔ دوسرے ڈاکو نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور وہ حدید پر ٹوٹ پڑا۔

ہے۔ میں تمہاری طرح سختیاں برداشت کر سکتی ہوں۔ میں شوہک تک پیدل پہنچ سکتی ہوں۔“

”میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔“ عدید نے کہا۔ ”ڈاکو ہم دونوں کو کتنا قریب لے آئے ہیں مگر ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم میرے ملک کی بنیادیں ہلانے کی کوشش کر رہی ہو اور ایک دن میں تمہارے ملک پر حملہ کرنے آؤں گا۔“

”لیکن اس وقت میری دوستی قبول کرلو۔“ لڑکی نے کہا۔ ”دشمن کی باتیں اُس وقت سوچیں گے جب تم تندرست ہو کر اپنے ملک میں پہلے بازو گے۔“ اس نے عدید کی گردن کے نیچے بازو کر کے اسے اٹھایا۔ عدید اب اٹھ سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا گھوڑے تک پہنچ گیا۔ لڑکی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں رکھا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر سوار کر دیا۔ لڑکی بھی اسی گھوڑے پر سوار ہونے لگی تو عدید نے ہاتھ آگے کر کے اسے روک دیا اور کہا۔ ”تم اب دوسرے گھوڑے پر بیٹھو۔ میں اکیلا سواری کر سکتا ہوں۔“

”اس کے باوجود میں اسی گھوڑے پر بیٹھوں گی۔“ لڑکی نے کہا۔ ”تمہیں اپنے ساتھ لگنا پڑے گا۔“

عدید کی ضد کے باوجود لڑکی اس کے پیچھے سوار ہو گئی اور جب ایک بازو اُس کے سینے پر رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگانے لگی تو عدید نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے فدا اپنے سہارے بیٹھے دو۔“ لڑکی نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا کر اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اس نے عدید سے پوچھا۔ ”میں جانتی ہوں تم مجھے بدکار لڑکی سمجھ کر مجھ سے دور رہنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”نہیں۔“ عدید نے کہا۔ ”میں تمہیں مرٹ لڑکی سمجھ کر دور رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں اپنے قریب کرنے کی خواہش ہوتی تو دو راتیں تم بے بسی کی حالت میں میری قید میں رہی ہو۔ میں تمہیں اپنی لونڈی بنا سکتا تھا لیکن میں نے اپنے اوپر شیطان کا غلبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ اب تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میں امانت میں خیانت کر رہا ہوں۔ میرے اندر گناہ کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔“

”تم پتھر تو نہیں ہو؟“ لڑکی نے اس سے پوچھا۔ ”مجھے تو جس مرد نے دیکھا ہے بھوکی نظروں سے دیکھا ہے۔ میں نے مرٹ اتنی سی قیمت دے کر تمہاری قوم کے دو مومنوں کے ایمان خرید لیے تھے۔“

گھوڑے تھے۔ لڑکی نے یہ دانشمندی کی کہ گھوڑے منافع کرنے مناسب نہ سمجھے۔ دو گھوڑوں کی باگیں ایک گھوڑے کی زین کے پیچھے باندھ دیں اور خود عدید کے پیچھے سوار ہو گئی۔ اس نے عدید کی پیٹھ اپنے سینے سے لگالی اور اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ ”شوہک کی سمت بتا سکتے ہو؟“ لڑکی نے پوچھا۔

عدید نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تارے دیکھے اور ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اس رخ کو چلو۔“ پھر اس نے کہا۔ ”میں شاید زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ خون نکل رہا ہے۔ جہاں کہیں میری جان نکل جائے مجھے وہیں دفن کر دینا اور اگر تمہیں میری نیت پر کوئی شبہ تھا تو وہ دل سے نکال کر مجھے بخش دینا۔ میں نے امانت میں خیانت نہیں کی۔ خدا تمہیں زندہ و سلامت اپنے ٹھکانے پر پہنچا دے۔“

گھوڑا چلا جا رہا تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔



صبح طلوع ہوئی تو عدید نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا اور اپنے آپ کو ہوش میں رکھنے کی سرگوشش کر رہا تھا۔ اس کا خون رک گیا تھا لیکن زیادہ تر خون بہہ جانے سے اُس کا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ لڑکی نے اسے چھوٹے سے تختستان میں اتارا، اسے پانی پلایا۔ گھوڑوں کے ساتھ کچھ کھانے کی چیزیں بندھی ہوئی تھیں، وہ عدید کو کھلائیں۔ اس سے اس کا دماغ صاف ہونے لگا۔ اسے پہلا خیال یہ آیا کہ پہلے وہ اس لڑکی کا محافظ تھا اب اس کا قیدی ہے۔ لڑکی نے اسے لٹا دیا۔ وہ رات بھر گھوڑے پر سوار رہے تھے۔ کچھ دیر کے آرام سے عدید کا جسم ٹھکانے آ گیا۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ ”شوہک دور نہیں شاید ایک دن کی مسافت ہے۔ تم ایک گھوڑا لو اور اسے بھگاتی لے جاؤ، جلدی پہنچ جاؤ گی۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔“

”تم زندہ واپس نہیں پہنچ سکو گے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”اگر میں سے واپس جانا ہے تو مجھے ساتھ لے چلو۔ تم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔“

”میں مرد ہوں۔“ عدید نے کہا۔ ”میرا دل نہیں مان رہا کہ ایک لڑکی میری حفاظت کرے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔“

”میں ان معمولی سی لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو گھروں میں پڑی رہتی ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”اور جو مرد کی حفاظت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتیں۔ مجھے ایک فوجی مرد سمجھو۔ فرق مرٹ یہ ہے کہ میرا ہتھیار میری خوبصورتی، میری جوانی اور میری چرب زبانی

”انہیں چھڑانے کا ہم کوئی طریقہ نہیں سمجھ سکتے۔“ ایک صلیبی ماکم نے کہا۔
 ”یہ قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں۔ ہمارے پاس لوکیوں کی کمی نہیں۔ ہمارے طریقے
 کا سیلاب ہے۔ اسے جاری رکھنے کے لیے اور لوکیاں تیار کرو۔۔۔۔۔ سب آگئے
 ہیں۔ اب وہ راز تباہ ہو تم اپنے ساتھ لائے ہو۔“

عالم جاسوس انہیں سنا چکا تھا کہ وہ تباہی کی ایک مسجد سے کس طرح گرفتار رہا
 تھا۔ قید خانے میں اس کے ساتھ اور لوکیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور سلطان
 ایوبی نے انہیں کس طرح خلافت توقع رہا کیا۔ اس نے یہ بھی سنایا کہ یہ راز سلطان
 ایوبی نے اسے کس طرح دیا ہے۔ اس نے تاریخ بتا کر کہا۔ ”صلاح الدین ایوبی
 اس روز اپنی فوج کو کوچ کرائے گا۔ وہ کرک پر حملہ کرے گا نائب سالار کہ رہے
 تھے کہ شوبک کو پہلے لینا چاہئے کیونکہ یہ زیادہ مضبوط قلعہ ہے لیکن صلاح الدین
 شوبک پر اپنی طاقت مناع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کرک کو کمزور سمجھ کر پہلے اسے لینا
 چاہتا ہے۔ وہاں وہ اپنی فوج اور سرد وغیرہ کا اڈہ بنائے گا۔ سرد جمع کر کے وہ
 کمک بلائے گا اور فوج کو کافی آرام دے کر شوبک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ خاص
 طور پر کہا تھا کہ وہ ہیں بے خبری میں لینا چاہتا ہے اس کی وجہ اس نے یہ بتائی ہے کہ اس
 کی فوج کم ہے اور ہماری فوج زیادہ بھی ہے اور ہمارے پاس گھوڑے بھی بہتر ہیں
 اور ہمارے پاس خود اور زرہ بکتر ہیں۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر صلیبی
 فوج نے اسے راستے میں روک لیا تو اسے شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔
 وہ کھلے میدان میں لڑنے سے ڈرتا ہے۔“ عالم جاسوس نے وہ تمام باتیں بتائیں جو
 اس نے سلطان ایوبی کی زبان سے سنی تھیں۔

اتنے قیمتی اور اہم راز کی تفصیل سن کر لوکیوں کو سب بھول گئے اور اس
 مسئلے پر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطان ایوبی غیر معمولی طور
 پر دانش مند جنگجو ہے۔ اس نے کرک پر حملے کا جو پلان بنایا ہے، اس میں اس
 کی جنگی فہم و فراست کا پتہ ملتا ہے۔ راستے میں نہ لڑنے کا فیصلہ بھی اس کی دانائی
 کی دلیل ہے۔ وہ راستے میں طاقت مناع ہمیں کرنا چاہتا۔ یہ خدائے یسوع
 مسیح کا خاص کرم ہے کہ اس کے پلان کا علم ہو گیا ہے، ورنہ وہ کرک کو لے کر شوبک
 جیسے مضبوط دفاع کے لیے خطوبن سکتا تھا۔۔۔۔۔ انہوں نے اسی وقت سلطان ایوبی
 کے پلان کے مطابق اپنی فوجوں کی نقل و حرکت اور دفاع کا پلان بنانا شروع کر دیا۔

”کتنی قیمت؟“ حدید نے پوچھا۔

”موت اتنی سی کہ انہیں پاس بٹھایا اور سراپے کندھے پر رکھ لیا تھا۔“

”ان کے پاس ایمان تھا ہی نہیں؟“ حدید نے کہا۔

”جو کچھ بھی تھا۔“ لوکی نے کہا۔ ”وہ میں نے ان سے لے لیا تھا۔ اس کی جگہ ان کے
 دلوں میں اپنی قوم کے خلافت غداری ڈال دی تھی۔“

”وہ کون ہیں؟“ حدید نے پوچھا۔

”ابھی نہیں بتاؤں گی۔“ لوکی نے جواب دیا۔ ”جس طرح تم اپنے فرزند کے

بچے ہر اسی طرح مجھے بھی اپنا فرض عزیز ہے۔“

حدید خاموش ہو گیا۔ وہ لوکی کے جسم کی حرارت اور ہلکی ہلکی بوجھوں کو رہا تھا۔ لوکی
 کے کھلے ہوئے ریشی سے بال ہوا سے لہرا کر اس کے گالوں پر پڑ رہے تھے اور گالوں کو
 سہلا رہے تھے۔ اسے اذیت آگئی۔ گھوڑا چلتا رہا۔ بہت دور جا کر حدید کی آنکھ کھلی تو
 سورج سر پر آچکا تھا۔ اس نے کہا۔ ”گھوڑے کو ایڑ لگاؤ۔ مجھے امید ہے کہ ہم سورج
 غروب ہونے کے بعد شوبک پہنچ جائیں گے۔“

لوکی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور صحرائیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔



سورج غروب ہو چکا تھا۔ شوبک کے قلعے کے اُس کمرے میں جہاں صلیبی ماکموں
 اور کمانڈروں کے اجلاس ہوا کرتے تھے، وہاں ماکم اور کمانڈر بیٹھے تھے۔ ان میں عالم
 جاسوس بھی بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں یہ نہیں بتا سکتا کہ دونوں لوکیوں کا کیا
 حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں بچانے بلکہ انہیں دیکھنے کی بھی کوشش نہیں
 کی کیونکہ ان سے زیادہ قیمتی یہ راز تھا جو مجھے آپ تک پہنچانا تھا۔ جیسا کہ میں آپ
 کو بتا چکا ہوں کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو میں موقع دیکھ کر ایک طرف ہر گیا اور ایک
 گھوڑے تک پہنچ گیا۔ ایک تو میری رہائی ایک معجزہ ہے۔ دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ
 میں اتنے خونریز سر کے میں سے صاف پتہ کر نکل آیا۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آیا۔
 میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکو نہیں تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی
 تھے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے ہم تینوں کو خود سزائے موت کیوں نہ دی اور
 لوکیوں کو خواب کرانے کا یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ یہ ایک ڈھنگ تھا۔ لوکیاں
 اب ان لوگوں کے قبضے میں ہوں گی اور ظالمانہ اذیتیں برداشت کر رہی ہوں گی۔“

اندھ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا جب تک سجدہ کی مرہم پٹی نہیں ہوجاتی۔
 انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن نام کا جرم تھا۔ اس نے لڑکی کو برے لے جا کر کہا
 "کس سانپ کے بچے کی تم مرہم پٹی کرنا چاہتی ہو۔ یہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی کہ
 بچ کر آگئی ہو، ورنہ یہ دندے تمہیں ان دستبندوں کے حوالے کرنا چاہتے تھے جو ڈاکو
 بن کر آئے تھے۔"

"یہ بھوٹ ہے۔" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔ "پہلے یہیں بھی یہی شک تھا لیکن
 اس شخص نے میرے سارے شکوک رفع کر دیئے ہیں۔ اس نے دو ڈاکوؤں کو ہلاک
 کر کے مجھے بچایا ہے۔" اس نے ہرمن کو سارا واقعہ سنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ شخص
 اسے بار بار کہتا تھا کہ مجھے یہیں مرنے دو اور تم چلی جاؤ۔

میلیبیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اتنی گہری اتنی ہوئی تھی
 کہ اتنے زیادہ افسروں میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ اس زخمی کی مرہم پٹی کر دو۔
 عالم جاسوس تک نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ لڑکی ان کے ساتھ اندر نہیں جا رہی
 تھی۔ آخر کسی نے کہا کہ زخمی کو کمرے میں لے چلو اور فوراً مرہم پٹی کر دو۔ اسے اٹھا
 کر لے گئے اور لڑکی اپنے افسروں کے ساتھ چلی گئی۔ اسے کہا گیا کہ وہ بیان کرے
 کہ کس طرح زندہ بچی ہے۔ اس نے پوری تفصیل سے سنا دیا۔ اس دوران اس کے
 لیے وہیں کھانا اور شراب آگئی۔ اس نے کہا۔ "اگر زخمی کو کھانا کھلایا جا چکا ہے
 تو میں کھاؤں گی۔ میں ذرا اسے دیکھ آؤں۔" وہ جانے کے لیے اٹھی۔

"مظہر و لوزینا!" ہرمن نے اسے بڑے رعب سے کہا۔ "تم دوسری بار میلیب
 کی فوج کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔ پہلے تمہیں اندر چلنے کو کہا گیا تو تم
 نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے زخمی کو اٹھاؤ۔ اب تم بلا اجازت اور بدتمیزی سے باہر جا
 رہی ہو۔ یہ سب میلیبی فوج کے اعلیٰ حکام ہیں اور یہاں دو میلیبی حکمران بھی بیٹھے ہیں۔
 جانتی ہو اس حکم عدولی اور بدتمیزی کی سزا کیا ہے؟ دس سال سزائے قید۔
 اور جب تم یہ حکم عدولی دشمن کے ایک معمولی سے عہدیدار کی خاطر کر رہی ہو، تو
 تمہیں سزائے موت بھی دی جاسکتی ہے۔"

"کیا میلیبی حکمران اور کمانڈر اس انسان کو اس کا صلہ نہیں دیں گے کہ اس
 نے ان کی ایک تجربہ کار جاسوسہ کی جان اپنی جان خطرے میں ڈال کر بچائی ہے؟"
 لڑکی نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ وہ میرے دشمن کی فوج کا عہدیدار ہے لیکن میں نے

پلان میں یہ اقدامات طے پائے۔

میلیبی افواج کی متحدہ مرکزی کمان شوبک میں ہی رہے گی۔ رسد گاہ بھی وہیں
 رکھی جائے گی۔ جنگ کو شوبک سے ہی کنٹرول کیا جائے گا۔

کرک کی قلعہ بندی کو اور زیادہ مضبوط کیا جائے گا۔ کچھ اور فوج کرک منتقل
 کر دی جائے گی۔

ایوبی کو کرک سے دور اس کی اپنی سرحد کے اندر کسی دشوار گزار علاقے میں
 روکا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج بھیجی جائے گی۔ اس فوج
 میں گھوڑ سوار اور شتر سوار زیادہ ہوں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ ایوبی کی فوج کو
 گھیرے میں لے لیا جائے۔ پانی کے چشموں پر پہلے سے قبضہ کر لیا جائے۔

ان اقدامات پر فوری طور پر عمل درآمد کے احکامات نافذ کر دیئے گئے۔ ہر کوئی
 خوش تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان ایوبی کا کوئی راز قبل از وقت معلوم ہو گیا تھا ورنہ
 اس نے میلیبیوں کو ہمیشہ اڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اس پر حیرت کا بھی اظہار کیا گیا کہ
 سلطان ایوبی جیسے آدمی سے یہ لغزش سرزد ہوئی کہ ان جاسوسوں کو دوسرے کمرے
 میں بٹھا کر جنہیں وہ رہا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ایسی تازک باتیں بلند آواز سے کہیں جو
 اسے شکست فاش سے دوچار کر سکتی تھیں۔ انہوں نے ایک انتہام یہ بھی کیا کہ
 فرانس کی فوج جو وہاں سے بہت دور تھی یہ پیغام بھیج دیا کہ نلاں دن سے پہلے
 پہلے ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں نورا الدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو روکا جاسکے۔

انتہ میں ایک میلیبی افسر اندر آیا اور انٹیلی جنس کے سربراہ کے کان میں
 کچھ کہا۔ اس سربراہ نے سب کو بتایا کہ ان دو میں سے ایک لڑکی جو ڈاکوؤں کے
 گھیرے میں آگئی تھی ابھی ابھی آئی ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اس کے ساتھ ایک زخمی
 مسلمان محافظ ہے۔ عالم جاسوس سب سے پہلے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے

دوسرے لوگ بھی باہر چلے گئے۔ حدید کو لڑکی نے برآمدے میں لٹا دیا تھا اور خود
 اس کے پاس بیٹھی تھی گھوڑے کی اتنی لمبی سواری اور نیز زناری نے حدید کے زخم
 کھول دیئے تھے۔ اس کا خون جو صبح بند ہو گیا تھا پھر بہنے لگا تھا اور اس پر غشی
 طاری ہوئی جا رہی تھی۔ میلیبی کمانڈروں نے حدید کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ
 انہیں بتایا گیا تھا کہ ڈاکوؤں کا حملہ ایک ڈھونگ تھا۔ انہوں نے لڑکی کو ہاتھوں
 باندھ لیا اور اسے اندر چلنے کو کہا۔ وہ بڑی قیمتی لڑکی تھی لیکن اس نے اس وقت تک

دشمن اس وقت کہو گئی جب وہ اپنی فوج میں واپس چلا جائے گا۔

”دشمن ہر جگہ میں اور ہر جگہ دشمن ہے۔ ایک میلیبی کمانڈر نے پہلا کر کہا۔
”فلسطین میں ہم نے کتنے مسلمانوں کو زندہ رہنے دیا ہے؟ ان کی نسل ہم
کیوں ختم کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ہمارے
مذہب کے دشمن ہیں۔ دنیا پر مرث ملیب کی حکمرانی ہوگی۔ ایک زخمی مسلمان ہمارے
لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بیٹھ جاؤ۔“
لڑکی بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔



اگلی صبح سے شوبک میں ایک نئی سرگرمی شروع ہو گئی۔ یہ فوجی نوعیت کی سرگرمی
تھی شوبک شہر کے لوگ اس سرگرمی سے بے نیاز اپنے کام کاج میں مصروف ہوتے جا رہے
تھے۔ قلعے سے فوجیں نکلی رہی تھیں۔ سامان بھی ادھر ادھر کیا جا رہا تھا۔ باہر سے
آنے والی فوج کی عارضی خیمہ گاہ کے لیے جگہ خالی کی جا رہی تھی۔ رسد اکٹھی کرنے
کے لیے اونٹوں کی قطاریں آ رہی تھیں۔ فوجی ہیڈ کوارٹر میں بھی جھاگ دوڑ تھی۔ یہ ساری تیاری
صلاح الیقین ایوبی کا حمد روکنے کے لیے کی جا رہی تھی اور ان احکامات پر عمل درآمد
شروع ہو گیا تھا جو گزشتہ رات کے پلان کے مطابق دیئے گئے تھے۔ ہر ایک افسر
اس افراطی میں مصروف تھا۔ چند ایک بڑے افسر کرک روانہ ہو گئے تھے۔

مرث ایک لڑکی تھی جو اس سرگرمی اور جھاگ دوڑ سے لائق تھی۔ یہ وہی لڑکی
تھی جو زخمی حیدر کو لائی تھی۔ اس کے افسر ہرن نے اسے لوزینا کے نام سے پکارا
تھا۔ رات اسے کانفرنس کے کمرے سے آدھی رات کے بعد فراغت ملی تھی۔ وہ جا سوسے
کے خصوصی شعبے سے تعلق رکھتی تھی اس لیے کانفرنس میں اس کی ضرورت تھی۔ اس
سے قاہرہ کے ان افراد کے متعلق رپورٹیں ملنی تھیں جن کے پاس وہ جاتی رہی تھی۔ آدھی
رات کے بعد نیند اور گھوڑ سواری کی تھکن نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ کانفرنس کے
بعد ایک افسر نے اسے کہا تھا۔ ”اُسے ڈاکٹر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ تمہیں اس کی
اتنی زیادہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ تمہاری ڈیوٹی ایسی ہے جس میں ایسے جذبات
کامیاب نہیں ہونے دیا کرتے۔“ اور اس کے اپنے شعبے کے بڑے افسر ہرن نے
اسے کہا تھا۔ ”اگر آج رات میں نہ ہوتا تو کوئٹہ اور گے آت لوزینا جیسے بادشاہ
جو کسی کو بخشا نہیں کرتے تمہیں قید میں ڈال دیتے۔ تمہارے محافظ کا انتظام کر دیا گیا

ہے اور تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اسے تم نہیں ملوگی۔“

”کیوں؟“ لوزینا نے حیرت اور بالورسی سے پوچھا۔ ”کیا میں اس کا شکریہ بھی ادا
نہ کر سکتی ہوں؟“

”نہیں۔“ ہرن نے کہا۔ ”کیونکہ وہ دشمن کا فوجی ہے۔ تم اپنا شعبہ جانتی ہو کیا
ہے۔ ہم تمہیں اس سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتے یہ تو تمہارے فن اور فرض کا
تقاضا ہے۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ساتھ تمہاری جذباتی وابستگی ہو گئی
ہے۔ ہمیں دشمن کے ساتھ ایسی وابستگی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“

”آپ مجھے مرث اتنا سالیقین دلا دیں کہ اس کی مرہم پٹی ہو گئی ہے۔“ لوزینا نے
کہا۔ ”اور اسے صبح و سلامت واپس بھیج دیا جائے گا۔“

”لوزینا!“ ہرن نے صبر بھلا کر کہا۔ ”میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری یہ خواہش
پوری کر دی جائے گی اور سنو۔ تم بڑے مشکل اور خطرناک مشن سے واپس آئی ہو اور
تمہارا سفر زیادہ خطرناک تھا۔ تمہیں آرام کے لیے دس دن چھٹی دی جاتی ہے۔ مکمل آرام کرو۔“
یہ باتیں رات کو ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جا سوس لڑکیوں کی

ہال میں ملٹی کمان کے ہیڈ کوارٹر سے بہت دور تھی۔ اس جیسی اعلیٰ درجے کی جا سوس
لڑکیاں نہایت اچھے کمروں میں رہتی تھیں جہاں انہیں شہزادیوں جیسی سہولتیں اور عیاشی
میسر تھی۔ ان کی ڈیوٹی ایسی تھی کہ انہیں مسلمان ملکوں میں بھیجا جاتا تھا جہاں پکڑے جانے
کی صورت میں انہیں ہر قسم کی اذیت اور ذلت میں ڈالا جاسکتا تھا۔ موت یا سزائے
موت تو یقینی تھی۔ ایسی ڈیوٹی کا تقاضا تھا کہ ان لڑکیوں کو دنیا کی ہر آسائش مہیا کی جائے۔
لوزینا کمرے میں جاتے ہی سو گئی تھی۔ دوسرے دن اس کا جسم لوٹ رہا تھا۔ وہ اٹھنا
نہیں چاہتی تھی لیکن وہ اٹھی اور نائشہ کر کے باہر نکلی۔ اس کے ساتھ والے کمروں
کی لڑکیاں آگئیں۔ وہ اس سے قاہرہ کی باتیں سننا چاہتی تھیں۔ اس نے بہت ہی
مختصر سی بات سنا کر انہیں ٹال دیا اور ہسپتال کی طرف چل پڑی۔



وہ تھوڑی ہی دیر گئی تھی کہ اس کی ایک ساتھی لڑکی جو اس کی ہمراز سہیلی بھی تھی
بیچھے سے سامنے اور پوچھا۔ ”لوزی! کہاں جا رہی ہو؟ اور تم پریشان ہو۔ یہ تھکن کا اثر ہے
یا کوئی خاص واقعہ ہو گیا ہے؟ تمہیں چھٹی نہیں ملی؟“
”چھٹی مل گئی ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”ایک خاص واقعہ ہو گیا ہے جس نے

مجھے پریشان کر دیا ہے۔" وہ سہیلی کو ساتھ لیے ایک درخت کے نیچے جا بیٹھی اور اسے تمام واقعہ سنایا۔ اسے اپنے انسرول نے جو دھمکیاں دی تھیں وہ بھی سنائیں اور اس نے کہا۔ "میں صدیر سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی مرہم پٹی نہیں ہوتی اور اسے شہر سے نکال دیا گیا ہے یا اسے مرنے کے لیے کسی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔" تم نے بتایا ہے کہ تمہیں اس سے ملنے سے منع کر دیا گیا ہے۔" سہیلی نے اسے مشورہ دیا۔ "یہ خطرہ مول نہ لو۔ تم اگر پکڑی گئیں تو جانتی ہو کہ سزا کیا ہے؟"

اس شخص کے لیے میں سزائے موت بھی قبول کروں گی۔" لوزینا نے کہا۔ "میں تمہیں سنا چکی ہوں کہ اس نے میری غلامی جان خطرے میں ڈالی ہے۔ میری جان کو تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ڈاکو مجھے لے بھی جاتے تو چند دن مجھے خراب کر کے کسی امیر کبیر آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ صدیر میرے اس انجام سے آگاہ تھا۔ اس نے میری عزت کی غلامی اپنی جان کی بڑی لگا دی تھی۔ ڈاکوؤں نے کہا بھی تھا کہ روکیاں ہمیں دے دو اور چلے جاؤ۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں پاکباز روکی نہیں مگر اس نے مجھے امانت سمجھا۔" تم اس کے لیے ہڈیاں ہونگے ہو؟

"ہاں!" لوزینا نے جواب دیا۔ "میں جذبات کا اظہار ہر من کے آگے نہیں کر سکتی تھی، اپنا دل تمہارے آگے رکھ سکتی ہوں۔ تم میری سہیلی ہو اور عورت کا دل رکھتی ہو۔ ہماری زندگی کیا ہے؟ ہم ایک خوبصورت خنجر اور میٹھا زہر ہیں۔ ہمارا جسم مرد کی تفریح اور خرب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میں نے یہ باتیں پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔ اپنے وجود کو جذبات سے خالی سمجھا تھا مگر اس آدمی کے جسم کو میں نے اپنے جسم کے ساتھ لگایا تو میرے وجود میں وہ سارے جذبات بیلر ہو گئے جو میں سمجھتی تھی مجھ میں نہیں ہیں۔ میں ایک ہی بار ماں، بہن، بیٹی اور کسی کو چاہنے والی لڑکی بن گئی۔ یہ شاید اس کا اثر تھا کہ اپنے آپ کو میں بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والی شہزادی سمجھتی تھی۔۔۔" مجھ میں اتنی تخریب کاری ڈالی گئی ہے کہ جابر حکمرانوں کو بھی انگلیوں پر نہا سکتی ہوں مگر ڈاکوؤں نے مجھے بکنے والی چیز بنا دیا۔ مجھے اس سطح پر لے آئے جہاں مجھ جیسی لڑکیاں ہر رات نئے گاہک کے ہاتھ فروخت ہوتی ہیں یا کسی مسلمان امیر یا حاکم کے ہاتھ فروخت ہو کر اس کے حرم کی لوزیاں بن جاتی ہیں۔ اس آدمی نے جس کا نام صدیر ہے، مجھے اس سطح سے اوپر اٹھالیا۔ اس سے پہلے میں اس کی قیدی تھی۔ اس نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے تفریح کا انداز بناتا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے غلام کر دیا پھر اس نے

جب میری عزت کو بچانے کے لیے اپنا جسم کھڑا کیا تو میں نے بے قابو ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس سطح کی لڑکی بن گئی جس سے مجھے گرا دیا گیا ہے۔ مجھے سناح الیقین ایوبی کی بات یاد آئی۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ تم کسی باعزت آدمی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتی؟ میں نے دل میں کہا تھا کہ یہ مسلمان احمق ہے۔ میں اب مسوس کر رہی ہوں کہ ہمارے دشمن نے کتنی عظیم بات کہی تھی۔۔۔ میں نہیں سمات بتا دیتی ہوں کہ میں اب جاسوسی نہیں کر سکوں گی۔ میرے دماغ میں بچپن سے جو سبق ڈالے گئے تھے وہ صحرائی خوفناک رات نے ڈاکوؤں کے خطرے نے اور صدیر کے جسم کی حرارت اور اس کے خون کی جڑوں نے زائل کر دیے ہیں۔"

"تم اتنی لمبی بات نہ کرتی تو بھی میں جان گئی تھی کہ تم کیا محسوس کر رہی ہو؟ اس کی سہیلی نے کہا۔ "لیکن میں حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اسے چلے جانا ہے۔ تم اس کے ساتھ نہیں جا سکو گی۔ اگر یہاں تکلیف میں ہے تو مکم ہے کہ تم اسے نہیں مل سکتیں۔ اگر پکڑی گئیں تو اپنے ساتھ اسے بھی مرواؤ گی۔"

"تو تم میری مدد کرو۔" لوزینا نے منت کی۔ "یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے مرنے سے پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ٹھیک ہو گیا ہے اور تندرستی کی حالت میں چلا گیا ہے تو میرے دل کو پھین آ جائے گا۔"

urdunovelist.blogspot.com

"ہاں!" سہیلی نے کہا۔ "میں یہ کام کر سکتی ہوں۔ تم کمرے میں چلی جاؤ۔ وہ کمرے میں چلی گئی اور اس کی سہیلی کسی اور طرف نکل گئی۔"



قاہرہ میں بھی فوجوں میں بہت سرگرمی تھی۔ فوج کو جنگی مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ چند ایک دستے الگ کر لیے گئے تھے۔ انہیں شہزادوں مارنے، تھوڑی تعداد میں دشمن کی کئی گنا زیادہ نفری پر حملہ کرنے اور "مضب لگاؤ اور بھاگو" کی مشقیں اس طرح کرائی جا رہی تھیں کہ رات کو بھی دستے چھاؤنی سے باہر رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر یہ مشقیں دیکھتا تھا۔ وہ تیسرے چوتھے روز اعلیٰ کمانڈروں اور دستوں کے کمانڈروں تک کو لکچر دیتا اور انہیں نقشوں اور خاکوں کی مدد سے جنگی چالیں سکھاتا تھا۔ اس نے اس ٹریننگ کا بنیادی اصول یہ رکھا تھا۔ کم تعداد سے دشمن کا زیادہ نقصان کرنا۔ ہتھیار سے زیادہ عقل کو استعمال کرنا۔ اپنے سامنے کے سر کے سے گریز۔ سامنے سے حملہ نہ کرنا۔ دس بارہ آدمیوں کے

یہ مسلمان زیادہ تر ان قافلوں میں سے پکڑے جاتے تھے جنہیں صلیبی لوٹتے تھے۔ یہ کیمپ قید خانہ نہیں تھا، نہ یہ جنگی قیدی کیمپ کہلاتا تھا۔ یہ ایک بیگار کیمپ تھا جس پر کوئی ایسا کوڑا پھرو نہ تھا جیسا قید خانوں میں ہوتا ہے۔ ان بد نصیب قیدیوں کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ بھی نہ تھا۔ یہ لوگ مویشی بناد بیٹے گئے تھے۔ جہل ضرورت ہوتی ان میں سے بہت سے آدمی ہانک کر لے جاتے جاتے اور ان سے کام لیا جاتا تھا۔ انہیں خوراک مرث انی سی دی جاتی جس سے وہ زندہ رہ سکتے تھے۔ وہ غیموں میں رہتے تھے۔ ان میں جو بیمار پڑ جاتا اس کا علاج اسی صورت میں کیا جاتا تھا کہ بیماری معمولی ہو۔ اگر بیماری فوراً زور پکڑ لے تو اسے زہر دے کر مار دیا جاتا تھا۔ یہ بد نصیب مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو مرث اس جرم کی سزا محکوت رہے تھے کہ وہ مسلمان ہیں۔ سلطان ایوبی کو اس کے جاسوسوں نے اس بیگار کیمپ کے متعلق خبریں دے رکھی تھیں۔

حدید کو بھی کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔ لوزینا کے لیے حکم تھا کہ اسے نہ ملے بہرہ کو شک ہو گیا تھا کہ یہ ایک جذباتی وابستگی ہے، لیکن لوزینا نے اس حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ حدید "مسلمانوں کے کیمپ" میں ہے تو اس نے سہیلی کے ساتھ وہ اسے آزاد کرائے گی۔ سہیلی نے اس کی جذباتی حالت دیکھ کر عہد کا وعدہ کیا اور دونوں نے پلان بنایا۔

وہ اسی وقت شہر میں گئی اور ایک پرائیویٹ ڈاکٹر سے ملی۔ اسے کہا کہ وہ ایک زخمی کو لے رہی ہے جس کا علاج اسے اس شرط پر کرنا پڑے گا کہ وہ اس کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ ڈاکٹر نے اس رازداری کی وجہ پوچھی تو لوزینا نے کہا۔ "وہ ایک غریب مسلمان ہے جس نے میرے خاندان کی بہت خدمت کی ہے۔ وہ کہیں لڑائی جھگڑے میں زخمی ہو گیا ہے۔ اس کے پلے کچھ بھی نہیں اس لیے کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کرتا۔ چونکہ یہاں تمام ڈاکٹر عیسائی ہیں اس لیے وہ کسی مسلمان کا علاج بلا اجرت نہیں کرتے۔ رازداری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر شہر کے منتظم تک یہ خبر پہنچ گئی کہ ان مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہوا ہے تو وہ اسی کو پہانہ بنا کر انہیں مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دے گا۔ انہیں تو نہ پتا ہے۔ میں اس آدمی کو اس خدمت اور اثبات کا صلہ دینا چاہتی ہوں جو اس نے میرے خاندان کے لیے کیا ہے۔ میں اسے رات کے وقت لاؤں گی۔ بتائیے آپ کتنی اجرت لیں گے۔ میں رازداری

شہروں سے اتنا نقصان کرنا جتنا ایک سو آدمی دن کے وقت دو بدو معرکے میں کر سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ وہ دشمن کے کسی قلعے یا شہر کو بے محاصرے میں رکھنے کے طریقے بتاتا اور قلعوں کی دیواروں میں نقب لگانے کے سبق دیتا تھا۔ اس نے تمام اذیتوں گھوڑوں اور خچروں کا معائنہ کر لیا تھا۔ کمزور یا عمر خوردہ جانوروں کو اس نے الگ کر دیا تھا۔ حملے کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ سلطان ایوبی نے فلسطین کی فتح کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کے پہلے مرحلے میں کامیابی سے داخل ہونے کی تیاری زور شور سے کر رہا تھا۔ ادھر اسے راستے میں ہی روکنے کے اہتمام ہو رہے تھے۔ دونوں فوجوں کی تیاریاں ایسی تھیں جیسے ایک دوسری کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گی۔ صلیبیوں کی تیاریوں کا دائرہ شوبک سے کرک تک اور مصر کی سرحدوں تک تھا۔ وہ اس وسیع دائرے کو سلطان ایوبی کے لیے ایسا چننا بنا رہے تھے جس میں سے اس کے لیے ساری عمر بچنے کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ ان کی تیاریاں سلطان ایوبی کے اس منصوبے کی روشنی میں ہو رہی تھیں جو ان تک قتل از وقت پہنچ گیا تھا۔

ان وسیع تیاریوں کے اندر شوبک میں ایک سرگرمی اور بھی مچی تھی، جس کا تعلق جنگ سے نہیں جذبات سے تھا اور یہ ایک خفیہ سرگرمی تھی۔ لوزینا اپنے کمرے میں پڑی حدید کے لیے بے قرار ہو رہی تھی اور اس کی سہیلی دو روز سے حدید کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ افسروں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا اور وہ سپاہیوں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا۔ وہ جاسوس لڑکی تھی۔ بڑے بڑے افسر بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ لوزینا کو اور ہر جاسوس لڑکی کو وہاں ہی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے باوجود یہ سہیلی جس سے بھی پوچھتی کہ لوزینا کے ساتھ جو زخمی مسلمان آیا تھا وہ کہاں ہے تو اسے یہی ایک جواب ملتا۔ "میں نے تو اسے نہیں دیکھا"۔ تیسرے دن ایک افسر نے اسے رازداری سے بتایا کہ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور اسے مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔

سہیلی نے جب یہ خبر لوزینا کو سنائی تو اس پر سکوت طاری ہو گیا۔ مسلمانوں کا کیمپ "ایک خوفناک جگہ تھی۔ اس میں پہلی جنگوں کے مسلمان قیدی بھی تھے اور وہ مسلمان بھی جنہیں کسی جرم کے بغیر صلیبیوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے پکڑا تھا۔

کی بھی اجرت دوں گی۔

اس دوران ڈاکٹر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا۔ لوزینا نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ یہی بتایا تھا کہ وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ لڑکی کا غیر معمولی حسن دیکھ کر ڈاکٹر جو اجرت لینا چاہتا تھا، اسے وہ زبان پر نہیں لارہا تھا۔ لوزینا اس میدان اور اس فن کی ماہر تھی۔ وہ مردوں کی نظریں پھپھاتی تھی۔ اس نے اپنے فن کو استعمال کیا تو ڈاکٹر موم ہو گیا۔ لوزینا نے سونے کے چار سکے اس کے آگے رکھ دیئے اور جب ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ تم سے زیادہ قیمتی کوئی سکہ نہیں تو لوزینا نے مخصوص مسکراہٹ سے کہا۔ ”آپ جو قیمت مانگیں گے۔“

دول گی۔ میرا کام کر دیں۔“

ڈاکٹر یہ تو سمجھ گیا کہ معاملہ خطرناک اور پُر اسرار معلوم ہوتا ہے لیکن لوزینا کو دیکھ کر اس نے خطرہ سمجھ لیا اور کہا۔ ”اے آؤ۔ آج رات، کل رات، جب چاہو لے آؤ۔ اگر میں سویا ہوا ملوں تو جگا لینا۔“ اس نے ایک ہاتھ میں سونے کے سکے اور دوسرے ہاتھ میں لوزینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔



اس ہم کاسب سے زیادہ نازک اور پُر خطر مسئلہ تو یہ تھا کہ عدیدہ کو کیمپ سے نکالا کس طرح جائے۔ رات کو وہاں پہرہ برائے نام ہوتا تھا۔ ان بد نصیب قیدیوں میں بھاگنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ صبح سویرے نکلنے سے پہلے انہیں مشقت پر لگایا جاتا اور سورج غروب ہونے کے بعد کیمپ میں لایا جاتا۔ ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ لوزینا کی سہیلی نے یہ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر لیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ زخمی اور بیمار قیدیوں کو معمولی سی ایک ڈسپنسری میں ہر روز بھیجا جاتا ہے۔ ان سے ساتھ نرس ایک پہرہ دار ہوتا ہے۔ دوسرے دن لوزینا اپنی سہیلی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی جہاں مریض قیدیوں کو لے جایا جاتا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ پچیس تیس مریضوں کی ایک پارٹی نہایت آہستہ آہستہ چلتی آرہی تھی اور پہرہ دار ہاتھ میں لاسٹی بیٹے انہیں موشیوں کی طرح ہانکتا لارہا تھا جو تیز نہیں چل سکتے تھے انہیں وہ لاسٹی سے دھکیل دھکیل کر لارہا تھا۔

دونوں لڑکیاں آگے چلی گئیں۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے تماشہ دیکھ رہی ہوں۔ جب مریضوں کا ٹولہ ان کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہ ہر ایک کو دیکھنے لگیں۔ چنانچہ

لوزینا کو دھپک لگا۔ عدیدہ اسے قہر مہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے اچھی طرح چلا نہیں جاتا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ رونق اور رونق بکھ گئی تھی جو لوزینا نے زخمی ہونے سے پہلے دیکھی تھی۔ عدیدہ کے کندھے جھک گئے تھے۔ اس کے کپڑے خون سے لال تھے۔ خون خشک ہو چکا تھا۔ لوزینا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر عدیدہ کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ یہ مریض ٹولہ آگے نکل گیا تو لوزینا اور اس کی سہیلی پہرہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کرنے لگیں جن میں ان مسلمان مریضوں کے خلاف نفرت تھی۔ انہوں نے زبان کے جادو سے پہرہ دار کو اپنا گرویدہ کر لیا اور کہا کہ وہ ازراہ مذاق ان قیدیوں کے ساتھ باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

ڈسپنسری میں دوسرے مریض بھی تھے۔ تمام ہجوم تھا۔ قیدیوں کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ لوزینا ان کے قریب چلی گئی اور اس کی سہیلی نے پہرہ دار کو باتوں میں الجھا لیا۔ عدیدہ دیوار کے سہارے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ لوزینا نے آنکھ کے اشارے سے اسے پرے بلایا۔ وہ جب اس کے قریب گیا تو لوزینا نے آہستہ سے اسے کہا۔ ”مجھے حکم ملا ہے کہ تم سے کبھی نہ ملوں۔ بیٹھ جاؤ۔ ہم یہ ظاہر نہیں ہونے دے گے کہ ہم باتیں کر رہے ہیں۔“

”میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہارے حکم دینے والوں پر۔“ عدیدہ نے ضحک مگر غضبناک آواز میں کہا۔ ”میں نے تمہیں کسی صلے کے لالچ میں ڈاکوؤں سے نہیں بچایا تھا۔ وہ میرا فرض تھا۔ کیا تم فرض ادا کرنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو؟“

”چپ رہو عدیدہ!“ لوزینا نے زبردستی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ رات تم کس جگہ ہوتے ہو۔ آج رات تمہیں وہاں سے نکلنا ہے۔“

عدیدہ اس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لوزینا نے اسے آنسوؤں سے اور بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ اسے دھوکہ نہیں دے رہی۔ عدیدہ نے بتایا کہ وہ رات کو جہاں سوتا ہے وہاں سے نکلنا مشکل نہیں لیکن نکل کر وہ جائے گا کہاں؟..... انہوں نے جلدی جلدی میں فرار کا منصوبہ بنالیا۔



”مسلمانوں کا کیمپ“ ایسی نیند سویا ہوا تھا جیسے یہ لاشوں کی بستی ہو۔ پہرہ دار بھی سو گئے تھے۔ یہاں سے کبھی کوئی بھاگا نہیں تھا۔ بھاگ کر کوئی جاتا بھی کہاں! اس کے علاوہ پہرہ داروں کو یہ بھی معلوم تھا کہ کوئی ایک آدھ بھاگ بھی گیا تو کون جواب طلبی کرے گا۔

رہے گا۔ اس نے اندر سے اسے دودھ اور پھل لادے اور لوزینا کو ایک اور کمرے میں لے گیا۔۔۔ دوسرے دن لوزینا اور اس کی سہیلی نے کیمپ کی جاسوسی کی۔ ڈسپنسری میں گئیں۔ مریض قیدی وہاں لے جائے گئے۔ دونوں لڑکیوں نے پہرہ دار کے ساتھ گپ شپ لگائی اور اپنے خصوصی ڈھنگ سے باتیں کر کے معلوم کر لیا کہ حدید کی گمشدگی سے کیمپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہاں کوئی پہل نہیں۔

دن گزرتے گئے۔ ڈاکٹر کو چونکہ منہ مائی قیمت اور اجرت مل رہی تھی، اس لیے اس نے حدید کو چھپائے بھی رکھا اور اس کا علاج پوری توجہ سے کرتا رہا۔ اسے مقوی غذا بھی دیتا رہا۔ لوزینا شام کے بعد وہاں باقی۔ کچھ دیر حدید کے ساتھ بیٹھتی اور بہت دیر ڈاکٹر کے کمرے میں گزارتی۔ اس روزمرہ کے معمول میں بیس روز گزر گئے اور حدید کے زخم مل گئے۔ اس کی صحت بھی بحال ہو گئی۔ لوزینا نے ڈاکٹر سے کہا کہ وہ کل رات کسی بھی وقت حدید کو لے جائے گی۔

دوسرے دن اس نے اپنی سہیلی کو استعمال کیا۔ چھوٹے عہدے کا ایک افسر اس کی سہیلی کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ سہیلی نے اس افسر کو جھانسنے دیا اور لوزینا نے اس کے ٹانگ سے اس کی وردی نکال لی جو اس نے حدید کو پنا دی۔ گھوڑے کا انتظام شکل رکھا۔ وہ بھی ہو گیا۔ یہ اہتمام اس لیے کیا جا رہا تھا کہ شہر کے ارد گرد مٹی کی بہت اونچی دیوار تھی۔ اس کے چار دروازے تھے جو رات کو بند رہتے تھے۔ ان دنوں دن کے وقت یہ دروازے کھلے رکھے جاتے تھے کیونکہ سلطان ایوبی کے آنے والے حملے کے لیے فوجوں اور ان کے سامان کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے قلعے کے بڑے دروازے کی طرف ایک صلیبی افسر گھوڑے پر جا رہا تھا۔ اس کی کمر سے لگتی ہوئی تلوار مسلمانوں کی طرح بڑھی نہیں سیدھی تھی اور اس کا دستہ صلیب کی شکل کا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے صلیبی تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے اندنوں کا ایک کارواں رسد سے لدا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ظاہر یہی ہوتا تھا جیسے یہ گھوڑا سوار افسر اس کارواں کے ساتھ جا رہا ہو۔ وہ دروازے کے پاس پہنچا تو صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ، ہرمن، گھوڑے پر سوار دروازے میں داخل ہوا وہ کہیں باہر سے آ رہا تھا۔ اس نے اس افسر کو دیکھا اور مسکرایا، مگر اس افسر نے مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے نہ دیا۔ ہرمن چند قدم اندر کو آیا تو اس نے گھوڑا روک لیا۔ اسے دو تین سو قدم دور لوزینا کھڑی نظر آئی جس نے

رات کا پہلا پرخم ہو رہا تھا کہ پچھے پرانے ایک خیمے سے ایک آدمی پیٹ کے بل ریگتا ہوا خیموں کی اوٹ میں وہاں تک چلا گیا جہاں اسے کوئی پہرہ دار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آگے اسے اندر سے بھی گھور کا درخت نظر آنے لگا جہاں تک اسے پہنچنا تھا۔ ایک سایہ سرے پاؤں تک سوٹے کپڑے میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ ریگتے والا اٹھ کھڑا ہوا اور کھجور کے تنے تک پہنچ گیا۔ وہ حدید تھا۔ لوزینا اس کی منتظر تھی۔

”تیز پہل سکو گے؟“ لوزینا نے پوچھا۔

”کوشش کروں گا“ حدید نے جواب دیا۔

وہ کیمپ سے دور نکل گئے۔ آگے وسیع علاقہ غیر آباد تھا۔ مشکل یہ تھی کہ حدید تیز

نہیں چل سکتا تھا۔ لوزینا نے سہارا دے کر تیز چلانے کی کوشش کی اور اسے بتاتی گئی کہ اسے کیسے کیسے حکم اور دھمکیاں ملی ہیں۔ اس نے حدید کی غلط فہمی رفع کر دی۔ آگے شہر کی گلیاں آگئیں اور پھر ڈاکٹر کا گھر آ گیا۔ تین چار بار دستک دینے سے ڈاکٹر باہر آیا اور انہیں فوراً اندر لے گیا۔ اس نے حدید کے زخم کھل کر دیکھے تو کہا کہ کم از کم بیس روز مرہم پٹی ہوگی۔ یہ سن کر لوزینا کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آ گیا۔ وہ یہ تھا کہ اتنے دن وہ حدید کو چھپائے گی کہاں؟ اسے بیگار کیمپ میں واپس تو نہیں لے جانا تھا۔ اس کی عقل جواب دے گئی۔ ڈاکٹر مرہم پٹی کر چکا تو اس نے کہا کہ اسے نہایت اچھی اور مقوی غذا کی ضرورت ہے۔

لوزینا اسے پرے لے گئی اور کہا — ”یہ جہاں رہتا ہے وہاں اسے اچھی غذا نہیں مل سکتی۔ میں گھر میں اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔ آپ اسے یہیں رکھیں اور جو چیز اس کے لیے نامدہ سند ہو وہ کھلائیں۔ مجھ سے آپ جتنی قیمت اور اجرت مانگیں گے دوں گی“

ڈاکٹر نے جو اجرت بتائی وہ بہت ہی زیادہ تھی۔ لوزینا نے کم کرنے کو کہا تو ڈاکٹر نے کہا — ”تم مجھ سے بہت ہی خطرناک کام کر رہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شخص مسلمانوں کے کیمپ سے لایا گیا ہے اور یہ مصری فوج کا سپاہی ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ مجھے منہ مائی اجرت دو گی تو تمہارا یہ راز میرے گھر سے باہر نہیں جائے گا۔“

”مجھے منظور ہے“ لوزینا نے کہا۔ اور یہ بھی سن لو ڈاکٹر! اگر یہ راز فاش ہو گیا تو آپ زندہ نہیں رہیں گے۔“

ڈاکٹر نے حدید کو ایک کمرے میں لٹا دیا اور اسے بتایا کہ وہ ٹھیک ہونے تک یہیں

ہرمین کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے اپنے ٹھکانے کی طرف چلی گئی۔

علی بن سفیان کی طرح ہرمین بھی ماہر جاسوس اور سرائزساں تھا۔ اس نے فوراً گھوڑا دروازے کی طرف گھمایا اور ایڑ لگا دی۔ وہ اپنا ایک شک رفع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو گھوڑا دوڑ پڑا۔ باہر جا کر ہرمین نے دیکھا کہ جو افسر اس کے پاس سے گزرا تھا وہ اتنی دُور نکل گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں جانا بیکار تھا۔ اُس گھوڑا سوار نے دروازے سے نکلے ہی گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ گھوڑا بہت تیز رفتار تھا۔ ہرمین اسے دیکھتا رہا اور وہ سحر کی وسعت میں گم ہو گیا۔ لوزینا نے حدید کو آزاد کر کے صلہ دے دیا تھا۔



ہرمین نے گھوڑا موڑا اور تیزی سے اندر گیا۔ وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے کیمپ میں گیا اور وہاں کے انچارج سے حدید کی نشانیاں بتا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ کچھ پتہ نہ چلا جس جھے میں حدید کو رکھا گیا تھا وہاں کے رہنے والوں نے بتایا کہ ایک صبح وہ یہاں سے غائب تھا۔ وہ سمجھے کہ اسے ادھر ادھر کو دیا گیا ہے۔ ہرمین کا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ حدید ہی تھا جسے اُس نے میلپی فوج کی وردی میں دروازے سے نکلے دیکھا تھا۔ وہ مزید تفتیش سے پہلے لوزینا کے کمرے میں گیا۔ وہ سر ہاتھوں میں تھامے رو رہی تھی۔

"کیا اسے تم نے بھگایا ہے؟" ہرمین نے گرج کر کہا۔ لوزینا نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ ہرمین نے کہا۔ "جھوٹ بولوگی تو میں تفتیش کر کے ثابت کر دوں گا کہ اسے تم نے فرار میں مدد دی ہے۔"

"نہ آپ کو تفتیش کی ضرورت ہے نہ مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت۔" لوزینا نے کہا۔ "میری زندگی ایک شاہانہ جھوٹ اور میرا وجود ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ اپنی روح کی نجات کے لیے میں سچ بول کر مر رہی ہوں۔" اس کی آواز میں غنودگی تھی جو بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اٹھی تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑاہیں۔ اس کے قریب ایک گلاس پڑا تھا جس میں چند قطرے پانی تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر ہرمین کی طرف بڑھا کر کہا۔ "میں نے اپنے آپ کو سزائے موت دے دی ہے۔ اس گلاس میں پانی کے چند قطرے گواہی دیں گے کہ میں نے اپنے ناپاک جسم کو سزائے موت اس

لیے نہیں دی کہ اپنی قوم سے غداری کی اور دشمن کو قید سے بھگا دیا ہے بلکہ میرا جرم یہ تھا کہ میں ان انسانوں کو دھوکے دینے لگی تھی جن کے ہاں کوئی دھوکہ اور قریب نہیں۔ ان میں سے چار انسانوں نے میری وہ عزت بچانے کے لیے جو میرے پاس تھی ہی نہیں، دس ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا۔ پھر ایک انسان نے مجھے اپنا جسم کٹوا کر ڈاکوؤں سے چھینا۔ مجھے نیکی اور بدی، محبت اور نفرت کا فرق معلوم ہو گیا۔ میں سچ بول کر مر رہی ہوں۔ یہ پُر سکون موت ہے۔"

وہ گرنے لگی تو ہرمین نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اسے تمام لیا۔ لوزینا نے اپنے جسم کو جھٹکا دیا اور ہرمین کے بازوؤں سے نکل کر پرے ہو گئی۔ ادا تھکتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ اب تمہارے کام کا نہیں رہا۔ اس زہر نے اس میں سچ داخل کر دیا ہے۔ تمہیں ناپاک جسموں کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ اسے میں نے بھگایا ہے۔ اسے میں نے بیس روز چھپائے رکھا تھا۔ اسے میں نے فرینڈس کی وردی چرا کر پہنائی تھی۔ اسے میں نے گھوڑا دیا تھا۔ میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ میں اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی، اس لیے میں نے زہر پی لیا۔ اگر تم مجھے پکڑ نہ لیتے تو بھی میں زہر پی لیتی۔" وہ پلنگ پر لڑھک گئی۔ ہرمین کو اس کی آخری سرگوشی سنائی دی۔ "سچ بول کر مرنے میں کتنا سکون ہے۔" اُس نے آخری سانس اس طرح لی جیسے سکون سے آہ بھری ہو۔

اُسے جب دفن کر چکے تو ایک افسر نے پوچھا۔ "اس کا کوئی خاندان تھا تو انہیں اس کی موت کی اطلاع دے دو۔"

"اس کا خاندان ہم ہی تھے۔" ہرمین نے جواب دیا۔ "اسے دس بارہ سال کی عمر میں کسی تانفلے سے اغوا کر کے لائے تھے۔"

صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کوچ کیے تیسرا دن تھا۔ میلپیوں نے اسے راستے میں روکنے کے لیے فوج بھیج دی تھی۔ حملہ چونکہ کرک پر آ رہا تھا، اس لیے میلپیوں نے شوبک سے زیادہ تر فوج کرک بھیج دی تھی۔ اس کا ایک حصہ شام کی طرف بھی بھیج دیا تھا تاکہ نور الدین زنگی مدد کے لیے آئے تو اُسے کرک سے کچھ دور روکا جا سکے اور اس فوج کا کچھ حصہ سلطان ایوبی کو راستے میں روکنے والی فوج کو دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے کوچ کرایا تھا اور تینوں کو دور دور رکھا تھا۔ وہ جب اُس مقام پہنچ گیا جہاں میلپیوں سے ٹکر ہونی چاہیے تھی، اس

درمیان والا حصہ عقب سے حملہ کرے گا اور دشمن کے سنبھلنے تک بکھر جائے گا۔ قیصر
حصہ جو میرے ساتھ ہے، آج رات کو چ کر رہا ہے۔ ہم کل دوپہر تک شوہک کا محاصرہ
کر چکے ہوں گے۔ باقی دو حصے میلیبیوں کو ان طریقوں سے جن کی میں تمہیں مشق کروانا
رہا ہوں دشمن کو محاصرہ میں پریشان کیے رکھیں گے۔ اس تک رسد نہیں پہنچنے دیں گے
وہ جوں ہی پانی کے چشموں سے بیٹے گا تم چشموں پر قبضہ کر لو گے۔ حملہ ہمیشہ
پہلو پر کرو گے اور لڑنے کے لیے رکو گے نہیں۔ جاننا زور سے ہر رات دشمن
کے مولشیوں پر آگ بھینکیں گے۔“

یہ ۱۱۴۱ء کے آخری دن تھے جب کرک والوں کو سلطان ایوبی کے لیے
انتظار کے بعد پتہ چلا کہ شوہک جیسا اہم قلعہ سلطان ایوبی کے حاصرے میں آگیا
ہے جب کہ زیادہ تر فوج کرک میں اکٹھی کر لی گئی ہے اور محاصرہ بھیج دی گئی ہے۔
شوہک کو وہ کوئی مدد نہیں دے سکتے تھے۔ محاصرہ میں جو فوج گئی تھی، مسلمان اس کا
براہمتر کر رہے تھے۔ میلیبیوں کی پریشانی یہ تھی کہ مسلمان سامنے آکر نہیں لڑتے تھے۔
وہ گوریلا اور کمانڈو طرز کے حملوں سے ان کا نقصان کر رہے تھے۔ انہوں نے رسد
روک لی تھی۔ پانی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ میلیبیوں کی یہ فوج نہ لڑنے کے قابل رہی
تھی نہ کچھ بہت کر شوہک کو بچانے کے لیے پہنچ سکتی تھی۔

شوہک میں میلیبیوں نے قلعے اور شہر کی دیواروں سے تیروں اور برچھپوں سے بہت
مقابلہ کیا لیکن سلطان ایوبی کے لقب زن دستوں نے دیواریں توڑ لیں۔ یہ محاصرہ تقریباً
ڈیڑھ مہینہ رہا۔ آخر سلطان ایوبی شوہک میں داخل ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے بیگار کیمپ
میں گیا، جہاں کے بد نصیب قیدیوں نے شکر کے سجدے کیے۔ میلیبیوں کی محاصرہ والی فوج
بے ترتیبی میں پسپا ہو کر کرک کے قلعے میں چلی گئی جہاں بہت سی فوج بیکار بیٹھی صلاح
الدین ایوبی کا انتظار کر رہی تھی۔



نے تینوں حصوں کے کمانڈروں اور ان کے ماتحت کمانڈروں کو اپنے نیچے میں
بلایا۔

”ہم اس مقام پر آگئے ہیں جہاں مجھے رازناش کر دینا چاہیے۔“ سلطان
ایوبی نے کہا۔ ”تم شاید حیران ہو رہے ہو گے کہ میں تمہیں یہ بتاتا رہا ہوں کہ میں کرک
پر حملہ کر دوں گا مگر میں تمہیں کسی اور طرف لے آیا ہوں۔ میں کرک پر حملہ نہیں کر رہا۔ ہماری
منزل شوہک ہے۔ ایک سوال تم سب کو پریشان کر رہا ہے کہ میں نے ان تین جاسوسوں کو
جن میں ایک عالم تھا اور دو لڑکیاں تھیں رہا کر دیا تھا اور انہیں محافظ کیوں دیئے تھے۔
اس سوال کا جواب سنو۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ والے کمرے میں بٹھا کر درمیان کا
دروازہ آدھا کھلا رکھا اور علی بن سفیان اور دو نائبین کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ میں فلاں
تاریخ کو کرک پر حملہ کر رہا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ جاسوس سن رہے تھے۔ میں نے ان کے
کانوں میں یہ بھی ڈالا کہ میں میلیبیوں سے کھلے میدان کی جنگ سے ڈرتا ہوں۔۔۔۔

”اس قسم کی باتیں ان کے کانوں میں ڈال کر انہیں رہا کر دیا اور انہیں محافظ دیئے
تاکہ وہ صحیح و سلامت شوہک پہنچ جائیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ راستے میں ایک حادثہ
ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں نے تین محافظوں اور ایک لڑکی کو مار ڈالا ہے۔ چوتھا محافظ کل رات
شوہک سے واپس آگیا ہے۔ وہاں ہمارے جو جاسوس ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے
کہ عالم جاسوس زندہ شوہک پہنچ گیا تھا جس نے میرا دھوکہ کامیاب کر دیا ہے۔ میلیبیوں
نے اپنی فوج میری مرضی کے مطابق تقسیم کر دی ہے۔ اس وقت تمہاری فوج کا بائیں
والا حصہ میلیبیوں کی بہت بڑی فوج کے بائیں پہلو سے چار میل دور ہے۔“

اُس نے بائیں حصے کے کمانڈر سے کہا۔ ”آج سورج غروب ہونے کے بعد
تم اپنے تمام گھوڑ سوار دستے سیدھے آگے دو میل لے جاؤ گے۔ وہاں سے اپنے
بائیں کو ہوجانا۔ چار میل سیدھا جانا پھر بائیں کو جانا اور دو میل پر تمہیں دشمن آرام کی
حالت میں ملے گا۔ حملہ کرنا تم جانتے ہو۔ یہ نیزہ ہو گا۔ راستے میں جو کچھ آئے اسے
کپٹے ہوئے نکل آؤ اور اپنی اسی جگہ پر آباد جہاں سے چلے تھے۔ دوسرا حصہ شام
کے بعد سیدھا آگے بڑھے گا۔ آٹھ نو میل جا کر بائیں کو ہو جائے گا۔ تمہیں دشمن کی رسد اور
ٹانفے ملیں گے۔ اس کے علاوہ تم دشمن کے عقب میں ہو گے۔ دن کے وقت دشمن بائیں
والے حصے کے قنائب میں آئے گا لیکن تم سامنے کی ٹکر نہیں لو گے۔ دن کو بہت
نیچے آ جاؤ گے۔ رات کو پھر حملہ کر دو گے اور رکو گے نہیں۔ میلیبی آگے بڑھیں گے تو

ایونا جب عاشق بنی

۱۱۷۲ء کا دوسرا مہینہ گزر رہا تھا۔ شوہک کا قلعہ تو سر موچکا تھا لیکن شہر میں ابھی بلنگی اور افراتفری مچی عیسائی اپنے کنہوں سمیت وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ بھاگ بھی گئے تھے۔ انہیں ڈر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جس طرح انہوں نے شوہک کے مسلمان باشندوں پر ظلم و تشدد روا رکھا تھا، اسی طرح اب مسلمان ان کا جینا حرام کر دیں گے۔ اس انتقامی کارروائی سے وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے جب اپنی فوج کو قلعے سے بھاگتے، سلطان ایوبی کے تیراندازوں کے تیروں سے مرتے اور ہتھیار ڈالتے دیکھا تو بال بچوں کو لے کے گھروں سے نکلنے لگے۔ مسلمان سپاہ نے انہیں جانے نہیں دیا تھا۔ سالاروں اور کمانڈروں نے اپنے خود پر حکم دے دیا تھا کہ شہر سے کسی شہری کو کہیں جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی بھاگنے والے عیسائیوں کو ریگستان کے دُور دلاز راستوں، گوشوں اور ٹیلوں کے علاقوں سے روک روک کر واپس بھیج رہے تھے۔

یہ لوگ دراصل اپنے اور اپنے حکمرانوں کے گناہوں کی سزا سے بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کو کیڑے مکوڑے بنا رکھا تھا۔ مسلمانوں کا کیمپ اس کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ سلطان ایوبی کو اس کیمپ کا علم تھا۔ وہ شوہک میں داخل ہوتے ہی اس کیمپ میں پہنچا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں دو ہزار کے قریب مسلمان قید تھے۔ یہ دو ہزار لاشیں تھیں۔ ان سے موشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ان سے غلاظت تک اٹھوائی جاتی تھی۔ ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو یہاں جوانی میں لائے گئے تھے اور بوڑھے ہو چلے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ وہ انسان ہیں۔ ان میں پہلی لڑائیوں کے جنگی قیدی بھی تھے اور ان میں اُن پندھیروں کی تعداد زیادہ تھی جنہیں صلیبیوں نے قافلوں سے اور شہر سے پکڑ کر کیمپ میں ڈالا تھا۔ یہ امیر کبیر تاجر تھے یا

نے حبشیوں کے پیشہ درقاتوں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں جنہوں نے سلطان ایوب کے قتل کا منصوبہ بنا لیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کئی بار کہا تھا کہ صلیبیوں کی یہ کتنی بڑی کامیابی ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ وہ بیشک ایمان فروش ہیں جنہیں میں نے غداری کی پاداش میں سزائے موت دی ہے لیکن وہ مسلمان تھے، مگر گوتے۔ کاش، یہ لوگ اپنے دشمن کو پہچان لیتے۔

اب جب کہ شوبک کا قلعہ اس کے قدموں میں تھا اور وہ قلعے کی دیوار پر پہنچے فوجی مشیروں وغیرہ کے ساتھ گھوم رہا تھا اسے شہر کے مسلمان باشندے گروہ درگروہ ناچتے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے نظر آ رہے تھے۔ اونٹوں پر شہیدوں کی ہاشمیں اور زخمی لاشیں جا رہے تھے، سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا دست راست بہاء الدین شہداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ ”صلاح الدین کے چہرے پر فتح و نصرت کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ خوشیاں منانے والے شوبک کے مسلمانوں کا ایک گروہ نہ اور شہنائی کی تال پر ناچتا اس دیوار کے دامن میں آن رکھا جہاں ہم کھڑے تھے، صبح آیتوں ایوبی انہیں دیکھتا رہا۔ لوگ اسے دیکھ کر پاگوں کی طرح ناچنے لگے، ایوبی کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ اس نے ان لوگوں کے لیے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ بس دیکھ رہا تھا۔ گروہ میں سے کسی نے بلند آواز سے کہا۔ صلاح الدین بن نجم الدین ایوب ہنم شوبک کے مسلمانوں کے لیے پیغمبر بن کر اترے ہوئے۔ وہ لوگ عربی نسل کے تھے۔ ایک دوسرے کو باپ کے نام سے پہچانتے اور پکارتے تھے۔ اس لیے ان میں بیشتر صلاح الدین ایوبی کو بن ایوب یا بن نجم کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو نسل سے تھا....

”ناچنے والوں میں سے کسی نے نعرہ لگایا۔ گروہ کے بچے! ہم تیری پیغمبری کو سجدہ کرتے ہیں۔“ صلاح الدین ایوبی بے محنت بیدار ہو گیا۔ تڑپ کر بولا۔ انہیں کہو مجھے گناہگار نہ کریں۔ میں پیغمبروں کا غلام ہوں۔ سجدے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ میں نے سلطان کے ایک محافظ سے کہا، بھاگ کر جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ ایسے نعرے نہ لگائیں۔ امیر معاویہ ہوتے ہیں۔ محافظ جانے لگا تو ایوبی نے اسے روک کر کہا۔ آرام سے کہنا۔ ان کا دل نہ دکھانا۔ انہیں نہ بچنے دو انہیں گانے دو۔ انہوں نے جہنم سے نجات حاصل کی ہے۔ میری زندگی ان لوگوں

خوبصورت لوگوں کے باپ تھے۔ ان سے دولت، مال اور روکیاں چھین لی گئی تھیں۔ ان میں شہر کے وہ مسلمان بھی تھے جن کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ سلطنتِ صلیبیہ کے وفادار اور صلیب کے دشمن ہیں۔ شہر میں جو مسلمان رہتے تھے وہ نماز اور قرآن گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھتے تھے، وہ بھی اس طرح کہ آواز باہر نہ جائے۔... وہ معمولی حیثیت کے عیسائیوں کو بھی جھک کر سلام کرتے تھے۔ اپنی جوان بیٹیوں کو تودہ پر سے میں رکھتے ہی تھے۔ اپنی معصوم بچیوں کو بھی وہ باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ عیسائی خوبصورت بچیوں کو اغوا کر لیتے تھے۔

سلطان ایوبی نے جب ان دو ہزار زندہ لاشوں کو دیکھا تو اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس نے کہا تھا۔ ”ان مظلوموں کو آزاد کرانے کے لیے میں پوری کی پوری سلطنتِ اسلامیہ کو داؤ پر لگا سکتا ہوں۔“ اس نے ان کی غذا اور ان کی صحت کے لیے نوری احکامات جاری کر دیے تھے اور کہا تھا کہ ابھی انہیں اسی جگہ رکھا جائے اور انہیں بستر ہیا کیے جائیں۔ اس کے پاس ابھی ان کی کہانیاں سننے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اسے ابھی باہر کی کیفیت کو قابو میں لانا تھا۔ باسرا یہ عالم تھا کہ جنگ ابھی جاری تھی جس کی نوعیت کھلی جنگ کی سی نہیں تھی۔ صورت یہ تھی کہ صلیبی فوج جو سلطان ایوبی کے دھوکے میں آکر کرک اور شوبک سے دھڑا اس کی فوج کو روکنے کے لیے چلی گئی تھی وہ بکھر کر پسا ہو رہی تھی۔ مسلمان دستے اس پر شب خون مار مار کر اور زیادہ بڑا حال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو اطلالیں مل رہی تھیں کہ بعض جھوپڑوں میں اس کے دستے گھیرے میں آکر نقصان اٹھا رہے تھے۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ کرک کے تلے میں جو صلیبی فوج ہے، وہ صحرا میں پھنسی اور بکھری ہوئی اپنی فوج کی مدد کے لیے بھیج دی جائے گی۔

اس صورت حال کے لیے سلطان ایوبی کے پاس فوج کی کمی تھی۔ معرے سے وہ کمک نہیں منگوانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں کی سازشیں وہی نہیں تھیں۔ معزول کی ہوئی فاطمی خلافت کے حامی درپردہ سازشوں میں مصروف تھے۔ سو ثانی حبشی الگ طاقت جمع کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صلیبی مدد سے کر سلطان ایوبی کے خلاف متحرک کر رہے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ متقدم مسلمان سیاسی اور فوجی سربراہ بھی سلطان ایوبی کے خلاف درپردہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ یہ ایمان فروشوں کا ٹولہ تھا جو اقتدار کے حصول کے لیے اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کر رہا تھا۔ انہوں

شوبک میں امن اور شہری انتظامات بحال کرنے کی سرگرمیاں تھیں اور کرک میں شوبک پر حملے اور اسے سلطان ایوبی سے چھڑانے کی سکیمیں بن رہی تھیں لیکن صلیبی حملے کے لیے اتنی جلدی تیار نہیں ہو سکتے تھے جتنا وہ سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے پہلا سوال تو یہ تھا کہ ان کے عالم جاسوس نے بڑی کئی اطلاع دی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس کی فوجیں کرک کی طرف ہی آ رہی تھیں۔ ان کے قیام کے جاسوسوں نے بھی ناقابل تردید اطلاعیں دی تھیں کہ سلطان ایوبی کی فوج کرک پر حملہ کرے گی جس کی کمان وہ خود کرے گا مگر آدھے راستے سے اس کی فوجوں نے رخ بدل دیا اور ایسی چالیں چلیں کہ صلیبی فوج جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے گئی تھی، شب خونوں کی زد میں آ گئی اور سلطان ایوبی نے کرک سے اتنی زیادہ دود شوبک پر حملہ کر دیا۔ یہ سوال ایک کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا جس میں صلیبی فوج کے اعلیٰ افسر اور صلیبی حکمران موجود تھے۔ ان کے نمک جاسوسی کا سربراہ، جرمن نژاد ہرن اور عالم جاسوسی جسے سلطان ایوبی نے قاہرہ سے گرفتار کر کے رکھا تھا، ملزموں کی حیثیت سے کانفرنس میں پیش کیے گئے۔ عالم جاسوس شوبک کے قلعے سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کانفرنس میں محکمہ دیو میں پیش کیا گیا تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے غلط اطلاع دے کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا اور ان کی فتح کا باعث بنا ہے۔ اس نے ایک بار پھر بیان دیا کہ اسے یہ اطلاع کس طرح ملی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کی اطلاع میں کوئی شک تھا تو متعلقہ حکمے کو اس کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس کے اس بیان پر ہرن سے پوچھا گیا کہ اس نے جاسوسی کا ہر کی حیثیت سے کیوں تسلیم کر لیا تھا کہ اس جاسوس کی لائی ہوئی اطلاع بالکل صحیح ہے۔ ”مجھے اس ضمن میں بہت کچھ کہنا ہے“ ہرن نے کہا۔ ”میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر ہوں مگر کئی مواقع ایسے آئے ہیں جن میں میری مہارت اور میرے جاسوسوں کی محنت اور قربانی کو نظر انداز کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری مہارت فوج کی مرکزی کمان کے حکم یا کسی بادشاہ کے حکم کی نذر ہو گئی۔ اس کانفرنس میں تین حکمران موجود ہیں اور ان کی متحدہ کمان کے اعلیٰ کمانڈر بھی موجود ہیں اور جبکہ ہم اتنی بڑی شکست سے دوچار ہوئے ہیں جس میں شوبک جیسا قلعہ ہاتھ سے نکل گیا ہے، اس کے ساتھ میلوں وسیع علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے سال بھر کی رسد اور دیگر ساز و سامان دشمن کے ہاتھ لگا ہے اور شوبک کی پوری آبادی مسلمانوں

کی تشویشوں کے لیے وقف ہے۔ وہ اور کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ یہ جذبات کا غلبہ تھا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ وہ ہم سب سے اپنے آنسو چھپا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہم سب کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”ہم ابھی فلسطین کی دہلیز پر پہنچے ہیں۔ ہماری منزل بہت دور ہے۔ ہمیں شمال میں وہاں تک جانا ہے جہاں سے بحیرہ روم کا ساحل گھوم کر مغرب کو جانا ہے۔ ہمیں سرزمین عرب سے آخری صلیبی کو دھکیل کر بحیرہ روم میں ڈبونا ہے۔“

وہیں سلطان ایوبی نے اپنے متعلقہ مشیر کو حکم دیا کہ سارے شہر میں منادی کرا دو کہ کوئی غیر مسلم اس سخت شہر سے نہ بھاگے کہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔ کسی کو کسی مسلمان فوجی یا شہری سے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ قلعے کے دروازے پر شکاریت کرے۔ اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ اس نے زور دے کر کہا کہ ہم کسی کے لیے تکلیف اور مصیبت کا نہیں پیار اور محبت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر کسی نے اسلامی حکومت کے خلاف کوئی بات یا حرکت کی تو اسے اسلامی قانون کے تحت سزا دی جائے گی جو بہت سخت ہوگی اور یاد رکھو کہ اسلامی قانون سے نہ کوئی غیر مسلم بچ سکتا ہے نہ مسلمان۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ شہر میں اگر کوئی صلیبی فوجی یا جاسوس چھپا ہوا ہے یا اسے کسی نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے تو وہ فوراً اپنے آپ کو مسلمان فوج کے حوالے کر دے۔

سلطان ایوبی کی فوج قلعے کی ایک دیوار توڑ کر اندر گئی تھی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ قلعے کے اس حصے پر فوراً قبضہ کیا جائے جہاں صلیبیوں کے نمک جاسوسی کا مرکز تھا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے اس مرکز کے متعلق بہت سے معلومات دی تھیں اور راہنمائی بھی کی تھی مگر صلیبی اتنے اناری نہیں تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اسی حصے کو خالی کیا اور دستاویزات نکال لے گئے تھے۔ ان کی جاسوسی کا سربراہ، ہرن اور اس کے دیگر ماہرین وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ البتہ آٹھ لڑکیاں پکڑی گئی تھیں جو علی بن سفیان کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ وہ ان سے معلومات لے رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے بتایا تھا کہ کم و بیش بیس لڑکیاں وہاں سے نکل گئی ہیں۔ وہ سب اپنے طور پر بھاگی تھیں۔ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ مرد جاسوس بھی نکل گئے تھے۔ ان آٹھ لڑکیوں میں سے ایک نے اپنی ساتھی لڑکی، لوزینا کے متعلق بتایا تھا کہ اس نے ایک مسلمان فوجی (حدید) کو قلعے سے فرار کر کے خودکشی کر لی تھی۔

کی غلام ہو گئی ہے، میں آپ کی خامیاں اور احمقانہ حرکتیں آپ کے سامنے رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور میں آپ سب کو بعد احترام یاد دلاتا ہوں کہ ہم نے صلیب پر حلف اٹھایا ہے کہ صلیب کے ذقار کے لیے اپنا آپ قربان کر دیں گے۔ اگر آپ میں سے کسی کے ذاتی وقار کو ٹھیس پہنچے تو اسے صلیب کا وقار پیش نظر رکھنا چاہئے۔

ہرمین کی حیثیت ایسی تھی کہ کونارڈ، گے آت لوزینان اور شاہ آگسٹ جیسے خود سر بادشاہ بھی اس کی بات رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ جاسوسی کا تمام تر نظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ ان میں تباہ کار ماسوس بھی تھے۔ ہرمین کسی بھی حکمران کو خفیہ طریقے سے قتل کرانے کی ہمت اور اہلیت رکھتا تھا۔ اسے اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنا تجربہ پیش کرے۔

”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ دشمن کے راز معلوم کرنے کے لیے اور اس کی کردار کشی کے لیے مرٹ لڑکیوں پر کیوں بھروسہ کیا جا رہا ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”اس لیے کہ عورت انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔“ کسی حکمران نے کہا۔ ”کردار کشی کا بہترین ذریعہ عورت ہے، خواہ وہ مخبر میں ہو یا گوشت پوست کی صورت میں ہو۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو کہ عرب میں بہت سے مسلمان امراء، قلعہ داروں اور وزراء کو ہم نے عورت کے ہاتھوں اپنا غلام بنالیا ہے؟“

”لیکن آپ یہ نہیں سوچ رہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حکومت فوج کے ہاتھ میں ہے۔“ ہرمین نے کہا۔ ”اُن کا خلیفہ اپنا حکم نہیں منوا سکتا۔ فوجی امور میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی مصر میں حیثیت ایک گورنر کی ہے لیکن اس نے وہاں کے خلیفہ کو معزول کر دیا ہے۔ اور نور الدین زنگی ہے جس کی حیثیت ایک سالار اور وزیر کی ہے لیکن جنگی امور میں اسے بغداد کے خلیفہ سے حکم اور اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہذا یہ پیش نظر رکھیے کہ آپ نے چند ایک امیروں، وزیروں اور قلعہ داروں کو ہاتھ میں لے لیا ہے تو ان کی جہت چند ایک خاندانوں کی ہے۔ وہ آپ کو اپنے ملک کا ایک اپنے علاقہ بھی نہیں دے سکتے۔ اہل اسلامی سلطنت کے اصل حکمران فوجی ہیں۔ نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوجوں کی تربیت ایسی کی ہے کہ آپ لڑکیوں سے اس فوج کا کردار خراب نہیں کر سکتے اور نہ ہی کر سکے ہیں۔ اس فوج کے لیے شراب پینا سنگین جرم ہے۔ اسلام میں ہر کسی کے لیے شراب حرام ہے۔ اس پابندی کا اثر یہ ہے کہ مسلمان فوجی ہو یا شہری وہ اپنے ہوش ٹھکانے رکھتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی شراب کا عادی ہوتا تو آج مصر ہلا ہوتا اور صلاح الدین ایوبی شوبک کے قلعے کا ناسخ نہ

ہوتا بلکہ اس قلعے میں ہمارا قیدی ہوتا۔“

”ہرمین! ایک کمانڈر نے اسے ٹوک کر کہا۔“ اپنی بات لڑکیوں تک رکھو۔ ہمارے پاس مسلمانوں کے اوصاف سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔“

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔“ ہرمین نے کہا۔ ”کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کا استعمال نامکام ہو چکا ہے۔ گزشتہ دو برسوں میں ہم بڑی قیمتی لڑکیاں مصر میں بھیج کر مسلمان فوجیوں کے ہاتھوں مروا چکے ہیں۔ لڑکی کے معاملے میں یہ بھی یاد رکھیے کہ عورت ذات جذباتی ہوتی ہے۔ آپ لڑکیوں کو کتنی ہی سخت ٹریننگ کیوں نہ دیں، وہ مردوں کی طرح پتھر نہیں بن سکتیں۔ ہم انہیں خطروں میں پھینک دیتے ہیں۔ خطرہ ہر حال خطرہ ہوتا ہے اور دل و دماغ پر اثر کرتا ہے۔ بعض اوقات حالات بہت ہی بگڑ جاتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان فوجی ہماری لڑکیوں کو تفریح کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں پناہ میں لے لیتے ہیں اور ان کے جسم اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ لڑکیاں جذبات سے مغلوب ہونے کے وہ جاتی ہیں۔ حال ہی میں ہماری ایک لڑکی کو صلاح الدین ایوبی کے ایک کمانڈر نے ڈاکوؤں سے بچایا اور زخمی ہو گیا۔ لڑکی اسے شوبک میں لے آئی۔ ہم نے اسے مسلمانوں کے کیمپ میں پھینک دیا۔ لڑکی نے اسے ہماری فوج کے ایک انسر کی مدد سے پہنا کر قلعے سے نکال دیا۔ اسے گھوڑا بھی دیا۔ میں نے لڑکی کو پکڑ لیا۔ لڑکی نے نہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اس نے سزا کے خوف سے خودکشی نہیں کی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ گناہگار ہے اور اپنے جسم کو دھوکے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ یہ احساس اننا شدید تھا کہ اس نے زہر پی لیا۔“

”لڑکیوں کے خلاف میں ایک دلیل اور بھی دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس جو جاسوسی لڑکیاں ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جنہیں ہم نے بچپن میں مسلمانوں کے تانوں سے یا ان کے گھروں سے اغوا کرایا تھا۔ انہیں ہم نے اپنا مذہب دیا اور اپنی ٹریننگ دی۔ وہ جوان ہوئیں اور اپنا بچپن اور اپنی اصلیت بھول گئیں۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کی بیٹیاں ہیں مگر ہم نے ان کے مرث نام بدلے۔ ان کا مذہب اور ان کا کردار بدلا، ان کے خون کو نہ بدل سکے۔ میں انسانی نفسیات کو سمجھتا ہوں لیکن یہ میرا تجربہ ہے کہ مسلمان کی نفسیات دوسرے مذاہب کے انسانوں سے مختلف ہے۔ یہ لڑکیاں جب کسی مسلمان کے سامنے جاتی ہیں تو جیسے انہیں اپناک یاد آ جاتا ہے کہ ان کی رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون ہے۔ مسلمان کے خون سے اس کا مذہب نکلتا نہیں۔“

کافر نس کے کمرے میں ایک میلیبی انسرواغل ہوا۔ گرد سے اٹا ہوا اور تھکا ہوا تھا۔ وہ اس فوج کے کمانڈر وگل میں سے تھا جو باہر ریگستان میں چلی گئی تھی اور آہستہ آہستہ کرک کی طرف پسپا ہو رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے کہا: "فوج کی حالت اچھی نہیں۔ میں یہ تجویز لے کے آیا ہوں کہ کرک کی تمام تر فوج کے ساتھ کافی لکھ نکلا کر شوبک پر حملہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ آئے سامنے کی جنگ لڑیں۔ اس

وہ جرائم پیشہ آدمی موزوں رہیں گے جنہیں ان کی خواہش کے مطابق جیلوں سے نکال کر فوج میں لیا گیا ہے۔ فوج میں پیشہ ور فوجیوں کو تلاش کرو اور انہیں چند مل ٹریننگ دے کر شوبک بھیج دو لیکن یہ خیال رکھو کہ ان میں وہی سپاہی ہوں جو شوبک میں رہ چکے ہیں اور وہاں کے گلی کوچوں اور لوگوں سے واقف ہیں.... یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ جرائم پیشہ آدمی اس خطے کی زبان نہیں جانتے۔ اس کا یہ حل پیش کیا گیا کہ زیادہ تر ایسے آدمی بھیجے جائیں جو وہاں کی زبان جانتے ہوں۔

منعہ د مورخین نے شوبک کی فتح کو کئی ایک رنگ دیئے ہیں۔ ان میں صاف گو قسم کے مورخین نے جوہیم آت مار کی طرح عیسائی ہیں، صلیبیوں پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے حکمران خوبصورت لڑکیوں کے ذریعے مسلمان علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور کردار کشی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس سے ان کے اپنے کردار کا پتہ ملتا ہے کہ کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے چند ایک غیر فوجی سربراہوں کو اپنے زیر اثر لے لیا تھا لیکن ان کے دماغ میں یہ نہ آئی کہ مسلمانوں کی ایک قوم بھی ہے اور ایک فوج بھی ہے۔ کسی قوم اور اس کی فوج کے قومی جذبے کو مارنا آسان کام نہیں ہوتا اور اس صورت میں جب کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے بہتے قافلے لوٹے تھے، ان کی بچیاں اغوا کی تھیں، مفتوحہ علاقوں میں وسیع پیمانے پر آبروریزی کی، قتل عام کیا اور مسلمانوں کو بیگار کمپوں میں ٹھونس کر جانور بنا دیا۔ مسلمان قوم اور فوج کے جذبے کو مجروح کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام کی صفوں میں چند ایک خنڈ پیدا کر لینے سے اس مذہب کی عظمت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا تھا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت جب شوبک پر حملے کی ضرورت تھی اور جب صلاح الدین ایوبی جنگی لحاظ سے کمزور تھا، صلیبیوں نے شوبک سے چند ایک لڑکیوں کو نکال لانے پر توجہ مرکوز کر لی اور اس مہم کے لیے جانبازوں کا گروہ تیار ہونے لگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کی جنگی فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے صلیبیوں پر یہ رعب طاری کر دیا تھا کہ اس نے ان کی فوج کو بکھر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اس تاثر کو قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہ دی کہ ایوبی کی اپنی فوج دستہ دستہ لڑ لڑ لڑ لڑ ہو کے بکھر گئی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سلطان ایوبی اس صورت حال سے کچھ پریشان بھی تھا۔ اس کے مشیر خاص شہناو، نے اس کی جس پریشانی

اس نے عیسائیوں کے بھیس میں اپنے جاسوس کرک بھیجا دیئے تھے تاکہ صلیبیوں کے عزائم اور منصوبوں سے آگاہ کرتے رہیں۔ اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اسے محاذ کی خبریں تیزی سے مل رہی تھیں۔ اس نے شوبک سے اور گرد و نواح کے علاقے سے فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی اور حکم دیا کہ قلعے میں فوری طور پر ان کی ٹریننگ شروع کر دی جائے۔ صلیبیوں کے بہت سے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رہ گئے تھے۔

باہر کے دستوں کو اس نے حکم بھیج دیا تھا کہ دشمن کے جانوروں کو مارنے کی بجائے پکڑیں اور قلعے میں بھیجتے رہیں۔ نئی بھرتی کی ٹریننگ کے سلسلے میں اس نے یہ حکم جاری کیا کہ انہیں شب خون مارنے کی اور متحرک جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جائے۔

کرک میں جو کافر نس ہو رہی تھی اس میں ہرمن کی اس تجویز کو رد کر دیا گیا تھا کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ البتہ عالم جاسوس کو چھوڑ دیا گیا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں پر نظریاتی حملہ کرنے کے لیے آدمی تیار کرے۔ اس کے بعد یہ پوچھا گیا کہ شوبک میں کتنی جاسوس لڑکیاں اور مرد رہ گئے ہیں اور کیا لڑکیوں کو وہاں سے نکالا جاسکتا ہے؟ ہرمن نے انہیں بتایا کہ چند ایک لڑکیاں مسلمانوں کی قید میں ہیں۔ کچھ نکل آئی ہیں اور کچھ لاپتہ ہیں۔ مرد جاسوسوں کے متعلق اس نے بتایا کہ چند ایک قید ہو گئے ہیں اور بہت سے وہیں ہیں۔ انہیں اطلاع بھیج دی گئی ہے کہ وہیں رہیں اور اب مسلمان بن کر اپنا کام کریں.... ایک صلیبی حکمران نے کہا کہ جو لڑکیاں وہاں قید میں ہیں انہیں نکالنا شاید آسان نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ کچھ لڑکیاں وہاں عیسائیوں کے گھروں میں روپوش ہو گئی ہوں۔ انہیں وہاں سے نکالنا لازمی ہے۔

نظروٹی دیر کے بحث مباحثے کے بعد طے ہوا کہ ایک ایسا گروہ تیار کیا جائے جو سلطان ایوبی کے شب خون مارنے والے آدمیوں کی طرح جان پر کھیلنا جانتا ہو۔ اس گروہ کا ہر ایک آدمی ذہین اور پھرتیلا ہو۔ عربی یا مصری زبان بول سکتا ہو۔ اس گروہ کو ایسے مسلمانوں کے بھیس میں شوبک بھیجا جائے جس سے پتہ چلے کہ کرک کے عیسائیوں کے ظلم و تشدد سے جاگ کر آئے ہیں۔ انہیں یہ کام دیا جائے کہ شوبک میں رہ کر لڑکیوں کا سراغ لگائیں اور انہیں وہاں سے نکالیں۔ اس کام کے لیے

پر اتنے ہی نہ آیا ہو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تخریب کار اس کے کان زنگی کے خلاف بھردیں۔

بہاؤ الدین شاد اپنی یادداشتوں میں رقمطراز ہے — ”اپنے والد بزرگوار کو دیکھ کر ایوبی بہت حیران ہوا۔ ان کے گھٹنے چھو کر مسافر کیا اور سمجھا کہ محترم والد اسے فتح کی مبارکباد دیتے آئے ہیں مگر انہوں نے بیٹے کو پہلے الفاظ یہ کہے — کیا نور الدین زنگی جاہل ہے جس نے مجھ جیسے گناہ اور غریب آدمی کے بیٹے کو مصر کا حکمران بنا ڈالا ہے؟ کیا مجھے یہ سننا پڑے گا کہ تیرا بیٹا ذاتی اعتبار کی خاطر سلطنت اسلامیہ کے محافظ نور الدین زنگی کا دشمن ہو گیا ہے؟ جاؤ اور زنگی سے معافی مانگو۔۔۔“

بات کھلی تو معلوم ہوا کہ سلطان ایوبی کا ذہن مات ہے اور وہ نور الدین زنگی سے ملک مانگنے والا ہے۔ نجم الدین ایوب مطمئن ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ یہ صلیبیوں کی تخریب کاری اور عیاری ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی قاصد اور معتد فقہ عیسائی الہکاری کو اپنے والد محترم کے ساتھ رخصت کیا اور الہکاری کو نور الدین زنگی کے نام ایک تحریری پیغام دیا۔ اس کے ساتھ شوبک کے کچھ تحفے بھی بھیجے۔ اس نے لکھا: ”بیش قیمت تحفہ شوبک کا قلعہ ہے جو میں آپ کے قدموں میں پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد خدائے عزوجل کی مدد سے کرک کا قلعہ پیش کر دوں گا۔“

اس پیغام میں سلطان ایوبی نے واضح کیا تھا کہ صلیبیوں کی تخریب کاری سے خبردار رہیں اور یہ نہ بھولیں کہ کچھ مسلمان امراء بھی اس تخریب کاری اور سازشوں میں صلیبیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ ان کی سرکوبی کی جائے۔ اس پیغام میں سلطان ایوبی نے شوبک کی اس وقت کی صورت حال اور اپنی فوج کی کیفیت تفصیل سے لکھی اور کچھ انقلابی تجاویز پیش کیں۔ اس نے زنگی کو لکھا کہ ان حالات میں جب دشمن ہماری سرزمین پر قلعہ بند ہے اور وہ میدان جنگ میں ہمارے خلاف سرگرم ہے اور زمین دوز کارروائیوں سے بھی ہمارے درمیان غدار پیدا کر رہا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہماری غیر فوجی تیارات نہ صرف ناکام ہو گئی ہے بلکہ سلطنت اسلامیہ کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ ہم گھر سے دور بے رحم صحرائوں میں دشمن سے برسرِ پیکار ہیں۔ ہمارے مجاہد لڑتے اور مرتے ہیں۔ وہ بھوکے اور پیاسے بھی لڑتے ہیں۔ انہیں کفن نصیب نہیں ہوتے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے تلے روندی جاتی اور صحرائی لوٹریوں اور گدھوں کی خوراک بنتی ہیں۔ اسلام کی عظمت

کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے دتے صلیبیوں کے تعاقب میں بکھر گئے تھے۔ اس سے مرکزیت ختم ہو گئی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے دستے ذاتی اور قومی جذبے کے تحت لڑ رہے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملی ہیں کہ بعض مسلمان دستے صحرائی بھول بھلیوں میں بٹھک گئے اور خوراک اور پانی سے محروم رہے لیکن وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں لڑتے رہے۔

یہ جذبے کی جنگ تھی جس سے صلیبی سپاہی عاری تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان میں لڑنے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اگر صلیبی ادھر توجہ دیتے تو ایوبی کی بھری ہوئی فوج پر قابو پا سکتے تھے مگر وہ ذرا ذرا سی باتوں پر اتنی زیادہ توجہ دیتے تھے جتنی اہم جنگی امور پر دی جاتی ہے۔

یہاں ایک اور وضاحت ضروری ہے۔ اُس دور کے صلیبی نتائج نگاروں کے حوالے سے دو تین غیر مسلم مورخین نے اس قسم کی غلط بیانی کی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے مسلسل دو سال شوبک کو محاصرے میں رکھا اور ناکام لوٹ گیا۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ زنگی کو اس کے مشیروں نے خبردار کیا تھا کہ ایوبی مصر کو اپنے ذاتی تسلط میں رکھ کر فلسطین کا بھی خود مختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ وہ فلسطین پر قبضہ کر کے زنگی کو سزول کر دے گا۔ یہ مورخین لکھتے ہیں کہ نور الدین زنگی نے اس بہانے شوبک کو اپنی فوج روانہ کر دی کہ یہ سلطان ایوبی کے لیے ملک ہے لیکن اس نے اپنے کمانڈروں کو یہ خفیہ ہدایت دی تھی کہ وہ شوبک کے جنگی امور اپنے قبضے میں لے لیں چنانچہ یہ فوج آئی۔ سلطان ایوبی سے کسی نے کہا کہ نور الدین زنگی نے یہ فوج اس کی مدد کے لیے نہیں بھیجی بلکہ اس کی مرکزی کمان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی ہے۔ یہ سن کر سلطان ایوبی دل برداشتہ ہو گیا اور وہ شوبک کا محاصرہ اٹھا کر مصر کو کوچ کر گیا۔

عیسائی مورخین نے زنگی اور ایوبی کی اس مفروضہ چپقلش کو بہت اچھالا ہے لیکن ان مورخین کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ سلطان ایوبی نے ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد شوبک کا قلعہ لے لیا تھا۔ البتہ یہ سچہ بھی ملتا ہے کہ صلیبی تخریب کاروں نے نور الدین زنگی کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی جو عیسائیوں کا میاب نہیں ہو سکی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان ایوبی کے والد نجم الدین ایوب بی مسافرت طے کر کے شوبک پہنچے۔ انہیں شک ہو گیا تھا کہ ان کا بیٹا ایسی حماقت

سے لڑنے کی کوشش نہ کریں بلکہ نکلنے کی ترکیب کریں تاکہ جوابی حملے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج بچ جائے۔ ان احکام کے ساتھ ہی انہوں نے پالیس جہانزادوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جسے مظلوم مسلمانوں کے بہروپ میں شوبک میں داخل ہونا اور لڑکیوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔ میلیبی حکمرانوں نے اس پھینال سے کہ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر ہے وہاں اپنے تخریب کاروں میں اضافہ کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ وہ سوڈان، یمن اور ناٹیلیوں کو جلد از جلد متحد کر کے تاسہرہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ شوبک اور کرک کے درمیانی علاقے میں بہت خون بہہ رہا تھا۔ وہ سارا علاقہ ہموار ریگستان نہیں تھا۔ کئی جنگوں پر مٹی اور ریتیلی سڑکوں کے ٹیلے تھے اور کہیں ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جن میں کوئی داخل ہو جائے تو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ ایسے علاقوں میں میلیبی بھی مر رہے تھے اور سلطان ایوبی کے مہم جو بھی۔ اور وہاں شوبک کے وہ عیسائی بھی مر رہے تھے جو مسلمانوں کے ڈر سے شہر سے کرک کی سمت بھاگ اٹھے تھے۔ فتنائیں گدھلوں کے غول اڑ رہے تھے۔ ان کے پیٹ انسانی گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ صحرائی درندے لاشوں کو بیچ رہے تھے اور مرکزہ آرائی کا یہ عالم تھا جیسے آفت سے آفت تک انسان ایک دوسرے کا کشت و خون کر رہے ہوں۔ اس وسیع ریگزار میں کہیں کہیں فصلستان بھی تھے جہاں پانی مل جاتا تھا۔ تھکے ہارے انسان، زخمی انسان اور پیاس کے مارے ہوئے انسان وہاں جا جا کر گرتے تھے۔

عماد ہاشم سلطان ایوبی کی فوج کے ایک چھوٹے سے دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ شامی باشندہ تھا۔ اسی لیے وہ اپنا نام عماد شامی بتایا کرتا تھا۔ صلیبیوں کے خلاف جو جذبہ ہر مسلمان سپاہی کے دل میں تھا، وہ عماد شامی میں بھی تھا لیکن اس کے جذبے میں انتقام کا تہر اور غضب زیادہ تھا۔ اس کے متعلق سب جانتے تھے کہ وہ قیم ہے اور اس کا سگا عزیز رشتہ دار کوئی نہیں لیکن اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہ قیم ہے یا نہیں کیونکہ اس کا باپ اس کی آنکھوں کے سامنے مرا نہیں تھا۔ وہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں گھر سے بھاگا تھا۔ اُس وقت اس کا گھر شوبک میں تھا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے بچپن میں شوبک پر صلیبیوں کا قبضہ ہوا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کا کشت و خون شروع کر دیا تھا۔ اس کا بچپن صلیبیوں کی دہشت میں گزرا تھا۔ اس نے مسلمان جنگی قیدی بھی دیکھے جنہیں مار مار کر لایا جا رہا تھا اور اس کے

اور قوم کے وفار کو بتنا وہ سمجھتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ہمارے غیر فوجی حکام اور سربراہوں کے خون کا ایک قطرہ نہیں گرتا۔ وہ میدان جنگ سے بہت دور محفوظ بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیش و عشرت کے عادی ہو گئے ہیں۔ دشمن انہیں نہایت حسین اور چلبلی لڑکیوں اور یورپ کی شراب سے اپنا مرید بنا لیتا ہے۔ ہم دین و ایمان کی سر بلندی کے لیے مرتے ہیں اور وہ ایمان کو دشمن کے ہاتھ بیچ کر عیش کرتے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔

سلطان ایوبی نے لکھا کہ اب جبکہ میں فلسطین کی دہلیز پر آ گیا ہوں اور میں نے فلسطین لیے بغیر واپس نہ جانے کا تہیہ کر لیا ہے، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ (نور الدین زنگی) غیر فوجی قیادت پر کڑی نظر رکھیں۔ امیر العلام سے کہیں کہ وہ مسابد میں اور ہر جگہ اعلان کر دے کہ سلطنت اسلامیہ کا صرف ایک خلیفہ ہے اور یہ بنی ادر کی خلافت ہے۔ ہر مسلمان پر اس واحد خلافت کی اطاعت فرض ہے لیکن خطبے میں اور کسی مسجد میں خلیفہ کا نام نہیں لیا جائے گا۔ عظیم نام صرف اللہ اور اس کے رسول صلعم کا ہے۔ یہ حکم بھی جاری کیا جائے کہ آئندہ جب خلیفہ یا کوئی حاکم کسی دورے یا معاہدے کے لیے باہر نکلے گا تو اس کے محافظ دستے کے سوا کوئی جالوس اس کے ساتھ نہیں ہوگا اور لوگ راستے میں رک کر اور جھک جھک کر اسے سلام نہیں کریں گے۔۔۔ سلطان ایوبی نے سب سے زیادہ اہم بات یہ لکھی کہ شیعہ سنی تفرقہ بڑھا جا رہا ہے۔ فاطمی خلافت کی معزولی نے اس تفرقے میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ تفرقہ ختم ہونی چاہیے۔ بے شک خلافت اور حکومت سنی ہے لیکن کسی سنی حاکم یا اہل کار کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شیعوں کو اپنا غلام سمجھے۔ حکومت اور فوج میں شیعوں کو پوری نمائندگی دی جائے۔

اس قسم کی کچھ اور بھی انقلابی تجاویز تھیں جو سلطان ایوبی نے نور الدین زنگی کو بھیجیں۔ مورخین اس پر متفق ہیں کہ زنگی نے ان پر فوری طور پر عمل کیا۔ اپنے ہاں بھی سلطان ایوبی نے شیعہ سنی تفرقہ پیلر و محبت اور عقل و دانش سے مٹانا شروع کر دیا۔



کرک میں میلیبی سلطان ایوبی پر جوابی وار کرنے پر غور کر رہے تھے۔ ان کی مرکزی کمان نے تاسدوں کے ذریعے اپنی بکھری ہوئی فوج کو احکام بھیج دیئے کہ مسلمانوں

سامنے دو قیدیوں کے سرکاٹ دیئے گئے تھے کیونکہ وہ زخموں کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے۔ اس نے مسلمان گھروں سے لڑکیاں اغوا ہوتے دیکھی تھیں اور اس نے مسلمانوں کو بیگار میں جاتے بھی دیکھا تھا۔ شوبک کے مسلمان کہا کرتے تھے کہ جب شہر میں عیسائی مسلمانوں کو بلاوجہ پکڑ پکڑ کر کیپ میں لے جانا شروع کریں اور ان کے گھروں پر حملے کرنے لگیں تو سمجھ لو کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کہیں شکست ہوئی ہے۔

عماد شامی کا گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ اُس کی ایک بہن تھی جس کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ اُسے وہ بہن یاد تھی۔ بہت خوبصورت اور گڑیا سی بچی تھی۔ گھر میں اس کا باپ تھا، ماں بھی اور ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ ایک روز عماد کی گڑیا سی بہن باہر نکل گئی اور لاپتہ ہو گئی۔ باپ نے تلاش کی مگر کہیں نہ ملی۔ ایک مسلمان پڑوسی نے اسے بتایا کہ اُسے عیسائی اٹھالے گئے ہیں۔ باپ شہر کے حاکم کے پاس فریاد لے کر گیا۔ جوہی اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے، حاکم اس پر برس پڑا اور اس پر الزام عائد کیا کہ وہ حکمران قوم پر انصاف نہیں رکھتا۔ گھر آکر باپ نے اور عماد کے بڑے بھائی نے عیسائیوں کے خلاف شور مچا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو ان کے گھر حملہ ہوا۔ عماد نے اپنی ماں اور بڑے بھائی کو قتل ہوتے دیکھا۔ وہ باہر بھاگ گیا اور ایک مسلمان کے گھر جا چھپا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر نہیں گیا کیونکہ اس مسلمان نے اس ڈر سے اُسے باہر نہ نکلنے دیا کہ عیسائی اسے بھی قتل کر دیں گے۔

غٹورے دنوں بعد اس مسلمان نے اسے ایک اور آدمی کے حوالے کر دیا جو اسے چوری چھپے شہر سے باہر لے گیا۔ صبح کے وقت وہ ایک قافلے کے ساتھ جا رہا تھا۔ بہت دنوں کی مسافت کے بعد وہ شام پہنچا۔ وہاں اُسے ایک امیر کبیر تاجر کے گھر نوکری مل گئی۔ اب اس کی یہی زندگی تھی کہ نوکری کرے اور زندہ رہے۔ وہ ذہنی طور پر بالغ اور بیدار ہو گیا۔ یہ انتقام کا جذبہ تھا۔ اسی جذبے کے زیر اثر اسے فوجی اچھے لگتے تھے۔ اس نے تاجر کی نوکری چھوڑ کر کسی فوجی حاکم کے گھر میں نوکری کر لی۔ عماد نے اسے بتایا کہ اس پر کیا ہوتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہے۔

اس حاکم نے اس کی پیدائش کی اور سولہ سال کی عمر میں اسے شام کی فوج میں

بھرتی کر دیا۔ وہ انتقام کے لیے بے تاب تھا۔ اسے تین چار معرکوں میں شریک ہونے کا موقع ملا جن میں اس کے جوہر سامنے آ گئے۔ گیارہ بارہ سال بعد اُسے اس فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا گیا جو نور الدین زنگی نے سلطان ایوبی کی مدد کے لیے بھیجی تھی۔ دو سال مصر میں گزرتے۔ پھر عماد نے اس کی یہ مراد بھی پوری کی کہ وہ شوبک پر حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ گیا لیکن اُسے اس فوج میں رکھا گیا جسے رگبار میں ملیبیوں کی فوج پر حملے کرنے تھے۔

وہاں وہ ملیبیوں کے لیے قہر بنا ہوا تھا۔ اس کا چھاپہ مار سوار دستہ مشہور ہو گیا تھا۔ عماد شامی اپنے سواروں کو ساتھ لیے محارم ملیبیوں کی مشک لیتا پھرتا اور بھٹیروں اور چیتوں کی طرح ان پر چھپتا تھا مگر اس کے سینے میں جواگ لگی ہوئی تھی وہ سرد نہیں ہوتی تھی۔ ایک ماہ بعد اس کے دستے میں کل چار سوار رہ گئے تھے، باقی سب شہید ہو گئے۔ ایک رات اس نے ان چار سواروں سے ملیبیوں کے کم و بیش پچاس افراد کے دستے پر حملہ کر دیا۔ وہ سارا دن چھپ چھپ کر اس کا پیچھا کرتا رہا تھا۔ دن کے وقت وہ چار سپاہیوں سے پچاس سپاہیوں پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے تعاقب میں وہ بہت دور نکل گیا۔ رات کو ملیبی رک گئے اور انہوں نے پڑاؤ کیا لیکن بہت سے سنتری بیدار رکھے۔ عماد نے آدنی رات کے وقت گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور سوئے ہوئے ملیبیوں کے درمیان سے اس طرح گزرا کہ برچی سے دائیں بائیں وار کرتا گیا۔ اس کے چاروں جانبازوں کا بھی یہی انداز تھا۔

انہیں جو بڑی چیز نظر آئی اس پر برچیوں یا تلواروں کے وار کرتے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ کئی سوئے ہوئے ملیبی ان کے گھوڑوں تلے روندے گئے۔ سنتریوں نے تاریکی میں نہیر چلائے جو خطا گئے۔ آگے جا کر عماد نے اپنے جانباز سواروں کو روکا اور انہیں وہاں سے آہستہ آہستہ پیچھے لایا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ دشمن بیدار ہو چکا ہے۔ وہ گھوڑ سواروں کو پھر قریب لے گیا اور ایڑ لگانے کا حکم دے دیا۔ اندھیرے میں اُسے سائے سے گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ پانچوں گھوڑے سرپٹ دوڑتے ان کے درمیان سے گزرے مگر اب وہ دشمن پر وار کر کے آگے گئے تو وہ پانچ کی سمجھائے تین تھے۔ دو کو ملیبی تیر اندازوں نے گرا لیا تھا۔

طرف اور اوپر دیکھتا چلتا گیا۔



آگے راستہ دو ٹیلوں کے درمیان سے مڑتا تھا۔ وہاں سے وہ مڑا تو اپناٹک اُسے کسی کے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی آدمی ساتھ دالے ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا اور ایڑی لگائی۔ تیز رفتار سے وہ ٹیلے کے پیچھے گیا تو آگے راستہ ایک اور ٹیلے نے بند کر رکھا تھا۔ یہ جگہ ایک وسیع کھد بنی ہوئی تھی۔ عماد سے کوئی بیس قدم دور میلے کھیلے سے چنے والا ایک آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عماد کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ اس آدمی کا سر ڈھکا ہوا تھا۔ وہ آدمی نہتہ معلوم ہوتا تھا۔ عماد نے اسے لٹکا لٹکا کر وہ ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ٹیلا مشکل قسم کا تھا۔ عماد آگے چلا گیا۔ اس آدمی نے ایک کوشش اور کی مگر کہیں ہاتھ پاؤں نہ جما سکا۔ وہ تڑھال ہو چکا تھا۔ ٹیلے سے اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ لڑھکتا ہوا عماد کے گھوڑے کے قدموں میں آن پڑا۔ اُس کے سر سے چنے کی اور صنی والا حصہ اتر گیا۔ عماد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک جوان لڑکی تھی اور خوبصورت اتنی جو اس کے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

عماد گھوڑے سے اتر۔ لڑکی خوفزدہ تھی۔ اس کی رہی سہی قوت بھی خوف نے ختم کر دی۔ وہ اٹھی مگر بیٹھ گئی۔ عماد نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ ”پانی پلاؤ۔“ عماد نے ایک گھوڑے سے پانی کی چٹائل کھول کر اسے دے دی۔ اس نے بے تابی سے پانی پیا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ عماد نے اسے کھانے کے لیے کچھ دیا جو اس کے پیٹ میں گیا تو اس کے چہرے پر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ عماد نے اسے کہا۔ ”مجھ سے ڈرو نہیں۔ بتاؤ کون ہو؟“

”شوبک سے اپنے خاندان کے ساتھ چلی تھی“ اس نے تھکی باری زبان میں کہا۔ ”سب مارے گئے ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ مسلمانوں نے راستے میں حملہ کر دیا تھا۔“

”مجھے سچ کیوں نہیں بتا دیتی کہ تم کون ہو؟“ عماد نے کہا۔ ”تم نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔“

عماد کا خون اور زیادہ جوش میں آ گیا۔ اس نے اپنے مجاہدوں سے کہا۔ ابھی انتقام لیں گے۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ اُس نے اپنے دونوں مجاہدوں کو موڑا اور میلیبیوں کے قریب آہستہ آہستہ آکر حملے کا حکم دے دیا۔ اب تو گھوڑے بھی ٹھک گئے تھے اور دشمن پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ اس حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عماد اکیلارہ گیا۔ اب کے وہ دشمن میں سے نکلا تو اس کے ساتھ اپنے دو ساتھیوں کی بجائے دو میلیبی تھے جو اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اندھیرے میں اس نے انہیں ان کی لٹکار سے پہچانا۔ ورنہ وہ انہیں اپنے ساتھی سمجھ رہا تھا۔

وہ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کیا۔ اس کے پاس لمبی برچی تھی۔ دوڑتے گھوڑے سے اس نے دونوں کا مقابلہ کیا۔ گھوڑا گھما گھما کر آگے سامنے آکر معرکہ لڑا۔ لڑائی خامی لمبی ہو گئی اور وہ دور ہٹتے چلے گئے۔ آخر عماد نے دونوں میلیبیوں کو مار لیا اور دونوں کے گھوڑے شوبک۔ بھینچنے کے لیے پکڑ لیے۔ ان کی تلواریں بھی لے لیں مگر اسے یہ خیال نہ رہا کہ کہاں تک جا پہنچا ہے۔ اس نے گھوڑے کو اور اپنے آپ کو آرام دینے کے لیے ایک جگہ قیام کیا لیکن وہ سونے سے ڈرتا تھا کیونکہ کسی بھی وقت اور کہیں بھی وہ دشمن کے زرخے میں آ سکتا تھا۔ اس نے رات جاگتے گزار دی۔ ستارے دیکھ کر اس نے یہ معلوم کر لیا کہ شوبک کس طرف اور کس طرف ہے اور اسے صحرا میں کون سی جگہ جانا ہے۔ جہاں اسے اپنا کوئی دستہ مل جائے گا۔

صبح ہوتے ہی وہ چل پڑا۔ وہ صحرائوں میں جتنا چلا تھا۔ بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ خبر بہ کار چھاپ مار تھا، خطرے کو دور سے سونگھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اُسے دور دور میلیبی چار چار یا پانچ پانچ کی ٹہریں میں جاتے نظر آئے۔ اگر اُس کے پاس دو نالتو گھوڑے نہ ہوتے تو کسی ٹولی پر حملہ کر دیتا۔ وہ بچتا بچانا اپنی راہ چلتا گیا۔ راستے میں اُسے کئی جگہ گھوڑوں اور آدمیوں کے مردار اور میلیبی سپاہیوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں جنہیں گدھ اور لومڑیاں کھا رہی تھیں۔ ان میں اُس کے اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی ہوں گی۔ وہ چلتا گیا اور سورج افق پر چلا گیا۔ آگے ٹیلوں کا علاقہ آ گیا جس میں سے راستے ہر چند قدم پر گھومتے تھے۔ یہاں ڈرتا تھا کہ میلیبیوں کی کوئی ٹولی رات کے لیے قیام کرے گی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ کسی ٹیلے پر کوئی تیر انداز نہ بیٹھا ہو۔ وہ ہر

یہ کتنا خطرناک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی پر سپاہی یا کماندار آپس میں ہی لڑیں۔ وہ خود بھی فرشتہ نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس وقت لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔ عمار نے کوشش کی کہ وہ لڑکی سے نظریں پھیر لے مگر لڑکی کی آنکھوں نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔ اس نے اپنے جسم کے اندر کوئی ایسا بندہ محسوس کیا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس نے ایک بار نظریں جھکالیں مگر آنکھیں اپنے آپ پھر اوپر اٹھ گئیں اور وہ بے چین سا ہونے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ عمار نے آہستہ سے کہا: ”تم شاید کنواری ہو۔“

”ہاں“ لڑکی نے جواب دیا اور ذرا سا بھی سوچے بغیر کہہ دیا۔ ”میرا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ اگر میرے ساتھ کرک چلے چلو تو میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی۔“ عمار بیلہ سا ہو گیا۔ اس نے کہا: ”پھر تم مجھے کہو گی کہ اپنا مذہب تبدیل کر لو، جو میں نہیں کر سکوں گا۔ تم شوبک چل کر میرے ساتھ شادی کرو اور مسلمان ہو جاؤ۔“ ”مجھے بہر حال کرک جانا ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”اگر میرے ساتھ وہاں تک چلو گے تو تمہاری دنیا بدل جائے گی۔“

لڑکی نے سودا بازی شروع کر دی تھی لیکن عمار کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ یہ سوچ ایسی تھی جسے وہ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ بار بار لڑکی کے چہرے، اس کے ریشمی بالوں اور آنکھوں کو دیکھتا اور سر جھکا کر سوچ میں کھو جاتا تھا۔ لڑکی کی جیسے وہ کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کا چہرہ گہری شام کی تاریکی میں چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں سے کھانے کی دو تین چیزیں نکالیں۔ لڑکی کو دیں اور خود بھی کھائیں۔ اس کا جسم اس قدر نڈھال تھا کہ جو نہی بیٹا اس کی آنکھ لگ گئی۔



آدھی رات کے بہت بعد لڑکی نے کروٹ بدلی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے عمار کو دیکھا۔ وہ خراٹے لے رہا تھا۔ ان سے چند قدم دور کھوٹے کھڑے تھے رات کے پھلے پہر کا چاند ٹیلوں کے اوپر آگیا تھا۔ صحرائی چاندنی آئینے کی طرح شفاف تھی۔ لڑکی نے گھوڑوں کو دیکھا۔ عمار کو اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ سونے سے پہلے گھوڑوں کی زمینیں اتار دیتا۔ لڑکی نے گھوڑے

”جھوٹ ہی سہی“ اس نے خوفزدہ ہجے میں کہا۔ ”مجھ پر رحم کرو اور مجھے کرک تک پہنچا دو۔“

”شوبک تک“ عمار نے کہا۔ ”میں تمہیں شوبک لے جا سکتا ہوں۔ کرک نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ میں راستے میں عیسائی فوج کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا۔“ ”پھر مجھے ایک گھوڑا دے دو۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میں لڑکی ہوں۔ اگر راستے میں کسی کے قبضے میں آگئی تو مانتے ہو کہ میرا انجام کیا ہوگا۔“

”میں تمہیں گھوڑا بھی نہیں دے سکتا۔ تمہیں یہاں سے اکیلے روانہ بھی نہیں کر سکتا۔“ عمار نے کہا۔ ”یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ شوبک لے جاؤں۔“

”وہاں مجھے کس کے حوالے کر دے گا؟“ عمار نے کہا اور اسے تسلی دی۔ ”تمہارے اپنے حاکموں کے حوالے کر دوں گا۔“ عمار نے کہا اور اسے تسلی دی۔ ”تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جس کا تمہیں ڈر ہے۔“

لڑکی کرک جانے کی ضد کر رہی تھی۔ عمار نے اسے بتایا کہ انہیں حکم ملا ہے کہ شوبک کے کسی عیسائی باشندے کو وہاں سے بھاگنے نہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے لڑکی کو خبردار کیا کہ وہ کرک تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ چونکہ گوری رنگت کی خوبصورت لڑکی تھی اس لیے لڑکی کو یہ ڈر تھا کہ یہ مسلمان فوجی اسے بے آبرو کرے گا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ آبرو کا ہی سودا کر کے اسے کہا جائے کہ وہ اسے گھوڑا دے دے۔ لڑکی نے اپنا روتیہ بدل لیا اور عمار سے کہا۔ ”میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ آج رات یہیں قیام کیا جائے۔ صبح شوبک کو روانہ ہو جائیں گے۔“ عمار بھی تھکا ہوا تھا۔ گھوڑوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لڑکی کی بھی حالت دیکھ رہا تھا۔ اس نے وہیں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے لڑکی نے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے یہی دیکھا تھا کہ یہ بڑھی ہوئی دائرہ والی مسلمان فوجی ہے جو جسم کی سخت اور گرد سے اٹے ہوئے چہرے سے دشمنی لگاتا ہے۔ اس سے اسے رحم کی امید نہیں تھی۔ اب جبکہ اس نے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا، اس نے عمار کو گہری نظروں سے دیکھا۔

اس وقت عمار بھی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس قدر حسین لڑکی کا اس صحرائے اکیلے رہ جانا جہاں میلیبی اور اسلامی سپاہی لمبے عرصے سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں اس کے

تیار دیکھے، عماد کو گہری نیند سوتے دیکھا اور یہ بھی محسوس کیا کہ پیٹ میں خوراک اور پانی جانے سے اس کا جسم تروتازہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنے چٹخے کے اندر ہاتھ ڈالا۔ جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس کی آنی دکلش انگلیوں نے ایک خنجر کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ چاندنی میں اسے عماد کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ تو پہنچی کی نیند سو رہا تھا۔ لڑکی نے چاندنی میں چپکے ہوئے خنجر کو دیکھا اور ایک بار پھر عماد کے چہرے پر نظر ڈالی۔ عماد آہستہ سے کچھ بڑبڑایا۔ وہ عیند میں بول رہا تھا۔ لڑکی یہی سمجھ سکی کہ وہ گھر والوں کو یاد کر رہا ہے۔

لڑکی نے عماد کے سینے کو غور سے دیکھا اور اندازہ کیا کہ اس کا دل کہاں ہے۔ وہ ایک سے دوسرا وار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ وار دل پر ہونا چاہئے تھا تاکہ عماد فوراً مر جائے ورنہ وہ مرتے مرتے بھی اُسے مار ڈالے گا۔ لڑکی نے خنجر کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑوں کو دیکھا۔ اس نے دل ہی دل میں پورا عمل دہرایا۔ وہ خنجر دل میں اتار دے گی اور بھاگ کر ایک گھوڑے پر سوار ہو جائے گی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دے گی۔ وہ سپاہی نہیں تھی ورنہ وہ بلا سوچے سمجھے خنجر مار کر عماد کو ختم کر دیتی۔ یہی وجہ کافی تھی کہ عماد مسلمان ہے اور اس کا دشمن، مگر وہ بار بار عماد کے چہرے پر نظریں گاڑ لیتی تھی اور جب اسے قتل کرنے کے لیے خنجر کو مضبوطی سے پکڑتی تھی تو اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ عماد ایک بار پھر بڑبڑایا۔ اب کے اس کے الفاظ ذرا سات تھے۔ وہ خواب میں اپنے گھر پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ماں کا نام یا بہن کو بھی یاد کیا اور کچھ ایسے الفاظ کہے جیسے انہیں قتل کر دیا گیا اور عماد تاتلوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔

کوئی احساس یا جذبہ لڑکی کا ہاتھ روک رہا تھا۔ خوف بھی ہو سکتا تھا۔ یہ قتل نہ کرنے کا جذبہ بھی ہو سکتا تھا۔ لڑکی بے چین ہو گئی۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ قتل نہ کرے۔ آہستہ سے اٹھے۔ گھوڑے پر بیٹھے اور آہستہ آہستہ اس کھڈے سے نکل جائے۔ وہ اٹھی اور خنجر ہاتھ میں لیے گھوڑے کی طرف چل پڑی مگر ریت نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ اس نے رک کر عماد کو دیکھا تو اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس مرد نے اتنی بھی پرواہ نہیں کی کہ اسے ایک جوان لڑکی تنہائی میں مل گئی ہے اور اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ لڑکی عیسائی ہے جو اُسے سوتے میں قتل کر سکتی ہے اور اس نے گھوڑے کی زینیں بھی نہیں اتاریں اور اس نے

اپنی برہمچی اور تلوار بھی احتیاط سے نہیں رکھی۔ کیوں؟ کیا اسے مجھ پر بھروسہ تھا؟ کیا یہ اتنا ہی بے حس ہے کہ میری جوانی اس کے اندر کوئی جذبہ بیلید نہیں کر سکی؟ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس آدمی نے اسے گھوڑے سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک گھوڑے تک پہنچی۔ گھوڑا پہنچایا۔ لڑکی نے گھبرا کر عماد کو دیکھا۔ گھوڑے کی آواز پر بھی اس کی آنکھ نہ کھلی۔

وہ تین گھوڑوں کی ادٹ میں کھڑی ایک گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ "کون ہو تم؟" لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ایک آدمی نے منہ سے رسل بھائی اور کہا۔ "ہماری یہ قسمت؟" وہ دوڑتے۔ دوسرا ہنسا۔ لڑکی زبان سے پہچان گئی کہ یہ صلیبی ہیں۔ ایک نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ لڑکی نے کہا۔ "میں صلیبی ہوں۔" دونوں آدمی ہنس پڑے اور ایک نے کہا۔ "پھر تم سالم ہماری ہو۔ آؤ۔"

"ذرا ٹھہرو اور میری بات سنو۔" اس نے کہا۔ "میں شوبک سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ میرا نام ایونا ہے۔ میں باسوسی کے شعبے کی ہوں۔ کرک جاری ہوں۔" لڑکی نے ایک مسلمان سپاہی سویا ہوا ہے۔ اس نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر بھاگ رہی ہوں۔ میری مدد کرو۔ یہ گھوڑے سنبھالو اور مجھے کرک پہنچاؤ۔" اس نے انہیں اچھی طرح سمجھایا کہ وہ صلیبی فوج کے لیے کتنی قیمتی اور کارآمد لڑکی ہے۔

ایک صلیبی نے اسے وحشیوں کی طرح بازوؤں میں جکڑ لیا اور کہا۔ "جہاں کموگن پہنچا دیں گے؟" دوسرے نے ایک بیہودہ بات کہہ دی اور دو ٹول اسے ایک طرف کو دھکیلنے لگے۔ وہ صلیبی فوج کے پیادہ سپاہی تھے جو مسلمان چھاپے ماروں سے بھاگتے پھر رہے تھے۔ رات وہ چھپ کر ذرا آرام کرنا چاہتے تھے۔ ایسی خوبصورت لڑکی نے انہیں حیران بنا دیا۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ انہیں صلیب کا بھی کوئی خیال نہیں تو اس نے اس اُسید پر بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا کہ عماد جاگ اٹھے گا۔ اسے سپاہیوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔

اچانک ایک نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے ساتھی کا نام لے کر کہا۔ "بچو۔" گراس کے پیچھے سے پہلے ہی عماد کی برہمچی اس کی پیٹھ میں اتر چکی تھی۔ دوسرے نے

”تم میری تلوار بھی اپنے پاس رکھ لو۔“ عماد نے کہا۔ ”تم مجھے قتل نہیں کر سکو گے۔ یہ مذاق نہیں تھا۔ دونوں پر سنجیدگی طاری تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میسر اگھوڑا ساتھ لے کر چل پڑے۔“

سورج نکلنے تک وہ اُس علاقے میں پہنچ چکے تھے جہاں کوئی صلیبی سپاہی نظر نہیں آتا تھا۔ عماد کی اپنی فوج کے چند سپاہی اسے نظر آئے، جن کے ساتھ اس نے کچھ باتیں کیں اور چلتے گئے۔ اپریل کا سورج بہت ہی گرم تھا۔ وہ منہ اور سر پیٹھے ہوئے چلتے گئے۔ دُور سے ریت پانی کے سمندر کی طرح چمکتی نظر آتی تھی اور بائیں سمت پتلی سلتوں کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ سفر کے دوران وہ آپس میں کوئی بات نہ کر سکے۔ گرمی کے علاوہ ان لاشوں نے بھی ان پر خاموشی طاری کر رکھی تھی جو انہیں ادھر ادھر بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کوئی ایک بھی لاش سالم نہیں تھی گیتھوں اور درندوں نے ان کے اعضا رگ رگ کر دیئے تھے۔ بعض لاشوں کی صرف ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں۔ عماد نے لڑکی سے کہا۔ ”یہ تمہاری قوم کے سپاہی ہیں۔“

برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں۔ لڑکی خاموش رہی۔ وہ بار بار عماد کو دیکھتی تھی اور آہ بھر کر سر جھکا لیتی تھی۔ عماد نے سلتوں کی پہاڑیوں کا رخ کر لیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں پانی ضرور ہوگا اور سایہ بھی۔ سورج ان کے پیچھے جانے لگا تو وہ پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔ تلاش کے بعد انہیں ہری جھاڑیاں اور گھاس نظر آ گئی۔ ایک جگہ سے پہاڑی کا دامن پھٹا ہوا تھا۔ وہاں پانی تھا۔ وہ گھوڑوں سے اترے۔ پہلے خود پانی پیا پھر گھوڑوں کو پانی پینے کے لیے چھوڑ دیا اور سائے میں بیٹھ گئے۔

”تم کون ہو؟“ لڑکی نے اس سے پوچھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟“

”میں مسلمان ہوں۔“ عماد نے جواب دیا۔ ”میرا نام عماد ہے اور میں شامی ہوں۔“

”رات خواب میں تم کسے یاد کر رہے تھے؟“

”یاد نہیں رہا۔“ عماد نے کہا۔ ”میں شاید خواب میں بول رہا ہوں گا۔ میرے ساتھی مجھے بتایا کرتے ہیں کہ میں خواب میں بولا کرتا ہوں۔“

تلوار سوخت لی۔ اُس وقت لڑکی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ اس نے خنجر صلیبی سپاہی کے پہلو میں گھونپ دیا۔ یکے بعد دیگرے دو آدمے وار کئے اور چلا چلا کر کہا۔ ”تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ تم صلیب کے نام پر غلیظ داغ ہو۔“ جب دونوں صلیبی ٹھنڈے ہو گئے تو لڑکی بے قابو ہو کر رونے لگی۔ عماد نے اسے ہلایا اور کہا۔ ”اب یہاں رکنا ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے زیادہ سپاہی ادھر آ نکلیں۔ ہم ابھی شوبک کو روانہ ہو جا۔ تمہیں؟“ اس نے لڑکی سے پوچھا۔ ”انہوں نے تمہیں جگایا تھا؟“

”نہیں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں جاگ رہی تھی اور گھوڑوں کے پاس کھڑی تھی۔“

”وہاں کیوں؟“

”گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے کے لیے۔“ لڑکی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔“

”تم نے خنجر کہاں سے لیا ہے؟“

”میرے پاس تھا۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں نے پہلے ہی ہاتھ میں لے رکھا تھا۔“

”پہلے ہی ہاتھ میں کیوں لے رکھا تھا؟“ عماد نے پوچھا۔ ”شاید اس لیے کہ میں جاگ اٹھوں تو تم مجھے قتل کر دو۔“

لڑکی نے جواب نہ دیا۔ عماد کو دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ ”میں تمہیں قتل کر کے بھاگنا چاہتی تھی۔ پیشتر اس کے کہ تم مجھے قتل کر دو، میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں نے یہ خنجر تمہیں قتل کرنے کے لیے کھولا تھا لیکن ہاتھ اٹھا نہیں۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں نے تمہارے دل میں خنجر کیوں نہیں اتارا۔ تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں بزدل نہیں۔ پھر بھی میں تمہیں قتل نہ کر سکی۔ میں کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتی۔ شاید تم کچھ بتا سکو۔“

”زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“ عماد نے کہا۔ ”تمہارا ہاتھ میرے خدا نے روکا تھا اور تمہاری عزت خدا نے بچائی ہے۔ میرا وجود تو ایک بہانہ اور ایک سبب تھا۔۔۔ کسی گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور چلو۔“

لڑکی نے خنجر عماد کی طرف بڑھا کر کہا۔ ”میرا خنجر اپنے پاس رکھ لو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔“

سمجھ گیا ہوں تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔ تم مزید حیران ہوگی کہ میں نے تمہارے ساتھ وہ سلوک کیوں نہیں کیا ہے جو تمہاری صلیب کے دو سپاہیوں نے تمہارے ساتھ کرنا چاہا تھا۔ ہو سکتا ہے تمہارے دل میں یہ خوف ابھی تک موجود ہو کہ میں تمہیں دھوکہ دے رہا ہوں اور تمہیں شوبک لے جا کر خراب کروں گا یا تمہارے ساتھ تمہاری مرضی کے خلاف شادی کر لوں گا یا تمہیں بیچ ڈالوں گا۔ میں تمہارا یہ خوف دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لڑکی میرے مذہب کی ہو یا کسی دوسرے مذہب کی، میں کسی لڑکی کو میری نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب تیرہ چودہ سال کا تھا تو میری ایک چھوٹی سی بہن اغوا ہو گئی تھی۔ اس کی عمر چھ سات سال تھی۔ سولہ سال گزر گئے ہیں۔ اسے شوبک کے عیسائی اٹھائے گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ اگر زندہ ہے تو کسی امیر کے حرم میں ہوگی یا تمہاری طرح جاسوسی کرتی پھر رہی ہوگی۔ میں جس لڑکی کو دیکھتا ہوں اسے اپنی بہن سمجھ لیتا ہوں۔ اسے بُری نظر سے اس لیے نہیں دیکھتا کہ وہ میری گمشدہ بہن ہی نہ ہو۔ میں تمہیں صرف اس لیے شوبک لے جا رہا ہوں کہ محفوظ رہوں۔ میں جانتا تھا کہ محرم میں اکیلے جانے اور پیدل چلنے سے تمہارا کیا حشر ہوتا اور تم کسی کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارا حال وہی ہوتا جو تمہارے اپنے میلپی بھائی کرنے لگے تھے۔ مجھے اپنی خوبصورتی کا احساس نہ دلاؤ۔ میں اس احساس کے لحاظ سے مردہ ہوں۔ مجھے لذت ان محرموں میں میلپیوں کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے اور ان کا خون بہاتے ملتی ہے۔

لڑکی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پیاس کا تاثر تھا۔ اس کے ساتھ ایسی باتیں کسی نے نہیں کی تھیں۔ اسے بے حیائی اور عیاری کے سبق دیئے گئے تھے اور اس کی باتوں اور چال ڈھال میں بڑی منت سے سنسی کشش پیدا کی گئی تھی۔ اسے ایک بڑا ہی خوبصورت فریب بنایا گیا تھا۔ اس پر سن اور شراب کا نشہ طاری کیا گیا تھا۔ اسے عصمت کے موتی سے محروم رکھا گیا تھا اور وہ اس ٹریننگ کے بعد اپنی ساختی لڑکیوں کی طرح اپنے آپ کو مردوں کے دلوں پر راج کرنے والی شہزادہ سمجھنے لگی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اس کا گھر کہاں ہے اور اس کے ماں باپ کیسے تھے۔ عماد کی جذباتی باتوں نے اُس کی ذات میں ایک عورت کے جذبات بیدار کر دیئے۔ وہ گہری سوچ کے عالم میں کھو گئی۔ عماد سے جیسے وہ بے تکلف ہو گئی ہو۔

”تمہاری ماں ہے؟ بہن ہے؟“ لڑکی نے پوچھا اور کہا۔ ”تم شاید انہیں یاد کر رہے تھے۔“

”تجیں کبھی!“ عماد نے آہ بھر کر کہا۔ ”اب انہیں خواب میں دیکھا کرتا ہوں۔“ لڑکی نے اُس سے ساری بات پوچھنے کی بہت کوشش کی لیکن عماد نے اور کچھ نہیں بتایا۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ ”تم نے اپنے متعلق جھوٹ بولا تھا۔ مجھے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم کون ہو۔ میں تمہیں متعلقہ حاکم کے حوالے کر کے واپس آجاؤں گا۔ اگر سچ بول سکو تو اپنے متعلق کچھ بتا دو لیکن یہ نہ کہنا کہ تم ان صلیبی لڑکیوں میں سے نہیں ہو جو ہمارے ملک میں جاسوسی کے لیے آتی ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو؟“ لڑکی نے کہا۔ ”میں جاسوس لڑکی ہوں۔ میرا نام ایونا ہے۔“

”تمہارے ماں باپ کو معلوم ہے کہ تمہارا کام کس قسم کا ہے؟“ عماد نے پوچھا۔

”میرے ماں باپ نہیں ہیں۔ ایونا نے جواب دیا۔ ”میں نے ان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میرا مکہ میری ماں اور اس مکہ کا حاکم ہرن میرا باپ ہے۔“ اس نے یہ بات یہیں پر ختم کر دی اور کہا۔ ”میری ایک ساختی لڑکی نے ایک مسلمان سپاہی کو بچانے کے لیے زہر پی بیا تھا۔ میں اُس وقت بہت حیران ہوئی تھی کہ کوئی صلیبی لڑکی ایک مسلمان کے لیے اتنی بڑی قربانی کر سکتی ہے؟ میں آج محسوس کر رہی ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔“

پتہ چلا تھا کہ اُس مسلمان سپاہی نے بھی تمہاری طرح اُس لڑکی کو ڈاکوؤں سے لڑکر بچایا، خود زخمی ہوا اور لڑکی کو شوبک تک پہنچایا تھا۔ تمہاری طرح اس نے بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے۔ لوزینا بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہاری خاطر اپنی جان قربان کر دوں گی۔“

”میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔“ عماد نے کہا۔ ”ہم لوگ حکم کے پابند ہوتے ہیں۔“

”شاید یہ جذبات کا اثر ہے کہ میں ایسے محسوس کرتی ہوں جیسے میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے۔“

”دیکھا ہوگا؟“ عماد نے کہا۔ ”نمصر گئی ہوگی۔ وہاں دیکھا ہوگا۔“

”میں مصر ضرور گئی ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”تمہیں نہیں دیکھا تھا؟“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟“

”تمہاری خوبصورتی سے میں نے انکار نہیں کیا۔“ عماد نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں

روک لیا اور بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ ایونا نے اس سے پوچھا۔ ”یہاں کیوں رک گئے؟“ اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ دروازے کے قریب سب کر گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اس نے دروازے پر آہستہ آہستہ دو تین ٹھوکیں ماریں۔ ایک بزرگ صورت انسان نے دروازہ کھولا۔

”یہاں کون رہتا ہے؟“ عماد نے عربی زبان میں پوچھا۔

”کوئی نہیں“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”عیسائیوں کا ایک خاندان رہتا تھا۔

ہماری فوج آگئی تو پورا خاندان بھاگ گیا ہے۔“

”اب آپ نے اس پر قبضہ کر لیا ہے؟“

بوڑھا ڈر گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ سوار فوجی ہے اور اس سے باز پرس کر رہا

ہے کہ عیسائی کے مکان پر اس نے کیوں قبضہ کر لیا ہے جبکہ سلطان ایوبی نے منادی کے ذریعے حکم جاری کیا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ بوڑھے نے کہا۔ ”میں نے قبضہ نہیں کیا۔

اس کی حفاظت کے لیے یہاں آگیا ہوں۔ میں اسے بالکل بند کر دوں گا۔ اس کا

مالک زندہ ہے۔ وہ مسلمان ہے اور پندرہ سولہ سال سے بیگار کیمپ میں پڑا ہے۔“

”کیا امیر مصر نے انہیں کیمپ سے رہا نہیں کیا؟“ عماد نے پوچھا۔

”وہاں کے مسلمان اب آزاد ہیں لیکن ابھی کیمپ میں ہی ہیں“ بوڑھے نے

جواب دیا۔ ”ان سب کی حالت اتنی بُری ہے کہ قابلِ احترام سالارِ اعظم ایوبی

نے ان کے لیے دودھ، گوشت، دوائیوں اور نہایت اچھے رہن سہن کا انتظام

وہیں کر دیا ہے۔ بہت سے طبیب ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ ان میں جس

کی صحت بحال ہو جاتی ہے اسے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں جو رہتے ہیں انہیں

ان کے رشتہ دار وہیں ملنے جاتے ہیں۔ اس مکان کا مالک بھی وہیں ہے۔ ایک تو

اس کا بڑھاپا ہے اور دوسرے کیمپ کی پندرہ سولہ سالوں کی اذیتیں۔ بے چارہ

موت زندہ ہے۔ میں اسے دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ امید ہے صحت یاب ہو جائے گا۔

میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا مکان خالی ہو گیا ہے۔“

”اس کے رشتہ دار کہاں ہیں؟“ عماد نے پوچھا۔

”کوئی بھی زندہ نہیں“ بوڑھے نے جواب دیا اور تین چار گھر چھوڑ کر ایک مکان

کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ میرا ذاتی مکان ہے۔ میں ان لوگوں کا صرف پڑوسی تھا

اس نے گہری سوچ کے عالم میں کہا۔ ”ایک ڈراؤنے خواب کی طرح یاد آتا ہے کہ مجھے ایک گھر سے اٹھایا گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا کہ اُس وقت میری عمر کیا تھی۔“ اس نے اپنے بالوں میں دونوں ہاتھ پھیرے اور بالوں کو دونوں

مٹھیوں میں لے کر جھوٹا جیسے پرانی یادوں کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہی

ہو۔ اس نے اُکتا کر کہا۔ ”کچھ یاد نہیں آتا۔ میرا مانی شراب اور عیش و عشرت

اور حسین عیاریوں میں گم ہو گیا ہے۔ میں نے کبھی بھی نہیں سوچا کہ میرے والدین

کون تھے اور کیسے تھے۔ مجھے کبھی ماں باپ کی مزدت محسوس ہوئی ہی نہیں۔ میرے

اند جذبات تھے ہی نہیں۔ مجھے معلوم ہی نہیں کہ مرد باپ اور بھائی بھی ہو سکتا

ہے۔ مرد مجھے اپنی تفریح کے استعمال کی چیز سمجھتے ہیں لیکن میں مردوں کو

استعمال کیا کرتی ہوں۔ جس پر میری خوبصورتی اور میری جوانی کا نشہ طاری ہو

اسے میں شیش اور شراب سے اپنا غلام بنا لیا کرتی ہوں۔ مگر اب تم نے جو باتیں کی

ہیں انہوں نے مجھ میں وہ حسیں بیدار کر دی ہیں جو ماں، باپ، بہن اور بھائی کا

پیار ملتی ہیں۔“

اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ وہ رک رک کر بولتی رہی پھر بالکل ہی چپ ہو گئی۔

کبھی عماد کو ٹھنکی باز نہ کر دیکھنے لگتی اور کبھی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے بال مٹھی میں

لے کر جھنجھوڑنے لگتی۔ وہ دراصل گم گشتہ ماضی اور حال کے درمیان بھٹک گئی

تھی۔ عماد نے جب اسے کہا کہ اٹھو چلیں، تو وہ بھولے بھالے معصوم سے بچے کی

طرح اس کے ساتھ چل پڑی۔ ان کے گھوڑے انہیں پہاڑی علاقے سے بہت

دور لے گئے تو بھی وہ عماد کو دیکھ رہی تھی۔ مرت ایک بار اس نے ہنس کر کہا۔

”مرد کی باتوں اور وعدوں پر میں نے کبھی اعتبار نہیں کیا۔ میں سمجھ نہیں سکتی کہ میں کیوں

محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ جانا چاہیے۔“ عماد نے اس کی طرف دیکھا

اور مسکرا دیا۔



وہ جب شوک کے دروازے پر پہنچے تو اگلے روز کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

وہ صبح میں ایک اور رات گزار آئے تھے۔ عماد لڑکی کو جہاں لے جانا چاہتا تھا

اُس جگہ کے متعلق پوچھ کر وہ چل پڑا۔ گھوڑے شہر میں سے گزر رہے تھے۔ لوگ

ایونا کو رک رک کر دیکھتے تھے۔ چلتے چلتے عماد نے ایک مکان کے سامنے گھوڑا

لوٹکی مسکرائی اور بولی: "تمہاری طرح میں بھی اپنا بچپن ڈھونڈ رہی ہوں" اس نے عماد سے پوچھا: "یہ تمہارا گھر تھا؟ تم یہیں سے بھاگے تھے؟" "یہیں سے" عماد نے جواب دیا اور اُسے سنا دیا کہ کس طرح اُن کے گھر پر عیسائیوں نے حملہ کیا اور اس کی ماں اور بڑے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ عماد بھاگ گیا اور وہ آج تک یہ سمجھتا رہا کہ اس کا باپ بھی قتل ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بوڑھا بتاتا ہے کہ باپ کیمپ میں زندہ ہے۔

"تم نے اس بوڑھے کو بتا دیا ہے کہ وہ لوگ تم ہی ہو جسے اس نے پناہ دی تھی؟" "میں بتانا نہیں چاہتا" اس نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

ایونا اُسے بڑی غور سے دیکھنے لگی اور بوڑھا ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ دونوں یہاں کیا دیکھ رہے ہیں۔ عماد بچپن کی یادوں میں گم ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے پوچھا: "میرے بے کیا حکم ہے؟"

عماد چونکا اور حکم دینے کے بجائے بولا: "اس مکان کو اپنی نگرانی میں رکھیں۔ یہ آپ کی تحویل میں ہے" اس نے ایونا سے کہا: "آؤ۔ چلیں"

"پہلے اپنا فرض ادا کر لو" عماد نے جواب دیا: "مجھے ریگستان میں میرا کماندار ڈھونڈ رہا ہوگا۔ وہ مجھے مردہ قرار دے چکے ہوں گے۔ وہاں میری ضرورت ہے۔ آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ میں یہ امانت کسی کے حوالے کر دوں"



"لوٹکیاں، لوٹکیاں، لوٹکیاں" سلطان صلیح الدین ایوبی نے شگفتہ سے بچے میں علی بن سفیان سے کہا: "کیا یہ کمبخت صلیبی میرے راستے میں لوٹکیوں کی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ لوٹکیوں کو میرے سامنے بچا کر مجھ سے شوبک کا قلعہ لے لیں گے؟"

"امیر محترم!" علی بن سفیان نے کہا: "آپ اپنی ہی باتوں کی تردید کر رہے ہیں۔ یہ لوٹکیاں دیوار نہیں بن سکتیں۔ دیگ بن چکی ہیں اور دیگ کا کام کر رہی ہیں۔ آپ کے امیر محترم نور الدین زنگی کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش لوٹکیوں کے ہاتھوں کرائی گئی ہے اور ان لوٹکیوں نے خشیش اور شراب کے ذریعے ہمارے مسلمان حکام اور امراء کو استعمال کیا ہے"

آپ مجھے ان کا رشتہ وار کہہ سکتے ہیں؟" عماد یہ پوچھ کر کہ اندر مستورات نہیں ہیں گھوڑے سے اتر کر اندر چلا گیا۔ کمروں میں گیا۔ دیواروں پر ہاتھ پھیرا۔ ایونا بھی اندر چلی گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ آنسو پونچھ رہا تھا۔ ایونا نے آنسوؤں کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا: "اپنے بچپن کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں اس گھر سے بھاگا تھا۔ یہ میرا گھر ہے۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بوڑھے سے پوچھا: "ان کے رشتہ دار مر گئے ہیں؟ ان کی کوئی اولاد بھی تھی؟" "مرن ایک لڑکا بچا تھا جو عیسائی ڈاکوؤں سے بچ کر میرے گھر آ گیا تھا۔" بوڑھے نے جواب دیا: "اسے میں نے شام روانہ کر دیا تھا۔ اگر یہاں رہتا تو مارا جاتا"

عماد کو وہ رات یاد آگئی جب وہ اس گھر سے بھاگ کر پڑوسی کے گھر جا چھا تھا۔ وہ یہی پڑوسی تھا مگر اس نے بوڑھے کو بتایا نہیں کہ وہ لوٹکا جسے اس نے شوبک سے شام کو روانہ کر دیا تھا وہ یہی جوان ہے جسے وہ یہ کہانی سنا رہا ہے۔ عماد کے لیے جذبات پر تابو پانا محال ہو گیا لیکن وہ سخت جان فوجی تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا: "میں اس مکان کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا نام بتا دو" بوڑھے نے اسے اس کے باپ کا نام بتا دیا۔ عماد کو اپنے باپ کا نام اچھی طرح یاد تھا۔

"اس لڑکے کی ایک بہن تھی" بوڑھے نے کہا: "بہت چھوٹی تھی۔ اسے عیسائیوں نے اغوا کر لیا تھا۔ اسی ضمن میں اس گھر کے سارے افراد عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے"

"ایونا!" عماد نے لڑکی سے کہا: "اپنی مقدس صلیب کے پرستاروں کی گرفت سن رہی ہو؟"

ایونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چھت کو دیکھنے لگی۔ اُس نے کمرے کے دروازے کے ایک کواڑ کو بند کیا اور اس کی اٹلی طرف دیکھنے لگی۔ کواڑ پر تین چار چھوٹی چھوٹی اور گہری لکیریں کھدی ہوئی تھیں۔ وہ بیٹھ کر ان لکیروں کو بڑی غور سے دیکھنے لگی۔ عماد اسے دیکھ رہا تھا۔ ایونا لکیروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں بھی کواڑوں پر ہاتھ پھیر کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ عماد نے باہر اس سے پوچھا: "کیا دیکھ رہی ہو؟"

ٹھکانے پر پہنچ گئی تو وہ صرف چند ایک زخمی ہوں گے۔ فلسطین کی ریت کو ہم نے صلیبیوں کے خون سے لال کر دیا ہے۔ ہمارے دوسرے دستوں نے بھی دشمن پر پورا قہر برساتا ہے۔ دشمن میں اب انسداد نہیں رہا کہ وہ گھوڑے سے عرصے میں اگلی جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

”اور تم؟“ سلطان ایوبی نے لڑکی سے پوچھا۔ ”کیا تم پسند کرو گی کہ اپنے متعلق ہمیں سب کچھ بتا دو؟“

”سب کچھ بتاؤں گی۔“ ایوبی نے کہا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔

”عماد شامی!“ سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ ”فوجی آرام گاہ میں چلے جاؤ۔ ہمارے دھوؤ۔ آج کے دن اور آج کی رات آرام کرو۔ کل واپس اپنے حبش میں چلے جانا۔“

”میں دشمن کے دو گھوڑے بھی لایا ہوں۔“ عماد نے کہا۔ ”ان کی تلواریں بھی ہیں۔“

”گھوڑے امطبل میں اور تلواریں اسلحہ خانے میں دے دو۔“ سلطان ایوبی نے کہا اور ذرا سوچ کر کہا۔ ”اگر ان گھوڑوں میں کوئی تمہارے گھوڑے سے بہتر ہو تو بدل لو۔ باہر کے محاذ پر گھوڑوں کی کیا حالت ہے؟“

”کوئی پریشانی نہیں۔“ عماد نے بتایا۔ ”اپنا ایک گھوڑا ضائع ہوتا ہے تو ہمیں صلیبیوں کے دو گھوڑے مل جاتے ہیں۔“

عماد سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس نے امانت صحیح جگہ پہنچا دی تھی۔ ادھر سے تو وہ فارغ ہو گیا لیکن اس کے دل پر بوجھ تھا۔ یہ جذبات کا بوجھ تھا۔ یہ بچپن کی یادوں کا بوجھ تھا اور یہ اس باپ کی محبت کا بوجھ تھا جو کیمپ میں پڑا تھا۔ وہ تذبذب میں مبتلا تھا۔ جنگ ختم ہونے تک وہ باپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈرتا تھا کہ باپ کی محبت اور دل کے پرانے زخم اس کے فرض کے راستے میں حائل ہو جائیں گے۔ وہ اپنے گھوڑے کے پیچھے دو گھوڑے ہاندھے امطبل کی طرف جا رہا تھا۔ اسے ماحول کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ گھوڑا اسے ایک گھائی پر لے گیا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ شوبک کا نصبہ اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ رک گیا اور اس نصبہ کو دیکھنے لگا جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں سے جلا وطن ہوا تھا۔ اس پر جذبات نے رقت طاری کر دی۔

”راستے سے ہٹ کر گھوڑا سوار!“ اسے کسی کی آواز نے چونکا دیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پیچھے ایک گھوڑا سوار اسے آ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے ایک طرف کر لیے۔ جب دستے کا اگلا سوار اس کے قریب سے گزرا تو عماد سے پوچھا۔ ”باہر سے آتے ہو؟“

”یہ وہی موضوع ہے جس پر ہم سو بار بات کر چکے ہیں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”مجھے ان لڑکیوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آٹھوں جاسوس ہیں۔ انہوں نے اب تک کوئی نیا انکشاف کیا ہے یا نہیں؟“

”انہوں نے بتایا ہے کہ شوبک میں صلیبی جاسوس اور تخریب کار موجود ہیں۔“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ”لیکن ان میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان کے گھروں اور ٹھکانوں کا علم نہیں۔ ان میں سے تین مصر میں کچھ وقت گزار آئی ہیں۔ وہاں انہوں نے جو کام کیا ہے وہ آپ کو بتایا جا چکا ہے۔“

”کیا وہ قید خانے میں ہیں؟“ سلطان ایوبی نے کہا۔

”نہیں۔“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ اس نے کہا۔ ”وہ اپنی پرانی جگہ رکھی گئی ہیں۔ ان پر پورہ ہے۔“

اتنے میں دربان اندر آیا۔ اس نے کہا۔ ”عماد شامی نام کا ایک عہدیدار ایک صلیبی لڑکی کو ساتھ لایا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اس نے کرک کے راستے سے پکڑا ہے اور یہ لڑکی جاسوس ہے۔“

”دونوں کو اندر بھیج دو۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔

دربان کے جاتے ہی عماد اور ایوبی اندر آئے۔ سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے بہت لمبی مسافت سے آئے ہو۔ تم کس کے ساتھ ہو؟“

”میں شامی فوج میں ہوں۔“ عماد نے جواب دیا۔ ”میرے کماندار کا نام احتشام ابن محمد ہے اور میں البرق دستے کا عہدیدار ہوں۔“

”البرق کس حال میں ہے؟“ سلطان ایوبی نے پوچھا اور علی بن سفیان سے کہا۔ ”البرق فی الواقع برق ہے۔ ہم نے جب سوڈانیوں پر شبنون مارے تھے تو البرق قیادت کر رہا تھا۔ صحرائی چھاپوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔“

”سالارِ عظم!“ عماد نے کہا۔ ”آدھا دستہ اللہ کے نام پر قربان ہو چکا ہے میرے گروہ میں سے صرف میں رہ گیا ہوں۔“

”تم نے اتنی جانیں ضائع تو نہیں کیں؟“ سلطان ایوبی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”میرے جانے اور قربان ہونے میں بہت فرق ہے۔“

”نہیں سالارِ عظم!“ عماد نے جواب دیا۔ ”خدا سے ذوالجلال گواہ ہے کہ ہم نے ایک ایک جان کے برے بیس بیس جانیں لی ہیں۔ اگر صلیبیوں کی فوج اپنے

”ہم کس طرح یقین کر لیں کہ تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے؟“ علی بن سفیان نے پوچھا۔

”آپ مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے؟“ لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

”اس لیے کہ تم صلیبی ہو؟“ سلطان ایوبی نے کہا۔

”اگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں صلیبی نہیں مسلمان ہوں تو آپ کہیں گے کہ یہ بھی جھوٹ ہے؟“ لڑکی نے کہا۔ ”میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ سولہ سترہ سال گزرے، میں اسی قصبے سے اغوا ہوئی تھی۔ یہاں آکر مجھے پتہ چلا ہے کہ میرا باپ کیمپ میں ہے۔“ اس نے اپنے باپ کا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اُسے اپنے باپ کا نام اب معلوم ہوا ہے۔ اس نے سنایا کہ عماد نے اسے کس طرح صحرا سے بچایا تھا اور وہ رات کو اُسے قتل کرنے لگی مگر اس کا خنجر والا ہاتھ اٹھتا ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ ”میں نے دن کے وقت اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں نظر ڈالی تو میرے دل میں کوئی ایسا احساس بیدار ہو گیا جس نے مجھے شک میں ڈال دیا کہ میں عماد کو پہلے سے جانتی ہوں

میں نے کہا کہ ایسے نہیں ہو سکتا.... رات کو دو صلیبی سپاہیوں نے مجھ پر حملہ کیا تو عماد جاگ اٹھا۔ اس نے ایک کو برچھی سے مار دیا۔ میں اُس وقت تک اپنے آپ کو صلیبی سمجھتی تھی۔ میری ہمدردیاں صلیبیوں کے ساتھ تھیں مگر میں نے دوسرے صلیبی سپاہی کو خنجر سے ہلاک کر دیا اور مجھے خوشی اس پر نہیں ہوئی کہ میں نے اُن سے اپنی عزت بچائی ہے بلکہ اس پر ہوئی کہ میں نے عماد کی جان بچائی ہے....

”اور جب راستے میں عماد نے میرے ساتھ اپنے متعلق کچھ جذباتی باتیں کیں تو زندگی میں پہلی بار میرے سینے میں بھی جذبات بیدار ہو گئے۔ میں تمام سفر میں عماد کو دیکھتی ہی رہی۔ مجھے صرف اتنا یاد آیا کہ مجھے بچپن میں اغوا کیا گیا تھا مگر یہ یاد بھی ذہن میں دھندلی ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھ جیسی لڑکیوں کو کس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ بچپن کی یادیں اور اصلیت ذہن سے اتر جاتی ہے۔ یہی حال میرا ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہونے لگا کہ عماد کو میں جانتی ہوں۔ یہ خون کی کشش تھی۔ آنکھوں نے آنکھوں کو اور دل نے دل کو پہچان لیا تھا۔ شاید عماد نے بھی یہی کچھ محسوس کیا ہو اور شاید اسی احساس کا اثر تھا کہ اس نے مجھ جیسی دلکش لڑکی کو اس طرح

کی کیا خبر ہے؟“ ”اللہ کا کرم ہے دوستو!“ اس نے جواب دیا۔ ”دشمن ختم ہو رہا ہے شوبک

کو کوئی خطرہ نہیں“

دستہ آگے چلا گیا تو عماد دائیں طرف چل پڑا۔



”میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔“ ایونا سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ وہ بتا چکی تھی کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ تباہہ میں ایک مہینہ رہ چکی ہے۔ اس نے وہاں کے چند ایک سرکردہ مسلمانوں کے نام بھی بتائے تھے جو سلطان ایوبی کے غلات سرگرم تھے اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ صلیبیوں کی طرف سے سوڈانیوں کو بہت مدد مل رہی ہے اور صلیبی فوج کے تجربہ کار کمانڈر سوڈانیوں کو شہنشاہ مارنے کی ٹریننگ دے رہے ہیں.... ایونا نے کسی استفسار کے بغیر ہی اتنی زیادہ باتیں بتادیں جو جاسوس ازبکوں کے باوجود نہیں بتایا کرتے کیونکہ ان میں اُن کی اپنی ذات بھی ملوث ہوتی ہے۔ اس سے علی بن سفیان شک میں پڑ گیا۔

”ایونا!“ علی بن سفیان نے اسے کہا۔ ”میں بھی تمہارے فن کا فنکار ہوں۔ میں تمہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ تم اونچے درجے کی فنکار ہو۔ ہمارے تشدد اور قید خانے سے بچنے اور ہمیں گمراہ کرنے کا تمہارا طریقہ قابلِ تعریف ہے مگر میں اس دھوکے میں نہیں آ سکتا۔“

”آپ کا نام؟“ ایونا نے پوچھا۔

”علی بن سفیان“ علی نے جواب دیا۔ ”تم نے شاید ہرمین سے میرا نام سنا ہوگا۔“ ایونا اٹھی اور آہستہ آہستہ علی بن سفیان کے قریب جا کر دو زانو بیٹھ گئی۔ اس نے علی بن سفیان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھ چوم کر برلی۔ ”آپ کو زندہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ کے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا گیا تھا۔ ہرمین کہا کرتا تھا کہ علی بن سفیان مر جائے تو ہم مسلمانوں کی جڑوں میں بیٹھ کر انہیں جنگ کے بغیر ختم کر سکتے ہیں۔“ لڑکی اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

”میں نے تباہہ میں آپ کو دیکھنے کی بہت کوشش کی تھی مگر دیکھ نہ سکی۔ میری موجودگی میں آپ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوا تھا۔ پھر مجھے نہیں بتایا گیا کہ یہ منصوبہ کامیاب ہوا تھا یا نہیں۔ مجھے شوبک بلا لیا گیا تھا۔“

نظر انداز کیے رکھا جیسے میں اس کے ساتھ تھی ہی نہیں۔ اس نے مجھے گہری نظروں سے بہت دفعہ دیکھا ضرور تھا۔

ایوانا نے تفصیل سے سنایا کہ شوبک میں داخل ہو کر عماد ایک مکان کے آگے کرک گیا اور ہم دونوں اندر چلے گئے۔ اس نے کہا۔ ”یہ گھر اندر سے دیکھ کر میری یادیں بیدار ہونے لگیں۔ مجھے ذہن پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ذہن اپنے آپ ہی مجھے اس گھر میں گمانے پھرانے لگا۔ میں نے ایک کواڑ کی اچی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے خنجر کی دھک سے کھدی ہوئی یکس نظر آئیں۔ یہ میں نے بچپن میں بڑے بھائی کے خنجر سے کھودی تھیں۔ میرا ذہن مجھے ایک اور کواڑ کے پیچھے لے گیا۔ وہاں بھی ایسی ہی یکس تھیں۔ پھر میں نے عماد کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ داڑھی کے باوجود اس کی سولہ سترہ سال پرانی صورت یاد آگئی۔ میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھا۔ میں نے عماد کو بتایا نہیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ وہ اتنا پاک فطرت انسان اور میں اتنی ناپاک لڑکی۔ وہ اتنا غیرت مند اور میں اتنی بے غیرت۔ اگر میں اسے بتا دیتی تو معلوم نہیں وہ کیا کر گزرتا“

اس دوران علی بن سفیان نے کئی بار سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ وہ لڑکی کو ابھی تک شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، لیکن لڑکی کی جذباتی کیفیت اس کے آنسو اور بعض الفاظ کے ساتھ اس کی سسکیاں دونوں پر ایسا اثر کر رہی تھیں جیسے لڑکی کی باتیں سچ ہیں۔ لڑکی نے آخر انہیں اس پر قائل کر لیا کہ اس کے متعلق وہ چھان بین کریں۔ اس نے کہا۔ ”آپ مجھ پر اعتبار کریں نہ کریں، مجھے قید خانے میں ڈال دیں، جو سلوک کرنا چاہتے ہیں کریں، مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے کچھ کر کے مرنا چاہتی ہوں“

”کیا کر سکتی ہو؟“ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

”اگر آپ مجھے کرک تک پہنچا دیں تو میں صلیب کے تین چار بادشاہوں اور اپنے ملکہ کے سربراہ ہرمن کو قتل کر سکتی ہوں“

”ہم تمہیں کرک تک پہنچا سکتے ہیں“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”لیکن اس کام سے نہیں کہ تم کسی کو قتل کرو۔ میں تاریخ میں اپنے متعلق یہ تہمت چھوڑ کر نہیں مرنا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے دشمنوں کو ایک عورت کے ہاتھوں مروایا تھا

اور شوبک میں فوج لے کے بیٹھا رہا۔ اگر مجھے پتہ چلے گا کہ صلیبوں کا کوئی بادشاہ کسی لا علاج مرض میں مبتلا ہے تو میں اس کے علاج کے لیے اپنے صلیب بھائیوں کو اور پھر ہم تم پر ایسا بھروسہ کر سکتے۔ البتہ تمہاری اس خواہش پر غور کر سکتے ہیں کہ تمہیں معاف کر کے کرک بھیج دیں“

”نہیں“ ایوانا نے کہا۔ ”میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ میں یہیں مروں گی۔ میری اس خواہش کا ضرور خیال رکھیں کہ عماد کو یہ نہ بتائیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ میں کیمپ میں اپنے باپ کو ضرور دیکھنے جاؤں گی لیکن اُسے بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں اس کی بیٹی ہوں“ وہ ناز و نظر روئے لگی۔

علی بن سفیان نے اپنی ضرورت کے مطابق اس سے بہت سی باتیں پوچھیں پھر سلطان ایوبی سے پوچھا کہ اسے کہاں بھیجا جائے۔ سلطان ایوبی نے سوچ کر کہا۔ اسے آرام اور استحوا سے رکھو۔ فیصلہ سوچ کر کریں گے۔

علی بن سفیان اسے اپنے ساتھ لے گیا اور ان کمروں میں سے ایک اُسے دے دیا جہاں ماسوس لڑکیاں رہا کرتی تھیں۔ لڑکی نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔ ان کمروں سے مجھے نفرت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے اُس گھر میں رکھا جائے جہاں سے میں اغوا ہوئی تھی؟

”نہیں!“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ”کسی کے جذبات کی خاطر ہم اپنے قواعد و ضوابط نہیں بدل سکتے“

وہاں کے پہرہ داروں اور ملازموں کو کچھ ہدایات دے کر علی بن سفیان لڑکی کو وہاں چھوڑ گیا۔

عماد فوجی آرام گاہ میں گیا اور نماز سو گیا مگر اتنی زیادہ تھکن کے باوجود اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوشش کے باوجود وہ سو نہ سکا۔ اس کے ذہن میں یہی ایک سوال کلید رہا تھا کہ باپ سے ملے یا نہ ملے۔ شک پر کردہ اٹھا اور اس جگہ کی طرف چل پڑا جو شوبک میں مسلمانوں کے کیمپ کے نام سے مشہور تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے باپ کا نام لیا اور پوچھتا پوچھتا باپ تک پہنچ گیا۔ اس کے سامنے ایک بوڑھا لیٹا ہوا تھا۔ عماد نے اس سے ہاتھ ملایا اور اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ اس کا باپ بڑیوں کا پنجر بن چکا تھا۔ اسے اچھی خوراک اور دوائیاں دی جا رہی تھیں۔ عماد نے اپنا تعارف کرائے بغیر اس سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ سولہ

آدھی رات کا عمل ہوگا۔ ایذا بستر سے اٹھی۔ اس وقت تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے علی بن سفیان کے رویے سے محسوس کر لیا تھا کہ اس پر اعتبار نہیں کیا گیا اور اب نہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس طرح یقین دلائے کہ اس نے جو آپ بیتی سنائی ہے وہ جھوٹ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا خون انتقام کے جوش سے کھل رہا تھا۔ عمار کے ساتھ اپنے گھر میں جا کر اس کے ذہن میں بچپن کی یادیں از خود جاگ اٹھیں اور خواب کی طرح اسے بہت سی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اسے اغوا کے بعد بے شمار پاپا، کھلونوں اور تہانت اچھی خوراک سے یہ روپ دیا گیا تھا۔ پھر اسے وہ گناہ یاد آئے جو اس سے کرائے گئے تھے اور

یہ وہ چالیس میلپی نختے جتھیں کرک سے اس کام کے لیے بھیجا گیا تھا کہ جاسوس

جا کر اس کی رات گاہ کے قریب چھوڑ گیا۔ ایوانا کو باہر سے آتے دیکھ کر پرو داروں نے اس سے باز پرس کی۔ اس نے یہ کہہ کر مال دیا کہ وہ وہ نہیں گئی تھی۔ پرو دار اس لیے چپ ہو رہا ہے کہ ان کی لا پرواہی تھی کہ لڑکی نکل گئی تھی۔

دوسرے دن علی بن سفیان کسی اور کام میں مصروف تھا۔ ایوانا نے پرو داروں سے کہا کہ وہ اسے علی بن سفیان کے پاس سے چلیں۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں اس کے جانے پر کوئی نہیں آئے گا بلکہ اس کی جب ضرورت ہوگی تو اسے بلا دیا جائے گا۔ ایوانا نے بڑی مشکل سے پرو داروں کو قائل کیا کہ وہ کسی اور کو جہانے بغیر مرکزی مکان کے کسی قریب تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ نہایت اہم اور تازہ بات کرنی ہے۔ اس نے پرو داروں سے کہا کہ اگر انہوں نے اس کا پیغام نہ پہنچایا تو اتنا زیادہ نقصان ہوگا کہ پرو دار اس کوتاہی کی سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ پرو داروں نے پیغام بھراٹے کا بندوبست کر دیا۔ علی بن سفیان نے پیغام سنے ہی لڑکی کو بلا دیا اس کے بعد وہی کمرے میں واپس نہیں آئی۔

رات کو جب شوبک کی سرگرمیاں سونگئیں اور شہر پر خاموشی طاری ہو گئی تو اس عمارت کے ارد گرد آٹھ دس ساتے سے حرکت کرتے نظر آئے جہاں لڑکیوں کو رکھا گیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پرو دار غائب تھے۔ آٹھ دس چھاپے مار خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئے ہوئے تھے کہ پرو دار نہیں ہیں۔ وہ آٹھوں پیٹ کے بل دینگ کر آئے۔ ایوانا نے انہیں بتا دیا تھا کہ لڑکیاں کون کون سے کمرے میں ہیں۔ کمرے کے دروازوں اور کھڑکیوں سے یہ لوگ واقف تھے۔ وہ چھاپے مار ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ باقیوں نے پرمانہ کی کہ وہاں پرو دار ہیں یا نہیں۔ انہیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ پرو دار مرنے دو ہوتے ہیں۔ دو پر دس کا قابو پانا مشکل نہیں تھا۔ وہ سب لڑکیوں کے کمرے میں گھس گئے مگر ان میں سے باہر کوئی بھی نہ نکلا۔

گیر اللہ اسی مکان میں تھا جہاں وہ گزشتہ رات ایوانا کو لے گیا تھا۔ اس مکان میں سکیم کے مطابق بیس آدمی تھے۔ باقی کسی اور عیسائی کے گھر چپے ہوئے تھے۔ گیر اللہ بے صبری سے لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تک انہیں اس کے آدمیوں کے ساتھ بیچ جانا چاہئے تھا۔ آخر دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کا یہ طے شدہ خاص انداز تھا۔



لڑکیاں جو مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئی ہیں انہیں وہاں سے نکالیں اور شوبک میں اپنے جو جاسوس رہ گئے ہیں انہیں وہاں منظم کریں اور اگر ممکن ہو تو وہاں تخریب کاری بھی کریں۔ تخریب کاری میں ایک کام یہ بھی تھا کہ مستقبل میں داخل ہو کر جانوروں کے پارے میں زہر ڈالیں، رسد کو آگ لگائیں اور نو جیل کے ٹکر خانے میں بھی زہر ڈالیں تو کوشش کریں۔ اس گروہ کا کمانڈر گیر اللہ نام کا ایک برطانوی تھا جو تباہ کاری جاسوسی کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ایوانا اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی بلکہ اس کی شاگرد رہ چکی تھی اور اس کے ساتھ اس کی دو ساتھی بے تکلفی بھی تھی۔ اسے دیکھ کر ایوانا کا خون نفرت اور انتقام کے جوش سے کھل اٹھا لیکن وہ فوراً سنبھل گئی۔ یہ موقع نفرت کے اظہار کا نہیں تھا۔ گیر اللہ تو ایسا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایوانا بالکل بدل گئی ہے۔ اس نے ایوانا سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی تھی؟ ایوانا نے کہا کہ اسے فرار کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے وہ فرار ہو رہی تھی۔

گیر اللہ نے اسے بتایا کہ وہ چھاپے مار جاسوسوں کا ایک گروہ کرک کے مظلوم مسلمانوں کے ہرپ میں میاں لیا ہے۔ ان دونوں شوبک کے حالات ایسے تھے کہ یہ گروہ آسانی سے ایک ہی گروہ کی صورت میں شہر میں آ گیا تھا۔ جنگ کی وجہ سے لوگ آ جا رہے تھے اور گروہ کے دیہات کے مسلمان بھی شہر میں آ رہے تھے۔ اسی دھوکے میں یہ گروہ بھی آ گیا۔ شہر میں پلے سے جاسوس موجود تھے۔ انہوں نے پورے گروہ کو پس پردہ کر لیا۔ گیر اللہ نے ایوانا کو بتایا کہ وہ دو راتوں سے اس مکان کو دیکھ رہا ہے جس میں لڑکیاں ہیں۔ اس جگہ سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہ انہی کی بنائی ہوئی تھی۔ رات کو وہ دیکھنے جاتا تھا کہ پرو داروں کی حرکات اور معمول کیا ہے۔ یہ بڑا اچھا اتفاق تھا کہ اسے ایوانا مل گئی۔ ایوانا نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کو نکالنا آسان نہیں تاہم نکالا جاسکتا ہے۔

رات کو ہی سکیم تیار ہو گئی۔ ایوانا نے گیر اللہ کو بتایا کہ لڑکیاں کھلے کمرے میں ہیں جو قید خانہ نہیں۔ پرو دار مرنے دو ہیں۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی تفصیلات تھیں جو ایوانا نے انہیں بتائیں۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ لڑکیوں کو نکالنے کے لیے کتنے آدمی جائیں گے اور باقی آدمی کن سے مکان میں جمع ہوں گے۔ اس سکیم کے بعد ایوانا نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے واپس چلے جانا چاہئے کیونکہ اس کی گندگی سے لڑکیوں پر پرو سخت کر دیا جائے گا جس سے یہ ہم نامکن ہو جائے گی۔ گیر اللہ نے ایوانا کی یہ تجویز پسند کی اور اسے اپنے ساتھ لے

ایوبی سے کہا۔ "اب تو آپ کو نجد پر اعتبار آجانا چاہئے۔"

وہ منظر بڑا ہی جذباتی اور رقت انگیز تھا جب عمار کو بتایا گیا کہ ایونا اس کی بہن ہے اور جب بہن بھائی کو ان کے باپ کے سامنے کھڑا کیا گیا تو جذبات کی شدت سے بوڑھا باپ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی کا نام عائشہ ہے۔ سلطان ایوبی نے اس خاندان کے لیے خاص وظیفہ مقرر کیا اور علی بن سفیان کے حکم کے لیے حکم جاری کیا کہ تمام جاسوس لڑکیوں کے متعلق چھان بین کی جائے۔ صلیبیوں نے دوسری لڑکیوں کو بھی مسلمان گھرانوں سے اغوا کیا ہوگا۔ سلطان نے حکم میں کہا کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کے خاندان ڈھونڈے جائیں اور لڑکیوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔

سلطان ایوبی کی فوج بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گئی۔... شوبک سے دور کے محاذ کی خبریں اسید افزا تھیں لیکن فوری ضرورت یہ تھی کہ بکھرے ہوئے دستوں کو یک جا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سلطان ایوبی نے شوبک کا فوجی نظام اپنے معاونوں کے حوالے کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر شوبک سے دور صحرا میں منتقل کر لیا۔ اس نے برق رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھ لی۔ اس کے ذریعے اس نے ایک ماہ میں بکھرے ہوئے دستے ایک دوسرے کے قریب کر لیے۔ اس کے بعد انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے شوبک کا دفاع اسی طرح منظم کر دیا جس طرح قاہرہ کا کیا تھا۔ سب سے دور سرحدی دستے تھے جس کے سوار گشت کرتے تھے۔ ان سے پانچ چھ میل پیچھے فوج کا دوسرا حصہ خیمہ زن کر دیا اور تیسرے حصے کو متحرک رکھا۔

کرک میں اکٹھی ہونے والی فوج کی کیفیت ایسی تھی کہ فوری حملے کے قابل نہیں تھی۔ ادھر سلطان ایوبی نے بھرتی کی رفتار تیز کر دی اور نئی بھرتی کی ٹریننگ کا انتظام کھلے صحرا میں کر دیا۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ کرک میں اپنے جاسوس بھیجے جو وہاں کی اطلاعات لانے کے علاوہ یہ کام بھی کریں کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان نوجوانوں کو کرک سے نکلنے اور یہاں آکر فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔



گیرالڈ نے خود جا کر دروازہ کھولا۔ یہ مکان پرانے دور کی قلعہ نما جوہلی تھی جس میں ایک امیر کبیر عیسائی رہتا تھا۔ گیرالڈ نے جوں ہی دروازہ کھولا اسے کسی نے باہر گھسیٹ لیا۔ فوجیوں کا ایک ہجوم دروازے میں داخل ہوا۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تھیں۔ فوجی تیز اور تند سیلاب کی طرح اندر چلے گئے۔ ایک وسیع کمرے میں بیٹھے ہوئے بیس صلیبی چھاپہ مار جاسوسوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ ان سے ہتھیار لے لیے گئے اور انہیں گھر کے مالک اور اس کے کنبے سمیت باہر لے گئے۔

ایسا ہی ہوا اس مکان پر بھی بولا گیا جہاں باقی صلیبی چھاپہ مار تیار بیٹھے تھے۔ یہ دونوں چھاپے بیک وقت مارے گئے۔ اسی رات دس گیارہ مکانوں پر چھاپے مارے گئے۔ یہ سرگرمی رات بھر جاری رہی۔ مکانوں کی تلاشی لی گئی اور صبح کے وقت علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے سامنے جو لوگ کھڑے کیے ان میں ایک تو گیرالڈ اور اس کے چالیس چھاپہ مار تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد ان جاسوسوں اور تخریب کاروں کی تھی جنہیں دوسرے مکانوں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان مکانوں سے جو سامان برآمد ہوا اس میں بے شمار ہتھیار، زہر کی بہت سی مقدار، تیروں کا ذخیرہ، آتش گیر مادہ اور بہت سی نقدی برآمد ہوئی۔ یہ کارنامہ ایونا کا تھا۔ اس نے گیرالڈ کے ساتھ سکیم بنائی تھی اور اس سے ان تمام جاسوسوں کے ٹھکانے معلوم کر لیے تھے جو شوبک میں چھپے ہوئے تھے۔ گیرالڈ کو اس پر کئی اعزازات دیے گئے۔ کوہی واپس آگئی اور صبح اس نے تمام تر سکیم علی بن سفیان کو بتادی اور جاسوسوں کے ٹھکانوں کی بھی نشاندہی کر دی۔ علی بن سفیان کے جاسوس دن کے سارے ٹھکانے دیکھ آئے تھے۔ شام کے وقت سلطان ایوبی کے خصوصی چھاپہ مار دستوں کو ان ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ لڑکیوں کو کمروں سے نکال کر کہیں اور چھپا دیا گیا تھا۔ ان کی جگہ ہر کمرے میں تین تین چھاپہ مار بھیج دیے گئے۔ جوں ہی چھاپہ مار لڑکیوں کو اپنے ساتھ لاتے کے لیے کمروں میں داخل ہوئے مسلمان چھاپہ ماروں نے انہیں پکڑ لیا۔ اس طرح شوبک میں صلیبیوں کے تقریباً تمام جاسوس اور چھاپہ مار پکڑے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی گیرالڈ تھا۔ تمام کو تفتیش اور اس کے بعد سزا کے لیے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

ایونا نے ان تمام مسلمان سرکردہ شخصیتوں کی بھی نشاندہی کر دی جو قاہرہ میں سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے۔ حشیشین ے ہاتھوں سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کو قتل کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا وہ بھی ایونا نے بے نقاب کیا اور سلطان

Volume 2

فہرست

۶	تعارف
۷	قاہرہ میں بغاوت اور سلطان ایوبی
۳۵	کھنڈروں کی آواز
۷۷	رینی الیگزینڈر کا آخری معرکہ
۱۱۹	میرے فلسطین میں آؤں گا
۱۵۵	وہ جو مردوں کو زندہ کرتا تھا
۱۹۵	جب خزانہ مل گیا
۲۳۷	اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟
۲۷۱	اسلام کی بقاء کے دھاگے سے لٹک رہی تھی

تعارف

آپ نے اس دلولہ انگیز سلسلے کا پہلا حصہ پڑھ لیا ہے۔ دوسرا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ہم "داستان ایمان فروشوں کی" کے مصنف محترم امتش کے ممنون ہیں جنہوں نے "حکایت" میں مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی قیمتی کہانیوں کا یہ سلسلہ شروع کیا۔ ان میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور نوجوان نسل کے مطالبوں کی تسکین کریں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گے جسے ہمارا دشمن پُرلذت اور تحریکی کہانیوں کے ذریعے مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور میں جتنی اسلام کش سازشیں ہوئی ہیں اتنی اور کسی دور میں نہیں ہوئیں۔ صلیبیوں کو میلان جنگ میں صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا آسان نظر آیا تو انہوں نے مسلمان امراء اور سالاروں کو ہاتھ میں لینے کے لیے جہاں بے دریغ زرد و جواہرات استعمال کئے وہاں غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک عیسائی اور یہودی لڑکیوں کو بھی استعمال کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی نوجوان نسل کی کردار کشی کے نہایت دل کش ذرائع اختیار کئے۔ انہوں نے حسن بن صباح کے پیشہ و رقاصوں کو بھی استعمال کیا۔

اس دور کا دشمن آج بھی ہمارا دشمن ہے اور ابھی تک وہی پُرلذت حربے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کہانیاں خود بھی پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اگر آپ سچے دل سے فتنہ، عریان اور مخرب الاخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب گھر لے جائیے۔ آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور صلاح الدین ایوبی کو پکار رہی ہے۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

قاہرہ میں بغاوت اور سلطان ایوبی

فلسطین ابھی صلیبیوں کے پاؤں تلے گرا رہا تھا۔ یرشلم صلیب پر لٹکا ہوا تھا۔ اس مقدس شہر سے خون ریں رہا تھا۔ وہاں کے مسلمان جو صلیبیوں کے ظالمانہ استبداد کے شکنجے میں آئے ہوئے تھے، پس رہے تھے، تڑپ رہے تھے اور صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہے تھے۔ ان تک یہ اطلاعیں پہنچ چکی تھیں کہ سلطان ایوبی فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور شوبک کا قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ یہ ان کے لیے خوش خبری تھی مگر یہ خوش خبری پیغام اجل ثابت ہوئی۔ صلیبیوں نے شوبک کی شکست کا انتقام یرشلم اور دیگر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو مردہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ وہ جاسوسی نہ کر سکیں اور حملے کی صورت میں صلاح الدین ایوبی کی مدد کرنے کی جرأت نہ کریں۔ سب سے زیادہ مظالم کرک کے مسلمانوں پر توڑے جا رہے تھے۔ شوبک کے بعد کرک ایک بڑا قلعہ تھا جس پر صلیبیوں کو بہت ناز تھا۔ ایسا ہی ناز انہیں شوبک پر بھی تھا مگر ان کے ناز کو سلطان ایوبی کی نہایت اچھی چال اور اس کے مجاہدین کی شجاعت نے ریت کے قندلوں کی طرح بکھیر دیا تھا۔ اب صلیبی کرک کو مضبوط کر رہے تھے۔ وہاں کے مسلمان باشندوں پر تشدد ایک احتیاطی تدبیر تھی۔ صلیبیوں کو یہ دہم ہو گیا تھا کہ مسلمان جاسوسی کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے شوبک کی طرح مستقبل مسلمانوں کو بیگار کیمپ میں پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

".... فلسطین کی فتح ہمارا ایک عظیم مقصد ہے مگر کرک سے مسلمانوں کو نکالنا اس سے بھی عظیم تر مقصد ہونا چاہیے۔" جاسوسوں کے ایک گروہ کا سربراہ سلطان ایوبی کو بتا رہا تھا۔ وہ طلعت چنگیز نام کا ایک ترک تھا جو چھ جاسوسوں کو شوبک سے بھاگے ہوئے عیسائی باشندوں کے ہروپ میں کرک لے گیا تھا۔ وہ تین مہینوں بعد واپس آیا تھا۔ سلطان ایوبی کو علی بن سفیان کی موجودگی میں وہاں کے حالات بتا رہا تھا۔ صلیبی فوج جو بھاگ کر کرک پہنچی تھی اس کے متعلق اس نے بتایا کہ خامی بُری حالت میں ہے اور فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں۔ اس ہاری ہوئی فوج نے کرک میں جاتے ہی مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ اندھا دُھند گرتا رہا شروع ہو گئیں۔ مسلمان عورتوں نے باہر نکلتا چھوڑ دیا ہے۔ جہاں کسی مسلمان پر ذرا سا شک ہوتا ہے اسے پکڑ کر بیگار کیمپ میں لے جاتے ہیں جہاں انسان ایسا مویشی بن جاتا ہے جو بول نہیں سکتا۔ صبح کے اندھیرے سے رات کے

اندھیرے تک کام کرنا، سوکھی روٹی اور پانی پر زندہ رہنا ہے۔ ہم نے وہاں زمین دوزیم چلائی ہے کہ جتنے مسلمان جوان ہیں یا لڑنے کی عمر میں ہیں۔ وہ یہاں سے نکل کر شوبک پہنچیں اور فوج میں بھرتی ہو جائیں تاکہ ملک کا انتظام کیے بغیر کرک پر حملہ کیا جاسکے۔ چنگیز ترک نے کہا۔ ”ہماری موجودگی میں کچھ لوگ وہاں سے نکل آئے تھے لیکن یہ کام ایک تو اس لیے مشکل ہے کہ ہر طرف میلیبی فوج پھیلی ہوئی ہے اور دوسری مشکل یہ ہے کہ اپنے کنبوں، خصوصاً عورتوں کو وہ عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں آسکتے۔ فوری ضرورت یہ ہے کہ کرک پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو نجات دلائی جائے۔“

اس سے پہلے ایک اور جاسوس یہ اطلاع دے چکا تھا کہ میلیبیوں کی سکیم اب یہ ہے کہ سلطان ایوبی کرک کا محاصرہ کرے گا تو میلیبیوں کی ایک فوج، جو ایک میلیبی حکمران ریماٹھ کے زیرِ کمان ہے، عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان ایوبی نے پہلے ہی اپنے فوجی سربراہوں سے کہہ دیا تھا کہ میلیبی عقب سے حملہ کریں گے۔ اس صورتِ حال کے لیے اُسے زیادہ فوج کی ضرورت تھی۔ اس نے چنگیز کو رخصت کر کے علی بن سفیان سے کہا۔ ”جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں فوراً کرک پر حملہ کر دینا چاہیے۔ میں اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہاں کے مسلمان کس جہنم میں پڑے ہوئے ہیں لیکن متفائق کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی مغلوں کو مستحکم کیے بغیر آگے ایک قدم نہ اٹھاؤ۔“ اس وقت لگاؤ جب تمہیں یقین ہو کہ کاری ہوگی۔ ہم اُن عورتوں اور بچوں کو نہیں بھول سکتے جو دشمن کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور قتل ہو رہے ہیں۔ یہ ہمارے گناہ شہید ہیں۔ یہ قوم کی عظیم قربانی ہے۔ میں انہی کی آبرو اور انہی کے وقار کے لیے فلسطین لینا چاہتا ہوں۔ اگر میرا مقصد یہ نہ ہو تو جنگ کا مقصد ڈاکہ اور لوٹ مار رہ جاتا ہے۔ وہ قوم جو اپنی ان بچیوں اور بچوں کو بھول جائے جو دشمن کے استبداد میں ذلیل و خوار اور قتل ہوئے، وہ قوم ڈاکوؤں اور زہنوں کا گروہ بن جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد دشمن سے انتقام لینے کی بجائے ایک دوسرے کو لٹتے، ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب دیتے ہیں۔ اُن کے حاکم قوم کو لٹتے اور عیش و عشرت کرتے ہیں اور جب دشمن انہیں کمزور پا کر اُن کے سر پر آ جاتا ہے تو کھوکھلے گھر سے لگا کر قوم کو بے وقوف بناتے اور دشمن کے ساتھ دہرہ سودا بازی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کا کچھ حصہ اور اس حصے کی آبادی نہایت ملازدارانہ طریقے سے دشمن کے حوالے کر کے باقی ملک میں اپنی حکمرانی قائم رکھتے ہیں۔ پھر وہ اور زیادہ عیش اور لوٹ کھسوٹ کرنے میں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دشمن انہیں بخشے گا نہیں۔ یہ عیش چند روزہ ہے، لہذا قوم کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی جلدی جلدی نچوڑ لو۔“

سلطان ایوبی نے ایسی متعدد قوموں کے نام لیے اور کہا۔ ”وہ تو وسیع پسند تھے۔ اُن کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہ تھا کہ ساری دنیا پر بادشاہی کریں اور دنیا بھر کی دولت سمیٹ کر اپنے قدموں میں ڈھیر لگالیں۔ انہوں نے دوسری قوموں کی عصمت دری کی اور اُن کی اپنی بیٹیاں اور بہنیں دوسروں کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں۔ ان قوموں کے حکمران پرانی زمین پر ہلاک ہوئے اور اُن کا نام و نشان کس نے مٹایا؟ اُن قوموں نے جو غیرت مند تھیں اور جنہیں احساس تھا کہ اُن کی زمین کو اور اُن کی عصمت کو دشمن نے ناپاک کیا ہے اور اس کا انتقام لینا ہے۔ ہم بھی حملہ آور ہیں، میلیبی بھی حملہ آور ہیں، لیکن ہم میں فرق ہے۔ وہ دُور دراز ملکوں سے ہمارے

مذہب کا نام و نشان مٹانے آئے ہیں۔ وہ اس لیے آئے ہیں کہ مسلمان عورتوں کو اپنی گرفت میں لے کر اُن کے بطن سے میلیبی پیدا کریں۔ ہم اُن کی آبرو کے دفاع کے لیے حملہ آور ہوتے ہیں۔ اگر ہم کفر کے طوفان کو نہ روکیں، تو ہم بے غیرت ہیں اور ہم مسلمان نہیں، اور اگر اسلام کا دفاع اس انداز سے کریں کہ دشمن کے اشتعال میں گھر بیٹھے رہیں اور جب وہ حملہ آور ہو تو اپنے گھر میں اُس کے خلاف لڑیں اور پھر فرسے کہیں کہ ہم نے دشمن کا حملہ پسپا کر دیا ہے تو یہ ثبوت ہے ہماری بزدلی کا۔ دفاع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن تمہیں مارنے کے لیے نیام سے تلوار نکالنے لگے تو تمہاری تلوار اُس کی گردن کاٹ چکی ہو۔ وہ کل حملے کے لیے آئے والا ہو تو آج اُس پر حملہ کر دو۔“

”میرے پاس اس کا ایک ہی علاج ہے کہ محترم نور الدین زنگی سے کمک مانگی جائے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”اور کرک پر حملہ کر دیا جائے۔“

”یہ بھی نقصان دہ ہوگا۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”زنگی کے پاس اتنی فوج موجود رہنی چاہیے کہ میلیبی ہمارے عقب پر حملہ کریں تو زنگی اُن کے عقب پر حملہ کر سکے۔ میں مدد مانگنے کا قائل نہیں۔ اس کی بجائے میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ کرک میں چھاپہ مار دے۔ بھگتیاں حرام کیے رکھوں۔ بھگتیاں یہ کہ ہمارے جاسوس چھاپہ مار میلیبیوں کی جڑیں چوموں کی طرح کاٹتے رہیں گے مگر اس کی سزا وہاں کے بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملے گی۔ چھاپہ مار تو اپنا کام کرے اور دھڑ دھڑ ہو جائیں گے۔ وہ ہر قسم کی سختی اور معصیت جھیل سکتے ہیں۔ ہمارے ہتھے بہن بھائی کھلے جائیں گے۔ البتہ اس تجویز پر غور کرو کہ وہاں سے مسلمان کنبوں کو نکالنے کا کوئی خفیہ انتظام کیا جائے۔ حملے میں کچھ وقت لگے گا۔ ہمیں خامی بھرتی مل گئی ہے۔ کرک کے جوان بھی آگئے ہیں اور آ رہے ہیں۔“

☆

”میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ ہمیں یہاں کے مسلمان باشندوں کے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔“ میلیبیوں کے محکمہ جاسوسی اور سرانصرسانی کے سربراہ ہرمز نے کہا۔ قلعہ کرک میں چند ایک میلیبی بادشاہ، اُن کے فوجی کمانڈر اور انتظامیہ کے حکام جمع تھے۔ وہ جوں جوں اپنی ماری ہوئی فوج کو دیکھ رہے تھے، ان کی عقل پر غصہ اور انتقام غالب آتا جا رہا تھا۔ وہ شکست کو بہت جلدی فتح میں بدلنا چاہتے تھے۔ اُن میں ان کی انشلی جنس کا سربراہ ہرمز، واحد آدمی تھا جو ٹھنڈے دل سے سوچتا اور عقل کی بات کرتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے میلیبی بھائی کرک کے مسلمان باشندوں کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کر رہے ہیں۔ اس نے کہا۔ ”آپ نے یہی سلوک شوبک کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے وہاں مسلمانوں کے کیمپ سے اُس مسلمان فوجی کو بھگا دیا جسے ہم نے خطرناک جاسوس سمجھ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے وہاں کے مسلمانوں نے پناہ دی تھی۔ وہ قلعے کے اندرونی حالات اور دفاع کو دیکھ گیا تھا۔ اس کے علاوہ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے قلعے کی دیوار جو توڑی تھی اس میں اندر کے مسلمانوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ آپ کے سلوک سے اس قدر تنگ آئے ہوئے تھے کہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر مسلمان فوج کی مدد کی اور جب فوج کا ہراول دستہ اُٹھ آیا تو مسلمانوں نے اس کی رہنمائی کی۔“

”اسی لیے ہم کرک کے مسلمانوں کا دم خم توڑ رہے ہیں کہ ان میں جذبہ اور محبت ہی نہ رہے۔“ ایک صلیبی سالار نے کہا۔

”اس کی بہانے اگر آپ انہیں اپنا دوست بنالیں تو وہ آپ کی مدد کریں گے۔“ ہرمز نے کہا۔ ”اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں چلے اور محبت سے انہیں اُن کا مذہب تبدیل کئے بغیر صلیب کا گرویدہ بنا لوں گا۔ میں انہی مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑا دوں گا۔“

”تم بھول رہے ہو ہرمز!“ ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریمائڈ نے کہا۔ ”تم چند ایک مسلمانوں کو لاپٹ دے کر انہیں غلہ بنا سکتے ہو مگر ہر ایک مسلمان کو اسلامی فوج کے خلاف نہیں کر سکتے۔ پوری قوم غلہ نہیں ہو سکتی۔ ہرمز! تم ان لوگوں پر اتنا بھروسہ نہ کرو۔ ہم انہیں دوست نہیں بنانا چاہتے۔ ہم ان کی نسل ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی غیر مسلم کسی مسلمان کے ساتھ محبت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت کرتا ہے جبکہ پہلا مقصد اسلام کا خاتمہ ہے۔ کرک میں، یروشلم میں، عتقہ اور علس میں اور جہاں بھی صلیب کی حکمرانی ہے مسلمانوں کو اس قدر پریشان کرو کہ وہ مرجائیں یا وہ صلیب کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔“

”مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صلاح الدین الیوبی کو باقاعدہ معلوم ہوتا جا رہا ہے۔“ ہرمز نے کہا۔ ”آپ اُسے لگسا ہے ہیں کہ وہ کرک پر جلدی حملہ کرے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ ہماری فوج فوری حملے کے آگے ٹھہرنے کے قابل نہیں۔“

”اس کا صلہ یہ نہیں کہ ہم یہاں کے مسلمان باشندوں کو سر پر بٹھالیں۔“ فلپ آگٹس نے کہا۔ ”آپ لوگ مسلمان جنگی قیدیوں کو ابھی تک پال رہے ہیں۔ انہیں قتل کیوں نہیں کر دیتے؟“

”اس لیے کہ الیوبی ہمارے قیدیوں کو قتل کر دے گا۔“ گے آف لوزینان نے جواب دیا۔ ”ہمارے پاس مسلمانوں کے گلی تین سو اسی گلی قیدی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ہمارے بارہ سو پچتر قیدی ہیں۔“

”کیا ہم ایک مسلمان کو مارنے کے لیے چار صلیبی نہیں مڑا سکتے؟“ آگٹس نے کہا۔ ”ہمارے وہ قیدی جو صلاح الدین کے پاس ہیں بزدل تھے وہ لڑنے کی بجائے قید ہوئے۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مرجائیں تو اچھا ہے۔ تم المینان سے مسلمان قیدیوں کو ختم کر دو۔“

”کیا مسلمان باشندوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کر کے اور مسلمان جنگی قیدیوں کو قتل کر کے تم صلاح الدین الیوبی کو شکست دے دے گے؟“ سالار کے عہدے کے ایک صلیبی نے کہا۔ ”اس وقت فوج کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ الیوبی اگر پیش قدمی کرے تو اسے کس طرح روکیں گے اور اُس سے شوبک کا قلعہ واپس کس طرح لیا جاسکتا ہے۔ کرک کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دو۔ پھر کیا ہوگا؟ الیوبی کی طرح تم اپنی نفریں وسعت کیوں نہیں پیدا کرتے۔ کیا ہرمز بنا سکتا ہے کہ مصر میں اس کی زمین دوزکار روایتیاں کیا ہیں اور کامیابی کتنی ہے؟“

”لڑنے سے زیادہ۔“ ہرمز نے جواب دیا۔ ”علی بن سفیان صلاح الدین الیوبی کے ساتھ شوبک میں ہے ہیں۔ قلعہ قاہرہ اس کی غیر حاضری سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ قاہرہ کے نائب ناظم مصلح الدین کو فاطمیوں نے اپنے

ساتھ ملا لیا ہے۔ مصلح صلاح الدین الیوبی کا معتقد خاص ہے لیکن اب ہمارے ہاتھ میں ہے فاطمیوں نے دیرپہ بنایا ایک خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ قاہرہ کے اندر سے بغاوت اور سوڈانیوں کے حملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارے فوجی ان سوڈان میں سوڈانیوں کی فوج تیار کر رہے ہیں۔ قاہرہ میں صلاح الدین جو فوج چھوڑ آیا ہے اس کے دو نائب سالار ہمارے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں اور ہر سوڈانی حملہ کریں گے۔ قاہرہ میں بغاوت ہوگی اور فاطمی اپنی خلافت کا اعلان کر دیں گے۔“

”تم لوگ یہ بھول رہے ہو کہ صلاح الدین الیوبی اس قدر تیز آدمی ہے کہ کرک پر حملہ ملوئی کر کے قاہرہ پہنچ جائے گا۔“ ریمائڈ نے کہا۔ ”اُسے یہیں رہنے پر مجبور کرتے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے یہیں اٹھایا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا راستہ روک لیا جائے اور اس کا ایک بھی سپاہی قاہرہ تک نہ پہنچ سکے۔“

”مجھے سو فیصد امید ہے کہ قاہرہ میں جو اس کی فوج ہے وہ اس کے کام نہیں آسکے گی۔“ ہرمز نے کہا۔ ”میرے آدمیوں نے فوج میں اس قسم کے شوبک پیدا کر دیئے ہیں کہ انہیں قاہرہ میں پہنچے چھوڑ کر مال قیمت سے محروم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ شوبک کی سینکڑوں عیسائی لوکیاں صلاح الدین الیوبی کے ہاتھ آئی ہیں جو اُس نے وہاں فوج کے حوالے کر دی ہیں۔ میری کامیابی یہ ہے کہ میں نے مسلمان فوجی حکام کے ہی منہ میں یہ افواہیں ڈال کر ان کی فوج میں پھیلائی ہیں۔ میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ قاہرہ کی تمام فوج سوڈانیوں کا ساتھ دے گی اور صلاح الدین الیوبی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے یہاں سے تمام فوج لے جانی پڑے گی مگر یہ فوج اُس وقت وہاں پہنچے گی جب قاہرہ ایک بار پھر فاطمی خلافت کی گدھی بن چکا ہوگا اور وہاں سوڈان کی فوج قابض ہوگی۔ منورسی نہیں کہ ہم یہاں صلاح الدین الیوبی پر حملہ کریں اور اُسے روکیں۔ ہم اُسے بھگنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں گے۔ ہم اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں مڑائیں گے۔“ ہرمز نے زور دے کر کہا۔ ”آپ ابھی تک مسلمان کی نفسیات نہیں سمجھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میری بعض کارگر باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مسلمان اگر فوجی ہو اور اس کے دماغ میں ٹرنینگ کے دوران یہ بٹھا دیا جائے کہ وہ ملک اور قوم کا محافظ ہے تو وہ ملک اور قوم کی خاطر جان قربان کر دیتا ہے۔ دنیا کی بادشاہی اس کے قدموں میں رکھ دو وہ سپاہی رہنا پسند کرے گا تو تم سے غداری نہیں کرے گا۔ اگر اسی فوجی میں جنسی لذت، شراب نوشی اور عہدوں کی خواہش پیدا کر دو تو وہ اپنا مذہب بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ہم نے جن مسلمان فوجی حکام کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے ان میں ہی نمایاں پیدا کی تھیں اور کر رہے ہیں۔۔۔۔۔“

”مگر فوجی کو غدار بنانا اتنا آسان نہیں جتنا انتظامیہ کے حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا آسان ہے۔“ ہرمز نے کہا۔ ”انتظامیہ کے ہر حکام میں املا اور وزراء کی صف میں آنے کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ ان لوگوں پر بادشاہ بننے کا خیال سوار ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ دیکھیں۔ ان کے رسول و معلم کے بعد یہ لوگ خلافت پر ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ ان کے جرنیلوں نے نہایت دیانت داری سے اپنا کام جاری رکھا۔ وہ دوسرے ملکوں کو تہ تیغ کرتے رہے اور اسلامی سلطنت کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن ان کے خلیفوں نے جہاں دیکھا کہ فلاح جرنیل ایسا مقبول ہو گیا ہے کہ اس کی فتوحات کی بدولت قوم اُسے خلیفہ سے زیادہ مقام دینے لگی ہے تو خلیفہ اور اُس کے حواریوں نے اس جرنیل

صلاح الدین سے نہیں ہماری جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ایوبی مرہائے قوم کوئی دوسرا ایوبی پیدا نہ کر سکے۔ اس قوم کو عقیدہ دل، غلط اور بے بنیاد عقیدہ دل کے ہتھیاروں سے مارو۔ ان میں بادشاہ بننے کا جنون طاری کرو۔ انہیں عیاش بنادو اور ایسی روایات پیدا کرو کہ یہ لوگ خلافت کی گدی پر آپس میں لڑتے رہیں پھر اس خلافت کو ان کی فوج پر سوار کرو۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ قوم ایک نہ ایک دن ملیب کی غلام ہو جائے گی۔ اس کا تمدن اور اس کا مذہب ملیب کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا۔ وہ بادشاہی اور خلافت کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریبان ہوں گے اور اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے ہم سے مدد مانگیں گے۔ اُس وقت ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوگا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی کہ میں نے جو پیشین گوئی کی ہے وہ حوت بہ حوت سچ ثابت ہوتی ہے۔ ہم کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے یہودی تمہیں اپنی لوکیاں پیش کر رہے ہیں، انہیں استعمال کرو۔ یہودیوں کو موت اس لیے اپنا دشمن سمجھو کہ وہ یروشلم کو اپنا مقدس شہر اور فلسطین کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ انہیں کہو کہ فلسطین تمہارا ہے۔ آفریں یہ خطہ ہم تم کو ہی دیں گے۔ ابھی ہمارا ساتھ دو۔ لیکن یہ احتیاط ضرور کرنا کہ یہودی بہت چالاک قوم ہے۔ اُسے جب تمہاری طرف سے خطرہ نظر آیا تو تمہارے ہی خلاف ہو جائے گی۔ اس کی دولت اور اس کی لوکیاں استعمال کرو اور اس کے عزم نہیں فلسطین پیش کرو۔“

☆

قلعہ شوبک اور قلندرک سے بہت دور ایک ایسا وسیع خطہ تھا جو مٹی، ریت اور سٹون کی پہاڑیوں اور انہی نیچی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہ خطہ کم و بیش ڈیڑھ ایک میل وسیع اور چوڑا تھا۔ اس میں بہت سا علاقہ رینل میڈانی تھا اور اس میں کھڈ بھی تھے اور کم اونچی ٹیکریاں بھی۔ جب صلیبی حکمران اور کمانڈر اسلام کی بیج کنی کے منصوبے بنا رہے تھے اور نہایت پرکشش اور خطرناک طریقے وضع کر رہے تھے، محمدا کا یہ خطہ میلان جنگ بنا ہوا تھا۔ ہزاروں پیادہ عسکری گھوڑ سوار اور شتر سوار بھاگ دوڑ رہے تھے۔ تلواریں اور برچھیوں کی انیاں چمک رہی تھیں گھوڑوں اور اونٹنوں کی دوڑ سے گرد گہرے بادلوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔ اس گرد میں برچھیاں بھی اڑ رہی تھیں تیر بھی۔ پیادہ سپاہی گھوڑوں سے آگے نکل جانے کی رفتار سے دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گھوڑ سوار کھڈ پھلانگ رہے تھے۔ اور گرد پہاڑیوں کی چوٹیوں پر دو دو سپاہی آرام آرام سے گھوم پھر رہے تھے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں آگ کے شعلے اڑتے اور پہاڑی سے ٹکڑا کر پھرتے اور سمجھ جاتے تھے۔ شور و غل آسمان کو ہل رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ایک بلند چٹان پر کھڑا یہ نظارہ انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت دیر سے اس میدان کے ارد گرد کی چٹانوں پر گھوم رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو نائب تھے۔

”میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جس رفتار سے سکھلائی ہو رہی ہے۔ تھے سپاہی چند دنوں میں تجربہ کار ہو جائیں گے۔“ ایک نائب نے کہا۔ آپ نے جن سواروں کو وہ اتنا چوڑا کھڈ پھلانگتے ہوئے دیکھا تھا وہ جب تک اسے چوڑے سوار ہیں۔ میں انہیں اناری سمجھتا تھا۔ تیر اندازوں کا معیار بھی اچھا ہو رہا ہے۔“

میدان جنگ کا یہ منظر دراصل ٹریننگ تھی جس کے متعلق سلطان ایوبی نے بڑے سخت احکام جاری کیے

کو غلط احکام دے کر اُسے لاپرواہ کر دیا۔ خود خلیفہ کی گدی مخالفین سے محفوظ نہ رہی۔ مخالفین کی نگاہ اسلامی سلطنت کی وسعت سے ہٹ کر خلافت کے حصول پر مرکوز ہو گئی۔ جرنیل ہارتے پہلے گئے اور اُن کے فتح کیے ہوئے علاقے اُن کے ہاتھ سے نکلنے چلے گئے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم عرب میں بیٹھے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی انہی جرنیلوں میں سے ہے جو سلطنت کو انہی سرحدوں تک لے جانا چاہتا ہے جہاں تک یہ پہلے جرنیلوں نے پہنچائی تھیں۔ اس شخص میں خوبی یہ ہے کہ وہ انتظامیہ اور خلافت کی پروا نہیں کرتا۔ اُس نے مصر کی خلافت کو اپنے ارادوں کے سامنے رکاوٹ بننے دیکھا تو خلیفہ کو ہی معزول کر دیا۔ یہ دلیلانہ قدم اس نے فوجی طاقت اور اپنی فہم و فراست کے بل بوتے پر اٹھایا ہے۔

ہرمن لوٹا جا رہا تھا۔ تمام حکمران اور صلیبی کمانڈر انہماک سے سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”صلاح الدین ایوبی اپنی قوم کی اس کمزوری کو سمجھ گیا ہے کہ غیر فوجی قیادت گدی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش ایسی ہے جو زن اور زریچہ اور شراب نوشی جیسی عادتیں پیدا کرتی ہے۔ ہم نے صرف اُن فوجی افسروں کو ہاتھ میں لیا ہے جو اقتدار کے خواہشمند ہیں۔ اسی لیے ہم زیادہ تر اثرائت خاندان کے سربراہوں پر ڈال رہے ہیں۔ فوج کو کمزور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے لوگوں کی نظروں میں رو کر دیا جائے۔ یہ کام میرا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ آپ شاید میری تائید نہ کریں لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو میدان جنگ میں آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ وہ صرف لڑنے کے لیے نہیں لوٹتا۔ اس کے عزم کی بنیاد ایک ایسے منصوبے پر ہے جسے اس کی ساری فوج سمجھتی ہے۔ اس کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خلیفہ سے باغی فوجی قیادت سے حکم نہیں لیتا۔ وہ اکثر مسلمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں خدا اور قرآن سے حکم لیتا ہوں۔ میرے جو جاسوس بغداد میں ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ ایوبی نے فوجی قیادت کو ساتھ ملا کر سب سے انقلابی تجاویز بھیجی ہیں جن پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ امیر العلماء سے یہ فتویٰ صادر کر لیا گیا ہے کہ خلافت صرف ایک ہوگی اور یہ بغداد کی خلافت ہوگی۔ یہ خلافت دوسرے ممالک کے متعلق احکام نافذ کرنے اور سمجھوتوں کی بات چیت کرنے سے پہلے اعلیٰ فوجی قیادت سے منظوری لے گی۔ جنگی امور فوجی حکام کے ہاتھ میں ہوں گے۔ خلیفہ دور دراز علاقوں میں لڑنے والے جرنیلوں کو کوئی حکم نہیں بھیج سکتا۔ تیسرے یہ کہ خلیفہ کا نام خطبے میں نہیں لیا جائے گا اور خلافت کا اثر و سوج ختم کرنے کے لیے ایوبی نے حکم جاری کر دیا ہے کہ خلیفہ یا اس کے نائب یا کوئی قلعہ دار وغیرہ جب دور سے وغیرہ کسیے باہر نکلیں گے تو لوگوں کو راستے میں کھڑے ہونے، نورے لگانے اور سلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔۔۔۔

”صلاح الدین ایوبی نے سب سے اہم کام یہ کیا ہے کہ سنی شیعہ تفرقہ مٹا دیا ہے۔“ ہرمن نے کہا۔ ”اُس نے شیعہوں کو فوج اور انتظامیہ میں پوری نمائندگی دے دی ہے اور نہایت پُر اثر طریقہ سے شیعہ علماء کو قابل کر لیا ہے کہ وہ ایسی زمین ترک کر دیں جو اسلام کے منافی ہیں۔۔۔ صلاح الدین کے یہ انقلابی اقدامات ہمارے لیے نقصان دہ ہیں۔ ہم مسلمانوں کی انہی خامیوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے جو دراصل جاری ہے کہ مسلمانوں کی انتظامی قیادت کو صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کیا جائے۔“

”صرف آج نہیں ہمیشہ کے لیے۔“ فلپ آگسٹس جو مسلمانوں کا اکثر دشمن تھا بولا۔ ”ہماری عدالت صرف

تھے۔ ارد گرد سے بہت سے جوان فوج میں بھرتی کیے گئے تھے اور کرک سے بھی بہت سے مسلمان چوری چھپے نکل آئے تھے۔ یہ سلطان الیوبی کے جاسوسوں کا کمال تھا کہ کرک سے بھی جوان حاصل کر لیے تھے۔ شوبک کے وہ مسلمان جنہوں نے میلیدیوں کا ظلم و تشدد برداشت کیا تھا، جوش و خروش سے سلطان الیوبی کی فوج میں شامل ہوئے تھے ان کی ٹریننگ کا انتظام وہیں کر دیا گیا تھا۔ سلطان الیوبی اس میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ اُسے اُس کے نائب یقین دلا رہے تھے کہ وہ نئی بھرتی کو تھوڑے سے عرصے میں پختہ کار بنادیں گے۔

”سپاہی مرث ہتھیاروں کے استعمال اور جسمانی بھرتی سے تجربہ کار نہیں بن سکتا۔“ سلطان الیوبی نے کہا۔ عقل اور جذبے کا استعمال ضروری ہے۔ مجھے ایسی فوج کی ضرورت نہیں جو اندھا دھند دشمن پر چڑھ دوڑے اور صرف ہلاک کرے۔ مجھے ایسی فوج چاہیے جسے معلوم ہو کہ اس کا دشمن کون ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔ میری فوج کو علم ہونا چاہیے کہ یہ اللہ کی فوج ہے اور اللہ کی مدد میں لڑ رہی ہے۔ جوش و خروش جو میں دیکھ رہا ہوں بہت ضروری ہے مگر مقصد واضح نہ ہو، اپنی حیثیت واضح نہ ہو تو یہ جوش جلدی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ انہیں بتاؤ اور دین نشین کرو کہ ہم فلسطین کیوں لینا چاہتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ غدار کی کتاب بڑا جرم ہے۔ انہیں سمجھاؤ کہ تم مرث فلسطین کے لیے نہیں بلکہ اسلام کے تحفظ اور فریضہ کے لیے لڑ رہے ہو اور تم آئے والی نسلوں کے وقار کے لیے لڑ رہے ہو۔ علی سکھائی کے بعد انہیں وعظ دو اور ان پر ان کی قومی عظمت واضح کرو۔“

”ہر شام انہیں وعظ دیئے جاتے ہیں سالہا عظم!“ ایک نائب نے کہا۔ ”ہم انہیں وعظ دو اور ان پر ان کی قومی عظمت واضح کرو۔“ اور وحشی نہیں بنا رہے۔

”اور یہ خیال رکھو کہ ان کے دلوں میں قوم کی وہ بیٹیاں نقش کر دو جو کفار کے ہاتھوں اغوا اور بے آبرو ہوئی ہیں اور بھری ہیں۔“ سلطان الیوبی نے کہا۔ ”انہیں قرآن کے وہ ورق یاد دلاتے رہنا جنہیں میلیدیوں نے پاؤں تلے سلا تھا اور انہیں وہ مسجدیں یاد دلاتے رہنا جن میں کفار نے گھوڑے اور مویشی باندھے تھے اور بانڈھ رہے ہیں۔ بیٹی کی عزت اور مسجد کا احترام مسلمان کی عظمت کے نشان ہوتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ جس روز تم عصمت اور مسجد کو ذہن سے اٹا دو گے اُس روز تم اپنے لیے اس دنیا کو جہنم بنا لو گے اور آخرت میں جو عذاب ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

پہاڑیوں پر جو دو دو چار چار سپاہی گھوم پھر رہے تھے وہ پہرہ دار تھے۔ میلیدیوں کے جوابی حملے کا خطرہ موجود تھا۔ دُور آگے تک فوج موجود تھی، پھر بھی ٹریننگ کے اس علاقے کے گرد پہرے کی ضرورت تھی۔ ان پہرہ داروں میں سے دو ایک چوٹی پر جا رہے تھے۔ دُرک گئے۔ انہیں نیچے ایک ٹیکری پر صلاح الدین الیوبی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اُن کی طرف اس کی پیٹھی تھی۔ فاصلہ دُور اٹھائی سو گز تھا۔ ایک پہرہ دار نے کہا۔ ”کم نجات کی پوری پیٹھی ہمارے سامنے ہے۔ اگر بیاں سے تیر چلاؤں تو اس کے دل کے پار کر سکتا ہوں۔ کیا خیال ہے؟“

”پھر چھاگ کر کہاں جاؤ گے؟“ اس کے ساتھی نے پوچھا۔

”ہاں!“ دوسرے نے کہا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ ہمیں پکڑ کر جان سے مار ڈالیں تو کوئی بات

نہیں۔ وہ زندہ پکڑ کر ایسے شکنجے میں جکڑیں گے کہ ہمیں اپنے تمام ساتھیوں کے نام بتانے پڑیں گے۔“ یہ کام اس کے محافظوں کو کر لے کر دو۔“ اس کے ساتھی نے کہا۔ ”اگر صلاح الدین کو قتل کرنا اتنا آسان ہوتا تو یہ اب تک زندہ نہ ہوتا۔“

”یہ کام اب ہو جانا چاہیے۔“ دوسرے نے کہا۔ ”منا ہے ناظمی کہتے ہیں کہ تم کچھ کیے بغیر ہم سے منہ لگی رقم لینے جا رہے ہو۔“

”مجھے امید ہے یہ کام جلدی ہو جائے گا۔“ اس کے ساتھی نے کہا۔ ”منا تھا کہ حشیشین بہت دیر میں قتل کرنے کے لیے جان پر کھیل جاتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کچھ کر کے تو نہیں دکھایا۔ میں یہ بھی سنا تھا کہ الیوبی کے محافظ دستے میں تین حشیشین ہیں۔ یہ تو ان کا کمال ہے کہ محافظ دستے تک پہنچ گئے ہیں اور کسی کو ان کی اصلیت کا علم نہیں ہوا، مگر وہ قتل کب کریں گے؟ کم نجات ڈرتے ہیں۔“ وہ باتیں کرتے آگے چلے گئے۔

۲۶

مورخین لکھتے ہیں کہ مصر سے صلاح الدین الیوبی کی غیر حاضری سے وہاں مخالفین کی زمین دوز سرگرمیاں اُبھر آئیں تو صورت حال ایسی پیدا کر دی گئی جسے مرث مجبوراً سنبھال سکا تھا۔ یہ ایک سازش تھی جو ناظمی خلافت کی معزولی اور تخریب کاروں کی گرفتاری کے بعد بظاہر دب گئی تھی لیکن راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح دھپکی رہی تھی۔ اس کی پشت پناہی کرنے والے صلیبی تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے وہ مسلمان زعمائے جن پر سلطان الیوبی کو بھروسہ تھا۔ میلیدیوں نے یہودی لوکیاں حاصل کر لی تھیں جو عرب اور مصر کی زبان رونی سے بولتی اور اپنے آپ کو ہرنگ میں ڈھال سکتی تھیں۔ مصر کی انتظامیہ کے متعدد حکام اقتدار میں تھے۔ کراچی کی طوطی پرچند خاندانی کے خواہش مند تھے۔ ان میں قومی وقار اور جذبہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ حرموں کے بادشاہ تھے۔ ان لوگوں کو آلہ کار بنانے والوں میں ناظمیوں نے دانش مندی کا ثبوت دیا اور انہوں نے حسن بن صباح کے حشیشین کی عدولت بھی حاصل کر لیں۔

اُس وقت کے وقائع نگاروں نے جن میں اسد الاسدی، ابن الاثیر، ابی الصفا اور ابن الجوزی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ میلیدیوں نے سوڈانیوں کو مدد سے کرانہیں مصر پر حملے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مصر میں جو تھوڑی سی فوج تھی وہ بغاوت کے لیے تیار کر دی گئی تھی۔ صلاح الدین الیوبی کے حامی سخت پریشان تھے کہ وہ قبل از وقت نہ پہنچا تو مصر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان وقائع نگاروں اور دواور گنام کا تبوں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے ایک کہانی کی کڑیاں ملتی ہیں۔ ان میں قاہرہ کے حکمہ مالیات کے ایک بڑے ناظم خضر الحیات کا ذکر ملتا ہے۔ وہ خزانے کا بھی ذمہ دار تھا۔ دوسرے علاقوں کی جزیئے اور تادان وغیرہ کی رقمیں، زکوٰۃ، سزا کے طور پر وصول ہونے والے جزیانے، عطیات اور نظامت مصر کا تمام تر حساب کتاب اور پیسہ مالیات کے حکمے میں آتا اور خرچ ہوتا تھا۔ یہ بڑا ہی اہم اور نازک حکمہ تھا۔ اس کے ناظم کا قابل تھا کہ ہونا بہت ضروری تھا۔ یہ سلطان الیوبی کی خوش نصیبی تھی کہ ناظم

خضر الحیات دین دار مسلمان تھا۔

ایک رات وہ باہر سے آیا۔ گھر میں داخل ہوا تو اندھیرے کو چیرتا ہوا ایک تیراکیا جو خضر الحیات کی پیٹھی میں اتر گیا اور دل تک جا پہنچا۔ اُس کی کرنک آواز سن کر ملازم باہر آیا۔ پھر گھر کے افراد باہر آئے۔ مشعل کی روشنی میں خضر کو اندھے منہ پڑے دیکھا۔ اتفاق سے کسی نے دیکھ لیا کہ خضر کے دائیں ہاتھ کی انگلی زمین پر تھی اور مٹی پر اس انگلی سے اس نے کچھ لکھا تھا۔ وہ مرچکا تھا۔ زمین پر اس نے انگلی سے لکھا تھا۔ ”مصلح“۔ ”ج پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس حوت کی گولائی کے نصف میں جا کر اس کی جان نکل گئی ہوگی۔ لاش اٹھائی گئی اور اس لفظ کو محفوظ رکھا گیا۔ ایک آدمی کو کوڑاؤں غیاث بلبیس کو بلانے دوڑا دیا گیا۔ یہی کہا جا سکتا تھا کہ خضر نے مرتے مرتے مٹی پر اپنے قاتل کا نام لکھا ہے۔ غیاث بلبیس کو تو ال بھی تھا اور مصر کی تمام تر لوہیں کا حاکم اعلیٰ۔ یہ بھی صلاح الدین الیوتی کا نائب اعتماد حاکم تھا۔ علی بن سفیان کی طرح شہری جرائم کا ماہر سراغ رساں تھا۔

بلبیس نے آتے ہی زمین پر لکھے ہوئے لفظ ”مصلح“ کو غور سے دیکھا۔ اس نے شہر کا نائب ناظم مصلح الدین خضر کے قتل کی خبر سن کر آگیا۔ بلبیس نے اُسے دیکھتے ہی زمین پر پاؤں رگڑ کر ”مصلح“ کا لفظ سنا دیا۔ مصلح الدین چونکہ شہر کا نائب ناظم تھا، اس لیے کو تو ال کا حکم اس کے ماتحت تھا۔ اس نے بلبیس کو حکم کے سچے میں کہا۔ ”قاتل کا سراغ صبح سے پہلے مل جانا چاہیے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔“ بلبیس نے اسے یقین دلایا کہ قاتل کو جلدی پکڑ لیا جائے گا۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ رات کو ہی بلبیس نے خضر الحیات کے نائب، معاون اور اہل اس کے دفتر میں اُن افراد کو بلا لیا جو مقتول کے قریب رہتے تھے اور بتا سکتے تھے کہ قتل کے روز ان کی سرگرمیاں کیا رہیں۔ ان لوگوں سے اُسے پتہ چلا کہ آج شہری انتظامیہ کے حکام اعلیٰ کا ایک اجلاس تھا جس میں فوج کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ خضر کا نائب اس کی مدد کے لیے اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس میں مالیات کے سلسلے میں فوج کے اخراجات زیر بحث آئے تو خضر نے کہا کہ مصر میں بعض اخراجات روکنے پڑیں گے کیونکہ امیر مصر صلاح الدین الیوتی نے شوبک میں بہت سی فوج بھرتی کی ہے جس کے لیے کثیر رقم کی ضرورت ہے۔

نائب ناظم مصلح الدین نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ فوج کے اخراجات غیر ضروری ہیں۔ مزید فوج بھرتی کرنے کے بجائے ہمیں تو جو اس فوج کے مسائل کی طرف دینی چاہیے جو پہلے ہی ہمارے لیے ایک مہنگا مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ مصر میں جو فوج ہے اس میں بے الہینائی اور بے امنی پائی جاتی ہے۔ شوبک سے جو مال غنیمت ہاتھ آیا ہے اس میں سے اس فوج کے لیے کوئی حصہ نہیں بھیجا گیا۔ خضر الحیات نے کہا۔ ”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیر مصر نے مال غنیمت تقسیم کرنے کی بدعت ختم کر دی ہے؟ یہ نہایت اچھا فیصلہ ہے۔ مال غنیمت کے لالچ سے بڑھنے والی فوج کا کوئی قومی جذبہ اور مذہبی نظریہ نہیں ہوتا۔“

اس مسئلے پر بحث تشریش کلامی میں بدل گئی۔ مصلح الدین نے یہاں تک کر دیا کہ امیر مصر مصری سپاہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کر رہا جتنا شامی اور ترک سپاہیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اُس نے غصے میں کچھ اور ناروا باتیں کہ دیں جن کے جواب میں خضر نے کہا۔ ”مصلح! تمہاری زبان سے صلیبی اور فاطمی بول رہے ہیں۔“

اس پر اجلاس ہنگامے کی صورت اختیار کر گیا اور درخواست ہو گیا۔ خضر الحیات کے معاون اور نائب نے بتایا کہ اجلاس کے بعد مصلح الدین خضر الحیات کے دفتر میں آیا۔ وہاں پھر ان میں گریا گری ہوئی۔ مصلح الدین خضر کو اس پر تامل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مصری فوج مطمئن نہیں۔ اُس نے پھر وہی باتیں دہرائیں جو اس نے اجلاس میں کہی تھیں۔ خضر الحیات نے کہا۔ ”اگر ایسا ہی ہے تو میں یہ مسئلہ تمہاری طرف سے امیر مصر کے آگے رکھ دوں گا لیکن میں یہ ضرور لکھوں گا کہ تم نے اجلاس میں تمام شرکا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ امیر مصر فوج میں امتیازی سلوک کر رہا ہے اور میں یہ بھی لکھوں گا کہ تم نے ہمیں یہ یقین دلانے کی بھی کوشش کی کہ مصلح الدین الیوتی نے شوبک کا مال غنیمت شامیوں اور ترکوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میں یہ رائے ضرور دوں گا کہ تم نے جو الزامات عائد کیے ہیں انہیں سچ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور فوج میں جو افواہیں دشمن پھیلا رہا ہے ان کے متعلق تم نے کہا ہے کہ یہ افواہیں نہیں بلکہ سچ ہے۔“

خضر الحیات کے نائب نے بیان دیا کہ مصلح الدین جب خضر کے کمرے سے نکلا تو اس کے منہ سے یہ الفاظ سنے گئے تھے۔ ”اگر تم زندہ رہے تو سب کچھ لکھ کر مصلح الدین الیوتی کے آگے رکھ دینا۔“

غیاث بلبیس نے فوری طور پر مصلح الدین سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک تو اس کی حیثیت بہت اونچی تھی اور دوسرے یہ کہ بلبیس اُس کے خلاف مزید شہادت جمع کرنا چاہتا تھا۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ اگر اُس نے مصلح الدین سے بات کی تو اس کے ہاتھ ڈالنا تو یہ اقدام اس کے اپنے لیے مہیبت بن جائے گا۔ اگر صلاح الدین الیوتی نااہل میں موجود ہوتا تو بلبیس اس کی پشت پناہی حاصل کر لیتا۔ وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ یہ قتل ذاتی رنجش کا نتیجہ نہیں خضر الحیات ذاتی رنجش رکھنے والا حاکم نہیں تھا۔ رات کو اُس نے چند ایک لوگوں کے دروازے کھٹکھٹائے اور تفتیش میں لگا رہا۔ اپنے خفیہ آدمیوں کو بھی سرگرم کر دیا لیکن اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

☆

بعد کی شہادتوں اور واقعات سے جو روایت سامنے آئی وہ کچھ اس طرح بنتی ہے کہ قتل کی رات سے اگلی رات مصلح الدین اپنے گھر گیا تو پہلی بیوی نے اُسے کمرے میں بلایا۔ اُس نے بیس اشرفیاں مصلح الدین کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ ”خضر الحیات کا قاتل یہ بیس اشرفیاں واپس کر گیا ہے اور کہ گیا ہے کہ تم نے پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے کہے تھے۔ میں نے تمہارا کام کر دیا تو تم نے مرث بیس اشرفیاں بھیجی ہیں۔ یہ میں تمہاری بیوی کو واپس دے چلا ہوں۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اب ایک سو اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے دل کا۔ اگر دو دن تک مال نہ پہنچا یا تو ویسا ہی تیر جو خضر کے دل میں اُتر رہا ہے تمہارے بھی دل میں اُتر جائے گا۔“

مصلح الدین کا رنگ اُڑ گیا، سنبھل کر بولا۔ ”تم کیا کہ رہی ہو؟ کون تھا وہ؟ میں نے کسی کو خضر الحیات کے قتل کے لیے یہ رقم نہیں دی تھی؟“

”تم خضر کے قاتل ہو۔“ بیوی نے کہا۔ ”مجھے معلوم نہیں کہ قتل کی وجہ کیا ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ تم نے اُسے قتل کر لیا ہے۔“

یہ مصلح الدین کی پہلی بیوی تھی۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ مشکل میں سال کی ہوگی۔ خاصی خوبصورت عورت تھی۔ کوئی ایک ماہ قبل وہ گھر میں ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت اور جوان لڑکی لے آیا تھا۔ ایک خاوند کے لیے بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اُس زمانے میں زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ کوئی بیوی دوسری بیویوں سے حسد نہیں کرتی تھی، مگر مصلح الدین نے پہلی بیوی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ جب سے نئی بیوی آئی تھی اُس نے پہلی بیوی کے کمرے میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔۔۔ بیوی نے اُسے کئی بار بلایا تو بھی وہ نہ گیا بیوی کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ آدمی جو اُسے میں اشرافیاں دے گیا تھا غالباً مصلح الدین سے بڑا ہی سنگین انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے اس کی پہلی بیوی کو بتا دیا تھا کہ خضر الحیات کو مصلح الدین نے قتل کر دیا ہے۔ ”تم اپنی زبان بند رکھنا۔“ مصلح الدین نے بیوی کو بارعب لہجے میں کہا۔ ”یہ میرے کسی دشمن کی چال ہے۔ وہ میرے اور تمہارے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے۔“

”تمہارے دل میں میری دشمنی کے سوا اور رہا ہی کیا ہے؟“ بیوی نے پوچھا۔

”میرے دل میں تمہاری پہلے روز والی محبت ہے۔“ مصلح الدین نے کہا۔ ”کیا تم اس آدمی کو پہچانتی ہو؟“ اُس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا۔ ”بیوی نے کہا۔“ مگر تمہارا انقلاب اُتر گیا ہے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔“ مصلح الدین نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر بیوی نے اُسے بولنے نہ دیا۔ اُس نے کہا۔ ”مجھے شک ہے تم نے بیت المال کی رقم ہمعلم کی ہے جس کا علم خضر الحیات کو ہو گیا تھا۔ تم نے کرائے کے قاتل سے اُسے راستے سے ہٹا دیا ہے۔“

”مجھ پر جھوٹے الزام عائد نہ کرو۔“ مصلح الدین نے کہا۔ ”مجھے رقم ہمعلم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ تمہیں نہیں، اُس فرنگن کو رقم کی ضرورت ہے جسے تم نے نکاح کے بغیر گھر رکھا ہوا ہے۔“ بیوی نے جل کر کہا۔ ”تمہیں شراب کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ اگر یہ الزام جھوٹا ہے تو بتاؤ کہ یہ چار گھوڑوں کی نگہی کہاں سے آئی ہے؟ گھر میں آئے دن ناچنے والیاں جواتی ہیں وہ کیا مفت آتی ہیں؟ شراب کی جو دھوئیں دی جاتی ہیں، اُن کے لیے رقم کہاں سے آتی ہے؟“

”خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔“ مصلح الدین نے غصے اور پلار کے طے طے لہجے میں کہا۔ ”مجھے معلوم کر لینے دو وہ آدمی کون تھا جو یہ خطرناک چال چل گیا ہے۔ اصل حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی۔“

”میں اب چپ نہیں رہ سکوں گی۔“ بیوی نے کہا۔ ”تم نے میرا سینہ انتقام سے بھر دیا ہے۔ میں سارے معرکوں کی کوئی یاد نہ تھکتا ہے۔ ایک مومن کا قاتل ہے۔ تم میری محبت کے قاتل ہو۔ میں اس قتل کا انتقام لوں گی۔“

مصلح الدین منت سماجت کر کے اُسے چپ کرنے لگا اور اُسے قائل کر لیا کہ وہ صرف دو روز چپ رہے تاکہ وہ اس آدمی کو تلاش کر کے ثابت کر سکے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ اُس نے بیوی کو یہ بھی بتایا کہ غیاث بلبیس نے چند ایک مشتبہ افراد پر پڑیے ہیں اور قاتل بہت جلدی پکڑا جائے گا۔

رات گزر گئی۔ اگلے دن بھی گزر گیا۔ مصلح الدین گھر سے غائب رہا۔ اس کی دوسری بیوی یا داشتہ بھی کہیں نفرت نہ آئی۔ شام کے بعد مصلح الدین گھر آیا اور پہلی بیوی کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ پیلا اور محبت کی باتیں کرتا رہا۔ بیوی اُس کے فریب میں نہیں آنا چاہتی تھی مگر عیار کے دھوکے میں آگئی۔ مصلح الدین نے اُسے کہا کہ وہ اس آدمی کو ڈھونڈ رہا ہے جو ہمیں اشرافیاں دے گیا تھا۔۔۔ کچھ دیر بعد بیوی سو گئی۔ اُس رات مصلح الدین نے ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔ گھر میں ایسی خاموشی تھی جو پہلے کسی نہیں ہوئی تھی۔ مصلح الدین بہت دیر سوئی ہوئی بیوی کے کمرے میں رہا، پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

آدھی رات کا عمل ہوگا۔ ایک آدمی اس گھر کی باہر والی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی اُس کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ تیسرا آدمی ان دونوں کو سیڑھی بنا کر اوپر گیا اور دیوار سے لٹک کر اندر کی طرف کود گیا۔ اس نے اندر سے بڑا دروازہ کھول دیا۔ اس کے دونوں ساتھی اندر آ گئے۔ اس گھر میں رکھوالی والا کتا ہر رات کھلا رہتا تھا۔ اُس رات وہ بھی ڈربے میں بند تھا۔ شاید ملازم جاتے ہوئے جھول گئے تھے کہ اُسے کھلا رکھنا ہے۔ تینوں آدمی برآمدہ میں چلے گئے۔ اندھیرا گہرا تھا۔ وہ دیے پاؤں چلتے گئے۔ گپ اندھیرے میں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے اُس کمرے کے دروازے پر جا پہنچے۔ مصلح الدین کی پہلی بیوی جسے وہ فاطمہ کے نام سے بلاتا تھا سوئی ہوئی تھی۔ کواڑ کھل گیا۔ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں آدمی اندر گئے اور اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے فاطمہ کے پلنگ تک پہنچ گئے۔ ایک آدمی کا ہاتھ فاطمہ کے منہ پر لگا تو اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھی کہ مصلح الدین کا ہاتھ ہے۔ اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا۔ ”کہاں جا رہے ہیں آپ؟“

اس کے جواب میں ایک آدمی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ کر اس کا کچھ حصہ اُس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ فوراً بعد تینوں نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ایک نے منہ پر ایک اور کپڑا کس کر باندھ دیا۔ ایک نے ایک پوری کی طرح کا تھیلا کھولا۔ دوسرے دو آدمیوں نے فاطمہ کو دوسرا کر کے رسیوں سے اُس کے ہاتھ اور پاؤں باندھے اور اُسے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا۔ انہوں نے تھیلا اٹھایا اور باہر نکل گئے۔ بڑے دروازے سے بھی نکل گئے۔ گھر میں کوئی مرد ملازم نہ تھا۔ خادیاں بھی اس رات چھٹی پر خفیں۔ تھوڑی دُور ایک درخت کے ساتھ تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ایک نے تھیلا اپنے آگے رکھ لیا۔ تینوں گھوڑے قاہرہ سے نکل گئے اور سکندر ربیعہ کا رخ کر لیا۔

صبح ملازم آ گئے۔ مصلح الدین نے فاطمہ کے متعلق پوچھا تو خادیاں نے اسے تلاش کر کے بتایا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ بہت دیر تک جب اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو مصلح الدین ایک خادمہ کو الگ لے گیا۔ بہت دیر تک اُس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ پھر اُسے ساتھ لے غیاث بلبیس کے پاس چلا گیا۔ اُسے کہا کہ اُس کی بیوی لاپتہ ہو گئی ہے۔ اس نے اس شک کا اظہار کیا کہ خضر الحیات کو فاطمہ نے قتل کر لیا ہے اور خضر نے مرتے مرتے انگلی سے ”مصلح“ جو لکھا تھا وہ دراصل مصلح کی بیوی لکھنا چاہتا تھا لیکن موت نے تحریر پوری نہ ہونے دی۔ اس کے ثبوت میں اُس نے اپنی خادمہ سے کہا کہ وہ بلبیس کو اس آدمی کے متعلق بتائے۔ خادمہ نے بیان دیا کہ پرسوں شام ایک اجنبی آیا جس کے چہرے

نے کہا۔ "میں نے قتل کے دوسرے روز موت اٹھا دیکھا تھا کہ ایک نقاب پوش آیا تھا۔ آقا مصطفیٰ الدین گھر نہیں تھے۔ نقاب پوش نے فاطمہ کو باہر بلایا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے باہر اور فاطمہ اندر تھی۔ وہ اس کے سامنے نہیں ہوئی۔ ملازموں نے اُسے دیکھا تھا لیکن کسی نے بھی قریب جا کر نہیں سنا کہ ان کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔ نقاب پوش چلا گیا تو فاطمہ اندر آئی۔ اُس نے چھٹی سی ایک تھیلی اٹھا کر لے لی تھی۔ فاطمہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔۔۔۔ دوسری شام مصطفیٰ الدین نے چاروں ملازموں اور سائیں کو رات بھر کی چھٹی دے دی تھی۔ چار ملازمین دو مرد اور دو عورتیں ہیں۔"

"اس سے پہلے ملازموں کو کبھی رات بھر کے لیے چھٹی دی گئی ہے؟" بلہیں نے پوچھا۔
 "کبھی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "کوئی ایک ملازم کبھی چھٹی لے لیتا ہے۔ سب کو کبھی چھٹی نہیں دی گئی۔
 خادمہ نے سوچ کر کہا۔ "عجیب بات یہ ہے کہ آقا نے کہا تھا کہ آج رات گئے کو بندھا رہے دنیا۔ اس سے پہلے رات گنا کھلا رکھا جاتا تھا۔ بڑا خوشگوار تھا ہے۔ اجنبی کی بو پر صبر کرنے چاہئے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔"
 "مصطفیٰ الدین کے تعلقات فاطمہ کے ساتھ کیسے تھے؟" غیاث بلہیں نے پوچھا۔

"بہت کچھ ہوئے۔" خادمہ نے بتایا۔ "آقا ایک بڑی خوبصورت اور جوان لڑکی لایا ہے جس نے آقا کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ آقا کی بول چال بھی بند ہے۔"

غیاث بلہیں نے خادمہ کو الگ بٹھا کر مصطفیٰ الدین کو اندر بلایا اور باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو سپاہی تھے۔ انہوں نے مصطفیٰ الدین کو دائیں اور بائیں بازوؤں سے پکڑ لیا اور باہر لے جانے لگے۔ مصطفیٰ الدین نے بہت احتجاج کیا۔ بلہیں یہ حکم دے کر باہر نکل گیا کہ اسے قید میں ڈال دو۔ اُس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ مصطفیٰ الدین کے گھر پر پھرو کھڑا کرو۔ کسی کو باہر نہ جانے دو۔

✽

اُس وقت فاطمہ قاہرہ سے بہت دور شمال کی طرف ایک ایسی جگہ پہنچ چکی تھی جہاں ارد گرد ادبچے ٹیلے، سبز اور پانی بھی تھا۔ یہ جگہ عام راہ گزر سے ہٹی ہوئی تھی۔ وہاں وہ سوچنے سمجھنے کے وقت پہنچی تھی۔ گھوڑے رک گئے۔ اُسے تھیلے میں سے نکالا گیا۔ اُس کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا اور ہاتھ پاؤں بھی کھول دیئے گئے۔ اُس کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے۔ وہ تین نقاب پوشوں کے نرے میں تھی۔ تین گھوڑے کھڑے تھے۔ فاطمہ جھنجھٹے چلانے لگی۔ نقاب پوشوں نے اُسے پانی پلایا اور کچھ کھانے کو دیا۔ وہ ہاتھ نہیں آرہی تھی۔ اُس کے پیٹ میں پانی اور کھانا گیا اور تازہ ہوا لگی تو جسم میں طاقت آگئی۔ وہ اچانک اٹھی اور دوڑ پڑی۔ تینوں بیٹھے دیکھے۔ کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہ گیا۔ دوڑ جا کر وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں چلی گئی تو ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار ہوا اور لگا لگا کر فاطمہ کو مایا۔ وہ دوڑ دوڑ کر ٹھک گئی تھی۔ لیٹ گئی۔ نقاب پوش نے اُسے اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا اور خود اس کے پیچھے سوار ہو کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا۔

"جھاگو۔" ایک نے اُسے قتل سے کہا۔ "کہاں تک جھاگو گی۔ یہاں سے تو کوئی تڑپ نہ مردہ بھی جھاگ کر قاہرہ

پر نقاب تھا۔ اُس وقت مصطفیٰ الدین گھر پر نہیں تھا۔ اُس آدمی نے دروازے پر دستک دی تو یہ غلام باہر گئی۔
 اجنبی نے کہا کہ وہ فاطمہ سے ملنا چاہتا ہے۔ غلام نے کہا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں اس لیے وہ فاطمہ سے نہیں مل سکتا۔ اُس نے کہا کہ فاطمہ سے یہ کہ دو کہ وہ اشرفیاں واپس کرنے آیا ہے، کہتا ہے کہ میں پوری رقم لوں گا۔ غلام نے فاطمہ کو باہر بتایا تو اُس نے اس آدمی کو اندر بلایا۔

غلام نے بیان میں کہا کہ فاطمہ نے اُسے برآمدے میں کھڑا رہنے کو کہا اور یہ ہدایت دی کہ کوئی آجائے تو میں اسے خبردار کروں۔ غلام کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی رہی۔ اندر کی باتیں جو اُسے سنائی دیں، ان میں اس آدمی کا قصہ اور فاطمہ کی منت سماجت تھی۔ ان باتوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ فاطمہ نے اس آدمی سے کہا تھا کہ علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو قتل کرنا ہے جس کے عوض وہ اسے پچاس اشرفیاں اور دو ٹکڑے سونا دے گی۔ غلام کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فاطمہ نے اس آدمی کو میں اشرفیاں کس وقت اور کہاں بھیجی تھیں اور کون لے گیا تھا۔ وہ پوری پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ اُسے کہہ رہی تھی کہ اُس نے غلط آدمی کو قتل کیلئے ہے۔ یہ نقاب پوش اجنبی کہہ رہا تھا کہ تم نے یقین کے ساتھ بتایا تھا کہ حسن بن عبداللہ فلاں وقت حضور اہلبیت کے گھر ہائے گا۔ وہ گھات میں بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک آدمی کو حضور کے گھر کے دروازے کے قریب جاتے دیکھا۔ اُس کا تقدیر حسن بن عبداللہ کی طرح تھا۔ قتل کرتے وقت اتنی مہلت نہیں ملتی کہ شرکار کو اچھی طرح دیکھ کر یقین کر لیا جائے۔ تم نے جو وقت بتایا تھا، یہ وہی وقت تھا میں نے تیر چلا دیا اور وہاں سے بھاگنے کی کی۔

وہ فاطمہ سے پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ نے پہلے تو منت سماجت کی۔ پھر وہ بھی غصے میں آ گئی اور کہا کہ اصل آدمی کو قتل کرو گے تو ان میں اشرفیوں کے علاوہ پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے دے دیں گی۔ اس آدمی نے کہا کہ میں نے کام کر دیا ہے، اس کی پوری اجرت لوں گا۔ فاطمہ نے انکار کر دیا۔ وہ آدمی بڑے غصے میں یہ کہہ چلا گیا کہ میں پوری اجرت مول کر لوں گا۔ فاطمہ نے خادمہ کو سختی سے کہا کہ وہ اس آدمی کے متعلق کسی سے ذکر نہ کرے۔ اُس نے خادمہ کو دو اشرفی انعام دیا۔ آج صبح وہ اس کے کمرے میں گئی تو فاطمہ وہاں نہیں تھی۔ اُسے شک ہے کہ اس آدمی نے انتقاماً اسے اغوا کر لیا ہے۔

غیاث بلہیں نے کچھ سوچ کر مصطفیٰ الدین کو باہر بھیج دیا اور خادمہ سے پوچھا۔ "یہ بیان تمہیں کس نے پڑھا ہے؟ فاطمہ نے یا مصطفیٰ الدین نے؟"

"فاطمہ تو یہاں نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔ "یہ میرا اپنا بیان ہے۔"

"مجھے سچ بتاؤ۔" بلہیں نے کہا۔ "فاطمہ کہاں ہے۔ وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟" خادمہ گھبرانے لگی۔ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ بلہیں نے کہا۔ "کو تواری کے تہ خانے میں جانا چاہتی ہو؟ اب تم واپس نہیں جاسکو گی۔" وہ غریب عورت تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ کو تواری کے تہ خانے میں جا کر پرج اور جھوٹ الگ الگ ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے جسم کے جڑ بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ دو پڑی اور بولی۔ "سچ کتنی ہول تو آقا سزا دیتا ہے، جھوٹ بولتی ہوں تو آپ سزا دیتے ہیں۔" بلہیں نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اُسے تحفظ کا یقین دلایا۔ خادمہ

نقاب پوش نے کہا۔ ”ہم تمہیں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہم تین آدمی اکیلی عورت کی میزبانی سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ ہم بیوپاری ہیں۔ کرائے کا قتل اور اغوا ہمارا پیشہ ہے۔ ہم تمہارے جسم کے ساتھ کھیل کر خوش ہونے والے نہیں۔ تین مرد ایک عورت کو اغوا اور مجبور کر کے تفریح کریں تو یہ کوئی فخر والی بات نہیں۔“

”تم مجھے سکندر کے ہاتھ میں بیچو گے؟“ فاطمہ نے بے بسی کے لہجے میں پوچھا۔ ”میری قسمت میں اب عصمت فروشی لکھی ہے؟“

”نہیں۔“ ایک نقاب پوش نے جواب دیا۔ ”عصمت فروشی کے لیے جنگلی اور صحرائی لوگیاں فروشی ہوتی ہیں۔ تم حرم کی چیز ہو کسی باعزت امیر کے پاس جاؤ گی۔ ہمیں بھی تو اچھی قیمت چاہیے۔ ہم تمہیں ٹی میں نہیں بیچیں گے۔ تم اب رونا اور غم کرنا چھوڑ دو تاکہ تمہارے چہرے کی دکھائی اور رونق قائم رہے ورنہ تم عصمت فروشی کے قابل جاؤ گی۔ تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔“

☆

یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی بیوقوف حرکت نہیں کی، دست درازی نہیں کی، فاطمہ کو کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ رات بھر وہ اذیت میں بھی رہی تھی۔ تھیلے میں دھری کر کے اسے بند کیا گیا تھا۔ جسم دھڑک رہا تھا وہ لیٹی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی سی دیر بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل خوت اور گھبراہٹ کی گزرت رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ فاطمہ نے پہلے تو یہ سوچا کہ کسی ایک کا خنجر نکال کر مینوں کو قتل کر دے لیکن اتنی جرات نہ کر سکی۔ مینوں کو قتل کرنا آسان نہ تھا۔ اس نے گھوڑے دیکھے۔ ان لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اتاری تھیں۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور دسے پاؤں ایک گھوڑے تک پہنچی۔ سوچ ٹیلوں کے پیچھے ہارے ہوئے تھے۔ فاطمہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ قاہرہ سے کس طرف اور کتنی دُور ہے۔ اس نے یہ خطرہ مول لے لیا کہ مہر کی دست میں بھٹک کر مر جائے گی ان لوگوں کے ہاتھوں سے مزور نکلے گی۔

اس نے گھوڑے پر سوار ہونے ہی ایڑ لگا دی۔ ٹاپوؤں نے نقاب پوشوں کو جگا دیا۔ انہوں نے فاطمہ کو ٹیلے کی اوٹ میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ دو نقاب پوش گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تعاقب میں گھوڑے سرپٹ بھاگا دیئے۔ فاطمہ کے لیے مشکل یہ تھی کہ اسے ٹیلوں کے قید خانے سے نکلنے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ مہرائی ٹیلے بھول جلیوں جیسے ہوتے ہیں۔ مرن مہرا کے بھیدی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ فاطمہ ایسے رُخ ہوئی جہاں آگے ایک اور ٹیلے نے راستہ روک رکھا تھا۔ اس نے وہاں جا کر نیچے دیکھا تو نقاب پوش تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کو ٹیلے پر چڑھا دیا اور ایڑ مارتی گئی۔ گھوڑا اچھا تھا۔ اوپر جا کر پے اتر گیا۔ وہ ایک طرف کو گھوڑا موڑے گئی۔ آگے راستہ مل گیا۔ نقاب پوش بھی پہنچ گئے۔ فاطمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا جب اس نے اپنے سامنے سمندر کی طرح کھلا صحرا اور چار شتر سوار اپنی سمت آتے دیکھے۔ اس نے چلا نا شروع کر دیا۔ ”سچاؤ۔ ڈاکوؤں سے بچاؤ۔“ وہ اُن تک پہنچ گئی۔

نہیں پہنچ سکتا۔“ فاطمہ رونے لگی اور گالیاں دیتی تھی۔ ایک نقاب پوش نے اسے کہا۔ ”اگر تم تمہیں قابو دلایں گے چلیں تو بھی تمہارے لیے کوئی پناہ نہیں۔ تمہیں تمہارے خاوند نے ہمارے حوالے کیا ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔“ فاطمہ نے چلا کر کہا۔

”یہ سچ ہے۔“ اس نے کہا۔ ”ہم نے تمہیں اجرت کے طور پر لیا ہے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں تمہارے ہاتھ میں اشرافیوں کی قبلی دے آیا تھا۔ تم نے خاوند سے کہہ دیا کہ تم قاتل ہو اور تم نے بیوقوفی یہ کہ اسے یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو قاتل کو بتا دو گی۔ وہ تم سے پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا۔ اس کی داشتہ نے اس کے دل پر اور اس کی عقل پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لوگ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور وہ کیا کرنے آئی ہے۔ دوسرے دن تمہارا خاوند ہمارے ٹھکانے پر آیا۔ ایسا بے ایمان آدمی ہے کہ اس نے ہمیں خنجر الحیات کے قتل کے عوض پچاس اشرافی اور سونے کے دو ٹکڑے دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر کام ہو گیا تو مرن میں اشرافی بھی۔ میں نے تمہیں استعمال کیا اور یہ رقم تمہارے ہاتھ میں دے دی تاکہ تمہیں بھی اس راز کا علم ہو جائے۔ ہمارا تیر نشانے پر بیٹھا۔ دوسرے دن وہ ہمارے ٹھکانے پر آیا اور پچاس اشرافیاں دینے لگا۔ سونے کے ٹکڑے پھر مہم کر رہا تھا۔ میرے ان ساتھیوں نے کہا کہ اب ہم بہت زیادہ اجرت لیں گے۔ اگر وہ نہیں دے گا تو ہم کسی نہ کسی طرح کو قاتل تک نہیں پہنچا دیں گے۔ اسے اب خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ تمہیں بھی پتہ چل گیا تھا کہ قاتل وہی ہے۔ اس کا علاج اس نے یہ سوچا کہ ہمیں کہا کہ تم میری بیوی کو اٹھالے جاؤ۔ میں تمہارے لیے راستہ صاف کر دوں گا۔ ہم جان گئے کہ وہ اپنی داشتہ کے زیر اثر تم سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور اب وہ اس لیے تمہیں غائب کرنا چاہتا تھا کہ تم اس کے جرم کی گواہ بن گئی ہو اور اسے کہ بھی سچی ہو کہ تم کو قاتل کو خیر کر دو گی۔“

فاطمہ کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ ہو کر اُن مینوں کو باری باری دیکھتی تھی۔ اُن کی مرن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ یہ آنکھیں ڈراؤنی اور خوفناک تھیں۔ اُن کی زبان میں سٹھاس اور اپنائیت کی جھلک مزور تھی۔ انہوں نے اسے دھکی نہیں دی بلکہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس کا تڑپنا، رونا اور بھاگنا بیکار ہے۔

”میں نے تمہیں دیکھا تھا۔“ نقاب پوش نے اسے کہا۔ ”جب صلح الین نے کہا کہ میری بیوی کو اجرت کے طور پر اٹھالے جاؤ تو میں نے سکندر یہ کی منڈی کے بھاؤ سے تمہاری قیمت کا اندازہ کیا۔ تم ابھی جوان ہو اور تم حسین بھی ہو۔ تم بڑے اچھے داموں تک سکتی ہو۔ ہم مان گئے۔ اگر تمہارا خاوند ہمیں اتنی زیادہ اجرت نہ دیتا تو ہم نے اسے بتا دیا تھا کہ اسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا اور اس کی داشتہ کو اغوا کر لیا جائے گا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ آج رات اس کے گھر میں کوئی ملازم نہیں ہوگا۔ کتا بھی بندھا ہوا ہوگا۔ البتہ بڑا دغا خانہ اندر سے بند ہوگا تاکہ تم دیکھ لو تو شک نہ کرو۔ ہم مینوں نے ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو کر تمہارے گھر کی دیوار پھلانگی۔ ہم نے ہاتھوں میں خنجر لے رکھے تھے اور ہم سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے کیونکہ ہمیں تمہارے خاوند پر پھر دوسرے نہیں تھا۔ وہ ہمیں مروا سکتا تھا لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہمارے لیے راستہ واقعی صاف تھا۔ تمہیں اٹھایا اور لے آئے۔“

”اس نے یہ کہانی تمہیں اس لیے سنائی ہے کہ تم اپنے خاوند کے گھر کو دل سے نکال دو۔“ دوسرے

اُس کے پیچھے دونوں نقاب پوشوں کے گھوڑے باہر آئے۔ شتر سواروں کو دیکھ کر انہوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچیں اور گھوڑے موڑے بھی شتر سواروں نے اونٹ دوڑا دیئے۔ ایک نے کمان میں تیر رکھ کر چھوڑا تو تیر ایک گھوڑے کی گردن میں اتر گیا۔ گھوڑا درد سے تڑپا، اچھلا اور بے قابو ہو گیا۔ سوار کو گدگیا۔ شتر سواروں نے انہیں لٹکا کر اتار دوسرے نے گھوڑا روک لیا۔ انہیں مسلم تھا کہ وہ چار شتر سوار تیر اندازوں کی زد میں ہیں۔ فاطمہ نے بتایا کہ ان کا ایک ساتھی اندر ہے۔ ان دونوں کو پکڑ لیا گیا۔۔۔۔۔ یہ چاروں سلطان ایوبی کی فوج کے کسی گشتی ہونے کے سپاہی تھے۔ سلطان ایوبی نے سارے مصر میں گشتی پرے کا انتظام کر رکھا تھا تاکہ اچانک حملے کا خفا نہ رہے اور میلیمی تخریب کا مصر میں داخل نہ ہو سکیں۔ ان گشتی دستوں کا بہت فائدہ تھا۔ انہوں نے کئی مشتبہ لوگ پکڑے تھے۔ اب یہ نقاب پوش اُن کے چھندے میں آ گئے۔ فاطمہ نے انہیں بتایا کہ اُسے کس طرح یہاں تک لایا گیا ہے، وہ کس کی بیوی ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ ناظم مالیات قتل ہو گیا ہے۔ قتل اس کے غلام مصلح الدین نے کر دیا ہے جو شہر کا ناظم ہے، اور قاتل ان تینوں میں سے ایک ہے۔

تیسرے نقاب پوش کو بھی پکڑ لیا گیا۔ اُن سے خبر لے لی گئی۔ ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ اُن کا ایک گھوڑا تیر گئے سے بھاگ گیا تھا۔ ایک گھوڑے پر دو نقاب پوشوں کو اور تیسرے پر ایک کو بٹھا کر سپاہی اپنے کمانڈر کے پاس لے چلے۔ فاطمہ کو انہوں نے اونٹ پر بٹھا لیا۔ اس اونٹ کا سوار اپنے ایک ساتھی کے پیچھے سوار ہو گیا۔ اس قافلے کے سامنے چار میل کی مسافت تھی جو انہوں نے سورج غروب ہونے تک طے کر لی۔ وہ ایک نخلستان تھا، جہاں تیسے بھی نصب تھے۔ یہ اس دستے کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ فاطمہ کو اس کمانڈر کے سامنے پیش کیا گیا۔ تینوں نقاب پوشوں کو پہرے میں بٹھا دیا گیا۔ انہیں اگلے روز قاہرہ بھیجا تھا۔

☆

میلیمیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کرک میں بیٹھے بیٹھے صلاح الدین ایوبی کا انتظار نہیں کریں گے۔ انہوں نے فوج کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ فرانس کی فوج کو انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو راستے میں روکنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ ریمانڈ کی فوج مسلمانوں کی فوج پر عقب سے حملے کے لیے مقرر ہوئی۔ کرک کے قلعے کے دفاع کے لیے جرمنی کی فوج تھی جس کے ساتھ فرانس اور انگلستان کے کچھ دستے تھے۔ انہیں جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ سلطان ایوبی نئی فوج تیار کر رہا ہے۔ میلیمی حکمرانوں نے اس اقدام کا جائزہ لیا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ٹرننگ کیمپ پر حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئیں لیکن اُن کی انٹیلیجنس نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ دلیل یہ دی کہ سلطان ایوبی نے دفاع کی تیاری نہیں بنا رکھی ہیں جن میں ایک تہ متحرک ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دیکھ بھال کے دستے دور دور تک گھومتے پھرتے اور محرم میں ملتی ہوئی ہرج ہرج کو قریب جا کر دیکھتے ہیں۔ ان دفاعی انتظامات کو دیکھ کر میلیمیوں نے اس حملے کا خیال دل سے نکال دیا۔

ایک امریکی مصنف انٹینی ولیٹ نے متعدد مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ میلیمیوں کے پاس صلاح الدین ایوبی کی نسبت چار گنا فوج تھی جس میں زندہ پوش پیادہ اور سوار دستوں کی بہتات تھی۔ اگر یہ فوج صلاح الدین ایوبی

پر براہ راست حملہ کر دیتی تو مسلمان تباہ و برباد نہ ہو سکتے مگر میلیمی فوج کو شوبک کی شکست میں ہونے پر ان کا اٹھا ہوا تھا، اس کی ایک دہشت بھی تھی جو میلین جنگ سے بھاگے ہوئے فوجیوں پر طاری تھی۔ میلیمیوں کا سبب ان کے تیز رفتاری تھا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شوبک کو وہ ٹوہ کا قلعہ سمجھتے تھے۔ وہ اپنی فوج کو محرم میں بھیج کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قلعوں سے مدد ہی ختم کر دیں گے۔ وہ کرک کے دفاع میں بیٹھے تھے۔ سلطان ایوبی نے شوبک لے لیا اور محرم میں میلیمیوں کو آٹھ سائے کی جنگ کا موقع دینے بغیر انہیں جہاں سے ملایا۔ اس کی آگ کی مانند لہروں نے گھوڑوں اور اونٹوں کو اتنا دہشت زدہ کیا کہ غاصے ہوئے ایک ہاتھ مولی سی آگ دیکھ کر بھی پوک جاتے تھے۔ انٹینی ولیٹ نے یہ ثبوت بھی متیا کیا ہے کہ میلیمی فوج مختلف بادشاہوں اور ملکوں کی مرکب تھی جو بظاہر متحد تھی لیکن یہ اتحاد برائے نام تھا کیونکہ ہر بادشاہ اور اس کی فوج کا اعلیٰ کمانڈر ملک گیری اور بادشاہی کی توسیع کا خواہشمند تھا۔ ان میں صحت یہ جذبہ مشترک تھا کہ مسلمانوں کو ختم کرنا ہے، مگر اُن کے دلوں میں جو اختلافات تھے وہ اُن کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ میلیمی سواروں کے ماہر تھے اور مسلمانوں کے جس علاقے پر قابض ہو جاتے تھے وہاں قتل عام اور آبروریزی شروع کر دیتے تھے۔ اس کے برعکس مصلح الدین ایوبی محبت اور اخلاقی تبدیل کو ایسی خوبی سے استعمال کرتا تھا کہ دشمن بھی اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُس نے اپنی فوج میں یہ بھی پہل کر دی تھی کہ دوسرے سپاہیوں کا بچاؤ ہر دستہ ایک ہزار لفری کے فوجی کیمپ کو تھس تھس کر کے غائب ہو جاتا تھا۔ لوگ جان قربان کرنے کو مسمولی سی قربانی سمجھتے تھے۔ سلطان ایوبی جس انداز سے میلین جنگ میں تھوڑی سی فوج کو ترتیب دیتا تھا، وہ بڑی سے بڑی فوج کو بھی بے بس کر دیتی تھی شوبک اور کرک کے میدان میں بھی اس نے اسی جنگی دانشمندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میلیمیوں نے اس کا جائزہ لیا، اپنی فوج کی جسمانی اور جذباتی کیفیت دیکھی تو انہوں نے براہ راست حملے کا خیال چھوڑ دیا اور کوئی دوسرا ڈھنگ سوچ لیا لیکن اس ڈھنگ کے متعلق بھی انہیں شک تھا۔ اس کا علاج انہوں نے یہ کیا کہ مصر میں بغاوت بھڑکانے اور سوڈانیوں کو مصر پر حملہ کرنے پر اُگسانے کا اہتمام کر لیا۔

مصر کے نائب ناظم امور شہری مصلح الدین کی طرف سے انہیں امید افزا پوٹریں مل رہی تھیں۔ وہاں ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ مصر کا ناظم مالیات خنز الحیات قتل ہو گیا ہے اور مصلح الدین پکڑا گیا ہے۔ کرک تک یہ اطلاع پہنچنے کے لیے کم از کم پندرہ دن درکار تھے کیونکہ راستے میں سلطان ایوبی کی فوج تھی۔ قاصد بہت دھڑکا چکر کاٹ کر لہر قدم چھڑک چھوٹ کر کرک جا سکتے تھے۔ بہت دنوں کا چلا ہوا ایک قاصد اُس رات وہاں پہنچا جس رات فاطمہ اغوا ہوئی تھی۔ اُس نے پورٹ دی کہ بغاوت کے لیے نقاساز گار ہے، لیکن سوڈانی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے ہاں گھوڑوں کی کمی ہے۔ ان کے پاس اونٹ زیادہ ہیں۔ انہیں کم و بیش پانچ سو اچھے گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی زمینیں درکار ہیں۔ فرانسیسی فوج کے کمانڈر نے کہا کہ پانچ سو گھوڑے فوراً روانہ کر دیئے جائیں اور ان کے ساتھ میلیمی فوج کے اسلحہ انفرول کو بھی بھیج دیا جائے جو سوڈانیوں

بلبیس نے اُس سے مزید کچھ بھی نہ پوچھا۔ وہ مصلح الدین کے پاس پہنچا گیا۔ مصلح الدین بڑی بڑی حالت میں تھا۔ اسے چھت کے ساتھ اس طرح لٹکایا گیا تھا کہ رستہ کھائیوں سے بندھا تھا اور اس کے پاؤں فرش سے اتر پڑے تھے۔ بلبیس نے جاتے ہی اُس سے پوچھا۔ ”مصلح دوست! جو پوچھتا ہوں بتا دو تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اور اسے کس سے اغوا کرایا ہے؟ اب تمہیں کچھ اور باتیں بھی بتانی پڑیں گی۔ تمہاری داشتہ اپنے آپ کو بے نقاب کر چکی ہے۔“

”کھول دے مجھ رذیل انسان!“ مصلح الدین نے غصے اور درد سے دانت پیس کر کہا۔ ”امیر مصر کو آنے دے۔ میں تیرا یہی حشر کراؤں گا۔“

بنتے میں بلبیس کے ایک اہلکار نے آکر اس کے کان میں کچھ کہا۔ حیرت سے اُس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ وہ دوڑتا ہوا ترخانے سے نکلا اور اوپر چلا گیا۔ وہاں مصلح الدین کی بیوی اور اسے اغوا کرنے والے تین آدمی بیٹھے تھے۔ فاطمہ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوئی اور مینڈل کس طرح پکڑے گئے ہیں۔ بلبیس فاطمہ اور مینڈل مجرموں کو ترخانے میں لے گیا اور مصلح الدین کے سامنے جا کھڑا کیا۔ مصلح الدین نے نہیں دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بلبیس نے پوچھا۔ ”ان مینڈل میں سے قاتل کون ہے؟“ مصلح الدین خاموش رہا۔ بلبیس نے تین دفعہ پوچھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہا۔ بلبیس نے ترخانے کے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ آدمی آگے آیا اور مصلح الدین کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اس کے ساتھ لٹک گیا۔ اس آدمی کا وزن مصلح الدین کی کلاںیاں کاٹنے لگا جو رستے سے بندھی ہوئی تھیں۔ اُس نے درد سے چیخ مچھڑے کہا۔ ”درمیان والا۔“

undunovelist.blogspot.com

بلبیس مینڈل کو الگ لے گیا اور انہیں کہا کہ وہ بتا دیں کہ وہ کون ہیں اور یہ سارا سلسلہ کیا ہے۔ ورنہ وہ یہاں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ انہوں نے آپس میں شور کیا اور بولنے پر رضامند ہو گئے۔ بلبیس نے انہیں الگ کر دیا اور فاطمہ کو اوپر لے گیا۔ فاطمہ نے اُسے وہی بات سنائی جو سنائی جا چکی ہے۔ اُس نے اپنے متعلق یہ بتایا کہ اس کی ماں سوڈانی اور باپ مصری ہے۔ تین سال گزرے وہ اپنے باپ کے ساتھ مصر آئی۔ مصلح الدین نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے باپ کے پاس آدمی بھیجے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ رقم کتنی ملے ہوئی۔ باپ اسے مصلح الدین کے گھر چھوڑ گیا اور ایک غصیلی لے کر چلا گیا۔ مصلح الدین نے ایک عالم اور چند ایک آدمیوں کو بلا کر باقاعدہ علاج پڑھوایا اور وہ اس کی بیوی بن گئی۔ وہ اس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ محبت فاطمہ کی کمزوری تھی۔ باپ سے اسے محبت اور شفقت نہیں ملی تھی۔ اُسے شک تھا کہ باپ اُسے یہاں بھیجنے کے لیے ہی لایا تھا۔ مصلح الدین کے خلاف اُسے کبھی بھی شک نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنا بڑا آدمی ہے۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اس کی بلبر کی مگر مریوں کے متعلق فاطمہ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

مصلح الدین ایوبی نے شوبک کی طرف کوچ کیا تو اس کے فوراً بعد مصلح الدین میں ایک تبدیلی آئی۔ وہ رات بہت دیر تک باہر رہنے لگا۔ ایک رات فاطمہ نے دیکھا کہ وہ شراب پی کر آیا ہے۔ فاطمہ کا باپ شرابی تھا۔ وہ شراب کی بو اور شرابی کو پہچان سکتی تھی۔ اُس نے مصلح الدین کی محبت کی خاطر یہ بھی برداشت کیا۔ پھر گھر میں رات کے وقت اجنبی سے آدمی آنے لگے۔ مصلح الدین نے ایک رات فاطمہ کو اشرفیوں کی دو قھیلیاں اور سونے کے چند ایک

کی جنگی اہلیت اور کیفیت کا جائزہ لے کر حملہ کرائیں۔

میلیبیوں کے پاس گھوڑوں کی کمی تھی۔ انہوں نے کرک میں اعلان کر دیا کہ مصر پر حملے کے لیے پانچ سو گھوڑوں کی فوری ضرورت ہے۔ عیسائی باشندوں نے تین چار دنوں میں گھوڑے مہیا کر دیئے جو ایسے رستے سے روانہ کر دیئے گئے جس کے متعلق یقین تھا کہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ ان کا رہنما وہی ماسوس تھا جو گھوڑے مانگنے آیا تھا۔ وہ سوڈانی تھا اور تین سال سے ماسوسی کر رہا تھا۔ ان گھوڑوں کے ساتھ آٹھ میلیبی فوج کے افسر تھے جنہیں سوڈانی حملے کی قیادت کرنی تھی۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو یہاں سے نکلنے نہیں دیا جائے گا۔۔۔ سلطان ایوبی کو صرف یہ معلوم تھا کہ مصر کے حالات ٹھیک نہیں لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ حالات اتنا تشویشناک ہیں جو پچھنے والا ہے۔ علی بن سفیان نے اسے یہ تسلی دے رکھی تھی کہ اُس نے ماسوسی کا جو حال سمجھا ہے، وہ خطروں سے قبل از وقت خبردار کر دے گا۔ انہیں خضر الحیات کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا بھی علم نہیں تھا۔ غیاث بلبیس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو اطلاع سمجھا دے لیکن اُس نے یہ کہہ کر اس مشورے پر عمل نہیں کیا تھا کہ تفتیش مکمل کر کے اصل صورت حال سے سلطان ایوبی کو آگاہ کرے گا۔

☆

فاطمہ کو گشتی دستے کے کانڈر نے رات الگ خیمے میں رکھا۔ سحر کا دھند لگا بھی مات نہیں ہوا تھا جب اُسے اور مینڈل نقاب پوشوں کو آٹھ محافظوں کے ساتھ قاسم کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ یہ قافلہ سورج غروب ہونے کے بعد قاسم پہنچا اور سیدھا کوتوالی گیا۔ غیاث بلبیس اس واردات کی تفتیش میں مصروف تھا۔ اُس وقت وہ تہہ خانے میں تھا۔ اُس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی لی اور وہاں سے اُس کی داشتہ کو برآمد کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ازبک سلطان بتاتی تھی۔ اُس نے بلبیس کو گمراہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس کے جواب میں بلبیس نے اُسے اُس کو ٹھہری کی جھلک دکھائی جہاں بڑے بڑے سنت جہاں مرد بھی سینے کے بلا اُگل دیا کرتے تھے۔ لڑکی نے اعتراف کر لیا کہ وہ یروشلم سے آئی ہے اور عیسائی ہے۔ اُس نے اس اعتراف کے ساتھ بلبیس کو اپنے جسم اور دولت کے لالچ دینے شروع کر دیئے۔ بلبیس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی میں جو دولت برآمد کی تھی اس نے اُس کا دماغ ہلا دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مصلح الدین کیوں میلیبیوں کے ہمال میں پھنس گیا تھا۔ خود لڑکی اس قدر پرکشش اور چرب زبان تھی کہ اُسے ٹھکرانے کے لیے پتھر دل کی ضرورت تھی۔

بلبیس نے اپنا ایمان ٹھکانے رکھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ تو کوئی بہت بڑی سازش ہے جس کی کڑیاں یروشلم سے جالمتی ہیں۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ وہ ہر ایک بات بتا دے۔ لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں جو کچھ بتا سکتی تھی بتا دیا ہے۔ اس سے آگے کچھ بتاؤں گی تو یہ ملیب کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ میں ملیب پر ہاتھ رکھ کر سلف اٹھا چکی ہوں کہ اپنے فرض کی ادائیگی میں جان دے دوں گی۔ میرے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہو کرو، کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر مجھے آزاد کر کے یروشلم یا کرک پہنچا دو گے تو منہ مانگی دولت تمہارے قدموں میں رکھ دی جائے گی۔ مصلح الدین تمہاری قید میں ہے۔ اس لیے پوچھ لو۔ وہ تمہارا بھائی ہے۔ شاید کچھ بتا دے۔“

ٹوٹے دکھا کر گھر میں رکھ لیے اور ایک رات جب وہ شراب میں بدست ہو کر آیا تو اُس نے فاطمہ سے کہا: "اگر مصر کا شمالی علاقہ جو بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ملتا ہے مجھے مل جائے تو تم اپنے کروڑی یا سو ڈان کی سرحد کے ساتھ علاقہ تم جو پسند کرو اس کی تم ملکہ ہوگی اور میں بادشاہ"۔ فاطمہ اتنے اونچے دماغ کی لڑکی نہیں تھی کہ اس سلسلے میں اس سے کچھ پوچھتی۔ وہ سمجھی کہ اس کا خاندان زیادہ شراب پی کر بہک گیا ہے۔ ہوش میں وہ ایسی باتیں نہیں کرتا تھا۔ پھر ایک روز ایک بڑی حسین لڑکی اس کے گھر لائی گئی۔ ساتھ دو آدمی تھے۔ یہ لڑکی اس کے گھر میں ہی رہی۔ علاج نہیں پڑھا گیا۔ اس لڑکی نے فاطمہ کو دوست بنانے کی بہت کوشش کی لیکن اُسے اس لڑکی سے نفرت ہو گئی۔ اس لڑکی نے اُس سے اُس کا خاندان چھین لیا۔ اس کے بعد خضر الحیات کے قتل کا واقعہ ہوا۔

۲۹

تینوں نقاب پوشوں نے پہلے بلبیس کو غلط باتیں بتانے کی کوشش کی لیکن بلبیس انہیں راستے پر لے آیا۔ تینوں نے الگ الگ جو بیان دیئے ان سے یہ انکشاف ہوا کہ تینوں حشیشین کے گروہ کے آدمی ہیں۔ انہیں ملیبیوں کی طرف سے مصلح الدین کے ساتھ لگایا گیا تھا۔ مصلح الدین کو بے شمار دولت، ایک عیسائی لڑکی دی گئی تھی اور یہ وعدہ کہ مصلح الدین الیوبی کے خلاف بغاوت کا میاب کر دے تو مصر کی سرحد کے ساتھ اسے ایک الگ ریاست بنا کر دی جائے گی جس کی حکمرانی اس کے ہاتھ میں اور اس عیسائی لڑکی کے ہاتھ میں ہوگی۔ مصلح الدین نے اعلیٰ حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا تھا مگر خضر الحیات اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مالیات اور بیت المال پر قبضہ مزوری تھا جو خضر الحیات کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ خزانے کا محافظ دستہ جانتا ہوں کہ منتخب گروہ تھا۔ مصلح الدین خضر الحیات کو قتل کروانے کے اس دستے کو تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ اس میں باغی افراد رکھنے تھے اور دو حشیشین۔ ان تینوں کے ذمے ہر اُس ماک کا قتل تھا جس کا فیصلہ مصلح الدین کو کرنا تھا۔ انہیں اس کام کی اجرت ملیبیوں کی طرف سے باقاعدہ مل رہی تھی۔ وہ چونکہ یہ کام کاروبار اور پیشے کے طور پر کرتے ہیں، اس لیے فالتوا جرت لینے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے مصلح الدین سے بچاؤ اشرافیاں اور سونا الگ مانگا جو اُس نے خضر الحیات کے قتل کے بعد انہیں نہیں دیا۔ اُس نے کہا تھا کہ تمہیں پوری اجرت مل رہی ہے۔ انہوں نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس نے انہیں اپنی بیوی پیش کی اور کہا کہ تمہیں اس کی اچھی قیمت مل جائے گی۔ فاطمہ اس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی۔

مصلح الدین ابھی تک چھت کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اُسے بیان لینے کے آثار گیا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جاسوس لڑکی کی کوششوں میں گئے تو وہ مری پڑی تھی۔ اُس کے منہ سے جھانک نکل رہی تھی۔ ملیبیوں نے آکر دیکھا اور کہا کہ اس نے زہر کھا لیا ہے۔ اس کے پاس چھوٹا سا ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ مات چتہ چلنا تھا کہ اس میں زہر بندھا ہوا تھا جو لڑکی نے اپنے کپڑوں میں کہیں چھپا رکھا تھا۔ بہت دیر بعد مصلح الدین ہوش میں آیا لیکن وہ ہلکی ہلکی باتیں کرتا تھا۔ بولتے بولتے چپ ہو جاتا اور چٹی چٹی نظروں سے سب کو دیکھنے لگتا پھر بے معنی سی باتیں شروع کر دیتا۔ ملیبیوں نے اسے دو اٹیاں کھلائیں لیکن اس کا دماغ اذیت سے اور کپڑے جانے کے مدد سے بگڑ گیا تھا۔

اُسی رات غیاث بلبیس کے پاس ایک حشیشیت آئی۔ اس کا نام زین الدین علی بن سہاوا تھا۔ اس نے بلبیس سے کہا کہ اُسے پتہ چلا ہے کہ کچھ جاسوس اور تخریب کار کپڑے لگے ہیں اور وہ بھی کچھ انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ زین الدین مذہب، سیاست اور معاشرت کے میلان کا بزرگ قائد تھا۔ وہ پیرو مشرک تو نہیں تھا لیکن بڑے بڑے عالم بھی اس کے مرید تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اسے پیروں کی طرح ماننا تھا۔ اُسے ماکوں اور معاشرت میں اونچی حیثیت کے دو چار افراد سے پتہ چلا تھا کہ سلطان الیوبی اور اس کی فوج کی غیر ماضی سے دشمن فاطمہ اٹھارہ ماہ ہے اور ایسی ماکدستی سے سازش اور بغاوت کا زہر پھیلا رہا ہے کہ کسی کو کچھ آسان نہیں۔ زین الدین نے غیاث بلبیس اور علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو بتانے کی بجائے اپنے طور پر اس تخریب کاری کی جاسوسی شروع کر دی تھی۔ فوج کے چھوٹے بڑے افسر بھی اس کی مغل میں آتے تھے۔ اُس نے ان سے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں، اور متعدد ذمہ دار افراد کے نام اور ان کی سرگرمیاں بھی معلوم کر لی تھیں۔ اُس نے دلائل ذاتی طور پر تخریب کاروں کے خلاف اپنا ایک گروہ تیار کر لیا تھا جس نے نہایت نازک راز حاصل کر لیے تھے۔

ایک مصری وقائع نگار محمد فرید البوحید نے اپنی تصنیف "سلطان مصلح الدین الیوبی" میں سازش اور بغاوت کے انکشاف کا سہرا زین الدین علی کے سر باندھا ہے اور زین چار تو زین کے حوالے دیئے ہیں لیکن اُس دور کی جو تخریبیں محفوظ ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ حکمران مالیات کے ناظم کے قتل سے ملیبیوں کی یہ سازش بے نقاب ہوئی تھی جس کے آلہ کار وہ مسلمان تھے جن پر سلطان الیوبی کو اعتماد تھا۔ بہر حال اس بزرگ شخصیت کی ذالی کاوش اور اس کا جو حاصل تھا وہ قوی سطح کا ایسا کارنامہ تھا جسے مؤرخین نے بہا طور پر خارج تحسین پیش کیا ہے۔ اُس نے بلبیس سے کہا کہ وہ ابھی کچھ دن اور اپنی جاسوسی جاری رکھنا چاہتا تھا تاکہ ہر ایک سازش کی نشاندہی ہو جائے لیکن ان تخریب کاروں کی گرفتاری کی خبر شہر میں مشور ہو گئی ہے جس سے ان کے ساتھی روپوش ہو جائیں گے۔ اُس نے نام اور پتے وغیرہ بتا دیئے۔ اپنے آدمی بھی بلبیس کے حوالے کر دیئے۔ حسن بن عبداللہ کو بلا لیا گیا۔

حسن اور بلبیس نے فیصلہ کیا کہ سلطان الیوبی کو فوری طور پر اطلاع دے دی جائے۔ اس کے لیے زین الدین کو ہی منتخب کیا گیا اور اُسی روز اُسے بارہ سو روپوں کے منافذ دستے کے ساتھ شوبک روانہ کر دیا گیا۔

۳۰

تیسری شام یہ قافلہ شوبک پہنچ گیا۔ سلطان الیوبی نے جب زین الدین کو دیکھا تو حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اس شخصیت سے واقف تھا۔ بنگلہ پر ہو کر ملا۔ زین الدین نے کہا: "میں کوئی کبھی خبر نہیں لایا۔ ناظم مالیات خضر الحیات قتل ہو چکا ہے اور اس کا قاتل آپ کا نائب ناظم مصلح الدین کو تو والی میں پاگل ہو گیا ہے۔" سلطان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ زین الدین نے اُسے تسلی دی اور تفصیلات سنائیں۔ اُس فوج کے متعلق جو مصر میں تھی اُس نے بتایا، کہ اس میں بے ایمانی پھیلا دی گئی ہے۔ اس قسم کی افواہیں پھیلائی گئی ہیں کہ شوبک کو سر کرنے والی فوج کو سونے پاندی سے مالا مال کر دیا گیا ہے اور اسے عیسائی لڑکیاں بھی دی گئی ہیں۔ مصر والی فوج میں یہ دہشت بھی پھیل کر دی گئی ہے، کہ سوڈانیوں کا بہت بڑا لشکر مصر پر حملہ کرنے والا ہے جسے مصر کی یہ قہوڑی سی فوج روک نہیں سکے گی۔ اس فوج

کے ہر ایک سپاہی کو قتل کر دیا جائے گا اور صلاح الدین ایوبی جاننا ہی یہی ہے کہ یہ فوج قتل ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ افواہ بھی پھیلائی گئی ہے کہ سلطان ایوبی محاذ پر شدید زخمی ہو گیا ہے۔ شاید زندہ نہیں رہے گا۔ اس کے کمانڈر وہاں من مانی کر رہے ہیں۔ زین الدین نے بتایا کہ سلطان ایوبی کے زخمی ہونے کی خبر پر یقین کر لیا گیا ہے۔ اسی لیے صلاح الدین جیسے مہم جو میلہبیل کی مدد سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور اپنی اپنی خود مختار ریاستوں کے قیام کے انتظامات کر رہے ہیں۔

سلطان ایوبی نے وقت ضائع کیے بغیر برق رفتار قاصد بلا دیا اور نور الدین زنگی کے نام ایک پیغام میں مصر کے یہ سارے حالات لکھے اور اسی سے فوجی مدد مانگی۔ اُس نے لکھا کہ میں یہاں رہتا ہوں تو مصر ہاتھ سے جاتا ہے، چلا جاتا ہوں تو شوبک کی فتح شکست میں بدل جائے گی۔ لیاٹو علاؤ کسی قیمت پر واپس نہیں دیا جائے گا میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ یہاں رہوں یا مصر چلا جاؤں.... اُس نے قاصد سے کہا کہ وہ دن اور رات گھوڑا بھگاتا ہے گھوڑا تھک جائے تو جو کوئی سوار سامنے آئے اس سے گھوڑا بدل لے۔ کوئی انکار کرے تو اسے قتل کر دے۔ رفتار کم نہ ہو۔ اور اُسے یہ ہدایت بھی دی کہ اگر وہ دشمن کے گھیرے میں آجائے تو بچنے کی کوشش کرے اور اگر پکڑا جائے تو یہ پیغام منہ میں ڈال کر نکل لے۔ دشمن کے ہاتھ پیغام نہ لگے۔ قاصد روانہ ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے ایسا ہی ایک اور قاصد بلا دیا اور اُسے اپنے بھائی تغتای الدین کے نام پیغام لکھ کر اُسے وہی ہدایات دیں جو پہلے قاصد کو دی تھیں۔ اس پیغام میں اُس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، جتنے لڑاکا آدمی اکٹھے کر سکتے ہو گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور تباہ و برباد کرنا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں میں تمہیں کہاں ملوں گا۔ ملوں گا بھی یا نہیں۔ اگر قاہرہ میں ہماری ملاقات نہ ہو سکی اور اگر میں زندہ نہ ہوا تو امارت مصر سنبھال لینا۔ مصر غلاموں کی خلافت کی مملکت ہے اور خدائے ذوالجلال نے اس مملکت کی ذمہ داری ایوبی خاندان کو سونپی ہے۔ روانگی سے پہلے قبلہ والد محترم رنج الدین ایوبی کے آگے جھکنا اور انہیں کہنا کہ وہ تمہاری پیٹھ پر ہاتھ پھیریں۔ پھر محترم والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر ان کی روح سے دعائیں لے کر آنا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ میں جہاں ہوں وہاں اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوجا۔ تم مصر میں اس پرچم کو سر بلند رکھو۔

یہ قاصد بھی روانہ ہو گیا۔

ان دونوں میں سے تو قاصد نور الدین زنگی کے پاس پہنچا اس کی جسمانی حالت یہ تھی کہ اس کا بائیں بازو ٹکراؤں کے زخموں سے قہیم بنا ہوا تھا اور اس کی پیٹھ میں ایک تیرا تر ہوا تھا۔ وہ زنگی کے قدموں میں گرا۔ اتنا ہی کہ سکا کہ راستے میں دشمن مل گیا تھا۔ اس حال میں پیغام لے کے نکلا ہوں۔

اُس نے پیغام زنگی کے ہاتھ میں دیا اور شہید ہو گیا۔ نور الدین زنگی کی فوج جب شوبک کے قریب پہنچی تو قلعے اور شہر میں اعلان ہو گیا کہ میلہبیل کا بہت بڑا حملہ آ رہا ہے۔ گرد آسمان تک جا رہی تھی۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ گرد میں کیا ہے۔ امکان یہی تھا کہ یہ میلہبی فوج ہے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شوبک کی فوج مقابلے کے لیے تیار ہو گئی لیکن گرد میں جو جھنڈے نظر آئے وہ اسلامی تھے۔ پھر گرد میں سے تکبر کے نعرے سنائی دیے۔ قلعے سے سلطان ایوبی کے

نائبین استقبال کے لیے آگے چلے گئے۔

☆

تین چار روز بعد صبح سویرے قاہرہ میں جو فوج تھی اُسے میدان میں جمع ہونے کا حکم ملا۔ فوجی چھوڑیاں کرنے لگے کہ انہیں تیاری کا یہ حکم کیوں ملا ہے۔ بعض نے کہا کہ بغاوت ہوگی۔ کسی نے کہا کہ سولڈانیوں کا حملہ آ رہا ہے۔ ان کے کمانڈروں تک کو علم نہیں تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ یہ حکم فوج کی مرکزی کمان سے جاری ہوا تھا.... جب تمام فوج اپنی ترتیب سے میدان میں آگئی تو ایک طرف سے چھ سات گھوڑے دوڑتے آئے۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سب سے آگے صلاح الدین ایوبی تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ شوبک میں ہے۔ سلطان ایوبی نے ایک عجیب حرکت کی۔ اُس نے تہ بند کے سوا تمام کپڑے اتار کر پھینک دیئے۔ سر بھی نکال کر دیا اور فوج کی تمام صفوں کے سامنے سے گھوڑا دوڑا۔ چال چلتا ناگنہ گیا۔ پھر سامنے آکر بند آواز سے کہا۔ "میرے جسم پر کسی نے کوئی زخم دیکھا ہے؟ کیا میں زندہ ہوں یا مردہ؟"

"امیر مصر کا اقبال بلند ہو۔" ایک شتر سوار نے کہا۔ "ابھی بتایا گیا تھا کہ آپ زخمی ہیں اور سنا نہیں ہو سکیں گے۔"

"اگر یہ خبر جھوٹی ہے تو وہ افواہیں بھی جھوٹی ہیں جو تمہارے کانوں میں ڈالی گئی ہیں۔" سلطان ایوبی نے اتنی بلند آواز سے کہا کہ آخری صف تک اس کی آواز پہنچی تھی۔ اُس نے کہا۔ "جن مجاہدین کے متعلق تمہیں بتایا گیا ہے کہ وہاں سونا اور چاندی لوٹ رہے ہیں اور عیسائی لوگوں کے ساتھ عیش کر رہے ہیں وہ ریگستان میں اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ سر کرنے کی تیاریوں میں پاگل ہو رہے ہیں۔ وہ کیوں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ تمہاری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کو میلہبی درندوں سے بچا سکیں۔ شوبک میں ہم نے مسلمان بچہوں، اندان کی ماؤں اور ان کے باپوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ بچیاں عیسائیوں کے پاس اور ان کی ماؤں اور ان کے باپ عیسائیوں کی بیگاری کر کے مر رہے تھے۔ اب کرک، یروشلم اور فلسطین کی ہر بستی میں جو عیسائیوں کے قبضے میں ہے مسلمانوں کا یہی حال ہو رہا ہے۔ مسجدیں، اہل نبی بنا دی گئی ہیں اور قرآن کے مقدس ورق گلیوں میں عیسائیوں کے قدموں میں مسے جا رہے ہیں۔"

یہ تقریر اتنی جوشیلی اور سنسنی خیز تھی کہ ایک کماندار نے چلا کر کہا۔ "پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں بھی محاذ پر کیوں نہیں لے جایا جاتا؟"

"تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا گیا ہے کہ دشمن کی پھیلائی ہوئی افواہیں سنو اور ان پر یقین کرو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم یہاں اپنے پرچم کے خلاف بغاوت کرو تاکہ سولڈانیوں کے ساتھ میلہبی اس سرزمین پر بھی قبضہ کر لیں اور تمہاری بیٹیوں کی بھی عصمت دری کریں۔ تم قرآن کے ورق اپنے ہاتھوں باہر کیوں نہیں بکھر دیتے؟ کیا تم قرآن کی آیتوں میلہبیوں سے کرنا چاہتے ہو؟ تم جو اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے قوم کی آبرو کی حفاظت کیا کرو گے۔" تمام فوج میں ہلچل مچا دی گئی۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "تمہیں یہاں چند ایک کماندار نظر نہیں آ رہے۔ وہیں تمہیں

دکھنا ہوں؟

اُس نے اشارہ کیا تو ایک طرف سے دس گیارہ آدمی گردنوں میں ریتیاں پڑی ہوئیں اور ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے آگے لائے گئے۔ انہیں معنوں کے آگے سے گزرا گیا۔ سلطان الیوبی نے اعلان کیا۔ "یہ تمہارے کماندار تھے لیکن یہ اُس قوم کے دوست ہیں جو تمہارے رسول اور تمہارے قرآن کی دشمن ہے۔ یہ پکڑے گئے ہیں۔" سلطان الیوبی نے فوج کو خضرالغیاث کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا پورا واقعہ سنایا اور مصلح الدین کو سامنے لایا گیا۔ وہ ابھی تک پاگل پن کی حالت میں تھا۔ سلطان الیوبی گزشتہ رات کو توالی کے تہہ خانے میں اُسے دیکھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان الیوبی کو پہچانا نہیں تھا۔ وہ اپنی ریاست اور خود مختار حکمرانی کی باتیں کر رہا تھا۔ اب سلطان الیوبی نے اُسے گھوڑے پر بٹھا کر فوج کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس نے فوج کو دیکھا اور بلند آواز سے بولا۔ "یہ میری فوج ہے۔ منکر کی حکومت کے خلاف بغاوت کر رہا ہے۔ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ مصلح الدین الیوبی مصر کا دشمن ہے۔ تم اُسے قتل کرو۔"

وہ بولے ہمارا تھا۔ اُس کے منہ سے پاگل پن کی جھاگ نکل رہی تھی۔ فوج کی معنوں سے "پنگ" کی آواز آئی اور ایک تیر مصلح الدین کی شہرگ میں اتر گیا۔ وہ گر رہا تھا۔ جب کئی اور تیر اس کے جسم میں اتر گئے۔ سلطان الیوبی نے چلا کر تیر اندازوں کو روکا۔ کمانداروں نے تیر چلانے والوں کو آگے آنے کو کہا۔ اُن میں سے ایک نے کہا "ہم نے غدار کو مارا ہے۔ اگر یہ قتل ہے تو گزریں مامز ہیں۔" سلطان الیوبی نے انہیں معاف کر دیا۔ اُس کے جسم پر ابھی تک موت تر بند تھا۔ باقی جسم لگا تھا۔ اُس نے جلاؤ کو وہیں بلایا اور ان غداروں کو جنہیں فوج کے سامنے لایا گیا تھا، جلاؤ کے حوالے سے کہے اُن کے سر جوں سے الگ کر دیئے۔

اُس نے ایک اور حکم دے کر سب کو حیران کر دیا۔ اُس نے حکم دیا کہ یہ فوج یہیں سے محاذ کو کوچ کرے گی۔ تمہارا ذاتی اور دیگر ساند سامان اور سرد تمہارے پیچھے آئے گی۔ فوج کوچ کر گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ مصر فوج کے بغیر رہے گا۔ سلطان الیوبی نے غداروں کے کٹے ہوئے سر دیکھے۔ وہ کسی سے کوئی بات کرنے لگا تو اسے پھکی سی آئی اور اُس کے آنسو بہ نکلے۔ اُس نے کپڑے پہنے اور ایک سمت چل پڑا۔ اس نے اپنے ساتھ کے حکام سے کہا۔ "مجھے خطوہ نظر آ رہا ہے کہ دشمن ملت اسلامیہ میں اسی طرح غدار پیدا کرتا رہے گا اور وہ دن آجائے گا، جب غداروں کی گزریں مارنے والے بھی دشمن کو دوست کہنے لگیں گے۔ میرے دوستو! اسلام کو سر بلند دیکھنا چاہتے ہو تو دوست اور دشمن کو پہچانو۔"

مصر کے جن حاکموں کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان الیوبی نے فوج کو کیوں کوچ کر دیا ہے، انہیں اُس نے بتایا کہ یہ فوج یہاں فارغ بیٹھی تھی۔ میں یہ حکم دے گیا تھا کہ اسے فارغ نہ رہنے دیا جائے۔ جنگی مشقیں جاری رہیں اور شہر سے نقصان جاکر اس فوج کو وقتاً فوقتاً جنگی حالت میں رکھا جائے اور ذہنی تربیت بھی جاری رہے مگر میرے حکم پر عمل نہیں کیا گیا۔ میں نے دو دفعہ دار حاکموں کو سزا دے دی ہے۔ انہوں نے ایک سازش کے تحت فوج کو فارغ رکھا۔ سپاہی جو تھے اور لطف سے دل بہلانے لگے اور ان کے ذہن افواہوں کو قبول کرنے لگے۔ تم شاید یہ سوچ رہے ہو کہ مصر میں فوج نہیں رہی۔ گجرات نہیں۔ فوج آ رہی ہے جس فوج نے شوبک فتح کیا ہے وہ قاہرہ میں داخل ہو چکی

ہے۔ اُس نے میرے پیچھے پیچھے کوچ کیا تھا۔ وہ فوج دشمن کو اور دشمن کے گناہوں کو بہت قریب سے دیکھ آئی ہے۔ اسے کوئی باقی نہیں کر سکتا۔ اس کے سپاہی شہیدوں کو دھوکہ نہیں دیں گے اور یہ فوج جو یہاں سے جا رہی ہے یہ کرک پر حملہ کرے گی یا دشمن اس پر حملہ کرے گا۔ پھر یہ بھی دشمن کو جان ہائے گی۔ جو سپاہی ایک بار دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑے اُسے کوئی لاپرواہی پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

یہ انقباض اس طرح آیا تھا کہ نور الدین زنگی اور اپنے بھائی تقی الدین کی طرقت قاصد بھیج کر سلطان الیوبی خطیہ طرقت پر قاہرہ کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اپنے نائبین کو کمان دے کر اُس نے سخت ہدایت دی تھی کہ اُس کی غیر سامری کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اُس نے کہا کہ زنگی ضرور مدد بھیجے گا۔ جو نبی اس کی مدد آئے اتنی ہی اپنی فوج یہاں سے قاہرہ بھیج دی جائے لیکن راستے میں پڑاؤ زیادہ نہ کرے۔ اس سے سلطان الیوبی کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ اگر مصر کی فوج باغی ہو گئی تو نماز سے آنے والی فوج بغاوت فرد کرے گی اور اگر حالات ٹھیک ہوئے تو مصر کی فوج محاذ پر آجائے گی اور محاذ کی فوج مصر میں رہے گی۔ سلطان الیوبی قاہرہ پہنچا تو اس کی موجودگی خفیہ رکھی گئی۔ رات ہی رات اُس نے زین الدین کی نشاندہی کے مطابق تمام غداروں کو سوتے میں پکڑ دیا۔ کئی اور جگہوں پر چھاپے مرائے۔ تین خیشین نے بھی بعض افراد کے نام بتائے تھے۔ انہیں بھی پکڑا گیا۔ کسی کے عہدے اور رتبے کا لحاظ نہ کیا گیا۔

قائد کو سلطان الیوبی کے حکم کے مطابق زین الدین کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے کہا گیا کہ کسی موزوں جگہ اس کی شادی کر دی جائے۔ اب سلطان الیوبی تقی الدین کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے تین دن انتظار کرنا پڑا۔ تقی الدین کم و بیش دو سو سواروں کے ساتھ آگیا۔ سلطان الیوبی نے اُسے مصر کے حالات اور واقعات اور آئندہ لائحہ عمل بتا کر قائم مقام امیر مصر مقرر کر دیا اور یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ سوڈان پر نظر رکھے اور جب ضرورت سمجھے حملہ کر دے۔

یہ ہدایات اور احکام دے کر سلطان الیوبی شوبک کو روانہ ہونے لگا تو علی بن سفیان جو اُس کے ساتھ آیا تھا بولا۔ "کرک کے صلیبیوں نے آپ کے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے۔ اگر کچھ دیر اور انتظار کریں تو تحفہ دیکھتے جائیں۔" علی بن سفیان سلطان الیوبی کو حیرت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس نے سلطان الیوبی کو باہر پہنچنے کو کہا۔

سلطان الیوبی گھوڑے پر سوار ہو کر علی بن سفیان کے ساتھ چلا گیا۔ بھٹوری ہی دود میدان میں باپ پنج سو گھوڑے کھڑے تھے۔ ہر گھوڑے پر زین تھی۔ ان گھوڑوں سے ذرا پرے سات آٹھ صلیبی رستوں سے بندھے ہوئے کھڑے تھے اور اپنی فوج کا ایک سرحدی دستہ بھی مستعد کھڑا تھا۔ سلطان الیوبی نے پوچھا کہ یہ گھوڑے کہاں سے آئے ہیں؟ علی بن سفیان نے ایک آدمی کو بلا کر سلطان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا۔ "یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ تین سال سے صلیبیوں کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ یہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ وہ اسے اپنا جاسوس سمجھتے ہیں لیکن یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ کرک گیا تھا اور صلیبی باؤنٹیوں کو سوڈانیوں کا پیغام دیا تھا کہ انہیں پانچ سو گھوڑوں اور زینوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے گھوڑے دے کر اپنے بہ فوجی ہنر بھی بھیج دیئے۔ یہ اُس سوڈانی فوج کی قیادت کرنے جا رہے تھے جسے مصر پر حملے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ میرا شیر انہیں شمال کی طرف سے گھما پھرا کر ایک پھندے میں لے آیا اور اپنے اس سرحدی دستے کو بلا لایا۔ اپنی شناخت

بتائی اور یہ دستہ پانچ سو گھوڑوں اور ان میلہبی فوجی افسروں کو قاہرہ لائے لایا۔
میلہبی افسروں کو معلومات حاصل کرنے کے لیے علی بن سفیان نے اپنے نائب حسن بن عبداللہ کے
حوالے کر دیا اور خود سلطان کے ساتھ شوبک کو روانہ ہو گیا۔

☆

urdunovelist.blogspot.com

کھنڈروں کی آواز

سازش اور غداری کے مجرموں کا خون قاہرہ کی ریت نے ابھی اپنے اندر جذب نہیں کیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی تغلق الدین اُس کے بلاوے پر دو سو منتخب سواروں کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ سازش کے مجرموں کی گردنیں کاٹی جا چکی تھیں اور یوں نظر آتا تھا جیسے قاہرہ کی ریت ان مرے ہوئے مسلمانوں کا خون اپنے اندر جذب کرنے سے گریز کر رہی ہے جو میلیبیوں کے ساتھ مل کر سلطنت اسلامیہ کے پرچم کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ سلطان ایوبی نے ان سب کی لاشیں دیکھیں۔ ان کے کٹے ہوئے سر ان کے بے جان جسموں کے سینوں پر رکھ دیئے گئے تھے۔ صرف ایک لاش تھی جو سب سے بڑے غدار کی تھی اور جس پر سلطان ایوبی کو کئی طور پر اعتماد تھا۔ اس لاش کا سر اس کے ساتھ ہی تھا۔ ایک تیراُس کی شہ رگ میں داخل ہو کر دوسری طرف نکلا ہوا تھا۔ یہ قاہرہ کا نائب ناظم مصلح الدین تھا۔ فوج کے سامنے جب اس کا جرم سنایا جا رہا تھا تو ایک جوشیلے اور محبت اسلام سپاہی نے کمان میں تیر ڈال کر مصلح الدین کی شہ رگ سے پار کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے سپاہی کی اس غیر قانونی حرکت کو جو فوجی ڈسپلن کے خلاف تھی صرف اس لیے نظر انداز کر کے معاف کر دیا تھا کہ کوئی بھی صاحب ایمان اسلام کے خلاف غداری برداشت نہیں کر سکتا۔ سلطان ایوبی نے ہی اپنی فوج میں ایمان کی یہ قوت پیدا کی تھی۔

ان لاشوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی کے چہرے پر ایسی خوشی کی ہلکی سی جھلک نہیں تھی کہ اُس کی صفوں اور نظام حکومت میں سے اتنے زیادہ غدار اور سازشی پکڑے گئے اور انہیں سزائے موت دے دی گئی ہے۔ اُس کے چہرے پر اسی اور آنکھیں گہری سُرخ تھیں جیسے وہ آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ تو تھا ہی جس کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا — ”ان میں سے کسی کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔ ان کی لاشیں ان کے رشتہ داروں کو نہیں دی جائیں گی تاکہ انہیں کفن نہ پہنائے جائیں۔ رات کے اندھیرے میں انہیں ایک ہی گہرے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دو اور زمین ہموار کر دو۔ اس دنیا میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہے۔“

”امیر محترم!“ سلطان ایوبی کے ایک رفیق اور معتد خاص قاضی بیاد الدین شاد نے سلطان ایوبی سے کہا — ”کو تو ال اور شاہدوں کے بیان اور قاضی کا فیصلہ تحریر میں لاکر دستاویز میں محفوظ کر لینا ضروری ہیں تاکہ یہ اعتراض نہ رہے کہ یہ فیصلہ صرف ایک فرد کا تھا۔ آپ کا فیصلہ برحق ہے۔ انصاف کر دیا گیا ہے مگر قانون کا اعلان“

کچھ اور ہے۔“

”کیا قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ دین الہی کی جڑیں کفار کے ساتھ مل کر کاٹنے والے کو یہ حق دیا جائے کہ وہ قانون کے سامنے کھڑا ہو کر دینداروں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے پاسانوں کو ہتھڑا ثابت کرے؟“ سلطان ایوبی نے ایسے تحمل سے کہا جس میں ایک دیندار مسلمان کا عتاب صاف جھلک رہا تھا۔ اُس نے ان تمام حاکموں کو جو وہاں موجود تھے مخاطب ہو کر کہا۔ ”اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو مجھے اتنے زیادہ انسانوں کے قتل کے جرم میں سزائے موت دے دو اور میری لاش شہر سے دور پھینک دو جہاں صحرائی قومیں اور گدھ میری کوئی ہڈی بھی اس زمین پر نہ رہنے دیں لیکن میرے رفیقو! مجھے سزا دینے سے پہلے قرآن پاک الف لام میم سے وائٹاں تک پڑھ لینا۔ اگر قرآن مجھے سزا دیتا ہے تو میری گردن حاضر ہے۔“

”بے انصافی نہیں ہوئی سالارِ اعظم!“ کسی اور نے کہا۔ ”قامنی ننداد کا مقصد یہ ہے کہ قانون کی بے حرمتی نہ ہو۔“

”میں سمجھ گیا ہوں“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”ان کا مقصد آئینے کی طرح صاف ہے میں آپ سب کو موت یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حاکم وقت ذاتی طور پر جانتا ہے کہ جسے غداری کے جرم میں اس کے سامنے لایا گیا ہے وہ غداری کا مجرم ہے تو حاکم وقت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ شہادتوں اور قانون کے دیگر جھیلوں میں پڑے بغیر غداری کو ہی سزا دے جس کا وہ حقدار ہے، اگر وہ سزا دینے سے گریز کرتا، ڈرتا یا جھکتا ہے تو وہ حاکم وقت خود بھی غداری کا مجرم ہے یا کم از کم نااہل اور بے ایمان ضرور ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ قامنی کے سامنے جا کر مجرم اُسے بھی مجرم کہیں گے۔ میرا سینہ صاف ہے۔ مجھے غداریوں کی صف میں کھڑا کر دو۔ خدا کا ہاتھ مجھے اُن سے الگ کر دے گا۔ اگر تمہارے سینے رب کعبہ کے نور سے منور ہیں تو مجرموں کا سامنا کرنے سے مت ڈرو۔ تاہم میرے دوست بہاد الدین نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کرو۔ کاغذات تیار کر کے محترم قامنی سے فیصلہ تحریر کرالو۔

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ان کا نہیں ہوگا۔ تحریر کر دیا جائے کہ امیر مصر جو اواج مضر کا سالارِ اعلیٰ بھی ہے نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ان مجرموں کو سزائے موت دی ہے جن کا جرم بلا شک و شبہ ثابت ہو گیا تھا۔“ سلطان ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے لمبے سفر سے آیا تھا۔ تھکا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے کہا۔ ”میں تمہارے چہرے پر تفکر اور تھکن دیکھ رہا ہوں لیکن تم آرام نہیں کر سکو گے۔ تمہارا سفر ختم نہیں ہوا بلکہ اب شروع ہوا ہے۔ مجھے شوبک جلدی جانا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ ضروری باتیں کر کے جاؤں گا۔“

”جانے سے پہلے ایک حکم اور صادر فرما جائیے۔“ ناظم شہر نے کہا۔ ”جنہیں سزائے موت دی گئی ہے، ان کی بیواؤں اور بچوں کا کیا بنے گا۔“

”ان کے لیے بھی میرے اسی حکم پر عمل کرو جو میں ان سے پہلے غداروں کے اہل و عیال کے متعلق دے چکا ہوں۔“ سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ ”بیواؤں کے متعلق یہ چچان بین کر لو کہ اپنے خاندانوں کی طرح اُن میں

سے کسی کا تعلق دشمن کے ساتھ نہ ہو۔ ہمارے اہل زن پرستی نے بھی غدار پیدا کیے ہیں۔ آپ نے دیکھا یا ہے کہ صلیبیوں نے ہمارے بھائیوں کو خوبصورت لوکیاں دے کر ان کے عموں ان کا ایمان خرید لیا ہے۔ ان میں سے جو سرائیں نیک اور مومن ہیں ان کی شادیاں ان کی منشا کے مطابق کر دو کسی پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنا خیال رکھنا کہ کوئی عورت بے سہارا نہ رہے اور باعزت رہتی ہے محروم نہ رہے اور اس میں محتاجی کا احساس نہ پیدا ہو۔ یہ بھی خیال رکھنا کہ ان کے کانوں میں کوئی یہ نہ پھونک دے کہ ان کے خاندانوں کو بے گناہ سزائے موت دی گئی ہے۔ انہیں ذہن نشین کرادو کہ تم خوش قسمت ہو کہ ایسے گناہگار خاندانوں سے نجات مل گئی ہے۔۔۔۔ اور اُن کے بچوں کی تعلیم و تربیت خصوصی انتظامات کے تحت کرو۔ تمام اخراجات بیت المال سے لو۔ غداروں کے بچے غدار نہیں ہوا کرتے بشرطیکہ ان کی تعلیم و تربیت صحیح ہو۔ یہ سب مسلمانوں کے بچے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت ایسی ہو کہ ان میں محرومی کا احساس پیدا نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کے گناہ کا کفارہ بچے کو ادا کرنا پڑے۔“

☆

سلطان ایوبی کو واپسی کی جلدی تھی۔ اُسے فکر یہ تھا کہ اس کی غیر حاضری میں صلیبی کوئی جنگی کارروائی نہ کریں۔ نور الدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک تو وہاں رک رک اور شوبک کے علاقہ میں پہنچ چکی تھی۔ قاہرہ کی فوج ابھی اُدھر پہنچ تھی لیکن ان دونوں فوجوں کو اس علاقے سے روکنا تھا۔ اُس نے اپنے دفتر میں جا کر اپنے بھائی تقی الدین، علی بن سفیان، اس کے نائب حسن بن عبداللہ، کو نوال غیاث بلیس اور چند ایک نائبین اور حکام کو بلا دیا۔ وہ زیادہ تر ہدایات تقی الدین کو دینا چاہتا تھا۔ اُس نے اجلاس میں اعلان کیا کہ اُس کی غیر حاضری میں اُس کا بھائی تقی الدین قائم مقام امیر مصر اور یہاں کی فوج کا سالارِ اعلیٰ ہوگا اور اسے اتنے ہی اختیارات حاصل ہوں گے جو سلطان ایوبی کے اپنے تھے۔

”تقی الدین!“ سلطان ایوبی نے اپنے بھائی سے کہا۔ ”آج سے دل سے نکال دو کہ تم میرے بھائی ہو۔ نااہلی، بددیانتی، کوتاہی، غداری یا سازش اور بے انصافی کا ارتکاب کرو گے تو اُسی سزا کے مستحق سمجھے جاؤ گے جو شریعت کے قانون میں درج ہے۔“

”میں اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں امیر مصر!“ تقی الدین نے کہا۔ ”اور ان خطوں سے بھی آگاہ ہوں جو مصر کو درپیش ہیں۔“

”صوت مضر کو نہیں“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”یہ خطرے سلطنتِ اسلامیہ کو درپیش ہیں اور اسلام کے فروغ اور سلطنت کی توسیع کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی بھی خطہ جو سلطنتِ اسلامیہ کہلاتا ہے، وہ کسی ایک فرد یا گروہ کی جاگیر نہیں۔ وہ خدائے عزوجل کی سرزمین ہے اور تم سب اس کے پاسان اور امین ہو۔ اس کی مٹی کا ذرہ ذرہ تمہارے پاس امانت ہے۔ اس کی مٹی بھی جب اپنے کام میں لانا چاہو تو سوچ لو کہ تم کسی دوسرے انسان کا حق تو نہیں مار رہے؟ خدا کی امانت میں خیانت تو نہیں کر رہے؟۔۔۔۔ میری باتیں غور سے سن لو تقی الدین! اسلام کی سب سے بڑی بے نیامی یہ ہے کہ اس کے پیروکاروں میں غداروں اور سازش

اور صلیبیوں نے سونے سے اور اپنی بیٹیوں کے حسن سے ہمارے خلیفوں اور ہمارے امیروں کو اندھا کر دیا۔ جب خلیفوں نے دیکھا کہ قوم ان تیغ زلوں کی بیکاری ہوتی جا رہی ہے جنہوں نے یورپ اور ہندوستان میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں تو خلیفوں نے ان مجاہدین اسلام پر لوٹ مار اور زنا کاری جیسے الزام توہینہ شروع کر دیئے انہیں ملک اور رسد سے محروم کر دیا۔ مجھے تاسم کا وہ کمن اور خوب روٹیا یاد آتا ہے جس نے اس حال میں ہندوستان کے ایک طاقت ور حکمران کو شکست دی اور ہندوستان کے اتنے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا کہ اس نے ملک نہیں مانگی، رسد نہیں مانگی، مفتوحہ علاقوں کا ایسا انتظام کیا کہ ہندو اس کے غلام ہو گئے اور اس کی شفقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ مجھے جب یہ لوگ یاد آتا ہے تو دل میں درد اٹھتا ہے، اُس وقت کے خلیفہ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اُس پر زنا کا الزام عائد کیا اور مجرم کی حیثیت سے واپس بلایا۔ سلطان الیوی کو پہلی سی آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

برادر الدین شہداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ "میرا عزیز دوست صلاح الدین الیوی اپنی فوج کے سینکڑوں شہیدوں کی لاشیں دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر رونق آجایا کرتی تھی مگر موت ایک غدار کو سزا دے موت دے کر جب اُس کی لاش کو دیکھتا تو اس کا چہرہ کچھ جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے.... محمد بن تاسم کا ذکر کرتے کرتے اُسے سچلی آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ آنسو روک رہا ہے۔ کہنے لگا۔ "دشمن اُس کا کچھ نہ لگاؤ سکا۔ اپنوں نے اسے شہید کر دیا۔ دشمن نے اُسے فاتح تسلیم کیا۔ اپنوں نے اُسے زانی کہا۔" صلاح الدین الیوی نے زیادہ کے بیٹے طارق کا بھی ذکر کیا اور اُس روز وہ اتنا جذباتی ہو گیا تھا کہ اس کی زبان رکتی ہی نہیں تھی حالانکہ وہ کم گو تھا۔ حقیقت پسند تھا۔ ہم سب پر خاموش طاری تھی اور ہم سب جسم کے اندر عجیب سا اثر محسوس کر رہے تھے۔ صلاح الدین الیوی بلا شک و شبہ عظیم قائد تھا۔ وہ سامنی کو نہیں بھولتا تھا۔ سال کے خطوط اور تقاضوں سے نبرد آزما رہتا اور اُس کی نظریں مدیوں بعد آنے والے مستقبل پر لگی رہتی تھیں۔"

"صلیبیوں کی نظریں ہمارے مستقبل پر لگی ہوئی ہیں۔" سلطان الیوی نے کہا۔ "صلیبی حکمران اور فوجی حکام کہتے ہیں کہ وہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ وہ ہماری سلطنت پر قابض نہیں ہونا چاہتے۔ وہ ہمارے دلوں کو غلامی کی تلوار سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ صلیبیوں کا سب سے زیادہ اسلام دشمن بادشاہ فلپ آگسٹس کہتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو ایک مقصد دے دیا ہے اور ایک روایت پیدا کر دی ہے۔ اب صلیبیوں کی آنسو والی نسلیں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سرگرم رہیں گی۔ ضروری نہیں کہ وہ تلوار کے زور سے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ ان کے پاس کچھ حربے اور بھی ہیں.... تقی الدین! جس طرح اُن کی نظر مستقبل پر ہے اسی طرح ہمیں بھی مستقبل پر نظر رکھنی چاہیے۔ جس طرح اُنہوں نے ہم میں غدار پیدا کرنے کی روایت قائم کر دی ہے اسی طرح ہمیں ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ غدار کی جراثیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ غداروں کو قتل کرتے چلے جانا کوئی علاج نہیں، غدار کا رجحان ختم کرنا ہے۔ اقتدار کی ہوس ختم کر کے حب رسول پیدا کرنی

پسندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کسی قوم نے اتنے غدار پیدا نہیں کیے جتنے مسلمانوں نے کیے ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری تاریخ جو جہاد اور اللہ کے نام پر جنگ و جدل کی قابل فخر تاریخ ہے، غدار کی بھی تاریخ بن گئی ہے اور اپنی قوم کے خلاف سازش گری ہماری روایت بن گئی ہے.... علی بن سفیان سے پوچھو تقی! ہمارے وہ جاسوس جو صلیبیوں کے علاقوں میں سرگرم رہتے ہیں، بتاتے ہیں کہ صلیبی حکمران، مذہبی پیشوا اور دانشور اسلام کی اس کمزوری سے واقف ہیں کہ مسلمان زن، مرد اور اقتدار کے لیے اپنے مذہب، اپنے ملک اور اپنی قوم کا تختہ الٹ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔"

سلطان الیوی نے اجلاس کے شرکار پر نگاہ دوڑائی اور کہا۔ "ہمارے جاسوسوں نے ہمیں بتایا ہے کہ صلیبیوں نے اپنے جاسوسوں کو ذہن نشین کر لیا ہے کہ مسلمان کی تاریخ جتنی فتوحات کی ہے اتنی ہی غداری کی تاریخ ہے۔ مسلمانوں نے اتنی فتوحات حاصل نہیں کیں جتنے غدار پیدا کیے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد مسلمان خلافت پر ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کیا۔ ایک خلیفہ یا امیر مقرر ہوا تو خلافت اور امارت کے دوسرے امیدواروں نے اُس کے خلاف یہاں تک سازشیں کیں کہ اسلام کے دشمنوں تک سے درپردہ مدد ملی اور جس کے ہاتھ میں خلافت اور امارت آگئی اُس نے ہر اُس قائد کو قتل کر لیا جس سے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا۔ قومی وقار ختم ہوتا گیا اور ذاتی اقتدار رہ گیا۔ پھر تحفظ اسی کا ہوتا رہا۔ سلطنت کی توسیع ختم ہوئی، پھر سلطنت کا دفاع ختم ہوا اور پھر سلطنت کا گم ہونا شروع ہو گیا۔ ہماری اس تاریخی کمزوری سے آگاہ ہیں کہ ہم لوگ ذاتی اقتدار کے تحفظ اور استحکام کے لیے سلطنت کا بہت بڑا حصہ بھی قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی ہماری تاریخ بنتی جا رہی ہے...."

"تقی الدین! اور میرے رفیقو! میں جب ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں اور جب اپنے موجودہ دور میں غداروں کی بھرمار اور سازشوں کے جال کو دیکھتا ہوں تو یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان تاریخ کی تحریروں کے ساتھ بھی غداری کریں گے۔ وہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر رکھیں گے، کہ وہ بہادر ہیں اور انہوں نے دشمن کو ناک چنے چبوا دیئے ہیں مگر درپردہ دشمن کو دوست بنائے رکھیں گے۔ اپنی شکستوں پر پردے ڈالے رکھیں گے۔ سلطنت اسلامیہ سکڑتی چلی جائے گی اور ہمارے خود ساختہ خلیفے اس کا الزام کسی اور پر توہیں گے۔ مسلمانوں کی ایک نسل ایسی آئے گی جن کے پاس موت نعرہ رہ جائے گا "اسلام زندہ باد"۔ وہ نسل اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں ہوگی۔ اس نسل کو یہ بتانے والا کوئی نہ ہوگا کہ اسلام کے پاسبان اور بے درودہ تھے جو وطن سے دور ریگزاروں میں، پہاڑوں اور وادیوں میں، اجنبی ملکوں میں سہا کر لڑے۔ وہ دریا اور سمندر بچلا ننگ گئے۔ انہیں کوڑکی بجلیاں، آندھیاں اور آلوں کے لمونان بھی نہ روک سکے۔ وہ اُن ملکوں میں لڑے جہاں کے پتھر بھی اُن کے دشمن تھے۔ وہ بھوکے لڑے، پیاسے لڑے، ہتھیار بدل اور گھوڑوں کے بغیر بھی لڑے۔ وہ زخمی ہوئے تو کسی نے ان کے زخموں پر مرہم نہ رکھا۔ وہ شہید ہوئے تو ان کے رفیقوں کو ان کے لیے قبریں کھودنے کی ہمت نہ ملی۔ وہ خون بہاتے گئے۔ اپنا بھی، دشمن کا بھی۔ اور تیغچہ ایوان خلافت میں شراب بیتی رہی۔ برہنہ لڑکیوں کے پارچ ہوتے رہے۔ یہودی

ہے۔ یہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ قوم کی آنکھوں میں رسول کے دشمن کا تصور موجود ہو۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ صلیبیوں کی تہذیب میں ایسی بے حیائی ہے جو پرکشش ہے۔ قومیں ان کی تہذیب میں جذب ہوتی ہیں چاہے وہ کس بھی شہر یا ملک کے باشندے ہوں۔ عورتوں کا غیر مردوں کے ساتھ ناجائز ہونا اور تنہا رہنا بھی جائز ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ ہم عصمتوں کے پاسان ہیں اور وہ عصمتوں کے بیوپاری۔ یہی وہ فرق ہے جو ہمارے مسلمان بھائی مٹا دیتے ہیں۔ تقی الدین! تمہارا ایک محاذ زمین کے اوپر ہے دوسرا زمین کے نیچے۔ ایک محاذ دشمن کے خلاف اور دوسرا اپنوں کے خلاف۔ اگر اپنوں میں غدار نہ ہوتے تو ہم اس وقت یہاں نہیں یورپ کے قلب میں بیٹھے ہوتے اور صلیبی ہمارے خلاف اپنی حسین بیٹیوں کی بجائے کوئی بہتر اختیار استعمال کرتے اور اچھی قسم کی جنگی پالیں چلتے۔ ایمان کی حرارت تیز ہوتی تو اس وقت تک صلیب ایندھن کی طرح جل چکی ہوتی۔“

”مجھے آپ کی بہت سی دشواریوں کا علم یہاں آکر ہوا ہے۔“ تقی الدین نے کہا۔ ”محترم نور الدین زنگی بھی پوری طرح آگاہ نہیں کہ مصر میں آپ غداروں کی ایک فوج کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں۔ آپ ان سے ملک مانگ لیتے۔ انہیں مدد کے لیے کہتے۔“

”تقی بھائی!“ سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ ”مدمرت اللہ سے مانگی باقی ہے۔ مدد اپنوں سے مانگی جائے یا غیروں سے، اپنا ایمان کمزور کر دیتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج زندہ بکتر میں ہے۔ میرے سپاہی معمولی سے کپڑوں میں لبوس ہیں۔ پھر بھی انہوں صلیبیوں کو شکست دی ہے۔ ایمان لوہے کی طرح مضبوط ہو تو زندہ بکتر کی ضرورت نہیں رہتی۔ زندہ بکتر اور خندقیں تحفظ کا احساس پیدا کرتی ہیں اور سپاہی کو اپنے اندر قید کر لیتی ہیں۔ یاد رکھو، میدان میں خندق سے باہر رہو، گھوم پھر کر لو۔ دشمن کے نیچے نہ جاؤ۔ اسے اپنے پیچھے لاؤ۔ مرکز کو قائم رکھو۔ پہلوؤں کو پھیلا دو اور دشمن کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لو۔ محفوظ دہان رکھو جہاں سے وہ دشمن کے عقب میں جا سکے۔ چھاپہ ماروں کے بغیر کبھی جنگ نہ لڑنا۔ چھاپہ ماروں سے دشمن کی رسد تباہ کرنا۔ وہ رسد جو پیچھے سے آئے اور وہ بھی جو دشمن اپنے ساتھ رکھے۔ چھاپہ ماروں کو دشمن کے جانوروں کو مارنے یا ہراساں کرنے کے لیے استعمال کرو۔ آمنے سامنے کی ٹکر سے بچو۔ جنگ کو طول دو۔ دشمن کو پریشان کیے رکھو۔... میں جو فوج چھوڑ چلا ہوں یہ محاذ سے آئی ہے۔ اس نے شوبک کا قلعہ سر کیا ہے۔ اس نے دشمن کی آنکھ سے آنکھ ملائی ہے۔ اپنے سپاہیوں کو شہید کرا کے آئی ہے۔ اس فوج میں جان پر کھیل جانے والے چھاپہ مار دستے بھی ہیں۔ اسے مروت اشارے کی ضرورت ہے۔ میں نے ہی فوج میں ایمان کی حرارت پیدا کر رکھی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر اس فوج کا ایمان سرور کرو۔ ہم پر جو حملہ ہو رہا ہے وہ ہمارے ایمان پر ہو رہا ہے۔ صلیبی تمہارے انزات بڑی تیزی سے مصر میں آرہے ہیں۔“

سلطان ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کو پوری تفصیل سے بتایا کہ سوڈان میں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سوڈانیوں میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی ہے جو مسلمان ہیں نہ عیسائی۔ ان میں مسلمان بھی ہیں جن میں مصر کی اس فوج کے جھگڑے بھی ہیں جسے بغاوت کے جرم میں نوڈر دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”لیکن گھر

بیٹھے دشمن کا انتظار نہ کرتے رہنا۔ ہا سوس تمہیں خبریں دیتے رہیں گے۔ حسن بن عبداللہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں محسوس کرو کہ دشمن کی تیاری مکمل ہو چکی ہے اور وہ اب حملے کے لیے اجتماع کر رہا ہے، تم وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دو اور دشمن کو تیاری کی حالت میں ہی ختم کر دو، لیکن پیچھے کے انتظامات مضبوط رکھنا۔ قوم کو محاذ کے حالات سے بے خبر نہ رکھنا۔ اگر خدا خواستہ شکست ہو جائے تو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کر لینا اور قوم کو تباہی کا شکست کے اسباب کیا تھے۔ جنگ قوم کے خون اور پیسے سے لڑی جاتی ہے۔ بیٹے قوم کے شہید اور اپنا بیج ہوتے ہیں۔ لہذا قوم کو اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ جنگ کو بادشاہوں کا کھیل نہ سمجھنا۔ یہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ اس میں قوم کو اپنے ساتھ رکھنا... میں نے جس ناظمی خلافت کو معزول کیا تھا اس کے حواری ہمارے خلاف سرگرم ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے دہ پردہ اپنا خلیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ ان کا خلیفہ العاصم تو مر گیا ہے لیکن وہ خلافت کو اس امید پر زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ سوڈانی مصر پر حملہ کریں گے۔ ہماری فوج بغاوت کرے گی اور صلیبی چپکے سے آمد کرناظمی خلافت بحال کر دیں گے۔ ناظمیوں کو حسن بن صباح کے قاتل گروہ کی حمایت حاصل ہے۔ میں علی بن سفیان کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس کا نائب حسن بن عبداللہ اور کووال غیاث بلہیس تمہارے ساتھ رہیں گے۔ یہ اس زمین دوز گروہ پر نظر رکھیں گے۔... فوج کی بھرتی تیز کر دو اور انہیں جنگی مشقیں کراتے رہو۔“

”مختوڑے ہی عرصے سے ہمیں اللہ عیسیٰ علیہ السلام میں کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے سے فوج کے لیے بھرتی نہیں ہوا۔“ حسن بن عبداللہ نے کہا۔ ”یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں۔“

”معلوم کرایا ہے کہ باعث کیا ہے؟“ علی بن سفیان نے پوچھا۔

”میرے دو بھائی اس علاقے میں قتل ہو چکے ہیں۔“ حسن بن عبداللہ نے کہا۔ ”وہاں سے خبر لینا آسان نہیں، تاہم میں نے نئے بھائی بھیج دیئے ہیں۔“

”میں اپنے ذرائع سے معلوم کر رہا ہوں۔“ غیاث بلہیس نے کہا۔ ”مجھے شک ہے کہ اس وسیع علاقے کے لوگ کسی نئے دہم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ علاقہ دشوار گزار ہے۔ لوگ سخت ہال میں لیکن عقیدوں کے ڈھیلے اور توہمات پرست ہیں۔“

”تو ہم پستی بہت بڑی لعنت ہے۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”اس علاقے پر نظر رکھو اور وہاں کے لوگوں کو توہمات سے بچاؤ۔“



تین چار روز بعد کرک کے قلعے میں بھی ایک اجلاس منعقد ہوا۔ وہ صلیبی حکمرانوں اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کا اجلاس تھا۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کا ایک قلعہ (شوبک) سے چپکے اور اب کرک پر حملہ کرے گا۔ انہیں اس احساس نے پریشان کر رکھا تھا کہ اگر مسلمانوں نے کرک کو بھی شوبک کی طرح فتح کر لیا تو بیروشلیم کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔ صلیبی جان گئے تھے کہ سلطان ایوبی سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک جگہ لے لیتا ہے فوج کی کمی نہ ہوتی ہے پوری کرتا ہے، اسے پرانی فوج کے ساتھ ٹرننگ دیتا ہے اور جب اسے یقین ہو جاتا ہے

کر وہ اگلی ٹکر لینے کے قابل ہو گیا ہے تو آگے بڑھتا ہے۔ چنانچہ وہ کرک کے دفاع کو مضبوط کر رہے تھے اور باہر اگر کوئی نہ کی بھی سکیم بنا چکے تھے، مگر اس اجلاس میں انہیں اپنی سکیم میں رد و بدل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ ان کی انشلی جس کے سربراہ ہرمز نے انہیں سلطان الیوبی، اس کی فوج اور مصر کے تازہ حالات کے متعلق انقلابی خبریں دی تھیں۔

میلیبی ہاسوسوں نے بہت ہی تھوڑے وقت میں کرک میں یہ اطلاعیں پہنچا دی تھیں کہ سلطان الیوبی اُس فوج کو قاہرہ لے گیا ہے جو اس مآخذ پر لڑی اور شوبک کا قلعہ لیا تھا اور قاہرہ میں جو فوج ہے اسے عجلت میں مآخذ پر بھیج دیا گیا ہے اور نور الدین زنگی نے اپنی بہترین فوج کی ملک اس مآخذ پر بھیج دی ہے اور سلطان الیوبی کا بھائی تقی الدین دمشق سے قاہرہ پہنچ گیا ہے جہاں وہ سلطان الیوبی کا قائم مقام ہو گا اور سلطان الیوبی قاہرہ چلا گیا ہے جہاں وہ سازشیوں کو سزائے موت دے کر مآذ کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ میلیبیوں کے لیے یہ خبر اچھی نہیں تھی کہ قاہرہ کا نائب اہم مصلح الدین بھی پکڑا گیا اور غدری کے جرم میں مارا گیا ہے۔ مصلح الدین میلیبیوں کا کارآمد اور اہم ایجنٹ تھا۔ میلیبی نظام جاسوسی کا سربراہ ہرمز اجلاس کو ان تبدیلیوں سے آگاہ کر رہا تھا۔ اُس نے کہا: ”مصلح الدین کے بارے جانے سے ہیں نقصان تو ہوا ہے لیکن تقی الدین کا تقرر ہمارے لیے امید افزا ہے۔ وہ بے شک مصلح الدین کا بھائی ہے لیکن وہ سلطان الیوبی نہیں ہے۔ میرے تخریب کار جاسوس اُسے پکڑ دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ بھی امید افزا ہے کہ مصلح الدین اور علی بن سفیان قاہرہ سے غیر حاضر ہیں۔“

”میں حیران ہوں کہ تمہارے حشیشین کیا کر رہے ہیں؟“ ریمائڈ نے پوچھا۔ ”کیا وہ دوسرا کھسار نہیں کھینچ رہے؟ کمبخت ابھی تک مصلح الدین کو قتل نہیں کر سکے۔ ہم بہت رقم منافع کر چکے ہیں۔“

”رقم منافع نہیں ہو رہی۔“ ہرمز نے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ مصلح الدین مآذ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اُس کے ساتھ جو بیس گاڑی گاڑی قاہرہ گئے ہیں۔ ان میں چار حشیشین ہیں۔ ان کے لیے موقع آ گیا ہے۔ میں نے انتظام کر دیا ہے۔ وہ مصلح الدین کو راستے میں قتل کر دیں گے۔“

”بہیں خوش نہیں ہیں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔“ فلپ آگٹس نے کہا۔ ”یہ فرض کر کے سوچو کہ مصلح الدین الیوبی قتل نہیں ہو سکا اور وہ زندہ و سلامت مآذ پر موجود ہے۔ اُس کے پاس اب تازہ دم فوج ہے۔ اُس نے نئی بھرتی کو ٹریننگ دے لی ہے اور اُسے نور الدین زنگی کی ملک مل گئی ہے۔ اُس نے شوبک جیسا مضبوط اڈہ بھی حاصل کر لیا ہے، لہذا اب اس کی رسد قاہرہ سے نہیں آئے گی۔ شوبک میں اُس نے بے شمار رسد جمع کر لی ہے۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ میں اُسے موقع نہیں دینا چاہتا کہ وہ کرک کا محاصرہ کرے اور ہم محاصرے میں لڑیں۔“

”اب ہم محاصرے تک نوبت نہیں آنے دیں گے۔“ ایک اور میلیبی حکمران نے کہا۔ ”ہم باہر لڑیں گے اور اس علاقے سے لڑیں گے کہ شوبک کا محاصرہ کر لیں۔“

”مصلح الدین محضی کوٹری ہے۔“ فلپ آگٹس نے کہا۔ ”اسے صحرا میں شکست دینا آسان نہیں۔ وہ ہیں شوبک کے محاصرے کی اجازت دے دے گا مگر ہمارا محاصرہ کرے گا میں اس کی چالیں سمجھ چکا ہوں۔ اگر تم اُسے آئے سامنے لاکر لڑا سکتے ہو تو میں تمہیں فتح کی ضمانت دے سکتا ہوں، مگر تم اسے سامنے نہیں لاسکو گے۔“

بہت دیر کے بحث مباحثے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نصف فوج کو قلعے سے باہر بھیج دیا جائے اور سلطان الیوبی کی فوج کے قریب خیمہ زن کر دیا جائے اور اس کی فوج کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھی جائے۔ اس سکیم میں باہر لڑنے والی فوج کی تعداد کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ سلطان الیوبی کی فوج سے تین گنا نہ ہو تو کوئی ضرورت ہو۔ عقب سے حملے کے لیے ایک فوج متحرک کی گئی اور پلٹن میں یہ بھی شامل کیا گیا کہ مسلمان فوج کی ملک اور رسد شوبک سے آئے گی، لہذا شوبک اور مسلمانوں کے درمیانی فاصلے کو چھاپ ماروں کی زد میں رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ فوجی کمانڈروں نے کہا کہ سامنے سے آتی زیادہ قوت سے حملہ کیا جائے کہ مصلح الدین الیوبی جم کر لڑنے پر مجبور ہو جائے۔ میلیبیوں کو دراصل اپنی بہتر فوج پر عبور و تسلط ان کی بیشتر فوج زدہ پوش تھی۔ مسروں پر آتی خود تھے۔ پیشانیوں سے ناک اور منہ تک چہرے آہنی خوذوں کے مضبوط نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے اونٹوں کو بھی زدہ پوش کر لیا تھا۔ اونٹوں کے سروں پر آہنی غلات چڑھا دیئے گئے تھے اور پہلوؤں کے ساتھ لوہے کی پتیریاں لٹکتی تھیں جو تیروں کو روک لیتی تھیں۔ انہوں نے کوشش کی تھی کہ بہتر قسم کے گھوڑے حاصل کر سکیں۔ یورپی ممالک سے لائے ہوئے گھوڑے صحرائیں بلدی تھک جاتے اور پیاس سے بے حال ہو جاتے تھے۔ میلیبیوں نے عربی غلظوں سے گھوڑے خریدے تھے مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے غلظوں سے گھوڑے چھیننے شروع کر دیئے تھے۔ گھوڑے چرائے بھی تھے سلطان الیوبی کے گھوڑے بہتر تھے۔ عربی نسل کے یہ صحرائی گھوڑے پیاس سے بے نیاز میلوں بھاگ سکتے تھے۔

الیوبی تیاریوں اور انتہام کے علاوہ میلیبیوں نے نظریاتی جنگ کا مآذ جو کھولا تھا اس کے متعلق ان کی انشلی جنس کے ڈائریکٹر ہرمز نے رپورٹ پیش کی کہ مصلح الدین الیوبی کو مصر کے جنوب مغرب کے سرحدی علاقے سے بھرتی نہیں ملے گی۔ یہ وہی علاقہ تھا جس کے متعلق سلطان الیوبی کی انشلی جس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ نے رپورٹ دی تھی کہ وہاں کے لوگ اب فوج میں بھرتی نہیں ہوتے بلکہ بعض لوگ فوج کے غلات بھی ہو گئے ہیں۔ یہ جفاکش اور جنگجو قبائل کا علاقہ تھا جس نے سلطان الیوبی کو نہایت اچھے سپاہی دیئے تھے مگر اب ہرمز کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ میلیبی تخریب کار اُس علاقے میں پہنچ گئے ہیں۔ وہاں نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ حسن بن عبداللہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس علاقے کے لوگ فوج کے غلات کیوں ہو گئے ہیں، دو مخبر بھیجے تھے۔ دو مل قتل ہو گئے تھے۔ ان کی لاشیں نہیں ملی تھیں، پُر اسلحہ ایک اطلاع ملی تھی کہ ہمیشہ کے لیے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ وہ علاقہ جو بہت وسیع و عریض تھا، ہاسوسوں اور غلظوں کے لیے بہت ہی مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔ وہاں سے کوئی معلومات حاصل ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ وہاں کے لوگ ہیں تو مسلمان لیکن تو ہم پرست اور عقیدے کے بہت ڈھیلے ہیں۔

ہرمز نے تفصیلات بتائے بغیر کہا کہ اُس کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ وہ اب مصر کے تمام تر سرحدی علاقے میں اس طریقہ کار کو پھیلانے گا۔ پھر ان اثرات کو مصر کے اندر لے جانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے امید ظاہر کی کہ وہ مصر کے قصبوں اور شہروں کو بھی اپنے اثر میں لے لے گا۔ اُس نے کہا: ”میں مسلمانوں کی ایک ایسی خامی کو ان کے غلات استعمال کر رہا ہوں جسے وہ اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔ مسلمان دولشیوں، فقیروں، وظیفہ دار چلے

سلطان ایوبی قاہرہ سے دن کے پچھلے پہر روانہ ہوا تھا۔ آدھی رات سفر میں اور باقی آرام میں گزری۔ سحر کی تاریکی میں اُس نے کوچ کا سکم دیا۔ دوپہر کا سورج گھنٹوں کو پریشان کرنے لگا تو ایک ایسی جگہ پر قافلہ رک گیا، جہاں پانی بھی تھا، درخت بھی اور ٹیلوں کا سایہ بھی تھا۔ ذرا سی دیر میں سلطان ایوبی کے لئے خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اس کے اندر سفری چارپائی اور بستر بچھا دیا گیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر سلطان ایوبی اور گھنٹے کے لیے بیٹ گیا۔ دو محافظ خیمے کے آگے اور پیچھے کھڑے ہو گئے۔ دستے کے باقی محافظ قریب ہی سایہ دیکھ کر بیٹھ گئے کچھ گھنٹوں کو پانی پلانے کے لیے لے گئے۔ علی بن سفیان اور دیگر حکام جو سلطان ایوبی کے ساتھ تھے، ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے خیمے نصب نہیں کرائے تھے۔ اس جگہ کے اندر داخل ایسے تھے کہ سلطان ایوبی کا خیمہ اُن کی نظروں سے اوجھل تھا۔ سحر کا سورج زمین و آسمان کو جلا رہا تھا۔ جس کسی کو جہاں چھاؤں ملی وہاں بیٹھ یا بیٹھ گیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان ایوبی کے خیمے پر چن دو محافظوں کی ڈیوٹی لگی وہ دونوں حشیشیں تھے جو ایک دوسرے ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ اس موقع کو پوری طرح سونوں بنانے کے لیے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ محافظوں کی زیادہ تر نفری گھنٹوں کو پانی پلانے چلی گئی تھی۔ پانی ایک ٹیلے کے دوسری طرف تھا۔ قافلے کا سامان اٹھانے والے اونٹوں کے شتریان بھی اونٹوں کو پانی کے لیے لے گئے تھے۔ جو محافظ ڈیوٹی والوں کے علاوہ پیچھے رہ گئے تھے اُن میں دو اور حشیشیں تھے۔ انہوں نے اشاروں اور اشاروں میں مل کر دیا۔ سلطان ایوبی کے خیمے کے سامنے کھڑے محافظ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر دیکھا اور باہر والوں کو اشارہ کیا۔ سلطان ایوبی اس حالت میں گہری نیند سو رہا ہوا تھا کہ اُس کی پیٹھ خیمے کے دروازے کی طرف تھی۔ محافظ دسے پاؤں اندر چلا گیا۔ اُس نے خنجر نہیں نکالا، تلوار نہیں نکالی، بلکہ اُس کے ہاتھ میں جو برچی تھی وہ بھی اُس نے خیمے کے باہر رکھ دی تھی۔ ہر محافظ کی طرح وہ قوی ہیکل جوان تھا۔ دیکھنے میں وہ سلطان ایوبی کی نسبت دگنا نہیں تو ڈیڑھ گنا طاقت ور مرد تھا۔

وہ دسے پاؤں سلطان ایوبی تک گیا اور سجلی کی تیزی سے سلطان کی گردن دولہا ہاتھوں میں جکڑ لی۔ سلطان ایوبی جاگ اٹھا۔ اُس نے کرٹ بھی بدل لی لیکن جس شکنجے میں اُس کی گردن آگئی تھی اُس سے گردن چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اسلام کے اس جری جرنیل کی زندگی موت و منٹ رہ گئی تھی۔ وہ اب پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ حملہ آور نے اُس کے پیٹ پر گھٹنے رکھ کر ایک ہاتھ اُس کی گردن سے ہٹا دیا، دوسرے ہاتھ سے سلطان کی شہرگ کو دبائے رکھا۔ اُس نے اپنے کمر بند سے ایک پڑیا سی نکالی۔ اسے ایک ہی ہاتھ سے کھولا اور سلطان ایوبی کے منہ میں ڈالنے لگا۔ وہ سلطان کے زہر دے کر مانا چاہتا تھا کیونکہ گلابا کر مارنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ گلابا یا گیا ہے۔ سلطان ایوبی بے بس تھا۔ پیٹ پر اتنے قوی ہیکل جوان کا گھٹنے اور بوجھ تھا۔ شہرگ دشمن کے شکنجے میں تھی اور سانس رک گیا تھا۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا جو اُس نے پڑیا دیکھ کر بند کر لیا۔ اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔ موت سر پہ آگئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے کمر بند سے تلوار نما خنجر نکال لیا جو وہ زلیوہ کی طرح اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ حملہ آور اُس کے منہ میں زہر ڈالنے کی کوشش میں گمن تھا، دیکھ نہ سکا کہ سلطان نے خنجر نکال لیا ہے۔ سلطان ایوبی نے خنجر اُس کے پہلو میں اتار دیا۔ کھینچا اور ایک بار پھر خنجر حملہ آور کے پہلو میں اتر گیا۔ حملہ آور ساڈھ جیسا آدمی تھا۔ اتنی جلدی مر نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی

کرنے والوں عاملوں اور مولویوں اور کشیا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہنے والے مذہب قسم کے لوگوں کے فوراً مرید بن جاتے ہیں۔ دولیشوں وغیرہ کا یہ گروہ اسلامی فوج کے ان سالاروں کے خلاف ہے جنہوں نے ہمارے خلاف جنگیں لڑ کر شہرت حاصل کی ہے۔ یہ درویش اپنے متعلق لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ خدا اُن کے ہاتھ میں ہے اور وہ خدا کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ وہ صرت نام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں میدان جنگ میں جانے کی ہمت اور جرأت نہیں، لہذا وہ گھر بیٹھے وہی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو سالاروں نے جہاد میں حاصل کی ہے۔ اگر دیانت داری اور غیر جاناب داری سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے یہ فوجی لیڈر جن میں صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی بھی شامل ہیں قابل تحسین انسان ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے یورپ تک اسلام پھیلا دیا اور سپین کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا، بجا طور پر حق رکھتے ہیں کہ قوم اپنی عبادت میں بھی ان کا نام لے کر اُن کے خلیفوں نے اپنا نام عبادت میں شامل کر کے فوجی لیڈروں کی اہمیت گھٹا دی۔ اس کے ساتھ مسلمانوں میں نام نہاد عالموں اور اماموں کا ایک گروہ پیدا ہوا جو عمل سے گھبراتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہیں وہ عالم اور امام ہیں۔ یہ گروہ خلیفوں کی آڑ میں جہاد کے معنی مسخ کر رہا ہے تاکہ لوگ جہاد میں جانے کی بجائے ان کے گرد جمع ہوں اور انہیں خدا کے برگزیدہ انسان مانیں۔ اُن کے پاس پراسرار سی باتیں اور باتیں کرنے کا ایسا طبعانی انداز ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان برگزیدہ انسانوں کے سینے میں وہ راز چھپا ہوا ہے جو خدا نے ہر بندے کو نہیں بتایا۔ چنانچہ سیدھے سادھے مسلمان اُن کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ میں انہی عاملوں اور دولیشوں کو استعمال کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کی یہ کمزوری ہمیں بہت فائدہ دے رہی ہے۔ میں مسلمانوں کو اسلام کی ہی باتیں سنا کر اسلام کی بنیادی روح سے دُور لے جا رہا ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہودیوں نے نظریاتی تخریب کاری کر کے اسلام کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ میں انہی کے اصولوں پر کام کر رہا ہوں۔

یہی وہ محاذ تھا جس کے متعلق سلطان ایوبی پریشان رہتا تھا۔ پریشانی کا اصل باعث یہ تھا کہ اس محاذ پر اپنی ہی قوم کے افراد اُس کے خلاف لڑ رہے تھے اور یہ محاذ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔

☆

نقی الدین اور اپنے اُن حکام کو جنہیں قاہرہ میں رہنا تھا، ہدایت دے کر سلطان ایوبی محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چوبیس ذاتی محافظوں کا دستہ تھا۔ صلیبیوں کو باڈی گارڈز کی نفری کا علم تھا اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ اس دستے میں چار حشیشیں ہیں جو نہایت کامیاب اداکاری سے اور بہادری کے کارناموں سے محافظ دستے کے لیے منتخب ہو گئے تھے۔ ان کا مقصد صلاح الدین ایوبی کا قتل تھا لیکن انہیں موقع نہیں مل رہا تھا، کیونکہ محافظ دستے کی نفری چوبیس سے کہیں زیادہ رشتی اندان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔ کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ ان چاروں کی ڈیوٹی اکٹھی لگی ہو۔ محافظوں کے کمانڈر بہت ہوشیار اور چوکس رہتے تھے۔ انہیں یہ تو علم نہیں تھا کہ ان کے درمیان قاتل بھی موجود ہیں وہ بیدار رہتے تھے کہ کوئی محافظ کوتاہی نہ کرے۔ اب سلطان ایوبی سفر میں تھا۔ اُس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ محافظوں کی پسلی فوج کو ساتھ نہیں رکھے گا، چوبیس کافی ہیں، حالانکہ راستے میں صلیبی چھاپہ ماروں کا خطرہ تھا۔

سپاہی تھا۔ وہ خنجر کے وار اور ہت سے آگاہ تھا۔ اُس نے خنجر حملہ آور کے پہلو سے نکالا نہیں۔ وہیں خنجر کو گھمایا اور نیچے کو جھکا دیا۔ حملہ آور کی آنکریاں اور پیٹ کا اندرونی حصہ باہر آگیا۔

حملہ آور کے ہاتھ سے سلطان ایوبی کی گردن چھوٹ گئی۔ دوسرے ہاتھ سے زہر کی پڑیا گری پڑی سلطان ایوبی نے جسم کو جھکا دیا، حملہ آور کو دھکا دیا تو حملہ آور چارپائی سے نیچے جا پڑا۔ وہ اب اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ یہ معرکہ بمشکل آدھے منٹ میں ختم ہو گیا، مگر خیمے سے باہر دوسرا محافظ کھڑا تھا۔ اُس نے اندر دھمک سی سنی تو پردہ اٹھا کر جھانکا۔ وہاں کچھ اور ہی نقشہ دیکھا۔ وہ تلوار سوت کر آیا اور سلطان ایوبی پر وار کیا مگر سلطان خیمے کے درمیانی بانس کے پیچھے ہو گیا۔ تلوار بانس پر لگی۔ سلطان تو جیسے پیدائشی تیغ زن تھا۔ اُدھر تلوار بانس میں لگی اور سلطان ایوبی نے چھینا مارنے کے انداز سے حملہ آور پر خنجر کا وار کیا۔ حملہ آور بھی لڑا کا تھا۔ اسی لیے تو وہ محافظ دستے کے لیے چٹا گیا تھا۔ وہ وار بچا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے محافظ دستے کے کمانڈر کو آواز دی۔ حملہ آور نے دوسرا وار کیا، تو سلطان ایوبی آگے سے ہٹ گیا مگر ایسا ہٹا کہ حملہ آور کے پہلو میں چلا گیا۔ اب کے حملہ آور سلطان کے خنجر کا وار نہ بچا سکا۔ سلطان ایوبی کی پکار پر دو محافظ خیمے میں آئے۔ دونوں نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں سلطان ایوبی دوسرے محافظ کو بھی زخمی کر چکا تھا مگر وہ ابھی تک لڑ رہا تھا۔ اس کے دو اور ساتھی آگئے تھے۔

سلطان ایوبی نے حوصلہ قائم اور دماغ حاضر رکھا۔ اللہ نے مدد کی کہ دستے کا کمانڈر اندر آگیا۔ اس نے دوسرے محافظوں کو آوازیں دیں اور سلطان ایوبی کے کہنے پر وہ حملہ آوروں سے الچھ گیا۔ اتنے میں چارپانچ محافظ آگئے۔ اُدھر سے علی بن سفیان اور دوسرے حکام بھی شور مچا کر آگئے خیمے میں دیکھا تو ان کے رنگ اڑ گئے۔ چار محافظ اہل ہان ہو کے پڑے تھے۔ دوسرے تھے تیسرا مر رہا تھا۔ وہ ہوش میں نہیں تھا۔ اس کا پیٹ اوپر سے نیچے تک پھٹا ہوا اور سینے پر دو گہرے زخم تھے۔ چوتھے کے پیٹ میں ایک زخم تھا اور دوسرا زخم مان پر۔ وہ زمین پر بیٹھا ہاتھ جوڑ کر چلا رہا تھا۔ "میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے میری بہن کے لئے زندہ رہنے دو۔" سلطان ایوبی نے اپنے محافظوں کو روک دیا۔ محافظ اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ انہوں نے تیسرے محافظ کو بے ہوشی میں سانس لیتے دیکھا تو اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ چوتھے کو سلطان ایوبی نے بچا لیا۔ یہ رحم کا جذبہ بھی تھا اور یہ ضرورت بھی کہ اس سے بیان لینے تھے اور اس سازش کی کڑیاں بھی ملانی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی کا طبیب اس کے قافلے کے ساتھ تھا۔ وہ جراح بھی تھا۔ ہر جگہ اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ اس زخمی کو ہر قیمت پر زندہ رکھنے کی کوشش کرے۔ سلطان ایوبی کو خراش تک نہیں آئی تھی۔ وہ ہانپ رہا تھا لیکن جذباتی طوع پر بالکل مطمئن تھا۔ غصے کا نشانیہ تک نہ تھا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ "میں حیران نہیں ہوں! ایسا ہونا ہی تھا۔" علی بن سفیان کی جذباتی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ یہ اُس کی ذمہ داری تھی کہ محافظ دستے کے لیے جسے منتخب کیا جائے اُس کے متعلق چھان بین کرے کہ وہ قابل اعتماد ہے۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ دستے کے باقی سپاہیوں میں کوئی ان کا ساتھی رہ گیا ہے یا باقی دیا سدا رہیں۔ سلطان ایوبی کے بستر پر وہ پڑیا پڑی ہوئی تھی جو حملہ آور اُس کے منہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ ایک سفید سافون تھا جس میں سے کچھ بستر پر بکھر گیا تھا۔ طبیب

نے یہ سافون دیکھا اور جب سنا کہ یہ سلطان ایوبی کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا تو طبیب کانگ اٹھ گیا۔ اس نے بتایا کہ یہ ایسا زہر ہے جس کا صرف ایک ذرہ حلق سے نیچے اتر جائے تو تھوڑی سی دیر میں انسان نہایت المیہ منان سے مر جاتا ہے۔ وہ تلخی محسوس نہیں کرتا اور نہ وہ اپنے اندر کوئی اور زہدیلی محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے سلطان ایوبی کا بستر اٹھوا کر باہر بھجوا دیا اور صاف کر دیا۔

سلطان ایوبی نے زخمی کو اٹھوا کر اپنے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے پیٹ میں تلوار لگی تھی اور دوسرا زخم مان پر تھا۔ پیٹ کا زخم مہلک نظر نہیں آتا تھا۔ ترچھا تھا۔ مان کا زخم لمبا تھا اور گہرا بھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ سلطان کے غلات اس کے دل میں کوئی ذائقہ نہیں تھے۔ کوئی نظریاتی عدالت بھی نہیں تھی۔ وہ کرائے کا قاتل تھا۔ اپنی شکست کے ساتھ اُسے اپنی ایک غیر شادی بہن کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا نام لیتا اور کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میرا گناہ بخش دو۔ ایک مسلمان بہن کی خاطر مجھے بخش دو۔

"زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔" سلطان ایوبی نے ایسے ہیے میں کہا جس میں تحمل تھا مگر عجب اور جلال بھی تھا۔ سلطان نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ کون مانا اور کون زندہ رکھا ہے، لیکن میرے دوست! اس وقت تمہاری جان جس کے ہاتھ میں ہے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اپنا گناہ دیکھو۔ اپنی بے بسی دیکھو۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ زندہ باہر مچھاؤں پھینک دوں گا۔ مچھرا کی لڑکیاں اور بیٹے تمہیں اس سال میں، نورج نورج کر کھائیں گے کہ تم زندہ ہو گے، ہوش میں ہو گے مگر بھاگ نہیں سکو گے۔ بوٹی بوٹی ہو کر مرو گے، اور اپنے گناہ کی سزا پاؤ گے۔"

زخمی تڑپ اٹھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور دھاریں مار مار کر رونے لگا۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میرے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"میں فاطمیوں کا آدمی ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔ "ہم چاروں حشیشین تھے۔ کوئی دو سال اور کوئی تین سال پہلے آپ کی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ ہمیں سکھایا گیا تھا کہ آپ کے محافظ دستے میں کس طرح پہنچا جاسکتا ہے۔" اُس نے بون شروع کر دیا اور لڑکی باتیں بتانے لگا۔ اُس نے بتایا محافظ دستے میں بھی چار تاق تھے۔ اُس کے بیان کے دوران سلطان ایوبی نے طبیب سے کہا کہ وہ اس کی مرہم پٹی کرتا رہے۔ طبیب نے اُسے ایک دو پلا دی اور خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے زخمی کو تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ زخمی انگشتاں کرتا گیا۔ اُس نے معزول فاطمی خلافت اور حشیشین کے معاملے کو بے نقاب کیا۔ فاطمیوں نے میلیبیوں سے جو مدد لی تھی اور لے رہے تھے اُس کی تفصیل بتائی۔ خاما وقت مرث کر کے طبیب نے اُس کی مرہم پٹی مکمل کر دی۔ اصل مرہم تو سلطان ایوبی کی شفقت تھی جس میں انتقام کا ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا تھا۔

سلطان ایوبی نے کہا کہ لاشیں باہر پھینک دو اور اس زخمی کے متعلق اُس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ وہیں سے اسے قہرے ہائے اور اُس نے جو نشانہ بیاں کی ہیں ان کے غلات کا ردوائی کرے۔ زخمی نے نہایت کراہت سے فریاد دینے لگے جن میں کچھ ایسے خطرناک تھے جن کی تفتیش علی بن سفیان ہی اچھی طرح کر سکتا تھا۔ اُسے اُسی وقت اور ڈھکاس

فریقے سے نکال کر علی بن سفیان واپسی کے سفر پر چل پڑا۔

صلاح الدین الیوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ تاریخ میں ان تمام کا ذکر نہیں آیا۔ مندرجہ بالا طرز کے دو حملوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بلارک فدا فی قاتل نے سلطان الیوبی پر اسی طرح سوتے ہیں خنجر کا وار کیا تھا خنجر گہری میں لگا اور سلطان الیوبی جاگ اٹھا تھا۔ یہ قاتل سلطان الیوبی کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کے مافوق دستے کے چند ایسے محافظ بکڑے گئے تھے جو کرائے کے قاتل تھے۔

☆

مصر کے جنوب مغربی علاقے میں جو سوڈان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا، مدیوں پرانی کسی بیچ دربیچ عمارت کے کھنڈر تھے۔ اس نام نے میں مصر کی سرحد کچھ اور تھی۔ صلاح الدین الیوبی کہا کرتا تھا کہ مصر کی کوئی سرحد ہے ہی نہیں۔ تاہم سوڈانیوں نے ایک خیالی سی سرحد بنا رکھی تھی۔ کھنڈروں کے ارد گرد کا علاقہ دشوار گزار تھا۔ غالباً فرعونوں کے وقتوں میں یہ علاقہ سرسبز تھا اور وہاں پانی کی بہتات تھی۔ خشک جھیلیں اور دو ندیوں کے گہرے اور خشک پاٹ بھی تھے۔ ریتیلی چٹانیں بھی تھیں اور ریتیلی مٹی کے ٹیلے بھی۔ ان کی شکلیں کسی بہت بڑی عمارت کے کھنڈروں کی مانند تھیں، کہیں ٹیلے ستون کی طرح دوڑا پر تک چلا گیا تھا اور کہیں ٹیلے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ جہاں جہاں جگہ ہوا تھی وہاں ریت تھی۔ چٹانیں اور سچی بھی تھیں نیچی بھی۔ اس علاقے کے ارد گرد کہیں کہیں پانی تھا، لہذا درخت تھے اور وہاں کے رہنے والے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کم و بیش پائیس میل لمبا اور دس بارہ میل چوڑا یہ علاقہ آج بھی آباد ہے۔ مسلمان تھے۔ ان میں کچھ لوگ مسلمان نہیں تھے۔ ان کے عجیب و غریب سے عقیدے تھے۔

فرعونوں کی عمارت کے کھنڈروں سے لوگ ڈلا کرتے تھے۔ ان کے ارد گرد کا علاقہ بھی ایسا تھا کہ دیکھنے والے پر سبب طاری ہو جاتی تھی۔ وہاں سے کوئی گزرتا ہی نہیں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہاں فرعونوں کی بد عورتیں رہتی ہیں جو دن کے دوران بھی جانوروں کی صورت میں گھومتی پھرتی رہتی ہیں اور کبھی اونٹوں پر سوار سپاہیوں کے جھیس میں اور کبھی خوبصورت عورتوں کے روپ میں نظر آتی ہیں اور رات کو وہاں سے ڈلائی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ کوئی ایک سال سے یہ کھنڈر لوگوں کی دل چسپیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس سے پہلے سلطان الیوبی کی فوج کے لیے بھرتی کی مہم شروع ہوئی تھی تو بھرتی کرنے والے اس علاقے کے ارد گرد بھی گھومتے پھرتے رہے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ ٹیلوں کے اندر نہ جائیں انہیں پراسرار آوازوں، ڈلائی چیزوں اور بد روحوں کی کہانیاں سنائی گئی تھیں۔ اس علاقے سے فوج کو بہت بھرتی ملی تھی مگر ان کے بعد بھرتی کرنے والے گئے تو لوگوں کا رجحان بدلا ہوا تھا۔ سرحد پر گشت کرنے والے دستوں نے رپورٹ دی تھی کہ گشتی سنتری بھی اس علاقے کے اندر نہیں جایا کرتے تھے اور انہوں نے کبھی کسی انسان کو ادھر جاتے نہیں دیکھا تھا مگر اب وہ لوگوں کو اندر جاتا دیکھتے ہیں اور وہاں سے آنے والے ڈرے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ مطمئن سے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ ہر جمعرات کے روز رات تک، اندر میلہ سا لگتا ہے اور اس کے بعد اس قسم کا واقعہ ہوا کہ سرحدی دستوں کے چار پانچ سپاہی لاپتہ ہو گئے۔ ان کے متعلق یہ رپورٹ دی گئی تھی کہ جھگڑے ہو گئے ہیں۔

سلطان الیوبی نے جہاں دشمن کے ملکوں میں ماسوں بھی رکھے تھے، وہاں اس نے اپنے ملک میں بھی ماسوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ غیر مسلم مورتوں نے سلطان الیوبی کو خاص طور پر فلاحی تمغیں پیش کیا ہے کہ اس نے آج کے انٹیلی جنس نظام اور کمانڈو طریقہ جنگ کو خصوصی اہمیت دے کر ٹینک کے نئے طریقے دریافت کیے اور ثابت کر دیا تھا کہ صرف دس افراد سے ایک ہزار لغری کی فوج کا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی کہ سلطان الیوبی نے مورتوں نے سلطان الیوبی کے اس فن کو تاریخ میں اتنی جگہ نہیں دی تھی جتنی چاہئے تھی لیکن اس دور کے دفاع نگاروں نے جو تحریریں قلمبند کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا یہ عظیم پاسبان انٹیلی جنس گروہ اور کمانڈو آپریشن کا کس قدر ماہر تھا۔ اندرون ملک اس کی انٹیلی جنس گروہ گشتے پر نظر رکھتی اور فوج کی مرکزی کمان کو بلا ٹیمیں دیتی رہتی تھیں۔ یہ اسی نظام کی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت تھا کہ مصر کے قدر دانوں کے ایسے علاقے کی سرگرمیوں کی بھی اطلاع مرکز کو پہنچا دی گئی تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس جھگڑے سے خطے کو تو خدا نے ہی فراموش کر رکھا ہے مگر مغربوں نے وہاں کے لوگوں کی موت ذہنی تہذیبی دیکھی اور اسی کی اطلاع دی تھی، انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہوتا ہے۔ اس اطلاع کے بعد دو خبر متعلق لاپتہ ہو گئے تھے۔

وہاں کے لوگوں نے نہ صرف ٹیلوں کے ڈلائے علاقے کے اندر جانا شروع کر دیا بلکہ وہ فرعونوں کی اس بیچ دربیچ عمارت کے کھنڈروں میں بھی جانے لگے تھے جہاں جانے کے قصور سے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کچھ عرصے پہلے اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک گاؤں میں ایک شتر سوار آیا۔ یہ اجنبی مسلمان اور مصری تھا۔ اس کا اونٹ اچھی نسل کا اور تندرست تھا۔ اس مسافر نے گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے یہ قصہ سنایا کہ وہ غربت سے تنگ آپکا تھا۔ اب وہ رہزنی اور چوری کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ پیدل تھا۔ وہ اس امید پر اس علاقے میں آگیا کہ یہاں کوئی آبادی نہیں اس لیے رہزنی کرتے پکڑا نہیں جائے گا۔ وہ بہت دن پیدل پستار ہاگراس کوئی شکار نہ ملا۔ آخر ٹیلوں کے اس علاقے میں جہاں کوئی نہیں جاتا وہ ہاگراس پڑا۔ اس کے جسم میں طاقت نہیں رہی تھی۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بند کر کے خدا سے مدد مانگی۔ اسے ایک گونج دار آواز سنائی دی۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم نے ابھی گناہ نہیں کیا۔ گناہ کی موت نیت کی ہے۔ اگر تم کسی کو ٹوٹ کر یاں آتے تو تمہارا جسم ٹیلوں کا پتھر بن جاتا اور شیطان کے چھوٹے ہونٹے دندے تمہارا گوشت جو تمہارے سامنے پڑا ہوا ہوتا، تمہیں دکھا دکھا کر کھا جاتے؟

اس آواز نے اجنبی پر غشی طاری کر دی۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی اسے اٹھا رہا ہے۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا جو دودھ کی مانند سفید اور آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ وہ جان گیا کہ یہ آواز جو اس نے سنی تھی اسی بزرگ کی تھی۔ اجنبی کی زبان بند ہو گئی اور وہ کانپنے لگا۔ بزرگ نے اسے اٹھا کر کہا۔ "مت ڈر مسافر! یہ سب لوگ جو یہاں آنے سے ڈرتے ہیں بد نصیب ہیں۔ انہیں شیطان ادھر آنے نہیں دیتا۔ تم جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ یہاں اب فرعونوں کی خدائی نہیں رہی۔ یہ حضرت موسیٰ کی مملکت ہے۔ حضرت عیسیٰ بھی یہیں آسمان سے اترے والے ہیں۔ اب اسلام کی قندیلیں اسی کھنڈر سے روشن ہوں گی جن کی روشنی ساری دنیا کو منور کر دے گی۔ جاؤ، لوگوں کو بہا لہذا پیغام دو انہیں یہاں لاؤ۔" اجنبی نے کہا کہ وہ اٹھ نہیں

سکتا پہل نہیں سکتا، جسم سوکھ گیا ہے۔ سفید ریش بزرگ نے کہا۔ ”تم اٹھو اور پچاس قدم شمال کی طرف جاؤ۔
 پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ ڈرنا نہیں، لوگوں تک پیغام پہنچا دینا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے تمہیں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر
 آئے گا۔ اس کے ساتھ کھانا اور پانی ہوگا اور اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ تمہارا ہوگا۔“

اجنبی نے گاؤں والوں کو سنایا کہ وہ اٹھ کر چلنے لگا تو اس کے جسم میں طاقت آگئی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کسی
 زبون کی بددعہ ہے۔ اُس نے پیچھے نہیں دیکھا۔ بددعہ کے ڈر سے قدم گنتا رہا اور راستہ گھوم گیا۔ پچاس قدم پر
 یہ اونٹ بندھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کھانا بندھا ہوا تھا جو اس نے کھالیا اور پانی پی لیا۔ اُس کے جسم میں ایسی
 طاقت آگئی جو پہلے اُس کے جسم میں نہیں تھی۔ اس نے لوگوں کو ایک تھیلی کھول کر دکھائی جس میں سونے کی ٹہریاں
 تھیں۔ یہ تھیلی اونٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اجنبی اونٹ پر سوار ہوا اور اس گاؤں میں آگیا جس میں بیٹھا وہ
 قلعہ سنا رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے گاؤں والوں کو سفید ریش بزرگ کا پیغام دیا اور چلا گیا۔ اس کا سننے کا انداز
 ایسا پڑا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ٹیلوں کے علاقے میں جانے کا اشتیاق پیدا ہو گیا، لیکن گاؤں کے بوڑھوں نے
 کہا کہ یہ اجنبی انسان نہیں بلکہ کھنڈر کے شر شرار کا حصہ ہے۔۔۔ انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ چھپے ہوئے کو
 بے نقاب کرنے کی اور مجید کو پالینے کی کوشش کرتی ہے۔ جن جموں میں جوانی کا خون ہوتا ہے وہ خطرے مول لے
 لیتے ہیں۔ گاؤں کے جوانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ وہاں جائیں گے۔ اشرافیوں کا ہار بڑا سخت تھا جس سے وہ لوگ
 بچ نہیں سکتے تھے۔

۲۶

اس چالیس میل لمبے اور دس میل چوڑے خطے میں جتنے گاؤں تھے، ان سب سے اطلاعاتیں ملیں کہ ایک
 اجنبی مسافر ہی قلعہ سنا گیا ہے۔ کچھ لوگ تذبذب میں تھے اور کچھ تذبذب اور فیصلے کے درمیان بھٹک رہے تھے
 مگر ادھر جانے سے سب ڈرتے تھے۔ بعض آدمی گئے بھی لیکن ٹیلوں کے پراسرار علاقے کو دُور سے دیکھ کر واپس آ گئے۔
 کچھ روز بعد دو جواں سال شتر سوار تمام علاقے میں گھوم گئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی قلعہ سنایا جو ذرا مختلف تھا۔ وہ بہت
 دُور کے سفر پر گھوڑوں پر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو ٹوٹے جن پر قیمتی مال تھا۔ یہ تجارت کا مال تھا جو وہ سوڈان
 لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ مال کے ساتھ گھوڑے اور ٹوٹے بھی چھین لیے اور انہیں زندہ
 چھوڑ دیا۔ یہ دونوں ٹیلوں کے علاقے میں آ کر ٹھکن، بھوک، پیاس اور غم سے گر پڑے۔ انہیں بھی سفید ریش بزرگ نظر
 آیا۔ اُس نے انہیں وہی پیغام دیا اور کہا۔ ”تمہیں شیطان کے دندلوں نے لوٹا ہے۔ تم اللہ کے نیک بندے ہو۔
 جاؤ تمہیں پچاس قدم پر دو اونٹ کھڑے ملیں گے اور ان کے ساتھ جو کچھ بندھا ہوگا وہ تمہارا ہوگا لیکن مال دُور دیکھ
 کر آپس میں لڑنے پڑنا ورنہ ہمیشہ کے لیے اندھے ہو جاؤ گے۔“ انہیں بھی اس بزرگ نے کہا کہ گاؤں گاؤں جا کر
 لوگوں کو پیغام دیں کہ ان کھنڈر سے ڈریں نہیں۔

اس کے بعد ایسی ہی بہت سی روایتیں سنی اور سنائی جانے لگیں۔ ان میں ڈر اور خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا،
 بلکہ ایسی کشش تھی کہ لوگوں نے ٹیلوں کے ارد گرد پھرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے بعض لوگوں کو اندرونی علاقے سے

باہر ہاتے اور آتے بھی دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ اندر ایک درویش بزرگ ہے جو غیب کا حال بتاتا اور آسمانوں کی
 خبر دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ امام مہدی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت موسیٰ ہیں اور کوئی حضرت عیسیٰ کہتا تھا ایک بہت
 لُٹوٹو سے کسی باقی تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے خدا کا بھیجا ہوا ہے اور وہ گناہگاروں سے دُعا ہے نہ انہیں نظر آتا ہے
 اس کے پاس جانے کے لیے نیت صاف ہوئی چاہئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرتا ہے۔۔۔۔۔ یہ فلسفاتی اور
 پراسرار روایتیں اور حکایتیں لوگوں کو اندرونی علاقے میں لے جانے لگیں۔ آگے جا کر انہوں نے پہلی بار وہ کھنڈر دیکھے
 جن سے وہ ڈرتے تھے۔ وہ ان کے اندر بھی گئے۔ یہ کمروں، غلام گروہوں اور غاروں جیسے راستوں کی بھول بھلیاں
 تھیں۔ ایک کمرہ بہت ہی وسیع اور اس کی چھت اونچی تھی۔ جالے ٹھک رہے تھے اور ماحول پر ہیبت طاری تھی
 لیکن وہاں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں سیڑھیاں فرش سے نیچے جاتیں اور نہ خانوں میں جا ختم ہوتی تھیں۔

یہ عمارت اُن فرعونوں کی تھی جو اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ وہ کسی کسی کو نظر آتے تھے۔ لوگوں کو اس عمارت میں
 اکٹھا کر لیا کرتے اور لوگوں کو ان کی مرث آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز ایسی سُرخوں میں سے گونج کر آتی تھی جن کے
 دہانے بڑے کمرے میں تھے مگر نظر نہیں آتے تھے۔ بولنے والا سڑگ کے دوسرے سرے پر ہوتا تھا جس کے متعلق
 کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ کہاں ہے۔ وہ اسے خدا کی آواز سمجھتے تھے جو عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ ان بڑے کمروں
 میں روشنیوں کا ایسا انتظام ہوا کرتا تھا کہ مشعلیں نظر نہیں آتی تھیں، کمرے روشن رہتے تھے۔ آئینے کی طرح چمکیلی

urdunovelist.blogspot.com

ہوتی تھیں۔ اب ملاح الدین الیوٹی کے دور میں اس عمارت میں پھر وہی آوازیں گونجنے لگیں جنہیں لوگ خدائی
 آوازیں سمجھا کرتے تھے۔ ذرا سے وقت میں لوگوں کے دلوں سے کھنڈروں کی ہیبت نکل گئی۔ وہ جب بڑے کمرے
 میں جاتے تو اس سے پہلے انہیں اندھیری اور فراخ سُرخوں میں سے گوننا پڑتا تھا۔ آگے بہت ہی فراخ اور اونچی
 چھت والا کمرہ آ جاتا جس میں روشنی ہوتی مگر کوئی مشعل نظر نہیں آتی تھی۔ وہاں گونج کی طرح آواز آتی۔ ہم نے
 تمہیں اندھیروں میں سے نکال کر روشنی دکھائی ہے۔ یہ کمرہ ٹھنڈی روشنی ہے۔ اس نور کو دلوں میں داخل کرو۔ فرعونوں
 کی بددعہیں بھی مر گئی ہیں۔ اب یہاں موسیٰ کا نور ہے اور اس نور کو چلی اور زیادہ منور کرے گا۔ خدا کو یاد کرو کہ پھر پھر
 اور لوگ حیرت سے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھتے اور کمرہ طیبہ گنگنا نا شروع کر دیتے تھے۔

اگر اس آواز میں خدا، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور کمرہ طیبہ کا ذکر نہ ہوتا تو لوگ شاید اس کا یہ اثر قبل نہ کرتے
 جو وہ کر رہے تھے۔ وہ سب مسلمان تھے۔ اپنے مذہب کے نام پر وہ اس اثر کو قبل کر رہے تھے۔ اور جب انہیں
 یہ آواز سنائی دی۔ ”رسول خدا کو خدا نے غارِ حرا کے اندھیرے میں رسالت عطا کی تھی۔ تمہیں بھی ان غاروں کے اندھیرے
 میں خدا کا نور نظر آئے گا۔“ تو لوگوں نے سر جھکا لیے اور اس آواز کو جس کی گونج میں فلسفاتی اثر تھا اپنے دل پر نقش
 کر لیا، لیکن لوگ اس ہستی تک پہنچنا چاہتے تھے جس کی یہ آواز تھی اور جو مسافروں کو اونٹ، کھانا، پانی اور اشرافیاں دیتی
 اور مُردوں کو زندہ کرتی تھی۔ لوگوں کی بتیا بیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے گھروں کو جاتے تو انہیں عورتیں بتاتیں کہ
 ایک اجنبی آیا تھا جو کھنڈر والے درویش کی کرامات سنا گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اُس نے درویش کی زیارت کی ہے۔

ایک روز ان دیہات میں جو سب سے بڑا گاؤں تھا وہاں کی مسجد کے پیش امام سے لوگوں نے استفسار کیا۔ اُس نے کہا۔
 ”وہ مقدس انسان ہے۔ مرنے تک لوگوں سے ملتا ہے۔ نیک وہ ہوتا ہے جو خونِ خرابہ نہ کرے۔ صلح اور امن کی زندگی بسر
 کرے۔ یہ مقدس درویش حضرت عیسیٰ کا پیغام لیا ہے۔ اس پیغام میں محبت ہے جنگ و جدل نہیں۔ اس پیغام میں یہ
 نصیحت ہے کہ کسی کو زخمی نہ کرو بلکہ زخمی کے زخموں پر مرہم رکھو۔۔۔ اگر تم لوگ ان اصولوں پر زندگی بسر کرو گے تو یہ درویش
 تمہاری کاہلیٹ دے گا۔“

جب ایک امام مسجد نے بھی اس مقدس درویش کو اور اس کی آواز کو برحق کہہ دیا تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ
 رہی۔ لوگوں کے ٹھٹھے کے ٹھٹھے کھنڈروں میں جانے لگے تو اعلان ہوا کہ ہر جمعرات کے روز اندر جانے کی اجازت ہوگی اور
 شام کو میلہ لگا کرے گا۔ چنانچہ اُس روز سے جمعرات کا دن مخصوص ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی وہاں جانے کی
 اجازت مل گئی۔ اب کھنڈروں کے اندر اپنی مرضی سے کوئی نہیں جاسکتا تھا۔ جمعرات کے روز ان کے ارد گرد میلے کا سماں
 ہوتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ اونٹوں، گھوڑوں اور چرویل پر سیدل بھی آتے اور شام کو کھنڈروں میں جانے کے وقت کا
 انتظار کرتے تھے۔۔۔ اندر کی سنسنی خیز دنیا میں انقلاب آگیا۔ وہاں اب لوگوں کو گناہ اور نیکی کے تاریکی اور روشنی کے
 تصورات ایسی صورت میں نظر آتے تھے کہ لوگ انہیں بُرے اور متحرک صورت میں دیکھتے اور حیرت زدہ ہوتے تھے کسی
 کو کوئی اٹنا سیدھا سوال اور شک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی وہ کسی سوال اور شک کی ضرورت محسوس
 کرتے تھے۔

سویج غروب ہوتے ہی اس اندھیری سڑگ کا منہ کھل جاتا جو اندر لے جاتی تھی۔ یہ دراصل اس عمارت کے
 درمیان سے گزرنے والا راستہ تھا۔ اس کی دیواریں بہت بڑے بڑے ہلاکوں کی تھیں۔ اوپر ایسی ہی چھت تھی۔ یہ سڑگ
 ہر دس بارہ قدموں بعد وائیں یا بائیں کو مڑتی تھی۔ اس کے دروازے یا دھانے سے باہر چند ایک آدمی کھڑے ہوتے
 تھے۔ ان کے پاس کھجوروں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ یہ کھجوریں لوگوں کی لائی ہوئی ہوتی تھیں جسے نذرانہ کہا جاتا تھا۔ زائرین
 کھجوریں ایک جگہ دھیر کر دیتے تھے۔ کھجوروں کے پاس پانی کے مشکیزے رکھے ہوتے تھے۔ شام کو جب زائرین کو اندر
 جانے کی اجازت ملتی تھی تو دروازے پر ہر ایک کو تین کھجوریں کھلا کر چند گھونٹ پانی پلایا جاتا اور اندر بھیج دیا جاتا۔ تاہم
 سڑگ سے گزرنے والے لوگ روشن ہال کمرے میں پہنچتے تو وہاں انہیں آوازیں سنائی دیتیں۔ ”کلمہ طیبہ پڑھو۔ اپنے
 اللہ کو یاد کرو۔ حضرت موسیٰ تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا ظہور ہونے والا ہے۔ دل سے بدی اور دشمنی نکال
 دو۔ لڑائی جھگڑا ختم کرو اور دیکھو ان کا حشر جنہیں جنت کا دھوکہ دے کر لڑایا گیا تھا۔“

اس آواز کے ساتھ ہی لوگوں کی آنکھوں میں نہایت تیز روشنی پڑتی۔ انہیں ایک طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا تھا۔
 ان کی آنکھیں خیمو ہونے لگتیں تو روشنی ذرا مدھم ہو جاتی۔ اس کے بعد روشنی کبھی تیز ہوتی کبھی مدھم اور لوگوں کو سامنے
 والی دیوار پر تاسے چمکتے نظر آتے۔ ان تاروں میں جنبش ہوتی اور انتہائی مکروہ اور بھتیجی شکلوں والے انسان جاتے نظر
 آتے۔ گو سچا آواز سنائی دیتی۔ ”یہ سب تمہاری طرح جوان اور خوبصورت تھے۔ انہوں نے خدا کا پیغام نہ سنا۔ یہ کمرے کے ساتھ
 تلواریں سجا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے جیسے خوبصورت جوانوں کو قتل کیا۔ انہیں دھوکہ دیا گیا کہ تم لڑو۔ مر جاؤ گے تو

جنت میں جاؤ گے۔ دیکھو ان کا انجام۔ خدا نے انہیں شیطان کے دندے بنا کر کھلا چھوڑ دیا ہے۔“ ان آوازوں
 کے ساتھ بادل کی گرج اور بجلی کی کوک سنائی دیتی۔ کچھ اور آوازیں بھی سنائی دیتیں جو مختلف دندوں کی معلوم ہوتی
 تھیں۔ روشنی اتنی تیز ہو جاتی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چند جھپکاتیں بھر لے لے دانتوں والے دندے دانتوں سے باہر
 جاتے نظر آتے۔ یہ بھی انسان تھے لیکن ان کی شکلیں بڑے ہی ڈراؤنے پھیر لیں جیسی تھیں۔ انہوں نے اندر سے ہر چہ
 لوکیاں اٹھا رکھی تھیں۔ یہ لوکیاں جوان اور خوبصورت تھیں۔ لوکیاں ٹپکتی تھیں۔ بادل کی گرج اور زیادہ بلند سنائی دیتی
 اور آواز آتی۔ ”انہیں اپنے حسن پر ناز تھا۔ انہوں نے خدا کے حسن کو ناپاک کیا تھا۔“ ان ڈراؤنی اور بھیاں بھیاں شکلوں
 کے بعد بڑے ہی خوبصورت مرد اور خوبصورت عورتیں گزرتیں۔ یہ سب ہنستے کھیلتے جاتے تھے۔ یہ نیک اور پاک لوگ تھے جن
 کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ انہوں نے کبھی لڑائی جھگڑنے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ سارا محبت و پیار اور خلوص تھے۔

اس کے بعد زائرین کو ایک تہ خانے میں لے جایا جاتا جہاں انسانی ہڈیوں کے بچر بھی تھے اور خوبصورت
 لوکیاں بھی گھومتی پھرتی اور سسکراتی نظر آتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دیتی۔ ”حضرت عیسیٰ کا ظہور
 ہونے والا ہے۔۔۔ جنگ و جدل اور خونِ خرابہ دل سے نکال دو۔“ تہ خانے کا ایک راستہ اور تھا جس سے لوگوں کو
 باہر نکال دیا جاتا۔ لوگوں پر ایسا تاثر طاری ہوتا تھا جیسے وہ سو گئے تھے اور انہوں نے بڑی عجیب خواب دیکھا ہو، جو
 ڈراؤنہ تھا اور خوبصورت بھی۔ وہ ایک بار پھر اندر جانے کو بے تاب ہوتے تھے لیکن کسی کو اس طرف جانے نہیں دیا جاتا
 تھا۔ سب سے لوگ اندر جاتے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ رات وہیں کھنڈروں کے قریب ہی
 گزار دیتے تھے۔ وہاں کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھ کر انہیں اندر کے راز بتاتے تھے۔ ایک راز یہ تھا کہ اندر جس کی آواز
 سنائی دیتی ہے وہ خدا کی طرف سے یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ دنیا میں آ رہے ہیں اور خلیفہ العاصم بھی دنیا میں
 واپس آ گیا ہے۔

urdunovelist.blogspot.com

العاصم فاطمی خلافت کا خلیفہ تھا جس کی گدسی مصر میں تھی۔ سلطان الیوبی نے اسے معزول کر کے مصر کو بغداد کی
 خلافت عباسیہ کے تحت کر دیا تھا۔ العاصم اس کے فوراً بعد مر گیا تھا۔ یہ دو ارحانی سال پہلے کا واقعہ تھا۔ فاطمیوں نے
 صلیبیوں اور شیشیہ کے ساتھ ساز باز کر کے ایک سازش تیار کی تھی جس کے تحت سلطان الیوبی کا منہمہ الٹا اور مصر
 میں فاطمی خلافت بحال کرنا تھا۔ اس سازش کی کامیابی کے لیے سوڈانیوں کو تیار کیا جا رہا تھا کہ وہ مصر پر حملہ کریں۔
 کھنڈر کے مریضوں کی تعداد میں اور ان کی عقیدت مندی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جنوب مغربی علاقے کے
 لوگ قابض ہوتے جا رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ خلیفہ العاصم کو واپس بھیج چکے ہیں اور خود بھی واپس آ رہے ہیں۔ ان لوگوں
 نے فوج میں بھرتی ہونے سے توبہ کر لی تھی کیونکہ وہ جنگ و جدل کو گناہ سمجھنے لگے تھے۔ صلاح الدین الیوبی کو ایک گناہگار
 بادشاہ قرار دے دیا گیا تھا جو اپنی بادشاہی کو وسعت دینے کے لیے جوانوں کو بے دھوکہ دے کر فوج میں بھرتی کرتا تھا کہ
 شہید ہوں گے اور سیدھے جنت میں جائیں گے۔ کھنڈروں کے اندر کی دنیا لوگوں کے لیے عبارت گاہ بن گئی تھی بعض
 نے تو ٹیلوں کے علاقے میں ہی قبریں ڈال دیے تھے۔ وہ اس مقدس درویش کی زیارت کے لیے بے قرار رہتے تھے جن
 کی آواز کھنڈروں میں سنائی دیتی تھی مگر وہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ایک نیا فرقہ جنم لے رہا تھا۔

اس زخمی حشیش کو جو سلطان الیوبی پر تالانہ حملے میں زخمی ہوا تھا، علی بن سفیان قاہرہ لے گیا جہاں اسے ایک الگ قلعہ مکان میں رکھا گیا۔ سلطان الیوبی کے حکم کے مطابق اس کے علاج کے لیے ایک جراح مقرر کر دیا گیا۔ وہ آخر مجرم تھا۔ اُسے جس مکان میں رکھا گیا اس کے دروازے پر ایک سنتری کھڑا رہتا تھا۔ وہ ابھی بھاگنے کے قابل نہیں تھا۔ کھنڈروں کی نشاندہی اسی نے کی تھی۔ فیصلہ ہوا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائے تو اس کی رہنمائی میں جاسوس بھیج کر کھنڈروں کے اندر کے حالات دیکھے جائیں گے۔ ہو سکتا تھا کہ یہ زخمی جھوٹ بول رہا ہو۔ علی بن سفیان نے قاہرہ آتے ہی اپنے نائب حسن بن عبداللہ اور کزنوال غیاث بلہیس سے کزدیا تھا کہ وہ اس علاقے میں اپنا کوئی خیر اور جاسوس نہ بھیجیں جس کے متعلق انہیں رپورٹ ملی ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے غلات ہو گئے ہیں۔ علی کو کسی بہت بڑے اور کارآمد امکشاف کی توقع تھی۔

زخمی کو معام نہیں کیوں یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔ وہ رہتا تھا اور بار بار اپنے گاؤں کا نام بتا کر کہتا تھا کہ میری بہن کو بلادو، میں اسے دیکھ نہیں سکوں گا۔ علی بن سفیان اس کی اسی کمزوری کو اُس سے مزید ملاز اگوانے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ زخمی اپنی بہن کے متعلق غیر معمولی طور پر جذباتی تھا۔ علی کو جب یقین ہو گیا کہ زخمی کے سینے میں اب اور کوئی بات نہیں رہ گئی تو اُس نے دو پیامبر بلا کر انہیں زخمی کا گاؤں اور علاقہ بتایا اور کہا کہ اس کی بہن کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ یہ علاقہ مصر کے جنوب مغرب میں ہی تھا۔... پیامبر اُسی وقت روانہ ہو گئے۔

سلطان الیوبی نماز پر پہنچ گیا اور شوبک کے قلعے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے پر تالانہ حملے کا کوئی تاثر نہیں تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے محافظ دستے کا کمانڈر اور دیگر حکام جو اُس کے ساتھ تھے بہت پریشان اور سرسراہٹے تھے۔ وہ ڈرتے بھی تھے کہ سلطان الیوبی کسی نہ کسی مقام پر اُن پر برس پڑے گا اور جواب طلبی بھی کرے گا مگر اُس نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ اپنی مرکزی کمان کے فوجی حکام سے کہا — ”آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آپ میری جنگی چالیں غور سے دیکھتے رہا کریں۔ دشمن نے جو دوسرا محاذ کھول رکھا ہے، اس پر گہری نظر رکھیں اور تحریک کاروں کی پکڑ دھکڑ اور سرکوبی کرتے رہیں۔“ اُس نے کسی سے اتنا بھی نہ کہا کہ محافظ دستے کی چھان بین کی جائے اس نے تین بڑے حادثے کا کوئی اثر ہی نہ لیا۔ شوبک، قلعے میں پتہ چلا اور سب سے پہلے پوچھا کہ کوئی جاسوس واپس آیا ہے یا نہیں۔ اسے بتایا گیا کہ دو جاسوس کارآمد معادلات لائے ہیں۔ اُس نے دونوں کو بلالیا اور میلیبیوں کے ارادوں کے متعلق رپورٹیں لیں۔ اُسے تقریباً وہ تمام پلان بتا دیا گیا جو میلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ اُس نے نور الدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کے سالار اور مہر سے آئی ہوئی فوج کے سالار اور دونوں کے نائبین کو بلا بھیجا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

چوتھے روز زخمی حشیش کی بہن آگئی۔ اُس کے ساتھ چار آدمی تھے جن کے متعلق بتایا گیا کہ زخمی کے چچا اور تایا زاد بھائی ہیں۔ بہن جوان اور مرکب کش تھی۔ اپنے بھائی کے لیے بہت ہی پریشان تھی۔ زخمی اس کا اکیلا بھائی تھا۔ اُن کے ابا باپ مر چکے تھے۔ اُسے اور اس کے ساتھ آئے ہوئے چار آدمیوں کو زخمی کے پاس لے جانے کے لیے علی بن سفیان کی اجازت کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے بہن کو اجازت دے دی، اُس کے ساتھ آئے ہوئے

آدمیوں کو نہ ملنے دیا۔ انہوں نے منت سماجت کی اور کہا کہ وہ اتنی دُور سے آئے ہیں۔ انہیں موت اتنی اجازت دی جائے کہ زخمی کو دیکھ لیں۔ وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ علی بن سفیان نے اس طرح اجازت دی کہ خود اُن کے ساتھ ہوگا اور انہیں فوراً باہر نکال دے گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُسی وقت ان سب کو زخمی کے پاس لے گیا۔ بہن نے بھائی کو دیکھا تو اُس کے اوپر گر پڑی۔ بھائی کا منہ چومنے لگی اور زار و قطار رونے لگی۔ دوسرے آدمیوں کے متعلق علی بن سفیان نے زخمی سے کہا کہ ان سے ملنا ملنا، یہ والہیں جا رہے ہیں۔ اُس نے چاروں سے ملنا ملا تو علی بن سفیان نے انہیں باہر چلے جانے کو کہا اور یہ بھی کہ دیا کہ وہ آئندہ اسے نہیں مل سکیں گے۔ وہ چلے گئے۔ بہن نے علی بن سفیان کے قدموں پر بیٹھ کر اُس کے پاؤں پکڑ لیے اور رد و حرکت کی کہ اُسے بھائی کی خدمت کے لیے وہیں رہنے دیا جائے۔ علی بن سفیان ایک بہن کی ایسی جذباتی التجا کو ٹھکرا نہ سکا۔ اُس نے لڑکی کی ہمارے تلاشی لی اور اُسے وہیں رہنے کی اجازت دے دی اور وہاں سے چلا گیا۔

بہن بھائی اکیلے رہ گئے تو بہن نے بھائی سے پوچھا کہ اُس نے کیا کیا ہے۔ بھائی نے بتا دیا۔ بہن نے پوچھا کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ بھائی نے جواب دیا — ”امیر مصر پر تالانہ حملے کا جرم بخشا تو نہیں جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے مجھ پر رحم کیا تو سزائے موت نہیں دیں گے، ساری عمر کے لیے تہہ خانے کی قید میں ڈال دیں گے۔“

”پھر میں ساری عمر نہیں دیکھ سکوں گی؟“ بہن نے پوچھا۔

”نہیں شارجا!“ بھائی نے زندہ بھائی ہوئی آواز میں کہا — ”پھر میں مر بھی نہیں سکوں گا۔ جی بھی نہیں سکوں گا۔ وہ جگہ بڑی خوفناک ہے جہاں مجھے ہمیشہ کے لیے قید کر دیں گے۔“

بہن جس کا نام شارجا تھا بچوں کی طرح بلبلا اٹھی۔ اس نے کہا — ”میں نے تمہیں اُس وقت بھی روکا تھا، اگر ان لوگوں کے چکر میں نہ پڑو مگر تم نے کہا کہ صلاح الدین الیوبی کا قتل جائز ہے۔ تم لہجہ میں آگئے تھے۔ تم نے میری بھی پروا نہ کی۔ میرا کیا بنے گا۔ تم نہ ہوئے تو میرا آسرا کون ہوگا۔“

زخمی بھائی کا ذہن تقسیم ہو گیا تھا۔ کبھی وہ پچھتاوے کی باتیں کرتا اور کہتا کہ وہ ان لوگوں کے بھانے میں آگیا تھا۔ اُس نے یہ بھی کہا — ”صلاح الدین الیوبی انسان نہیں، خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔ ہم چار بٹے کتے جوان مل کر اتنا بھی نہ کر سکے کہ اس کے جسم پر خنجر کی نوک سے خراش ہی ڈال دیتے۔ اُس پر زہر نے بھی اثر نہیں کیا۔ اس اکیلے نے تین کو جان سے مار دیا اور مجھے موت کے منہ میں ڈال دیا۔“

”یہ کہنے والے جھوٹ تو نہیں کہتے تھے کہ صلاح الدین الیوبی کا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ اُسے کوئی گناہ بھاری نہیں کر سکتا۔“ بہن نے کہا — ”تم چاروں مسلمان تھے۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ بھی مسلمان ہے۔“

”اس نے خدا کے خلیفہ کی گدی کی توہین کی ہے۔“ زخمی بھائی کا دماغ اُلٹی طرف چل پڑا۔ اُس نے جو شیلے بچے میں کہا — ”تم نہیں جانتی کہ خلیفہ العاصد خدا کے بھیجے ہوئے خلیفہ تھے۔“

”جو کوئی جو کچھ بھی تھا....“ بہن نے کہا — ”میں یہ جانتی ہوں کہ تم میرے بھائی ہو اور مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہو۔ کیا تمہارے بچنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟“

”شاید پیدا ہو جائے۔“ بھائی نے جواب دیا۔ ”میں نے اس شرط پر انہیں سارے راز بتا دیئے ہیں کہ میرا گناہ بخش دیں۔ مگر میرا گناہ اتنا سنگین ہے جو شاید نہ بخشا جائے۔“

اس وقت زخمی کو سوجھنا چاہئے تھا اور اسے اتنا زیادہ لونا نہیں چاہئے تھا کیونکہ پیٹ کے زخم کھل جانے کا ڈر تھا، مگر وہ بولتا جا رہا تھا اور بہن رد رہی تھی۔ بولتے بولتے اسے پیٹ کے زخم میں ٹیمپیں محسوس ہونے لگیں اور وہ بے حال ہو گیا۔ اس نے بہن سے کہا۔ ”شاد جا! باہر جاؤ۔ کوئی آدمی ملے تو اسے کہو کہ حبیب باجراح کو بلا دے۔ میں مر رہا ہوں۔“ شاد جا دھڑکی باہر گئی۔ باہر سنتری کھڑا تھا۔ اُس نے اسے بھائی کی حالت بتائی تو اُس نے شاد جا کو اس جراح کے گھر کا راستہ بتا دیا جسے زخمی کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اسے سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ دن ہو یا رات، زخمی کو زندہ رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ وہ شاہی جراح تھا۔

شاد جا دھڑکی گئی۔ جراح کا گھر بالکل قریب تھا۔ شاد جا نے جراح کو بھائی کی حالت بتائی تو وہ بھاگ بھاگ آیا اور زخمی کو دیکھا۔ اُس کے پیٹ کی پٹی خون سے لال ہو گئی تھی۔ جراح نے فوراً پٹی کھولی۔ خون بند کرنے کے لیے اس میں سفوف ڈالے اور بہت سادقت مرث کر کے پٹی باندھی۔ خون بند ہو گیا۔ اُس نے زخمی کو دوائی پلا دی جس کے اثر سے اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ شاد جا اس جوان سال جراح کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اتنی رات گئے کوئی اس کے مجرم بھائی کو دیکھنے آجائے گا، لیکن جراح دوڑتا آیا اور اس نے اتنے انہماک سے زخمی کی مریم پٹی کی کہ شاد جا کو حیران کر دیا۔ زخمی کی آنکھ لگ گئی تو جراح نے آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ اوپر اٹھا کر سرگوشی کی۔ ”زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے میرے خدا! اس ہلے عیب کے حال پر کرم کرو۔ اسے زندگی عطا کرو خدائے عزوجل۔“

شاد جا کے آنسو نکل آئے۔ اُس پر جراح کا تقدس طاری ہو گیا۔ اُس نے جراح کے قریب دوڑا تو ہو کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور مجرم بیا جراح کے پوچھنے پر شاد جا نے بتایا کہ وہ زخمی کی بہن ہے۔ اُس نے جراح سے پوچھا۔ ”کیا آپ کے دل میں اتنا زیادہ رحم ہے کہ میرے بھائی کو آپ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے یا اسے اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں کہ یہ آپ کو راز کی ساری باتیں بتا دے؟“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس کے پاس کوئی راز ہے یا نہیں۔“ جراح نے کہا۔ ”میرا فرض یہ ہے کہ اسے زندہ رکھوں اور اس کے زخم بالکل ٹھیک کر دوں۔ میری نگاہ میں مومن اور مجرم میں کوئی فرق نہیں۔“

”آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔“ شاد جا نے کہا۔ ”اگر معلوم ہوتا تو آپ اس کے زخم پر مریم رکھنے کی بجائے اس میں نمک بھر دیتے۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ جراح نے جواب دیا۔ ”لیکن میں اسے زندہ رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔“

شاد جا اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے جراح کے ساتھ اپنی باتیں شروع کر دیں۔ اسے بتایا کہ اُس کے ماں باپ اُس کے بچپن میں مر گئے تھے۔ اُس وقت اس کا بھائی دس گیارہ سال کا تھا۔ اس نے شاد جا کو بالاپوسا اور جوان کیا۔ اگر اس کا بھائی نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی اسے اغوا کر کے لے جاتا۔ بھائی نے زندگی بہن کے لیے وقف کر دی تھی۔ جراح انہماک سے اس کی باتیں سناتا اور اسے اس خیال سے باہر صحن میں لے گیا کہ زخمی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ جراح ایسے انداز سے شاد جا کی

باتیں سن رہا تھا جیسے وہ رات نہیں گزارے گا، مگر وہ جانے لگا تو شاد جا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”آپ چلے جائیں گے تو مجھے ڈر آئے گا۔“ جراح نے اسے بتایا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا اور اس کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا۔ جراح گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ شاد جا کی خاطر کچھ دیر اور ٹک گیا اور رات کے کچھ پہلے سو گیا۔ دوسرے دن کا سوچ ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ وہ زخمی کو دیکھنے آ گیا۔ اُس نے رات والے انہماک سے اس کی مریم پٹی کی۔ زخمی کو زندہ رکھنا اور ایسا کھانا دیا جو شاد جا نے کہیں خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس دوران علی بن سفیان آیا۔ زخمی کی حالت دیکھ کر ہلا گیا لیکن جراح نہ گیا۔ وہ شاد جا کے ساتھ باتیں کرتا اور اس کی باتیں سناتا رہا۔ اُس روز شام تک وہ تین بار زخمی کو دیکھنے آیا، حالانکہ وہ مرث دوسرے کو آیا کرتا تھا۔ شام کو وہ چلا گیا تو زخمی نے اپنی بہن سے کہا۔ ”شاد جا! میری ایک بات غور سے سن لو۔ میری زندگی اس جراح کے ہاتھ میں ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں دیکھ کر یہ میرا علاج پہلے سے زیادہ اچھے طریقے سے کرنے لگا ہے۔ میں موت قبول کر لوں گا مگر اسے اتنی زیادہ قیمت نہیں دوں گا جس نے دل میں رکھ لی ہے۔۔۔۔۔ مجھے شک نہیں یقین ہے کہ یہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے تمہاری عزت کا نذرانہ لینا چاہتا ہے۔“

”میں تو اسے فرشتہ سمجھتی ہوں۔“ شاد جا نے کہا۔ ”اس نے ابھی تک کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں کیا اور میں یہی سمجھتی ہوں۔“ لیکن میں اسے ایسا سمجھتی نہیں۔“

شاد جا کا انداز ایسا تھا جس نے بھائی کو شک میں ڈال دیا کہ وہ جراح میں دلچسپی لیتی ہے۔

✱

اُس رات جراح آیا۔ زخمی سو گیا تھا۔ شاد جا جاگ رہی تھی۔ وہ جراح کے ساتھ صحن میں چلی گئی۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جراح نے اسے کہا کہ اُس کا بھائی دوائی کے اثر سے اتنی گہری نیند سو گیا ہے کہ صبح تک اس کی آنکھ شاید نہیں کھلے گی۔ آؤ، میرے گھر چلو۔۔۔۔۔ شاد جا کچھ جھکی لیکن جراح کی پیش کش ٹھکرا نہ سکی۔ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ خبر دو ہفتوں سال اور عظیم طبع جراح اکیلا رہتا تھا۔ شاد جا بالغ دماغ لڑکی تھی۔ اسے توقع تھی کہ آج رات یہ آدمی اُس کے سامنے بے نقاب ہو جائے گا، مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے ساتھ ہمدرد دوستوں کی طرح باتیں کرتا رہا۔ لڑکی کو اُس کے اتنے مشفقانہ سلوک نے پریشان کر دیا۔ اُس نے بے اختیار اس سے پوچھا۔ ”میں محفل کے دور و دراز علاقے کی غریب سی لڑکی ہوں اور ایک ایسے مجرم کی بہن ہوں جس نے معرکے بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں جس کی میں حقارت نہیں ہوں۔“ جراح نے مسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے حات کر دیا۔ ”مجھ میں اس خوبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ میں جولان لڑکی ہوں اور شاید میری شکل و صورت بھی اچھی ہے۔“

”تم میں ایک خوبی اور بھی ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔“ جراح نے کہا۔ ”تمہاری عمر اور تمہاری ہی شکل و صورت کی میری ایک بہن تھی۔ جس طرح تم بہن بھائی اکیلے ہو اسی طرح میں اور میری بہن اکیلے رہ گئے تھے۔ میں نے تمہارے بھائی کی طرح اپنی بہن کو پالا پوسا اور اپنی زندگی اور ساری خوشیاں اس کے لیے وقف کر دی تھیں۔ وہ بیمار ہوئی، اور میرے ہاتھوں میں مر گئی۔ میں اکیلا رہ گیا۔ تمہیں دیکھا تو شک ہوا جیسے میری بہن مجھے مل گئی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو جوان اور

نوعی صورت لڑکی سمجھتی ہو اور میری نیت پر شک ہے تو اس کا یہی علاج ہے کہ میں تم میں ایسی دلچسپی کا اظہار نہیں کروں گا جواب تک کیا ہے۔ تمہارے بھائی میں پوری دلچسپی لینا شروع گا۔ اُسے ٹھیک کرنا میرا فرض ہے۔“

شارعہ رات دیر سے وہاں سے واپس آئی جراح اُس کے ساتھ تھا۔ لڑکی کے شکوک رفع ہو چکے تھے۔ دوسرے دن جراح زخمی کو دیکھنے گیا۔ اُس نے شارعہ کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ وہ جانے لگا تو شارعہ نے باہر جا کر اسے روک لیا۔ وہ مدد ہی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ جراح اُس سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ جراح نے اُسے بتایا کہ وہ ناراض نہیں لیکن وہ اسے کسی اور شک میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ رات کو جب زخمی سو گیا تو شارعہ وہاں سے نکل گئی اور جراح کے گھر چلی گئی۔ یہ اس کی بے تابی تھی جس پر وہ تابو نہ پاسکی۔ بہت دیر تک جراح کے پاس رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ گانٹھیں پڑی ہوئی تھیں جنہیں وہ کھولنا چاہتی تھی۔ اُس نے جراح سے پوچھا۔ ”کیا خلیفہ خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں؟“

”خلیفہ انسان ہوتا ہے۔“ جراح نے جواب دیا۔ ”خدا کے بھیجے ہوئے نبی اور پیغمبر تھے۔ یہ سلسلہ رسول اکرم معلم پر ختم ہو گیا ہے۔“

”مصلح الدین الیوبی خدا کا بھیجا ہوا ہے؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”نہیں۔“ جراح نے جواب دیا۔ ”وہ بھی انسان ہے لیکن عام انسانوں سے اس کا رتبہ بلند ہے کیونکہ وہ خدا اور خدا کے بھیجے ہوئے آخری رسول معلم کے عظیم پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا چاہتا ہے۔“

ایسے اندر بہت سے سوال تھے جو شارعہ نے پوچھے اور جراح نے اس کے شکوک رفع کیے۔ اُس نے کہا۔ ”پھر میرا بھائی بہت بڑا گناہگار ہے۔ اگر اسے کوئی یہ باتیں بتا دیتا جو آپ نے مجھے بتائی ہیں تو وہ اس گناہ سے بچا رہتا۔ اب تو اس کی جان بخشی نہیں ہوگی۔“

”ہو جائے گی۔“ جراح نے اسے بتایا۔ ”اگر مصلح الدین الیوبی نے کہہ دیا ہے کہ اُسے زندہ رکھنے کی کوشش کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سزا نہیں دی جائے گی۔ اُسے چاہئے کہ گناہوں سے توبہ کرے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔“

”میں ساری عمر مصلح الدین الیوبی کی اور آپ کی خدمت میں گزار دوں گی۔“ شارعہ نے روتے ہوئے کہا۔ ”اور میرا بھائی آپ سب کا غلام رہے گا۔“ وہ جذباتی ہو گئی۔ اُس نے جراح کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”آپ مجھ سے جو قیمت وصول کرنا چاہیں میں دے دوں گی۔ آپ مجھے اپنی لٹنڈی بنا لیں، اس کے عوض میرے بھائی کو ٹھیک کر دیں اور اسے سزا سے بچالیں۔“

”قیمت اللہ سے وصول کی جاتی ہے۔“ جراح نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”بھائی کے گناہ کی سزا

بہن کو نہیں دی جائے گی اور بھائی کی صحت کی قیمت بہن سے وصول نہیں کی جائے گی۔ سب کا پاسان اللہ ہے۔ اس

کی نجات باری نے مجھے تمہاری عصمت کی پاسانی اور تمہارے بھائی کی صحت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ دعا کرو کہ میں

اس امانت میں خیانت نہ کروں۔ بہن کی دعا عرض کو بھی بلا دیا کرتی ہے۔ دعا کرو۔ دعا کرو۔ اس خدا کی عظمت

کو یاد رکھو جس کے خلاف تمہیں گمراہ کیا جا رہا ہے۔“

جراح نے اس لڑکی پر طلسم طاری کر دیا۔ ایک تو باتیں ہی ایسی تھیں جو جراح نے اسے بتائی تھیں۔ تاثر تو جراح

کے سلوک نے پیدا کیا تھا۔ جراح کے متعلق تو اسے کچھ اور ہی شک ہو گیا تھا لیکن وہ کچھ اور نکلا۔ اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ ایسی تنہائی میں اور رات کے وقت اتنی حسین اور جوان لڑکی اس کے رحم و کرم پر ہے۔ رات آدمی گونگی تھی۔ جراح نے اسے کہا۔ ”اٹھو تمہیں وہاں تک چھوڑ آؤں اور تمہارے بھائی کو بھی دیکھ آؤں۔“

دونوں گھر سے نکلے اور آہستہ آہستہ چل پڑے۔ رات تاریک تھی۔ وہ دو مکانوں کے پھوپھوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی ایک گلی تھی جس میں سے گزرتے ہی وہ مکان آجاتا تھا جہاں زخمی خلیفہ میں پڑا تھا اور اس کے دروازے پر سنتری کھڑا رہتا تھا۔ وہ دونوں اس گلی میں داخل ہوئے ہی تھے کہ پیچھے سے دونوں کو مضبوط ہانٹوں میں پکڑ لیا گیا۔ دونوں کے منہ کپڑوں میں بندھ گئے۔ ان کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ جراح جسمانی لحاظ سے کمزور نہیں تھا مگر وہ بے خبری میں پکڑا گیا تھا۔ حملہ آور چار پانچ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے دونوں کو اٹھایا اور تباہی میں غائب ہو گئے۔ کچھ دور گھوڑے کھڑے تھے۔ جراح کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے اور اسے گھوڑے پر ڈال کر ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دی جو شارعہ سے مخاطب تھی۔ ”شور نہ کرنا شارعہ! تمہارا کام ہو گیا ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے لائے ہیں۔“

شارعہ کے منہ سے کپڑا اتار دیا گیا تھا۔ جراح کو اس کی آواز سنائی دی۔ ”اسے چھوڑ دو۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے۔“

”اس کی تو ہمیں منورت ہے۔“ کسی نے کہا۔

”سوار جا!“ کسی نے حکم کے لیے میں کہا۔ ”خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔“

”اوہ!“ شارعہ کی آواز سنائی دی۔ ”یہ تم ہو؟“

”سوار ہو جاؤ۔“ کسی نے پھر حکم دیا۔ ”وقت ضائع نہ کرو۔“

اور گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔ ذرا سی دیر میں تاہرو سے نکل گئے۔ شارعہ نہایت اچھی سوار تھی۔

۲۶

صبح سنتری بدلنے کا وقت ہوا۔ نیا سنتری آیا تو رات والا سنتری وہاں نہیں تھا۔ اُس نے شارعہ کے دیکھا تو وہاں زخمی سو یا ہوا تھا۔ اُس کے اوپر کپڑے پڑا ہوا تھا۔ اس کا منہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ نیا سنتری باہر والے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ ابھی جراح زخمی کو دیکھنے آئے گا اور علی بن سفیان بھی آئے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ زخمی کی بہن زخمی کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے سوا اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں، مگر بہن بھی اُسے کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ سورج طلوع ہوا تو علی بن سفیان آیا۔ اُس نے سنتری سے پوچھا کہ جراح آچکا ہے یا زخمی کو دیکھ کر چلا گیا ہے؟ سنتری نے اُسے بتایا کہ جراح نہیں آیا۔ پہلا سنتری یہاں نہیں تھا اور اندر زخمی کی بہن بھی نہیں ہے۔ علی بن سفیان، یہ سوچ کر اندر گیا کہ زخمی کی تکلیف بڑھ گئی ہوگی اور اس کی بہن جراح کو بلانے چلی گئی ہوگی۔ علی بن سفیان کے لیے ہی نہیں، یہ زخمی سلطنت اسلامیہ کے لیے بھی معرقتا قیمتی تھا۔ اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار تھا اور ایک بڑی خطرناک سازش کے بے نقاب ہونے کی توقع تھی۔

وہ تیزی سے اندر گیا۔ زخمی کے سر سے پاؤں تک کبل پڑا تھا۔ علی بن سفیان کو تازہ خون کی بڑھوس ہوئی۔ اس نے زخمی کے منہ سے کبل ہٹایا تو یوں بک کر پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ زخمی نہیں اڑ رہا تھا۔ اُس نے وہیں سے باہر کھڑے سنتری کو آواز دی۔ سنتری ڈھٹا اندر گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے زخمی کا چہرہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ رات والا سنتری تو نہیں؟“۔ ”نئے سنتری نے چہرہ دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ سے بوجھل آواز میں کہا۔“ یہی تھا۔ یہ اس بستر میں کیوں سویا ہوا ہے حضور؟.... زخمی کہاں ہے؟“

”یہ سویا ہوا نہیں۔“ علی بن سفیان نے اُسے کہا۔ ”مرا ہوا ہے۔“

اس نے کبل اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ بستر خون سے لال تھا۔ وہ زخمی حشیش نہیں بلکہ رات والے سنتری کی لاش تھی۔ علی بن سفیان نے دیکھا، لاش کے دل کے قریب خنجر کے دو زخم تھے۔ زخمی حشیش غائب تھا۔ علی بن سفیان نے کمرے میں، صحن میں اور باہر زمین کو غور سے دیکھا۔ کہیں خون کا ایک قطرہ بھی نظر نہ آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سنتری کو زندہ اٹھا کر اندر لایا گیا اور بستر پر ٹکا کر اس کے دل میں خنجر مارے گئے۔ اسے تڑپنے نہیں دیا گیا ورنہ خون کے چھینٹے بکھرے ہوئے ہوتے۔ وہ مر گیا تو اس پر کبل ڈال دیا گیا اور قاتل زخمی قیدی کو اٹھا کر لے گئے اور اس کی بہن کو بھی لے گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ زخمی کی بہن نے زخمی کے فرار میں مدد دی ہے۔ وہ جوان اور حسین لڑکی تھی۔ اُس نے سنتری کو پھانس لیا ہوگا۔ اُسے اندر لے گئی ہوگی۔ لڑکی کے ساتھیوں نے سنتری کو بغیر ہی میں پکڑ لیا ہوگا۔ علی بن سفیان کو اپنی اس غلطی پر تاسف ہوا کہ اُس نے زخمی کے چار ساتھیوں کو زخمی سے ملنے کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا، کہ وہ زخمی کے بچاؤ اور تیار نازد بھائی ہیں۔ وہ اندر آکر دیکھ گئے تھے کہ یہاں کے حفاظتی انتظامات کیسے ہیں۔

بھی یہاں رہنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے تھی۔ اُس نے یہ بھی یقین نہیں کیا تھا کہ یہ لڑکی زخمی کی بہن تھی یا اس گروہ کی فرد تھی۔

علی بن سفیان کو غصہ آیا اور وہ اپنی بھول پر پچھتا یا بھی لیکن اُس نے دل ہی دل میں زخمی اور اُس کے ساتھیوں کے اتنے کامیاب فرار کو سراہا۔ علی بن سفیان جیسے سراغ رساں کو دھوکہ دینا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ اُسے بھی جھل دے گئے تھے۔ اُس نے نئے سنتری سے کچھ باتیں پوچھیں تو اُس نے بتایا کہ اس سے پہلے وہ رات کو بھی پرے پر کھڑا رہ چکا ہے۔ اُس نے لڑکی کو جراح کے ساتھ اُس کے گھر لے آئے اور رات بہت دیر بعد دونوں کو واپس آئے دیکھا تھا۔ اس سے علی بن سفیان کو شک ہوا کہ لڑکی نے جراح کو بھی اپنے حسن و جوانی کے زیر اثر کر لیا تھا۔ علی نے سنتری سے کہا کہ دوڑ کر جائے اور جراح کو بلا لائے۔ سنتری کے جانے کے بعد وہ سراغ ڈھونڈنے لگا۔ باہر گیا۔ زمین دیکھی۔ اُسے پاؤں کے نشان نظر آئے لیکن نشان اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ زخمی شہر میں تو روپوش نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا۔ زخمی کے گاہل پر جہاں سے اُس کی بہن کو لایا گیا تھا چھاپہ مارا جائے۔ وہ گاؤں بہت دور تھا۔

سنتری نے واپس آکر بتایا کہ جراح گھر نہیں ہے۔ علی بن سفیان اس کے گھر گیا۔ اس کے ملازم نے بتایا کہ جراح رات بہت دیر بعد ایک لڑکی کے ساتھ باہر نکلا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ اس لڑکی کے متعلق اس نے بتایا کہ پہلے بھی جراح کے ساتھ آجکی سہ اور دونوں بہت دیر تک اندر بیٹھے رہے تھے۔ علی بن سفیان کو یقین ہو گیا کہ جراح بھی زخمی کے فرار میں شریک

urdunovelist.blogspot.com

بہت دیر بعد جب سورج سر پر آگیا تھا اُسے پیچھے سے بلند آوازیں سنائی دیں جن سے اُسے پتہ چلا کہ کوئی سوار گر پڑا ہے۔ اس کا گھوڑا رگ گیا اور پیچھے کو مڑا۔ اُسے اس طرح کی آوازیں سنائی دیں۔ ”اٹھا۔ سائے میں لے چلو۔ بے ہوش ہو گیا ہے۔ وہ خدایا۔ اس کا خون بہہ رہا ہے۔“ اُسے شاربکی گھبراہٹ ہوئی آواز سنائی دی۔ ”جراح کی آنکھیں اور ہاتھ کھول دو۔ وہ خون روک لے گا، ورنہ میرا بھائی مر جائے گا۔“ یہ زخمی حشیش تھا جو گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ رات بھر کی گھوڑ سواری سے اور گھوڑا اتنی تیز بھگنے سے اس کے پیٹ کا زخم کھل گیا تھا اور دان کے زخم سے بھی خون بہا رہا تھا۔ وہ درد کو برداشت کرتا رہا تھا۔ خون نکلتا رہا۔ آخر یہاں آکر خون اتنا نکل گیا کہ اُس پر غشی ماری ہو گئی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اُسے اٹھا کر ایک ٹیلے کے سائے میں لے گئے۔ اُس کے منہ میں پانی ڈالا لیکن پانی طلق سے نیچے نہ گیا۔ اُس کے کپڑے خون سے تر ہو گئے تھے۔

جراح کی آنکھیں کھول دی گئیں اور اُسے کہا گیا کہ وہ ادھر ادھر نہ دیکھے۔ اُس نے اپنی پیٹھ میں خنجر کی نوک محسوس کی۔ وہ آگے آگے چل پڑا۔ ٹیلے کے دامن میں زخمی پڑا تھا اور شاربکی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اُس نے جراح سے

گھوڑے چلتے رہے۔ جراح آنکھوں پر بندھی ہوئی ٹی کے اندھیرے میں اپنے مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ فرار کی تحریکیں بھی سوچتا رہا۔ اُسے بار بار شاربکا کا خیال آتا مگر وہ یہ سوچ کر ایس ہو جاتا تھا کہ یہ لڑکی بھی اسی گروہ کی ہے، وہ اس کی کو مدد نہیں کرے گی۔

۶۳

اُن کا سفر اتنا لمبا نہیں تھا لیکن سرحدی دستوں اور اُن کے گشتی سنتروں کے ٹکڑے مجرموں کا یہ قافلہ بچ بچ کر چھپ چھپ کر اور بڑی دُور کا چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ شام کے بعد بھی یہ قافلہ چلتا رہا اور رات گزرتی رہی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے قافلہ رک گیا۔ جراح کو گھوڑے سے اتار کر اُس کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور چونکہ اندھیرا تھا اس لیے اس کی آنکھوں سے پٹی بھی کھول دی گئی۔ اُسے کھلنے کو کچھ دیا گیا۔ پانی بھی پلا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ بھی بندھ دیئے گئے اور پاؤں بھی اور اُسے سو جانے کو کہا گیا۔ سوار نکلے ہوئے تھے۔ اس سے ایک رات پہلے کے جاگے ہوئے تھے، لیٹے اور سو گئے۔ گھوڑوں کو زمینیں اتار کر ذرا پسے بانٹ دیا گیا تھا۔ جراح کے جھانکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بندھا ہوا تھا۔ وہ بھی سو گیا۔

کچھ دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھا کہ اُسے روانگی کے لئے جگایا جا رہا ہے لیکن کوئی اس کے پاؤں کی رسی کھول رہا تھا۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ مرنے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔ اُسے یہ بھی توقع تھی کہ اُسے قتل کر کے چھینک جائیں گے، لیکن پاؤں کی رسی کھلنے کے بعد جب یہ سایہ اُس کے ہاتھوں کی رسی کھولنے لگا تو اُس نے جھک کر جراح کے کان میں کہا۔ ”میں نے دو گھوڑوں پر زمینیں کس دی ہیں۔ خاموشی سے میرے پیچھے آؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ وہ بے موشی کی فیند سوسے ہوئے ہیں۔“ یہ شاربکا کی آواز تھی۔

جراح آہستہ سے اٹھا اور شاربکا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ریت پر پاؤں کی آہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ اُسے دو گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک پر شاربکا سوار ہو گئی۔ دوسرے پر جراح سوار ہو گیا۔ شاربکا نے کہا۔ ”اگر تم اچھے سوار نہیں ہو تو ڈنکا نہیں، گرو گے نہیں۔ ایڑ لگاؤ اور کام ڈھیلی چھوڑ دو۔ گھوڑے کو دائیں بائیں موڑنا تو جانتے ہو گے۔“ جراح نے جواب دیئے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ شاربکا کا گھوڑا بھی اس کے ساتھ ہی دوڑا۔ دوڑتے گھوڑے سے شاربکا نے کہا۔ ”میرے پیچھے رہو۔ میں راستہ جانتی ہوں۔ اندھیرے میں مجھ سے الگ نہ ہو جانا۔“

سرپٹ بھاگتے گھوڑوں نے مجرموں کو جگا دیا لیکن تعاقب آسان نہیں تھا۔ انہیں پہلے تو دیکھنا تھا کہ یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ انہیں شاربکا کے بھاگنے کا خطرو ہی نہیں تھا۔ کچھ وقت دیکھنے میں لگ گیا ہوگا کہ وہ کون تھے اور ذرا دیر بعد ہی انہیں پتہ چلا ہوگا کہ شاربکا اور جراح بھاگ گئے ہیں۔ پھر انہیں اپنے گھوڑوں پر زمینیں ڈالنی تھیں۔ اس میں اتنا وقت من ہو گیا ہوگا کہ بھاگنے والے دو اڑھائی میل دُور نکل گئے ہوں گے۔ ... شاربکا اور جراح نے بار بار دیکھے دیکھا۔ آوازیں سننے کی بھی کوشش کی۔ انہیں یقین سا ہو رہا تھا کہ اُن کے تعاقب میں کوئی نہیں آ رہا۔ وہ ابھی گھوڑوں کی رفتار کم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے، اس لیے ایڑ لگاتے چلے گئے۔ آخر وہ سدا گئی جہاں گھوڑے خود ہی آہستہ ہونے لگے لیکن وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ جراح نے شاربکا سے کہا کہ یہاں کہیں نہ کہیں کوئی سرحدی دستہ ہونا چاہئے مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہوگا۔ شاربکا کو

کہا۔ ”خدا کے لیے میرے بھائی کو بچاؤ۔“ جراح نے سب سے پہلے زخمی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کے لیے حکم تھا کہ وہ ادھر ادھر نہ دیکھے۔ وہ بیٹھ گیا تھا اور زخمی کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اُس کی پیٹھ میں خنجر کی نوک چبھ رہی تھی۔ زخمی کی نبض محسوس کر کے وہ تیزی سے اٹھا اور پیچھے کو مڑا۔ اُس کے سامنے چار آدمی کھڑے تھے جن کے چہرے سیاہ نقابوں میں تھے۔ اُن کی مرآت آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ جراح نے غصے سے کہا۔ ”تم سب پرانہ لڑکی لعنت برے۔ تم نے اسے بچانے کی بجائے اس کی جان لے لی ہے۔ تم سب اس کے قاتل ہو۔ یہ مرچکا ہے۔ ہم نے اسے چار پائی سے ہٹے بھی نہیں دیا تھا اور تم اسے گھوڑے پر بٹھا کر لائے۔ اس کے زخم کھل گئے اور جسم کا تمام خون مناع ہو گیا۔“

شاربکا بھائی کی لاش پر گر پڑی اور چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ نقاب پوشوں نے جراح کی آنکھوں پر پٹی بانٹ دی اور اُسے وہاں سے کچھ دُور لے گئے۔ لاش گھوڑے پر ڈال دی گئی اور قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ جراح کو شاربکا کے رونے اور چلانے کی جگر سوز آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جراح کے گھوڑے پر جو سوار تھا اس سے جراح نے کہا کہ یہ زخمی بالکل ٹھیک ہو سکتا تھا مگر تم لوگوں نے اسے مار دیا۔ اُسے کوئی سزا ملتی۔ سوار نے کہا۔ ”ہم اسے زندہ رکھنے کے لیے نہیں لائے تھے۔ ہم نے دراصل وہ راز انگو کیا ہے جو اس کے پاس تھا۔ اس کے مرنے کا ہمیں کوئی غم نہیں۔ ہم خوش ہیں کہ تم اور تمہاری حکومت اس راز سے بے خبر ہے جو اس کے سینے میں تھا۔“

”مجھے تم لوگ کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟“ جراح نے پوچھا۔

”ہم تمہیں پیغمبروں کی طرح رکھیں گے۔“ سوار نے جواب دیا۔ ”تمہیں گرم ہوا بھی نہیں ملے گی دی جانے گی۔ ہم تمہیں اس لیے لائے تھے کہ راستے میں زخمی کو تکلیف ہو گئی تو اس کی مرہم پی کر دو گے مگر ہم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے پاس نہ کوئی دوائی ہے نہ مرہم۔ تمہیں انگو کرنے کی دوسری مہر بھی کہ ہم اس نوک کو بھی ساتھ لانا چاہتے تھے۔ ہم اسے ہی لاتے تو تم جو اس کے ساتھ تھے ہمارے تعاقب میں پوری فوج بھگا دیتے۔ اس لیے تمہیں بھی اٹھا لانا ضروری تھا۔“

”تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں ایک جراح کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔“

”میں ایسے کسی آدمی کا علاج نہیں کروں گا جو میری حکومت کے خلاف ہوگا۔“ جراح نے کہا۔ ”تم سب میلیبیوں اور سوڈانیوں اور فاطمیوں کے دوست ہو اور اُن کے اشاروں پر سلطنت اسلامیہ کے خلاف تخریب کاری کر رہے ہو۔ میں تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا۔“

”پھر تم قتل ہو جاؤ گے۔“ سوار نے کہا۔

”یہ میرے لیے بہتر ہوگا۔“ جراح نے جواب دیا۔

”پھر تم تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگا۔“ سوار نے جواب دیا۔ ”پھر تم ہمارا حکم مانو گے لیکن میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ بڑے سلوک کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ تم نے صلاح الدین ایوبی کی بادشاہی دیکھی ہے۔ ہماری بادشاہی دیکھو گے تو اپنی زبان سے کہو گے کہ میں یہیں رہنا چاہتا ہوں، یہ تو جنت ہے۔ اگر تم نے ہماری جنت کو شکار دیا تو ہم تمہیں اپنا جہنم دکھائیں گے۔“

نہیں تھے۔ وہ اسی گروہ کے آدمی ہیں جو صلاح الدین ایلچی کو انداس کے اعلیٰ حاکموں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ جب علی بن سفیان کے آدمی شارباجا کے گاؤں اُسے ساختہ لائے گئے تھے، اُس وقت یہ چاروں آدمی گاؤں میں تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ شارباجا بھائی زخمی ہو کر قید ہو گیا ہے تو وہ اس ارادے سے ساتھ چلے گئے کہ زخمی کو اغوا کریں گے۔ انہیں پتہ یہ تھا کہ زخمی کے پاس جو راز ہے وہ فاش نہ ہو۔ وہ جانتے تھے کہ زخمی کہاں اور کس کا دروازی میں زخمی ہو رہا ہے۔

شارباجا کے بیان کے مطابق اس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ بھائی کو اغوا کر لے گی۔ اُس نے بھائی کے پاس رہنے کی جواز تہائی تھی اس سے اُس کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ بھائی کی خدمت اور دیکھ بھال کرے گی اور دوسرا یہ کہ وہ خود تو اسے اغوا کر لے گی۔ وہ چاروں آدمی زخمی سے مل کر واپس نہیں گئے۔ بلکہ تاہرہ میں ہی رہے تھے۔ وہ شارباجا کے اشارے کے منتظر تھے لیکن جراح نے روکی کو اتنا متاثر کیا کہ اس کی سوچ ہی بدل گئی۔ جراح نے اُسے یقین دلایا کہ اس کے بھائی کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اس کے علاوہ جراح نے اُسے ایسی باتیں بتائیں جو اُس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ جراح نے اُس کے اندر اسلام کی عظمت، بیلہ کردی تھی اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کر کے اُسے اپنا مدد بنایا تھا۔ وہ ہر وقت جراح کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سننے کے لیے بے تاب رہنے لگی۔ ایک دفعہ وہ جراح کے گھر جا رہی تھی تو اُسے اُن چاروں میں سے ایک آدمی راستے میں مل گیا۔ اُس نے شارباجا سے کہا کہ زخمی کے اغوا میں اب دیر نہیں ہونی چاہئے شارباجا نے اُسے کہا کہ وہ اللہ بدل سکتی ہے۔ اس کا بھائی یہیں رہے گا۔ اس آدمی نے شارباجا سے کہا کہ اگر اُس نے شرمین آکر اپنا دماغ خراب کر لیا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ زخمی یہاں نہیں رہے گا۔

شارباجا کو توقع نہیں تھی کہ یہ چاروں اتنی دیر سے اُس کے بھائی کو اغوا کر لیں گے۔ اُس نے انہیں فیصلہ سنا دیا کہ وہ اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اس آدمی نے اُسے کہا — ”ہم تمہاری ہر ایک حرکت دیکھ رہے ہیں۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ تم نے جراح کو بچانے کیلئے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم خود اس کے ہال میں چھپیں گے ہو۔“

شارباجا نے اُسے دھتکار دیا۔ اسے چونکہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی دیر کا مظاہرہ کر سکیں گے اس لیے اس نے جراح کے ساتھ بھی ذکر نہ کیا کہ اُس کے زخمی بھائی کے اغوا کا خطرہ ہے۔ اُسی رات شارباجا اور جراح ان چاروں کے جنگل میں آ گئے۔ انہیں جب گھوڑوں پر سوار کرانے کے لیے اٹھائے گئے تو اس نے دیکھا کہ ایک گھوڑے پر اُس کا زخمی بھائی بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ کچھ خوش ہوئی کہ اُس کا بھائی آزاد ہو گیا ہے۔ وہ فرار پر آمادہ ہو گئی لیکن جراح کو کون لوگوں کی قید میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں کہا بھی کہ اُسے چھوڑ دو لیکن وہ نہ مانے۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ راستے میں شارباجا کو بتایا گیا کہ اس کے بھائی کو کس طرح اغوا کیا گیا ہے۔ وہاں مرنے والی آدمی گئے تھے۔ ایک نے سنتری سے کہیں کا راستہ پوچھنے کے بہانے اسے باتوں میں لگا لیا دوسرے نے پیچھے سے اُس کی گردن ہلکولی، اور دونوں اُسے اٹھا کر اندر لے گئے۔ زخمی انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا اس کے بستر پر سنتری کو لٹا دیا گیا اور اس کے دل پر خنجر کے دو گہرے وار کر کے اُسے ختم کر دیا گیا۔ پھر اُس پر کپڑے ڈال دیا گیا۔ دونوں نے زخمی قیدی کو اٹھایا اور نکل گئے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شارباجا جراح کے گھر میں ہے۔ انہیں ڈر تھا کہ وہ نہیں ملنے گی اور اغوا ناکام بناوے گی لیکن اُسے بھی وہاں سے غائب کرنا ضروری تھا کیونکہ اُس کے پاس بھی ایک راز تھا۔ وہ آدمی گھات میں بیٹھے تھے جو بھی جراح اور شارباجا جنگ

بھی معلوم نہیں تھا۔ اُس نے جراح کو بتایا کہ وہ ان دونوں سے بچنے کے لیے دُور کے راستے سے گئے تھے ورنہ اُس کا گاؤں دُور نہیں تھا۔ اُس نے اُسے یقین دلایا کہ وہ تاہرہ کی صحیح سمت کو چارہ ہیں اور تاہرہ دُور نہیں۔

اگلا دن آدھا گزر گیا تھا جب علی بن سفیان تمام امیر مصر ترقی الدین کے سامنے بیٹھا تھا۔ ترقی الدین کہہ رہا تھا — میں اس پر حیران نہیں کہ آپ جیسے تجربہ کار ماک نے یہ غلطی کی تھی کہ شکوک لڑکی کو زخمی قیدی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی اور پھر شکوک انہیں زخمی کے پاس لے گئے۔ میں اس پر حیران ہوں کہ یہ گروہ اتنا زیادہ دیر اور منظم ہے۔ زخمی کو اٹھا لے جانا، سنتری کو قتل کر کے زخمی کے بستر پر ڈال جانا اور دیر نہ تلام بھی ہے اور یہ ایک منظم جرم ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس جرم کو جراح اور لڑکی نے آسان بنایا ہے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”اس جرم میں بھی ہماری قوم کی اسی کمزوری نے کام کیا ہے جس کے متعلق صلاح الدین ایلچی پریشان رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ عورت اور اقتدار کا نشہ ملت اسلامیہ کو لے ڈوبے گا۔ جراح کو میں نیک اور صاحب کردار سمجھتا تھا مگر ایک لڑکی نے اُسے بھی اندھا کر دیا۔ ہر حال زخمی قیدی کے گاؤں کا پتہ مل گیا ہے۔ میں نے ایک دستہ روانہ کر دیا ہے۔“

”اور جنوب مغربی علاقے کے جس کھنڈر کا زخمی قیدی نے ذکر کیا تھا اُس کے متعلق آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“ ترقی الدین نے پوچھا۔

”مجھے شک ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا تھا۔“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ”اُس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ بے بنیاد فتنہ گھڑا تھا۔ تاہم اُس علاقے کی سرغرضانی کی جائے گی۔“

وہ اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے کہ دربان نے اندر آ کر ایسی اطلاع دی جس نے دونوں کو شگفتہ کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی زبانیں بونے سے معذور ہو گئی ہوں۔ علی بن سفیان اٹھا اور وہ کر کر باہر نکل گیا۔ ”کوئی اور ہوگا۔“ اُس کے پیچھے ترقی الدین بھی باہر نکل گیا۔ مگر وہ کوئی اور نہیں اُن کا اپنا جراح اُن کے سامنے کھڑا تھا اور اُس کے ساتھ زخمی قیدی کی بہن شارباجا تھی۔ اُن کے گھوڑے بُری طرح تانپ رہے تھے۔ جراح اور شارباجا کے چہرے اور سر گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک اور منہ کھلے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان نے ذرا غصے سے پوچھا۔ ”قیدی کو کہاں چھوڑ آئے؟“ جراح نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ہمیں درلام لینے دو۔ دونوں کو اندر لے گئے۔ اُن کے لیے پانی اور کھانا وغیرہ منگوایا گیا۔

جراح نے تفصیل سے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوا تھا اور مغرب میں زخمی قیدی مر گیا ہے۔ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ زخمی قیدی کو بھی اغوا کیا گیا ہے۔ یہ اسے اگلے روز سفر میں پتہ چلا جب زخمی گھوڑے سے گرا اور زخم کھل جانے کی وجہ سے مر گیا۔ جراح کو جس طرح شارباجا نے آزاد کرایا اور اس کے ساتھ بھاگی وہ بھی تفصیل سے سنایا۔ شارباجا نے اپنا بیان دیا تو علی بن سفیان جان گیا کہ یہ صحرائی لڑکی ہے، اجلہ اور دیر ہے اور یہ اتنی چالاک نہیں جتنا سمجھا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کے سہارے اور اُسی کی خاطر زندہ تھی۔ اس بھائی کی خاطر وہ جان دینے کے لیے بھی تیار رہتی تھی۔ جراح نے جس خلوص سے اُس کے بھائی کا علاج کیا اس سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ اس کی مریہ بن گئی۔ جراح کو وہ فرشتہ سمجھنے لگی۔ پہلے وہ اُس کے ساتھ جو چار آدمی آئے تھے وہ اُس کے کچھ نہیں لگتے تھے۔ وہ اس کے چار لاد اور تانیا لاد بھائی

اور تائیک لگی میں آئے انہیں بکڑیا گیا اور ان کا سیب بھگیا۔

۲۶

علی بن سفیان جیسا گھنگھڑا سر سراسر کوئی اور تجربہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے جراح اور شاربجہ کے بیانیوں پر فوری اعتبار کیا۔ یہ بھی سازش کی ایک کڑی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دونوں کو الگ کر دیا اور اُن سے اپنے انداز سے پوچھ گچھ کی۔ جراح دانشور آدمی تھا۔ اُس نے علی بن سفیان کو تامل کر دیا کہ اُس نے جو بیان دیا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک توجہ باقی پہلو تھا۔ اس لڑکی کی شکل و صورت اس کی مری ہوئی بہن سے ملتی جلتی تھی اس لیے وہ اسے اچھی لگی اور وہ اُسے اپنے گھر بھی لے جاتا رہا اور زخمی کے مکان میں بھی اس کے ساتھ زیادہ وقت بیٹھا رہتا تھا۔ جراح نے بتایا کہ اُس کے اس سلوک سے بڑی اتنی متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنے کچھ شکوک اُس کے سامنے رکھ دیئے۔ یہ اُس لڑکی کا دوسرا پہلو تھا جس پر جراح نے زیادہ توجہ دی۔ لڑکی مسلمان تھی لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بڑے ہی خطرناک اثرات جو باہر سے آئے تھے کام کر رہے تھے۔ جراح نے اس کے ذہن سے یہ اثرات صاف کر دیئے۔ لڑکی چونکہ پسندیدہ ذہن کی تھی ہجر کے دور دراز گوشے کی رہنے والی تھی اس لیے اُس کے ذہن میں جو کچھ ڈالا گیا وہ اسی کو صحیح سمجھتی تھی۔ اس کی باتوں سے یہ امکانات مہیا کہ اس علاقے میں اسلام کے منافی اثرات اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف تحریک کاری نہ رہے اور بلا روک ٹوک جاری ہے۔

شاربجہ سے علی بن سفیان نے کوئی بیان نہیں لیا، اُس پر سوال کرتا رہا اور اس کے جوابوں پر سوال کرتا رہا۔ وہ بھی اس کھنڈر کے مرتب ہو گیا۔ اُس نے فرعونوں کے اُس کھنڈر کے متعلق وہی امکانات بیان کیا جو بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ بھی اس کھنڈر کے اس پراسرار آدمی کی معتقد تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ گناہگاروں کو نظر نہیں آتا اور اُس کی صوفی آواز سنائی دیتی ہے۔ شاربجہ نے بتایا کہ اس کا بھائی نوح میں تھا اور وہ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ اُسے گاؤں کے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ وہ اس کھنڈر میں چلی جلتے کیونکہ وہ مقدس انسان خوبصورت کنواریوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ شاربجہ پر علی بن سفیان کی مہولہ جرح سے لڑکی کے سینے سے یہ بلند بھی نکل آیا کہ اُس کے گاؤں کی تین کنواری لڑکیاں اس کھنڈر میں چلی گئی تھیں پھر واپس نہیں آئیں۔ ایک بار اُس کا بھائی گلاں آیا تھا۔ شاربجہ نے اُس سے پوچھا کہ وہ کھنڈر میں چلی جائے؟ بھائی نے اُسے منع کر دیا تھا۔ شاہجہاں اچھی طرح بیان تو نہ کر سکی لیکن یہ پتہ چل گیا کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔ جراح کے متعلق لڑکی نے بتایا کہ اُسے اگر گاؤں میں لے جاتے اور قید میں ڈال دیتے تو وہاں سے بھی وہ اُسے اپنی جان کی بازی لگا کر آزاد کر دیتی۔ اُس کا جب بھائی مر گیا تو اُس نے گاؤں تک جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور تنہیہ کر لیا کہ وہ جراح کو یہیں سے آزاد کرانے لگی۔ ان چاروں خبروں کو وہ اپنا ہمدرد سمجھا کرتی تھی لیکن جراح نے اُسے بتایا تھا کہ یہ اللہ کے بہت بڑے جرم ہیں۔ ان کے متعلق اُسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ انہیں اس کے بھائی کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں بلکہ اس راز سے دلچسپی تھی جو اُس کے پاس تھا۔ اسی لیے انہوں نے اُسے مار دیا۔

علی بن سفیان نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتی ہے اور اپنے متعلق اُس نے کیا سوچا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ ساری عمر جراح کے قدموں میں گزرتی رہے گی اور اگر جراح اُسے آگ میں کود جانے کو کہے گا تو وہ کود جائے گی۔

اُس نے اس پر رضامندی کا اقرار کیا کہ وہ کھنڈر تک جاے دونوں کی رہائی کرے اور اپنے حوٹے کے ہاؤس فوراً بکڑوائے گی جو مصر کی حکومت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

علی بن سفیان کے مشورے پر نوح اور اشلمیرہ سکسا علی حکم کا ابدن چلایا گیا اور صحت حال آتی آتی ان کے سامنے رکھی گئی۔ سب کا یہ خیال تھا کہ تقی الدین مصر میں نیا نیا آیا ہے اور اپنی بڑی فوج لایا ہے اس کے سر پر چلی چلی ہے، اس لیے وہ محتاط فیصلے کرے گا اور شاید کوئی خطہ ملے نہ لینا چاہیے۔ اشلمیرہ میں بیشتر حکام نے اس پر اتفاق کیا کہ چونکہ اتنے وسیع علاقے کی اتنی زیادہ آبادی گمراہ کر دی گئی ہے اس لیے اس آبادی کے خلاف فوجی کارروائی نہ کی جائے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کھنڈرات کے اندر کے معاملات معلوم نہیں تھے۔ اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں سے ایک نیا تہذیب نکلا ہے جسے لوگوں نے قبول کر لیا ہے۔ لہذا یہ لوگ اپنے معبود اور عقیدے پر فوجی حملہ برداشت نہیں کریں گے۔ اس کا اس پریشانی کا کیا کیا اس علاقے میں اپنے معلم، عالم اور دانشور جیسے حائے جو لوگوں کو روایت پر لائیں۔ ان کے جذبات کو دیکھ کر یہ کیا جائے.... اس کا اس میں ایک مشورہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ سلطان ایوبی کو صحت حال سے آگاہ کیا جائے اور اُن کے حکم کے کارروائی کی جائے۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انسانوں سے ڈرتے ہیں۔“ تقی الدین نے کہا۔ ”اور آپ کے دل میں غلطیوں کے رسول معلم کا ذکر نہیں جن کے پیچھے صوبہ کی دہلی تو رہیں ہمدردی ہے۔ امیر مصر اور سلطان ایوبی کو خبر تک نہیں ہوئے وہی۔“ تقی الدین نے جواب دیا کہ اس سے بے خبر ہیں کہ وہ میدان جنگ میں کتنے فائز و دشمن کے مقابلے میں میدان سپر ہیں؟ کیا آپ صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم سب دو چار ہمارا گناہ کا بدلہ اور دشمنان دین سے لے لیتے ہیں؟ میں ہرگز راست کارروائی کا اور طریقہ ہی سخت کارروائی کا ماننے والا ہوں۔“

”گستاخی معاف امیر محترم!“ ایک نائب سالار نے کہا۔ ”میلیبی ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا یا گیا ہے۔ ہم اس الزام کی تردید عملی طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پیار اور غلوں کا پیغام لے کر عوام کے لیے نوح پر اپنی کمر کے ساتھ تلوار کیوں لٹکا لے پھرتے ہو؟“ تقی الدین نے فخر سے کہا۔ ”نوح پر اتنا غرور کیوں کر رہے ہو؟ کیا اس سے یہ بستر نہیں کہ ہم نوح کو چھپی دے دیں اور اختیار دیا ہے نیل میں چھینک کر مسکوں کا ایک گروہ بنالیں اور دوشیزوں کی طرح گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دھکے کھاتے پھریں؟“ تقی الدین نے جواب دیا کہ ”اگر رسول خدا کے پیغام کے خلاف ملیب کی تلوار نکلے گی تو اسلام کی شمشیر نیام میں نہیں پڑی رہے گی اور جب شمشیر نیام سے نکلے گی تو ہر اُس سرکوتن سے جا کر سے گی جو کلمہ رسول معلم کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ ہاؤس زبان کو کاٹے گی جو کلمہ حق کو جھٹلاتی ہے۔ میلیبی اگر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے اسلام تلوار کے زور پر پھیلا یا ہے تو ہمیں اس سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ سلطنت اسلامیہ کیوں سکوتی چلی آ رہی ہے؟ خود مسلمان کیوں اسلام کے دشمن ہوئے جا رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ملیبیوں نے عورت اور شراب سے زبردستی ہارات اور عوامی اقتدار سے اسلام کی تلوار کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ وہ ہم پر جنگ پسندی اور تشدد کا الزام عائد کر کے ہماری عسکری روایات کو ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے خلاف لڑ نہیں سکتے۔ اُن کے بری لشکر اور بھری پیر سے ناکام ہو گئے ہیں۔ وہ ہمارے درمیان

تخریب کاری کر رہے ہیں۔ اللہ کے سچے دین کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ۔۔۔۔۔
 ”غور سے سنو میرے دوستو! صلیبی اور آپ کے دوسرے دشمن آپ کو محبت کا جھانسا دے کر آپ کے ہاتھ سے تلوار لیتا چلتے ہیں۔ وہ آپ کی پیٹھ پر وار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ اصول محض ایک فریب ہے کہ کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے یہ معلوم نہیں کہ کرک میں وہ مسلمان آبادی کا کیا حشر کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے شوبک فتح کر کے وہاں مسلمانوں کا بیگار کیمپ نہیں دیکھا تھا؟ وہاں مسلمان عورتوں کی جو انہوں نے عصمت وری کی وہ نہیں سنی تھی؟ مقبوضہ فلسطین میں مسلمان عورت اور ہراس کی، بے آبروی اور غلطو میت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صلیبی مسلمانوں کے قاتلے لوٹے اور عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر تلوار اٹھانا جرم ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو میں اس جرم سے شرمسار نہیں۔ صلیبیوں کی تلواریں ہتھوں کو کاٹ رہی ہے۔ مرنے والے اس لیے کہ وہ اللہ اور رسول مسلم کے نام لیوا ہیں۔ صلیب اور ہتھوں کے بجاری نہیں۔۔۔۔۔ تمہاری تلوار مرنے والے ہاتھ سے گر پڑتی چاہیے جہاں سامنے جیتے ہوئے اور ان تک خدا کا پیغام نہ پہنچا ہو۔ ہمیں اس اصول کا قائل نہیں ہونا چاہیے کہ لوگوں کے جذبات پر حملہ نہ کرو۔ میں نے دیکھا ہے کہ عرب میں چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران اور نا اہل امراء لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بڑے دلکش اور دلوں کو موہ لینے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے غلط جذبات اور احساسات کو اور زیادہ بھرکا کر انہیں خوش رکھتے ہیں تاکہ لوگ انہیں عیش و عشرت سے اور غیر اسلامی طرز زندگی سے روک دسکیں۔ ان امراء کا طریقہ کار یہ ہے کہ انہوں نے خوشامدیوں کا ایک گروہ پیدا کر لیا ہے جو ان کے آداب و ادب کا ایک کتاب اور رعایا میں گھوم پھر کر ثابت کرتا رہتا ہے کہ ان کے امیر نے جو بات کہی ہے وہ خدا کی آواز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے، بدکار اور عیاش انسانوں کے غلام ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قوم حاکم اور محکوم میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے۔۔۔۔۔

”ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور ہماری قوم کے ایک حصے کو کفر کی تائید میں لے مار رہا ہے۔ اگر ہم نے سخت رویہ اختیار نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کفر کی تائید کر رہے ہیں۔ میرے بھائی صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ غلامی ہماری روایت نبوی ہماری ہے لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ یہ بھی روایت نبوی ہماری ہے کہ ایک اور حکومت کیا کرے گا اور قوم محکوم ہوگی۔ حکمران تو قوم کا خزانہ شراب میں بہائے گا اور قوم پانی کے گھونٹ کو بھی ترسے گی۔ میرے بھائی نے خشک کہا تھا کہ ہمیں قوم اور مذہب کے مستقبل پر نظر رکھنی ہے۔ ہمیں قوم میں وقار اور کردار کی بنی پیدا کرنی ہے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں سے جواب مانگیں گی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں ایسی کارروائی سے گریز نہیں کرنا چاہیے جو ملک اور مذہب کے لیے مودمند ہو۔ اگر یہ برحق اقدام قوم کے چند ایک افراد کے لیے عظیم ثابت ہوتا ہے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہم قوم کا مفاد اور وقار چند ایک افراد کی خوشنودی پر قربان نہیں کر سکتے۔ ہم ملک کے ایک اتنے بڑے حصے کو مرنے والے دشمن کی تخریب کاری کے سپرد نہیں کر سکتے کہ وہاں کے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ وہاں کے لوگ سیدھے سادے اور بے علم ہیں۔ انہیں اپنے وہ مسلمان بھائی جو قبیلوں کے سردار ہیں اور مذہب کے اہل دار ہیں دشمن کا آلہ کار بن کر گمراہ رہے ہیں۔“

ابلاس میں کسی کو توقع نہیں تھی کہ تلقی الدین کا رد عمل اتنا شدید اور فیصلہ آنا سخت ہوگا۔ اُس نے جو دلائل پیش کیے ان کے خلاف کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی مشورہ ہی پیش کرتا۔ اُس نے کہا۔ ”مصر میں جو فوج ہے یہ نماز سے آتی ہے اور اس سے پہلے بھی لڑ چکی ہے۔ اس فوج کے مرنے والے سو گھوڑے سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ آج شام اُس علاقے کی طرف روانہ کر دو جہاں وہ مشکوک کھنڈرات ہیں۔ یہ فوج اس علاقے سے اتنی دُور رہے گی کہ ضرورت پڑے تو فوری طور پر محاصرہ کر سکے۔ میرے ساتھ دمشق سے جو دو سو سوار آئے ہیں وہ علاقے کے اندر جا کر کھنڈروں پر حملہ کریں گے۔ ایک چھاپہ مار دستہ کھنڈروں کے اندر جائے گا۔ دو سو سوار کھنڈروں کو محاصرے میں رکھیں گے۔ اگر باہر سے حملہ ہوا یا مزاحمت ہوئی تو فوج کا بڑا حصہ مقابلہ کرے گا اور محاصرہ تنگ کرتا جائے گا۔ اس کارروائی میں فوج کو سختی سے حکم دیا جائے کہ کسی نشتے کو نہیں چھیڑ جائے گا۔“

اس فیصلے کے فوراً بعد فوجی حکام کو پچھلے اور محاصرے وغیرہ کا منصوبہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

۶۶

سلطان ایوبی مصر کی تازہ صورت حال سے بے خبر کرک اور شوبک قلعوں کے درمیان میل باسیل دیکھ رہا تھا۔ جہاں ریتیلی چٹانوں، ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے بھی تھے اور جہاں کسی کسی جگہ پانی اور سائے کی بھی افراط تھی۔ صلیبیوں کے نئے جنگی منصوبے کے مطابق اپنی افواج کی صف بندی کر رہا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ صلیبیوں کی طاقت سے جو زیادہ تر زبردہ پوش اور بکتر بند ہوگی، قلعے سے باہر آکر حملہ کریں گے۔ یہ فوج سلطان ایوبی کی فوج کو آگے سارنے کی جنگ میں اچھا لے گی اور دوسری فوج عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دُور دور تک پھیلا دیا۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جہاں جہاں پانی اور سبز تھا وہاں فوراً قبضہ کر لیا۔ ان جگہوں کے دفاع کے لیے اُس نے بڑے سائز کی کمانوں والے تیرانداز بھیج دیے۔ ان کے تیر بہت دُور تک جاتے تھے۔ وہاں منہ قیاس بھی رکھیں جو آگ کی بانڈیاں پھینکتی تھیں۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ دشمن قریب نہ آ سکے۔ بلند یوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ سلطان ایوبی نے تمام دستوں کو حکم دیا کہ دشمن سامنے سے حملہ کرے تو وہ اور زیادہ پھیل جائیں تاکہ دشمن بھی پھیلنے پر مجبور ہو جائے۔ اُس نے اپنی فوج کو ایسی ترتیب میں کر دیا کہ دشمن یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان فوج کے پہلو کو دھر اور عقب کس طرف ہے۔

سلطان ایوبی نے فوج کا ایک بڑا حصہ ریزہ ریزہ رکھ لیا تھا۔ ایک حصے کو اس طرح متحرک رکھا کہ جہاں ملک کی ضرورت پڑے، فوراً ملک دے سکے۔ اُس کا سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار اُس کے چھاپہ مار دستے تھے اور اس سے زیادہ خطرناک اُس کا جاسوسی کا نظام تھا جو اُسے صلیبیوں کی نقل و حرکت کی خبریں دے رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ سلطان ایوبی سر کر چکا تھا۔ صلیبیوں کے منصوبے میں یہ بھی تھا کہ ان کے لیے حالات سازگار ہوئے تو وہ شوبک کو محاصرے میں لے کر قلعہ کر لیں گے۔ انہیں تو یہ بھی تھی کہ ان کا اتنا زیادہ لشکر سلطان ایوبی کی قلیل تعداد فوج کو محاصرے میں ختم کر دے گا یا اتنا کمزور کر دے گا کہ وہ شوبک کو باہر سے مدد نہیں دے سکے گی۔ ان کے اس منصوبے کے پیش نظر سلطان ایوبی نے شوبک کی وہ طرف جس طرف سے صلیبی اس قلعہ پر حملہ کر سکتے تھے، خالی چھوڑ دی۔ اُس نے صلیبیوں کے لیے موقع

سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ انہیں المینان سے پیچھے نہ ہٹنے دو۔ انتہائی عقب یا پہلو پر شہنشاہ اوراد غائب ہو جاتا۔ عیسیٰ آپ کو اپنے سامنے لاکر ٹوٹا پاستے ہیں لیکن میں آپ کو اس میدان میں اُن کے سامنے لے جاؤں گا جو آپ کی مرضی کا ہو گا اور جہاں کی ریت بھی آپ کی مدد کرے گی؟

سلطان ایوبی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنے عملے اور محافظ دستے کے ساتھ خانہ بدوش تھا۔ کسی ایک سگڑے شہر کے باوجود معلوم ہوتا تھا جیسے ہر جگہ موجود ہے۔

☆

مصر میں سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین ملیبیوں کے دوسرے محاذ پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ یہ مصر کا جنوب مغربی علاقہ تھا جہاں کے ڈراؤنے ٹیلوں کے اندر فرعونوں کے ہولناک کھنڈرات میں حضرت عیسیٰ آسمان سے واپس آنے والے تھے۔ تمام تر علاقہ ایک نئے عقیدے کا پیروکار ہو گیا تھا۔... جمعات کی شام تھی۔ زائرین کا ہجوم کھنڈر کے غار نما دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر بڑے کمرے میں پراسرار آواز گونج رہی تھی۔ لوگوں کو دیوار پر گناہ نگار اور نیکی کا ربا تے نظر آ رہے تھے۔ وہاں وہی سماں تھا جو ہر جماعت کے روز ہوا کرتا تھا۔ اچانک اُس پراسرار مقدس انسان کی آواز خاموش ہو گئی جس کے متعلق مشہور تھا کہ گناہگاروں کو نظر نہیں آتا۔ اس کی بجائے ایک اور آواز سنائی دی۔ مگر وہ انسان آج کی رات گھروں کو نہ جانا۔ کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا جس کے لیے تم بے تاب ہو۔ یہاں سے فوراً باہر نکل جاؤ۔

تقی الدین تشریف لارہے ہیں۔ اس کھنڈر سے دُعا جا کر سواؤں۔ بڑے کمرے میں حیرت زدہ لوگوں کو دیوار پر جو چمکتے ہوئے ستارے نظر آتے تھے وہ ماند پڑ گئے۔ اُس وقت ان ستاروں میں سے حسین لوکیاں اور خوبصورت مرد ہنستے کھیلتے گزرتے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ فوجی قسم کے کچھ آدمی انہیں پکڑ پکڑ کر لے جا رہے ہیں کہیں سے چینیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بادل جو گرہ جتے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ لوگوں کے لیے یہ جگہ بڑی ہی مقدس تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کے باہر کو بھاگے اور کھنڈر خالی ہو گیا۔

یہ انقلاب تقی الدین اور علی بن سفیان لائے تھے۔ اُن کے ساتھ فوج کی وہی نفی تھی جو تقی الدین نے اپنے حکم میں بنائی تھی۔ یہ دستے شام کے بعد ٹیلوں والے علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ان کی رہنمائی شاہجہاں تھی جو گھوڑے پر سوار تھی۔ وہ انہیں جمعات کی شام وہاں لے گئی تھی کیونکہ اُس روز وہاں میلہ لگتا تھا اور دُور دُور سے لوگ آتے تھے۔ فوج کے بڑے حصے کو جس میں پانچ سو گھوڑے سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ تھے اس علاقے سے ذرا دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں شتے لوگوں کے خلاف استعمال نہیں کرنا تھا۔ اُن کے ذمے یہ فرض تھا کہ سوڈان کی مسجد پر نظر رکھیں۔ چونکہ کھنڈر کے اندر کی تحریب کاری ملیبیوں اور سوڈانیوں کی پشت پناہی پر ہو رہی تھی اس لیے یہ خطرہ تھا کہ وہاں فوجی کارروائی کی گئی تو سوڈانی حملہ کر دیں گے۔ تقی الدین نے اس علاقے کے قریب کے سردی دستوں کو جو سردیوں کی حفاظت کے لیے وہیں رہتے تھے قریب بلا کر اپنے تحت کر لیا تھا۔

دو سو گھوڑے سوار جو تقی الدین کے ساتھ دمشق سے آئے تھے وہ وہاں کے چمپے ہوئے اور دیوانگی کی حد تک دلیر سوار تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے نیراندازی اُن کا خصوصی کمال تھا پیادہ سپاہیوں میں سلطان ایوبی کے اپنے ہاتھوں

پیدا کر دیا کہ وہ راستہ صاف دیکھ کر شوبک پر حملہ کریں۔ اُس طرف سے اس نے دیکھ بھال والی چوکیاں بھی بنادیں اور دُور دُور تک علاقہ خالی کر دیا۔

ملیبیوں کے ہاسوسوں نے کرک میں فوراً اطلاع پہنچائی کہ سلطان ایوبی نے ملیبیوں کے ساتھ صحرا میں رٹنے کے لیے فوج شوبک سے دُور اکٹھی کر لی ہے اور شوبک کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ ملیبیوں نے فوراً اپنی اس فوج کو سلطان ایوبی پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیے باہر نکالی تھی حکم دے دیا کہ بدل کر شوبک کی طرف چلی جائے۔ چنانچہ یہ فوج اُدھر کو ہوئی۔ اس کے پیچھے رسد کے ذخیرے جا رہے تھے۔ فوج جب شوبک کے بائیں دُور کئی نو اُسے روک لیا گیا۔ یہ اس فوج کا عارضی ڈراؤ تھا۔ رسد کی گھوڑا گاڑیاں، اونٹ اور خیر ہندوں کی تعداد میں چلے آ رہے تھے۔ انہیں کوئی خطرہ نہ تھا کیوں کہ مسلمانوں کی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ ملیبی حکمران بہت خوش تھے۔ انہیں شوبک کا قلعہ اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا گمرات کو انہیں اپنے پیچھے پارچہ چھریل دُور آسمان لال سرخ نظر آیا۔ شعلے اتنے بلند تھے کہ انہی دُور سے بھی نظر آتے تھے۔ ملیبیوں نے سوار دُور دیئے۔ جہاں سے شعلے اُٹھ رہے تھے وہاں اُن کی رسد تھی۔ سوار وہاں پہنچے تو انہیں صحرا میں بے نگام گھوڑے اور بے ہمار اونٹ ہر طرف دوڑتے بھاگنے نظر آئے۔

یہ تباہی سلطان ایوبی کے ایک چچا پر ہار دستے کی بپاکی ہوئی تھی۔ رسد میں گھوڑوں کے لیے خشک گھاس سے لدی ہوئی سینکڑوں گھوڑا گاڑیاں تھیں۔ انہیں رسد کے کیمپ کے ارد گرد کھڑا کیا گیا تھا۔ ملیبی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کی ہر ایک حرکت پر سلطان ایوبی کی نظر ہے۔ رات کو جب رسد کا کیمپ سو گیا تو مسلمان چچا بے مادل نے اونٹوں پر جا کر خشک گھاس میں آتشیں فلیٹوں والے تیر چلائے۔ گھاس فوراً جل اُٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیمپ شعلوں کے گھیرے میں آ گیا۔ ان کے زخموں میں آئے ہوئے انسان سانس بچانے کے لیے اُدھر اُدھر دوڑے تو ان میں سے بہت سے تیروں کا شمار ہو گئے۔ جو جانور رتیاں توڑ سکے وہ تو بھاگ گئے اور جو کھل نہ سکے وہ زندہ جل گئے۔ دُور دُور تک پھیلنا ہوا کیمپ جہنم بن گیا۔ چچا بے مادل نے کئی ایک اونٹ اور گھوڑے پکڑ لیے اور واپس چلے گئے۔

صبح طلوع ہوئی۔ ملیبی کمانڈروں نے جا کر رسد کا کیمپ دیکھا۔ وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔ اُن کی ایک ماہ کی رسد تباہ ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ شوبک کا راستہ جو صاف تھا یہ سلطان ایوبی کی ایک چال تھی۔ انہوں نے بغیر دیکھے کہ دیا کہ کرک سے شوبک تک اُن کی رسد اور رکک کا راستہ محفوظ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے شوبک کا محاصرہ ملتوی کر دیا۔ رسد کے بغیر محاصرہ ناممکن تھا اور جب انہیں اطلاع ملی کہ گزشتہ رات اس فوج کی بھی رسد تباہ ہو گئی ہے جو سلطان ایوبی کی فوج پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیے جگہ تھی تو انہوں نے اپنے تمام تر جنگی منصوبے پر نظر ثانی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں کہیں بھی سلطان ایوبی کی فوج نظر نہیں آ رہی تھی۔ انہیں ہاسوس یہ بھی نہیں بتا سکے تھے کہ مسلمانوں کی فوج کا اجتماع کہاں ہے۔ وہ اہل یہ اجتماع کہیں بھی نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ ملیبیوں نے دونوں محاذوں پر پیش قدمی کر دی ہے تو اُس نے اپنے کمانڈروں کو بلا کر کہا۔ ”ملیبیوں نے جنگ ملتوی کر دی ہے لیکن ہماری جنگ جاری ہے۔ وہ دونوں فوجوں کے آمنے سامنے کے تمام کو جنگ کہتے ہیں۔ میں مجاہدوں اور شہنشاہوں کو جنگ کہتا ہوں۔ اب چچا بے مادل کو سرگرم رکھو۔ ملیبی دونوں طرف

بتایا کہ مجھوں اور باقی میں انہیں نشہ دیا ہوا ہے۔ امد جو جنت اور جہنم تھا وہ اس نشہ کے زیر اثر نظر آتا تھا۔ میں ان مجرموں سے کہتا ہوں کہ اندر چل کر مجھے آسمان کی مخلوق چلتی پھرتی دکھائیں کہ حضرت موسیٰ کہاں اور ملائکہ امانند کہاں ہے۔ یہ سب فریب تھا۔ یہ وہ نشہ ہے جو حیشین کا پیر استاد حسن بن مباح لوگوں کو پلا کر انہیں جنت دکھایا کرتا تھا۔ وہ تو ایک وقت میں چند ایک آدمیوں کو نشہ پلاتا تھا مگر یہاں اسلام کے ان دشمنوں نے اتنے وسیع علاقے کی بوجہ آبادی پر نشہ طاری کر دیا ہے۔

تقی الدین نے لوگوں کو اصلیت دکھا کر انہیں بتایا کہ ابتدا میں ایک مدینہ کی کہانی سنائی گئی تھی جو مسافروں کو اونٹ اور اشرافیاں دیا کرتا ہے۔ یہ محض بے بنیاد کہانیاں تھیں اور بے سرو پا جھوٹ کہانیاں سناتے والوں کو تھا۔ دین و ایمان کے دشمن بے دریغ مال و دولت دیتے تھے.... تقی الدین نے اس فریب کاری کے تمام پہلوؤں پر ایک اور جہاں اُس نے مجرموں کی اصلیت کو بے نقاب کیا تو لوگ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجرموں پر ہل بول دیا۔ اُس وقت لوگوں کا وہ نشہ اتر چکا تھا جو رات کو انہیں کھجوروں اور پانی میں دیا گیا تھا۔ فوج نے ہجوم پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے تمام مجرموں اور لوگوں کو جان سے مار کر چھوڑا۔

تقی الدین نے فوج کو اسی علاقے میں پھیلایا اور فوج کی نگرانی میں وہاں ایک تو خرب کادل کے ایک بیٹوں کو گرفتار کیا اور دوسرے یہ کہ مسجدوں میں قاہرہ کے عالم متین کو دیئے جنہوں نے لوگوں کی مذہبی اور عسکری تعلیم و تربیت شروع کر دی۔ فرعونوں کے کھنڈروں کو لوگوں کے ہاتھوں میں لایا گیا۔

تقی الدین نے قاہرہ جا کر پہلا کام یہ کیا کہ جراح اور شارباجی خواہش کے مطابق انہیں شادی کی اجازت دے دی اور دوسرا کام یہ کیا کہ اُس نے فوج کی مرکزی کمان کو مکہ دیا کہ سوڈان پر حملے کی تیاری کی جائے۔ اُس نے کھنڈروں کی ہم

میں دیکھ لیا تھا کہ پڑوسی سوڈانیوں نے مصر کے اتنے وسیع علاقے کو اپنے اثر میں لے لیا تھا اور یہ اثر شدید حوالی کارروائی کے بغیر ختم نہیں ہوگا۔ اُس پر یہ افشائ بھی ہوا تھا کہ سوڈانی صلیبیوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں اور وہ باقاعدہ حملے کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ لہذا مصری سمجھا گیا کہ سوڈان پر حملہ کیا جائے۔ اس سے اگر سوڈان کا کچھ علاقہ قبضے میں آئے یا نہ آئے اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ دشمن کی تیاریاں درجہ بدرجہ مہیاں گی اور ان کا منصوبہ بے عمل کے لیے نیا ہو جائے گا۔ تقی الدین کو سلطان اقبلی کی پشت پناہی حاصل تھی۔

۴۴

باہر دوسو سپاہیوں نے کھنڈروں کا مامورہ کر رکھا تھا۔ ہر طرف شعلوں کی روشنی تھی۔ فوج کا بڑا حصہ اور دوسری دستے سوڈان کی سرحد کے ساتھ ساتھ گھوم پھر رہے تھے۔ رات گزر گئی سوڈان کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہوا۔ کھنڈرات میں بھی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ صبح کے اجالے نے اس علاقے کو روشن کیا تو وہاں ہزاروں دیہاتیوں کا ہجوم تھا۔ کچھ لوگ ادھر ادھر سرگئے تھے۔ گھوڑوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔

۴۵

کچھ دیر بعد تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے بٹھادیا گیا۔ ان کی تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔ ایک طرف سے ایک جہاں آیا جسے فوجی ہانک کر لارہے تھے۔ اس جہاں میں بیٹریوں اور چٹیلوں کے چروں والے انسان تھے۔ اس میں مکروہ اور بڑی بھیانک شکلوں والے انسان بھی تھے اور اس جہاں میں وہ تمام مخلوق تھی جو لوگوں کو کھنڈر کے اندر دکھائی داتی تھی اور بتایا جاتا تھا کہ یہ آسمان ہے جہاں یہ لوگ مرنے کے بعد گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا گناہ یہ بتایا جاتا تھا کہ یہ جنگ و جدل کے عادی تھے۔ یعنی یہ فوجی تھے۔ اس جہاں سے الگ دس باہر لڑکیوں کو بھی لوگوں کے سامنے لایا گیا۔ یہ بہت ہی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ ان کے ساتھ خوب مرد تھے۔ ان دونوں جہاںوں کو لوگوں کے ہجوم کے سامنے ایک اونچی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ لوگوں کو اپنے چہرے دکھاؤ۔ سب نے بیٹریوں اور چٹیلوں کے مصنوعی چہرے اتار دیئے۔ اُن کے اندر سے اچھے بھلے انسانی چہرے نکل آئے۔ جو آدمی مکروہ اور جھانک چروں والے تھے وہ بھی مصنوعی چہرے تھے۔ یہ چہرے بھی اتار دیئے گئے۔

لوگوں سے کہا گیا کہ وہ ان آدمیوں اور ان لڑکیوں کے قریب سے گزرتے جائیں اور انہیں پہچانیں۔ لوگ تو اسی پر حیران ہو گئے کہ یہ آسمان کی مخلوق نہیں اسی زمین کے انسان ہیں۔ لوگوں نے قریب سے دیکھا تو ان آدمیوں میں سے بہت سے پہچانے گئے۔ وہ اسی علاقے کے باشندے تھے۔ لڑکیاں بھی پہچان لی گئیں۔ ان میں زیادہ تر اسی علاقے کی رہنے والی تھیں، اور تین چار یہودی تھیں جنہیں صلیبی اسی مقصد کے لیے لائے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ چکے تو ان مجرموں کو سامنے لایا گیا جنہوں نے یہ فلسفاتی انتہام کر رکھا تھا۔ ان میں چھ صلیبی تھے جو مصر کے اس علاقے کی زبان بولتے اور سمجھتے تھے۔ انہوں نے بہت سے آدمی اس علاقے سے اپنے ساتھ ملا لیے تھے۔ رات گرفتاری کے بعد اُن سے اعتراف کرایا گیا تھا کہ انہوں نے تین چار مسجدوں میں اپنے امام رکھ دیئے تھے جو لوگوں کو مذہب کے پردے میں غیر اسلامی نظریات کے معتقد بنارہے تھے۔ اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قائل کیا جائے کہ فوج میں بھرتی نہ ہوں کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ گروہ اس مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ان تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ اس علاقے کے لوگوں میں سوڈانیوں کی محبت پیدا کر دی تھی اور اُن کا مذہب تبدیل کیے بغیر انہیں بے مذہب کر دیا تھا۔

لوگوں سے کہا گیا کہ اب وہ کھنڈروں کے اندر جا کر گھومیں پھریں اور اس فریب کاری کا ثبوت اپنی آنکھوں دیکھیں۔ لوگ اندر چلے گئے جہاں جگہ جگہ فوجی کھڑے تھے اور لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ انہیں کیسے کیسے طریقوں سے دھوکہ دیا جاتا رہا ہے۔ بہت دیر بعد جب تمام لوگ اندر سے گھوم پھرائے تو تقی الدین نے اُن سے خطاب کیا اور انہیں

رینی الیگزینڈر کا آخری معرکہ

مصر کے قائم مقام امیر تقی الدین نے صلیبیوں کی نظریاتی یلغار کو بروقت فوجی کارروائی سے روک دیا اور اُس خفیہ اور پراسرار اڈے کو ہی مسمار کر دیا جہاں سے یہ فتنہ اٹھا تھا مگر وہ مطمئن نہیں تھا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ اسلام کش زہر قوم کی رگوں میں اتر گیا ہے۔ اس صلیبی تخریب کاری کو سوڈان سے پشت پناہی مل رہی تھی اور یوڈانیوں کو صلیبیوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ تقی الدین نے اس اڈے کو بھی تباہ کرنے کے لیے سوڈان پر حملے کی تیاریاں تیز کر دیں۔ سلطان الیوبی نے وہاں بھی جاسوس بھیج رکھے تھے جن کی جانبازاہ کو شششوں سے وہاں کے بڑے تارک راز مل رہے تھے، مگر ان رازوں سے جو قائمہ سلطان الیوبی اٹھا سکتا تھا وہ اس کے بھائی تقی الدین کے بس کی بات نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں کا جذبہ تو ایک جیسا تھا لیکن دونوں کی ذہانت میں بہت فرق تھا۔ دونوں بھائی جس کارروائی کا فیصلہ کرتے تھے وہ شدید ہوتی تھی فرق یہ تھا کہ سلطان الیوبی محتاط رہتا تھا اور تقی الدین بے صبر ہو کر احتیاط کا دامن چھوڑ دیتا تھا۔ اسے جب فوجی مشیروں نے کہا کہ سوڈان پر حملے کا فیصلہ دانشمندانہ ہے لیکن محترم الیوبی سے مشورے لینا ضروری ہے تو تقی الدین نے اپنے مشیروں کے اس مشورے کو مسترد کرتے ہوئے کہا — ”کیا آپ لوگ امیر محترم کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ آپ ان کے بغیر کچھ سوچ نہیں سکتے اور کچھ کر نہیں کر سکتے؟ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ مصر سے اتنی دور محترم الیوبی کس طوفان میں گھرے ہوئے ہیں؟ اگر ہم نے ان کے مشورے اور فیصلے کا انتظار کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سوڈانی حملے میں پہل کر کے ہم پر سوار ہو جائیں گے۔“

”آپ ابھی حملے کا حکم دیں۔“ ایک نائب سالار نے کہا — ”فوج اسی حالت میں، رسد کے بغیر کوچ کر جائے گی، لیکن اتنی بڑی اور انہی اہم ہم کے لیے گہری سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ ہم کوچ کی تیاری کے تمام تر انتظامات بہت غفوضے وقت میں کر لیں گے، آپ محترم الیوبی کو اطلاع ضرور دے دیں تاکہ وہ اور محترم نور الدین زنگی اور بھی دھیان رکھیں۔“

تقی الدین نہیں مانا۔ اُس نے کہا — ”آپ مصر میں ایک ایک غدار اور ایک ایک تخریب کار کو پکڑتے اور اُسے ختم کرتے ہیں۔ میں اُس منبع کو بند کرنا چاہتا ہوں جہاں سے تخریب کاری اور غدار پید ہو رہی ہے۔ اس کام کے لیے مجھے کسی کے حکم اور مشورے کی ضرورت نہیں۔“

تقی الدین چند ایسے عناصر اور کوائف کو نظر انداز کر رہا تھا جو اُس کے حملے کو ناکام کر سکتے تھے۔ ایک یہ کہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے جاسوس مصر میں موجود تھے جو یہاں کی فوجوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ تقی الدین کی کمزوری یہ بھی تھی کہ اُس کے دشمن کے جاسوس مسلمان بھی تھے جو انتظامیہ اور فوج میں اپنے عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے مقابلے میں تقی الدین کے جاسوس سوڈانیوں کے پالیسی سازوں اور حکام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ سلطان الیوبی نے ۱۱۶۹ میں مصر کی جس سوڈانی فوج کو بغاوت کے جرم میں توڑ دیا تھا اس کے کئی ایک کمانڈر اور عہدیدار سوڈان میں تھے۔ وہ سلطان الیوبی کی جنگی چالوں سے واقف تھے۔ انہوں نے اسی چالوں کے مطابق اپنی فوج کی تربیت کی تھی۔ صلیبیوں نے انہیں نہایت اچھا اسلحہ اور ضرورت سے زیادہ جنگی سامان دے رکھا تھا۔ یہ گھر کے بھیدی تھے۔ تقی الدین نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ سوڈان کے جس علاقے میں پیش قدمی کرنے جا رہا ہے وہ ایک وسیع صحرا ہے جہاں پانی نظر ناک حد تک کم ہے اور وہ مقام جہاں حملہ کرنا ہے اتنا دور ہے جہاں تک رسد کو خطرے میں ڈالے بغیر رواں رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ مصر کے اندرونی حالات کو قابو میں رکھنے اور تخریب کاری کے اسلحہ کے لیے بھی فوج درکار تھی۔ مگر تقی الدین اس قدر بھڑکا ہوا تھا کہ اُس نے مکمل طور پر نیک نیتی اور اسلامی جذبے کی شدت کے زیر اثر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور سلطان الیوبی کو اطلاع نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس کی اس خود مختاری میں وہی جذبہ تھا جو سلطان الیوبی میں تھا۔ اسے احساس تھا کہ سلطان الیوبی کا مقابلہ تندرست اور تیز لمفوان سے ہے اور صلیبی فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اہتمام کیے ہوئے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا درست تھا۔ اُس وقت سلطان الیوبی کرک سے آٹھ ذیل دور ایک چٹانی علاقے میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیے ہوئے تھا۔ یہ اس کا عارضی قیام تھا۔ وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو نہ بدوش رکھا کرتا تھا۔ جس مقام پر اسے حملہ کرانا یا شہنوں مروانا ہوتا، وہ اس کے قریب رہتا اور حملہ کرنے والے دستے کے کمانڈر کو بتا دیا کرتا تھا کہ وہ اُن کی واپسی کے وقت کہاں ہوگا۔ اُس کے چھاپہ مار (کمانڈر جانبار) صلیبی فوج کی تمام تر ملک تباہ کر چکے تھے۔ چھاپہ ماروں کے چھوٹے چھوٹے گروہ اُس صلیبی فوج کے لیے ناگمانی مصیبت بنے ہوئے تھے جو صحرا میں پھیلی ہوئی تھی۔ صلیبیوں کا نقصان تو بہت ہو رہا تھا لیکن چھاپہ ماروں کی شہادت غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ دس ہات باز جاتے تو تین چار واپس آتے تھے۔ یہ پلٹیں بھی ملنے لگی تھیں کہ صلیبیوں نے ایسے انتظامات کر لیے ہیں جو شہنوں اور چھاپہ ماروں کو کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ لہذا اب چھاپہ ماروں کو جان کی بازی لگانی پڑتی تھی۔ سلطان الیوبی اب اپنی چالیں اور فوجوں کا پھیلاؤ بدلنے کی سوچ رہا تھا۔

”معلوم ہوتا ہے صلیبی مجھے آئے سامنے آنے پر مجبور کر رہے ہیں۔“ سلطان الیوبی نے اپنے فوجی نائبین سے کہا۔ ”میں انہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور میں اب اپنے اتنے زیادہ جوان مروانے سے بھی گریز کروں گا۔“ ”میں چھاپہ مار دستوں کی نفری میں اضافہ کرنے کا مشورہ دوں گا۔“ ایک نائب نے کہا۔ ”اور میں یہ بھی مشورہ دوں گا کہ ہمیں دشمن کی قوت کو صرف اس لیے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہماری فوج میں جذبہ زیادہ ہے۔“

جذبہ سپاہی کو بے جگری سے لڑا کر دے سکتا ہے، فوج کا سامن نہیں ہو سکتا۔ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری نفری بہت کم ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ صلیبی فوج کا بیشتر حصہ زرد پوش سپاہی ہے۔

سلطان الیوبی مسکرایا اور بولا۔ ”لو ہوا ہوا ہوا نے پن رکھا ہے، وہ انہیں نہیں نہیں نامہ دے گا۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ صلیبی کوچ کرتے ہیں تو رات کو کرتے ہیں یا صبح کے وقت؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دھوپ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوچ اُدھر اٹھتا ہے تو اس کی تمازت زرد بکتر کو انگاروں کی طرح گرم کر دیتی ہے۔ زرد پوش سپاہی اور سوار لوہے کے خود اور اپنی سینہ پوش اتار پھینکا پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوہے کا ذلن کن کی حرکت کی تیزی ختم کر دیتا ہے۔ میں انہیں دوپہر کے وقت لڑاؤں گا جب اُن کے سروں پر لکھا ہوا لوہاں کا پسینہ نکال کر اُن کی آنکھوں میں ڈالے گا اور وہ اندھے ہو جائیں گے۔ آپ نفری کی کمی کو متحرک طریقہ جنگ سے اور جذبے سے پورا کریں۔“

اتنے میں سلطان الیوبی کے اٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان کا ایک نائب زعلان آگیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ سلطان الیوبی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ان دونوں آدمیوں کو اُس نے بٹھایا اور پوچھا۔ ”کیا خبر ہے؟“ دونوں نے اپنے اپنے گریبان کے اندر ہاتھ ڈالے اور لکڑی کی بنی ہوئی وہ صلیبیوں باہر نکالیں جو اُن کی گردنوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ وہ صلیبی نہیں مسلمان تھے۔ اپنے آپ کو صلیبی ظاہر کرنے کے لیے وہ صلیبیوں کے میں دکھائی دیتے تھے۔ دونوں نے صلیبیوں کو مار کر نیچے پھینک دیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی پورٹ پیش کی۔

urdunovelist.blogspot.com

یہ دونوں جاسوس تھے جو کرک سے واپس آئے تھے۔ پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ کرک فلسطین کا ایک قلعہ بند شہر تھا جس پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلیبی شوبک نام کا ایک قلعہ سلطان الیوبی کے ہاتھ ڈال چکے تھے۔ وہ کرک کی قیمت پر دنیا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دفاعی انتظامات بڑے ہی سخت کر دیئے تھے جن میں ایک بندوبست یہ تھا کہ وہ قلعہ بند ہو کر نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ شوبک سے جب عیسائی اور یہودی باشندے مسلمانوں کے ڈر سے کرک بھاگ رہے تھے اُس وقت سلطان الیوبی نے اپنی فوج اور انتظامیہ کو یہ حکم دیا تھا کہ بھاگنے والے غیر مسلموں کو روکیں اور انہیں واپس لاکر ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں لیکن سلطان الیوبی نے ایک خفیہ حکم یہ بھی دیا تھا کہ زیادہ تر باشندوں کو جانے دیں۔ اس حکم میں ملزم یہ تھا کہ غیر مسلم باشندوں میں سلطان کے جاسوس بھی جا رہے تھے۔ اپنے جاسوس دشمن کے ان شہر میں اور مضامات میں جس پر تھوڑے عرصے بعد حملہ کرنا تھا سمجھنے کا یہ موقع نہایت اچھا تھا۔ مسلمان جاسوس عیسائی اور یہودی پناہ گزینوں کے بھیس میں کرک چلے گئے تھے۔ وہاں کے مسلمان باشندوں کو ساتھ ملا کر انہوں نے خفیہ اڈے بنا لیے تھے۔ وہ وہاں سے اطلاعات بھیجتے رہتے تھے۔ سلطان الیوبی ذاتی طور پر ان کی رپورٹیں سنا کرتا تھا۔

اُس روز دو جاسوس آئے تو سلطان الیوبی نے انہیں فوراً اپنے خیمے میں بلا لیا اور باقی سب کو باہر نکال دیا۔ جاسوسوں کی رپورٹ میں صلیبیوں کی فوج کی نقل و حرکت اور ترتیب کے متعلق اطلاعات تھیں۔ سلطان الیوبی اُن کے مطابق نقشہ بناتا رہا۔ اس دوران اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جاسوسوں نے جب کرک کے

مسلمان باشندوں کی بے بسی اور غلامیت کی تفصیل سنائی تو سلطان کے چہرے پر نمایاں تبدیلی آگئی۔ ایک بار تو وہ خوشی میں اُکڑا کھڑا ہوا اور خیمے میں بیٹھنے لگا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ شکوک سے ملیبی شکست کھا کر کرک وہ چھپنے تو انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ سلطان ایوبی کو بہت سے حالات کا تو پہلے سے علم تھا۔ ان دو جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ اب وہاں بازار میں جن مسلمانوں کی دکانیں ہیں وہ بہت پریشان ہیں۔ غیر مسلم تو ان کی دکانوں پر جاتے ہی نہیں، مسلمانوں کو بھی ڈرا رکھا کر ان کی دکانوں سے دُور رکھا جاتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی باتا عدہ ہم شروع کی گئی ہے۔ عیسائی اور یہودی مسجدوں کے سامنے اونٹ، گھوڑے اور دیگر مویشی باندھ دیتے ہیں۔ اذان اور نماز پر کوئی پابندی نہیں لیکن جب اذان ہوتی ہے تو غیر مسلم شور مچاتے، ناچتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ جاسوسوں نے بتایا کہ مسلمانوں کا قومی بوجہ ختم کرنے کے لیے وہاں اس قسم کی افواہیں زور و شور سے پھیلائی جا رہی ہیں۔

کصلاح الدین ایوبی انسانا شدید زنجی ہو کر دمشق پہلا گیا ہے کہ اب تک مرحکا ہو گا اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کمان کی کمزوری کی وجہ سے صحرا میں بکھر گئی ہے۔ اگر سپاہی مصر کی طرف بھاگ رہے ہیں اور یہ بھی کہ مسلمان اب کرک پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اب بہت جلدی شکوک بھی ملیبیوں کو دلایں گے والا ہے اور یہ بھی کہ سوڈانی فوج نے مصر پر حملہ کر دیا ہے اور مصر کی فوج سوڈانیوں کے ساتھ مل گئی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا کہ اب علی الصبح پادری، مسلمان مصلوں میں گھومتے پھرتے اور ہر مسلمان گھر کے دروازے پر کشتیاں بجاتے، اپنے مذہبی گیت گاتے اور مسلمانوں کو دعائیں دیتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کا اور کوئی پرچار نہیں کرتے۔ یہ پرچار وہاں کی عیسائی اور یہودی لوگوں کا قومی بوجہ ہے۔

مسلمان نوجوانوں کو چھوٹی محبت کا جھانڈ دے کر ان کے ذہن تباہ کر رہی ہیں۔ یہ لوگیاں مسلمان لوگوں کی سیلیاں بن کر انہیں اپنی آزادی کی بڑی ہی دلکش تصویر دکھاتی ہیں اور انہیں بتاتی ہیں کہ مسلمان فوج جو علاقہ فتح کرتی ہے وہاں مسلمان لوگوں کو بھی خراب کرتی ہے۔

ان پورٹوں میں سلطان ایوبی کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ ابتدا میں اُس کے جاسوس اُسے کرک کے مسلمانوں کی حالت زار بتا چکے تھے۔ وہاں کے مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ سلطان ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کوئی حوصلہ شکن افواہ نہیں سننا چاہتے تھے لیکن وہاں جو بھی بات ان کے کانوں میں پڑتی تھی حوصلہ شکن ہوتی تھی۔ وہ ڈرتے بات نہیں کرتے تھے۔ ان کے گھروں کی دیواروں کے بھی کان تھے۔ وہ اکٹھے بیٹھنے سے بھی ڈرتے تھے۔ جنازے اور بارات کے ساتھ بھی جاسوس ہونے تھے اور جہاں بھی جاسوس ہوتے تھے۔ ان کی بدلیبی تو یہ تھی کہ جاسوسی ان کے اپنے مسلمان بھائی کرتے تھے۔ وہ اپنے گھروں میں بھی سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔ کسی مسلمان کے خلاف مروت یہ کہ دینا کہ وہ ملیبی حکومت کے خلاف ہے۔ اُسے ریگرا کیپ میں بھیجنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

”لیکن سالارِ غنم!“ ایک جاسوس نے کہا۔ ”اب وہاں ایک اور چال چلی جا رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک ہونے لگا ہے۔ ملیبی حکومت نے اس کی ایک مثال یہ پیش کی ہے کہ ایک عیسائی حاکم نے ایک مسجد کو بوسیدہ حالت میں دیکھا تو اس کی مروت کا حکم دیا اور اپنی نگرانی میں مروت کرا دی۔ انہوں نے بیگار کیپ کے مسلمانوں کو رہا تو نہیں کیا انہیں کچھ سولتیں دے دی ہیں۔ روزمرہ مشقت کا وقت بھی کم کر دیا ہے لیکن ان

کے کانوں میں یہی ڈالاجاتا ہے کہ تم نے ملیب کے خلاف بہت بلا جرم کیا ہے پھر بھی تم پر رحم کیا جا رہا ہے۔ یہ پیارا د محبت کا ہتھیار بڑا ہی خطرناک ہے۔ اس جھوٹے پیار سے غیر مسلم مسلمان نوجوانوں کو لٹے اور چوٹے کا عادی بناتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے حملے میں دقت منانے کی تو کرک کے مسلمان اگر مسلمان ہی ہے تو براہ راست ہم مسلمان ہوں گے ورنہ وہ قرآن سے منہ موڑ کر گلے میں ملیب لٹکالیں گے۔ اس صورت میں وہ اُس وقت ہمدی کوئی مدد نہیں کریں گے جب ہم کرک کا محاصرہ کریں گے۔ اس پیار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے اور گرفتاریاں ہوتی رہتی ہیں۔ ابھی تک مسلمانوں کا جذبہ قائم ہے اور وہ ثابت قدم رہنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک غیر مسلموں کے پیار کو قبول نہیں کیا، مگر وہ زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے۔“

یہی وہ صورت حال تھی جس کی تفصیل سن کر سلطان ایوبی پریشان ہو گیا تھا۔ اُسے یہ اطلاع بہت تکلیف دے رہی تھی کہ مسلمان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔ اُس کے لیے پریشان کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مقبوضہ علاقے میں ملیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف پیار کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نوجوانوں کی کروڑ گشتی کا بھی عمل شروع ہو گیا تھا۔ ان دونوں سے زیادہ خطرناک وہ افواہیں تھیں جو وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی فوج کے خلاف پھیلائی جا رہی تھیں۔ اُس نے اپنے نظام جاسوسی کے نائب زاہلان کو بلایا اور پوچھا۔ ”کیا تم نے ان کی باتیں سن لی ہیں؟“

”ایک ایک لفظ سنا اور انہیں آپ کے پاس لایا ہوں۔“ زاہلان نے جواب دیا۔

”علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلا لیں؟“ سلطان ایوبی نے پوچھا۔ ”یا تم اُس کی جگہ پر کر سکو گے؟ یہ معاملہ نازک ہے۔ دشمن کے شہر میں مسلمانوں کو افواہوں اور دشمن کے زیرِ پے پیار سے بچانا ہے۔“

”علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلانے کی ضرورت نہیں۔“ زاہلان نے جواب دیا۔ ”حسن بن عبداللہ کو بھی اُن کے ساتھ رہنے دیں۔ مصر کے حالات اچھے نہیں۔ ملک تخریب کا مغل اور غلاموں سے بھرا پڑا ہے۔ کرک کے مسئلے کو میں سنبھال لوں گا۔“

”تم نے کیا سوچا ہے؟“ سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔ وہ دراصل زاہلان کا امتحان لے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زاہلان مخلص اور محنتی مسلخ سال ہے اور اپنے شعبے کے سربراہ علی بن سفیان کا شاگرد ہے۔ اس پر سلطان کو پورا پورا اعتماد تھا۔ پھر بھی وہ یقین کرنا مزدوری سمجھتا تھا کہ یہ شاگرد اپنے استاد کی کمی پوری کر لے گا۔ اُس نے زاہلان کا جواب سنے بغیر کہا۔ ”زاہلان! میں نے میلان جنگ میں شکست نہیں کھائی۔ یہ خیال رکھنا کہ میں اس محاذ پر بھی شکست کھانا نہیں چاہتا جس پر ملیبیوں نے حملہ کیا ہے۔ میں کرک کے مسلمانوں کو اخلاقی اور نظریاتی تباہی سے بچانا چاہتا ہوں۔“

”آپ جانتے ہیں کہ کرک میں ہمارے جاسوس موجود ہیں۔“ زاہلان نے کہا۔ ”میں انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں کو آپ کے متعلق اور ہماری فوج اور مصر کے متعلق صحیح خبریں سناتے ہیں گے اور انہیں آپ کا پیغام دیں گے۔“

”وہاں کی مسلمان عورتوں میں قومی جذبے کی کمی نہیں۔“ ایک جاسوس بول پڑا۔ اُس نے کہا۔ ”ہم جوان

لوگوں سے کہیں گے کہ وہ گھر گھر جا کر عورتوں کے ذہن صاف کرتی رہیں گی۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ وہاں کی لڑکیاں لڑنے کے لیے بھی تیار ہیں۔

”موتیں اگر گھر اور بچوں کی تربیت کا محاذ سمجھائے رکھیں تو اسی سے اسلام کے فروغ اور سلطنت اسلامیہ کی توسیع میں بہت مدد ملے گی۔“ سلطان ایوبی نے کہا، انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کرو کہ مسلمان گھرانوں میں اور بچوں میں غیر اسلامی اثرات داخل نہ ہونے دیں۔ میں اس کوشش میں مصروف ہوں کہ کرک پر جلدی حملہ کر دوں اور شوبک کی طرح وہاں کے بھی مسلمانوں کو آزاد کراؤں۔“ اُس نے زائد ان سے پوچھا۔ ”اس مقصد کے لیے کسے کرک بھیجے گئے؟“

”اسی دونوں کو۔“ زائد ان نے جواب دیا۔ ”یہ آنے جانے کے راستوں اور طریقوں سے واقف ہو چکے ہیں اور وہاں کے حالات اور ماحول سے مانوس ہیں۔“

یہ دونوں آدمی غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں ہدایت دینی شروع کر دیں۔

۲۶

کرک میں مسلمان باشندوں پر سپاہ کا جو ہتھیار چلایا جا رہا تھا، وہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر، جرجن نشارد ہرن کی اختراع تھی۔ وہ شوبک کی شکست کے بعد صلیبی حکمرانوں پر زور دے رہا تھا کہ کرک کے مسلمانوں کو سپاہ کا دھوکہ دے کر صلیب کا وفادار بنایا جائے یا کم از کم صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے۔ صلیبی حکمران مسلمانوں سے اتنی زیادہ نفرت کرتے تھے کہ اُن کے ساتھ جھوٹا پیار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ تشدد اور درمگی سے مسلمانوں کا قومی جذبہ اور وقار ختم کرنے کے قابل تھے۔ ہر من اپنے فن کا ماہر تھا۔ انسانوں کی نفسیات سمجھتا تھا۔ اُس نے صلیبی حکمرانوں کو بڑی مشکل سے اپنا ہم خیال بنایا اور یہ پالیسی مرتب کرائی کہ شہر اور معانات کے اس علاقے کے مسلمانوں کو جو صلیبی استبداد میں ہے، مشتبه اور جاسوس سمجھا جائے۔ جس مسلمان کے خلاف ذرا سی بھی شہادت ملے اُسے گرفتار کر کے غائب کر دیا جائے، لیکن ہر مسلمان شہری کو دہشت زدہ نہ کیا جائے۔ اس پالیسی کی بنیادی شق یہ تھی کہ لوگوں کے ذریعے مسلمان لڑکیوں کو بے پردہ کیا جائے اور مسلمان لڑکوں کو ذہنی عیاشی اور نشے کا عادی بنا دیا جائے۔ مختصر یہ ہے کہ ان کی کردار کشی کا انتظام کیا جائے۔ لہذا اس پالیسی پر عمل شروع کر دیا گیا تھا۔ ابتدا افواہوں سے کی گئی تھی۔ ہر من نے یہ منگوری بھی لے لی تھی کہ مسلمانوں میں غداری کے جرائم پیدا کرنے کے لیے خامی رقم خرچ کی جائے۔ چند ایک مسلمانوں کو خوبصورت اور تندرست گھوڑوں کی گھٹیاں دے کر انہیں شہر لودہ بنادیا جائے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف مخبری اور اُن میں افواہیں پھیلانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ انہیں شاہی دربار میں وقتاً فوقتاً مدعو کر کے اُن کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا جائے۔ اُن کی مستورات کو بھی مدعو کر کے اُن کی عزت کی بجائے کہ وہ اپنی اصلیت اور اپنا مذہب ذہن سے اتار دیں۔ ہر من نے کہا تھا۔ ”اگر آپ مسلمان کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو اس کے دماغ میں بادشاہی کا کیرا ڈال دیں۔ اُسے گھوڑے اور گھیاں دے کر اس کے دامن میں چند ایک اشرافیاں ڈال دیں۔ پھر وہ بادشاہی کے نشے میں آپ کے اشاروں پر ناپے گا شرب بھی پئے گا اور اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں منگا

کر کے آپ کے حوالے کر دے گا۔ اگر آپ مسلمان کا مستقبل تاریک کرنا چاہتے ہیں تو یہ نسخہ آزمائیں۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں اور اب پھر بتاتا ہوں کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی اخلاقی تباہی کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کی ہیں۔ آپ مہلتے ہیں کہ مسلمان کا سب سے پرانا اور سب سے بڑا دشمن یہودی ہے۔ اسلام کی جڑیں تباہ کرنے کے لیے یہودی اپنی بیٹیوں کی ہمت اور اپنی پوجنی کا آخری سکہ بھی قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔“

یہودیوں میں خطرہ یہ تھا کہ وہ اسی خطے کے رہنے والے تھے، اس لیے مانوں کی زبان پر لڑتے تھے اور اُن کے رسم و رواج اور گھر گھر طرز زندگی سے بھی واقف تھے۔ اُن کی شکلیں اور کئی دیگر کوائف ملتے جلتے تھے۔ کوئی یہودی لڑکی مسلمانوں کا لباس پہن کر کسی مسلمان گھر میں جا بیٹھے تو اُسے بلا شک و شبہ مسلمان سمجھا جاتا تھا، اس مشابہت سے یہودی پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے اور اسلامی معاشرت میں غیر اسلامی زیر و دخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

جس روز سلطان ایوبی نے دو جاسوسوں کو ہدایت دیں اور زائد ان سے کہا تھا کہ وہ کرک میں جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کو صحیح تعبیر پہنچائے، اس سے تین روز بعد کرک میں ایک پاگل اور مذہب اچانک کہیں سے نمودار ہوا۔ اُس نے ہاتھ میں بکڑی کی بنی ہوئی گز بھر لی صلیب اٹھا رکھی تھی جسے وہ اوپر کر کے چلاتا تھا۔ ”مسلمان کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ شوبک میں مسلمان اپنی بیٹیوں کی عصمت دری کر رہے ہیں۔ مصر میں مسلمانوں نے شرب پینا شروع کر دی ہے۔ خدائے یسوع مسیح نے کہا ہے کہ اب یہ قوم روئے زمین پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کو دوسرے طوفان سے بچنا چاہیے۔ ہونو صلیب کے ساتھ ہیں آجاؤ۔ اگر صلیب پسند نہیں تو خدائے یسوع کے آگے سجدہ کرو۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بیکار ہیں۔“

لباس اور شکل و صورت سے وہ اچھا بھلا لگتا تھا لیکن باتوں اور انداز سے بگلا معلوم ہوتا تھا اُس کی داڑھی بھی تھی۔ لمبا چنہ بہن رکھا تھا۔ سر پر بکڑی اور اس پر دو مال ڈالا ہوا تھا جو کنہوں پر بھی بھیلایا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے اور کپڑوں پر گرد تھی جس سے پنہ چلتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے۔ اُس کے پاؤں گرد آلود تھے۔ اُسے کوئی دکانا اور بات کرتا تھا تو وہ رک تو جاتا تھا لیکن کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ کوئی بات بھی سننا سمجھتا ہی نہ تھا۔ سوال کوئی بھی پوچھو وہ اپنا اعلان دہراتے لگتا تھا۔ ”مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے وغیرہ۔“ کسی نے بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ جیسا اُس لیے خوش تھے کہ اس نے ہاتھ میں صلیب اٹھا رکھی تھی، اور خدائے یسوع مسیح کا نام لیتا تھا۔ یہودی اس لیے خوش تھے کہ وہ خدائے یسوع کا نام لیتا تھا اور دونوں کی یہ خوشی مشترک تھی کہ وہ مسلمانوں کی تباہی کی خوشخبری سن رہا تھا۔ صلیبی فوج کے چند ایک سپاہیوں نے اس کی لٹکائی تو انہوں نے تمقہ لگایا۔ شہری انتظامیہ کی فوج (جو بعد میں پولیس کہلائی) نے اُسے دیکھا تو اُسے باگل کر کر نظر انداز کر دیا۔ مسلمانوں میں اتنی جرات نہیں تھی کہ اس کا منہ بند کرتے مسلمان اُس کے منہ سے اپنی تباہی کا اعلان سن کر ڈر بھی گئے تھے اور انہیں غصہ بھی آیا تھا مگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

یہ مجذوب شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھوم رہا تھا اور اس اعلان کو دہراتا جا رہا تھا۔ ”مسلمانو! صلیب کے سلسلے میں آجاؤ۔ تمہاری تباہی کا وقت آ گیا ہے۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بیکار ہیں۔ بکبک کہیں وہ یہ بھی

کہتا تھا۔ "کرک میں مسلمانوں کی فوج نہیں آئے گی۔ ان کا صلاح الدین الیوتی مرچکا ہے۔" بعض اوقات وہ اوٹ پٹانگ اور بے معنی فقرے بولتا تھا جو ثابت کرتے تھے کہ وہ پاگل ہے۔ بچے اُس کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ بڑے عمر کے آدمی بھی کچھ دُور تک اس کے پیچھے چلتے اور رک جاتے تھے۔ وہاں سے چند اور آدمی اُس کے پیچھے چل پڑتے تھے۔ مسلمان اُسے غصے کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے اور اپنے بچوں کو اس کے پیچھے جانے سے روکتے تھے۔ مرن ایک مسلمان تھا جو اس پاگل کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم دُور تھا۔ یہ ایک جوان سال مسلمان تھا۔ راستے میں دو عیسائی نوجوانوں نے اُسے طعنے دیئے۔ ایک نے اُسے کہا۔ "عثمان بھائی! تم بھی صلیب کے ساتھ میں آ جاؤ۔" اُس نے انہیں قہر بھری نظروں سے دیکھا اور چپ رہا۔ ان عیسائیوں کو معلوم نہیں تھا کہ عثمان کے پاس ایک خیر ہے اور وہ اس پاگل کو قتل کرنے لیے اس کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔

اُس کا پورا نام عثمان صام تھا۔ اُس کے ماں باپ زندہ تھے اور اس کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی جس کا نام انتو صام تھا۔ اس لڑکی کی عمر بائیس تیس سال تھی۔ عثمان اس سے تین چار سال بڑا تھا۔ جو شایاں جوان تھا۔ اسلام کے نام پر جان نہ کرنا تھا۔ صلیبی حکومت کی نظریں وہ مشتبه بھی تھا کیونکہ وہ مسلمان نوجوانوں کو صلیبی حکومت کے خلاف زمین دوز کارروائیوں کے لیے تیار کرتا رہتا تھا۔ وہ ابھی کوئی جرم نہ کرنا پڑا تھا۔ اُس نے جب اس پاگل کی آواز سنی تو باہر نکل آیا۔ پاگل اتنی بڑی صلیب بلند کیے مسلمانوں کے خلاف بلند آواز میں واہی تباہی کہتا جا رہا تھا۔ عثمان صام نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ تو کوئی پاگل ہے۔ اُس نے صلیب دیکھی اور پاگل کے الفاظ سنے تو اُس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ اپنے گھر جا کر اُس نے خیر لیا اور کرتے کے انداز میں اُس کو پاگل کے پیچھے پیچھے چلنے پر روک دیا۔ وہ اُسے ایسی جگہ قتل کرنا چاہتا تھا جہاں اُسے کوئی پکڑ نہ سکے۔ وہ صلیبیوں کے خلاف مزید کارروائیوں کے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم پیچھے چلتا گیا اور اس کا اعلان سنایا گیا۔ جب دو عیسائیوں نے اُسے طعنے دیئے اور ایک نے کہا کہ عثمان تم بھی صلیب کے ساتھ میں آ جاؤ تو اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کے دل میں قتل کا ارادہ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

پاگل کے پیچھے اور اُس کے ساتھ ساتھ لوگوں اور بچوں کا جلوس جمع ہو گیا تھا۔ قتل کا یہ موقع اچھا نہیں تھا۔ دن گزرتا گیا اور پاگل کی آواز دھیمی پڑتی گئی۔ اُس کے پیچھے چلنے والے کم ہونے لگے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ ایک مسجد آگئی۔ پاگل مسجد کے دروازے میں بیٹھ گیا اور اس نے صلیب اُپر کر کے کہا۔ "اب یہ گر جا ہے، مسجد نہیں ہے۔" اُس وقت عثمان صام اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اُسے اچھی طرح احساس تھا کہ یہ بے شک پاگل ہے لیکن اس کے قتل کی سزا بھی موت ہوگی کیونکہ اس نے صلیب اٹھا رکھی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف نعرے لگا رہا ہے۔ عثمان صام نے پاگل کے قریب ہو کر جیسی آواز میں کہا۔ "یہاں سے فوراً اٹھو اور اپنی صلیب کے ساتھ غائب ہو جاؤ، ورنہ صلیبی یہاں سے تمہاری لاش اٹھائیں گے۔"

پاگل نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کے سامنے بہت سے بچے کھڑے تھے۔ اُس نے عثمان صام کی دھمکی کا جواب دیتے بغیر بچوں کو ڈانٹ کر بھاگ جانے کو کہا۔ بچے ڈر کر بھاگ گئے تو پاگل مسجد کے اندر چلا گیا۔ عثمان صام کے لیے یہ

موقع بہت اچھا تھا۔ اُس نے کچھ سوچے بغیر تلوار بھری، دروازے کے اندر گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے بہت تیزی سے خنجر نکالا مگر وار کرنے لگا تو پاگل نے گم گم کر دیکھا۔ عثمان کے خنجر کا وار اپنی طرف آنا دیکھ کر اُس نے صلیب آگے کر کے وار صلیب پر لیا اور کہا۔ "رک جاؤ، جوان۔ اندر چلو۔ میں مسلمان ہوں۔"

عثمان صام نے دوسرا وار نہ کیا۔ پاگل جوتے، آثار کو مسجد کے اندر دئی کرے میں چلا گیا۔ اُس نے صلیب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اندر جا کر اُس نے عثمان صام سے نام پوچھا اور کہا۔ "میں مسلمان ہوں۔ میری باتیں غور سے سن لو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کب سے میرے پیچھے آ رہے ہو؟"

"میں سارا دن تمہارے پیچھے پیچھا رہا ہوں۔" عثمان صام نے جواب دیا۔ "مگر مجھے قتل کا موقع نہیں مل رہا تھا۔" "تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟" پاگل نے پوچھا۔

"کیونکہ میں اسلام اور صلاح الدین الیوتی کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔" عثمان صام نے جواب دیا۔ "تم پاگل ہو یا نہیں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

پاگل نے اُس سے کہی اور باتیں پوچھیں۔ آخر اُس نے کہا۔ "مجھے تم جیسے ایک جوان کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ تم خود ہی میرے پیچھے آ گئے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اپنے مطلب کا کوئی مسلمان ہڈی مشکل سے ملے گا میں صلاح الدین الیوتی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ میں نے یہ ڈھونگ صلیبیوں کو دھوکہ دینے کے لیے رچایا ہے۔ میں نے اسی بھیس میں مسلمانوں کو قتل کرنے کا مقصد ہے۔ یاد رکھو کہ مسجد میں کوئی صلیبی آ گیا تو میں پھر وہی بکواس شروع کر دوں گا جو دن بھر کرتا رہا ہوں۔ تم غور سے سنتے رہنا جیسے تم مجھ سے متاثر ہو رہے ہو۔ میں بہت تیزی سے بولوں گا۔ شام کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں صلیبیوں کے بھی جاسوس ہیں۔ میں نمازیوں کے آنے تک اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

عثمان صام نے کبھی جاسوس نہیں دیکھا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ غیر معمولی طویل ردین جاسوس ہے جس نے اُسے چند سوال پوچھ کر پہچان لیا ہے کہ یہ جوان قابلِ اعتماد ہے۔ جاسوس نے اُسے کہا۔ "اپنے جیسے چند ایک جوان اکٹھے کرو اور کچھ مسلمان لڑکیوں کو بھی تیار کرو۔ تمہیں ہر ایک مسلمان گھرنے میں یہ پیغام پہنچانا ہے کہ صلاح الدین الیوتی زندہ ہے اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ یہاں سے صرٹ آ رہے۔ دن کی مسافت جتنا دُور ہے۔ اس کی تمام فوج کرک پر حملہ کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہے بلکہ اس فوج نے صلیبی فوج کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ مصر میں حالات پُر سکون ہیں۔ وہاں صلیبیوں نے جو خنریب کاری کی تھی وہ جڑ سے اکھاڑ دی گئی ہے۔"

"صلاح الدین الیوتی کب حملہ کرے گا؟" عثمان صام نے پوچھا۔ "ہم اُس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ تم باہر سے حملہ کر دے گے تو ہم صلیبیوں پر اندر سے حملہ کریں گے۔ خدا کے لیے جلدی آؤ۔"

"تمہل سے کام لو جوان!" جاسوس نے کہا۔ "پہلے صلاح الدین الیوتی کا پیغام سن لو اور یہ ہر ایک نوجوان کے ذہن پر نقش کر دو۔" الیوتی نے کہا ہے کہ کرک کے مسلمان نوجوانوں سے کہنا کہ تم ملک اور مذہب کے پاس بان ہو۔ میں نے پہلی جنگ لڑکپن میں لڑی تھی اور محاصرے میں لڑی تھی۔ فوج کی کمان میرے چچا کے پاس تھی۔ اُس نے مجھے کہا

تھا کہ ہمارے میں گھبرانہ جانا۔ اگر تم اس عمر میں گھبرانے تو تمہاری ساری عمر گھبراہٹ اور خوف میں گزرے گی۔ اگر اسلام کے علمبردار بننا چاہتے ہو تو یہ علم آج ہی اٹھا لو اور دشمن کی دیواروں کو زلزلہ جاؤ۔ پھر گھوم کر آؤ اور دشمن پر جھپٹ پڑو۔ میں گھبرا یا نہیں۔ تین مہینوں کے محاصرے نے ہمیں ناتوازی بھی کر لی۔ لیکن ہم مامور کوڑ کر نکل آئے اور ہم نے جس خوراک سے پیٹ بھرے وہ دشمن کی رسد سے چھینی ہوئی خوراک تھی۔ ہمارے جو گھوڑے ہمارے میں بھوک سے مر گئے تھے ہم نے ان کی کئی دشمن کے گھوڑوں سے پوری کی۔۔۔۔

”صلح الدین الیوبی نے کہا ہے کہ میری قوم کے بیٹوں، سے کہنا کہ تم پر دشمن نے پیار کے ہتھیار سے حملہ کیا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ صلیبی میلان جنگ میں شہر نہیں سکے۔ ان کے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں، اس لیے وہ اب مسلمانوں کی اٹھاتی ہوئی نسل کے ذہن سے قومیت اور مذہب نکالتے کے جتن کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیا ہے وہ بڑا ہی خطرناک ہے۔ یہ ہے ذہنی عیاشی، کاہلی اور کوتاہی۔ تم میں یہ تینوں خرابیاں پیدا کرنے کے لیے عیسائی اور یہودی ایک ہو گئے ہیں۔ یہودی اپنی لوکیوں کے ذریعے تم میں حیوانی جذبہ بھڑک رہے ہیں اور تمہیں فتنے کا عادی بنا رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ حیوانی جذبے اور فتنے سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی اور موت کے بعد تم جہنم میں جاؤ گے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کردار کی یہ خرابیاں تمہارے لیے اس دنیا کو ہی جہنم بنا دیں گی۔ تم جسے جنت کی لذت سمجھتے ہو وہ جہنم کا عذاب ہے۔ تم صلیبیوں کے غلام ہو جاؤ گے جو تمہاری بہنوں کو بے آبرو کرتے پھریں گے، تمہارے قرآن کے ورق گلیوں میں اڑیں گے اور تمہاری مسجدیں اٹھیں گی۔۔۔۔

”صلح الدین الیوبی نے کہا ہے کہ باوقار قوم کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی روایات کو نہ بھولو۔ صلیبی ایک طرف تم پر تشدد کر رہے ہیں اور دوسری طرف تمہیں دولت اور گھوڑا گاڑیوں کا لالچ دے رہے ہیں۔ مسلمان ان عیاشیوں کا قائل نہیں ہوتا۔ تمہاری دولت تمہارا کردار اور ایمان ہے۔ یہ صلیبیوں کی شکست کا ثبوت ہے کہ وہ تمہاری تلوار سے خوفزدہ ہو کر اتنے اچھے ہتھیاروں پر اتر آئے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کو بے حیاب بنا کر تمہیں اپنا غلام بنانے کے جتن کر رہے ہیں۔ میری قوم کے بیٹو! اپنے کردار کو محفوظ رکھو۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ ظالم حکمران دراصل کمزور حکمران ہوتا ہے وہ اپنے مخالفین میں سے کسی کو ظلم و تشدد سے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی کو دولت کا لالچ دے کر تم ظلم و تشدد سے بھی نہ ڈرے اور کسی لالچ میں بھی نہ آؤ۔ تم قوم کا مستقبل ہو۔ ہم قوم کا ماضی ہیں۔ دشمن تمہارے ذہنوں سے تمہارا درخشندہ ماضی نکال کر اس میں اپنے نظریات اور مفادات کی سیاہی بھرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ اپنی اہمیت پہچانو۔ دشمن تمہیں مروت اس لیے اپنے تابع کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ تم سے خائف ہے۔ اپنی نظر آج پر نہیں کل پر رکھو کیونکہ تمہارے دشمن کی نظر تمہارے مذہب کے کل پر ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ کفار تمہارا کیا حال کر رہے ہیں۔ اگر تم ذہنی عیاشی میں پڑ گئے تو تمام تر ملت اسلامیہ کا یہی حشر ہوگا۔“

جاسوس نے سلطان الیوبی کا پیغام بہت تیزی سے عثمان صام کو سنا دیا اور اسے عمل کے طریقے بتانے لگا۔ اُس نے کہا۔ ”سالارِ عظم نے خاص طور پر کہا ہے کہ اپنے اوپر جوش اور جذبات کا غلبہ طاری نہ کرنا۔ عقل پر

جذبات کو غالب نہ آنے دینا۔ اشتعال سے بچنا۔ اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ احتیاط لازمی ہے۔ جاسوس نے اُسے بتایا کہ وہ اور اُس کے دو ساتھی کسی نہ کسی روپ میں اُسے خود ہی ملتے رہیں گے اور یہ رابطہ قائم رہے گا۔ فوری طور پر ضرورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں چوری چھپے کمانیں، تیر اور برچھیاں بنائیں اور گھروں میں چھپا کر کسی غریب کو گھروں کے اندر ہی خنجر اور بھیجی مارنے اور وار سے بچنے کے طریقے سکھائیں۔ یہودی لوکیوں کی قتل پر جہاں نہ دیں ان کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ کریں جس سے انہیں کوئی شک پیدا ہو۔ اپنے طور پر کوئی جنگی کارروائی نہ کریں۔ پہلے منظم ہو جائیں پھر قیادت بنائیں، ہر ایک فرد کا ذرا سا بھی عمل قیادت کی نظر میں ہونا چاہئے اور کسی فرد کا کوئی اقدام قیادت کی اجازت کے بغیر نہ ہو۔“

سورج غروب ہونے لگا تھا۔ مسجد کا پیش امام آگیا۔ اُسے دیکھتے ہی جاسوس نے صلیب اٹھائی اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر سے چروہی اعلان سنائی دینے لگا۔ ”مسلمانو! صلیب کے سلسلے میں آجاؤ تمہارا اسلام مر گیا ہے۔“ امام نے عثمان صام کو قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ اور تم نے اسے اندر کیوں بٹھا رکھا تھا؟ اسے ہلاک کیوں نہ کر دیا؟ کیا تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون جم گیا ہے؟ میں اتنا بڑھاتا ہوں تو یہاں سے اُسے زندہ باہر نہ جانے دیتا۔“

”میں اُس کے پیچھے اسی لیے آیا تھا کہ یہ یہاں سے زندہ نہ نکل سکے۔“ عثمان صام نے کہا اور امام کو اپنا خنجر دکھا کر کہنے لگا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ اُس نے میرا خنجر صلیب پر روک لیا تھا۔ یہ آدمی پاگل نہیں، عیسائی اور یہودی بھی نہیں۔ یہ مسلمان ہے۔ صلح الدین الیوبی کا پیغام لیا ہے۔“ اس نے بڑے امام کو سلطان الیوبی کا پیغام سنایا اور کہا۔ ”میں اس پیغام پر عمل کروں گا۔ آج شام سے ہی بسم اللہ کر رہا ہوں لیکن ہمیں ایک امیر کی ضرورت ہے۔ کیا آپ ہماری قیادت کریں گے؟ یہ سوچ لیں کہ صلیبی حکومت کو خیر مل گئی تو سب سے پہلے امیر کی گردن اڑائی جائے گی۔“

”کیا مسجد میں کھڑے ہو کر میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ میں قوم سے الگ رہوں گا؟“ امام نے جواب دیا۔ ”لیکن یہ فیصلہ قوم کرے گی کہ میں امیر اور قائد بننے کے قابل ہوں یا نہیں۔ میں خدا کے گھر میں کھڑا یہ عہد کرتا ہوں کہ میری دانش، میرا مال، میری اولاد اور میری جان اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے اور صلیب کو زوال کرنے کے لیے وقف ہو گئی ہے۔۔۔۔ میرے عزیز بیٹے! صلح الدین الیوبی کے پیغام کا ایک ایک لفظ ذہن میں بٹھا لو۔ اُس نے ٹھیک کہا ہے کہ نوجوان قوم اور مذہب کا مستقبل ہوتے ہیں۔ وہ اسے روشن بھی کر سکتے ہیں اور وہ آوارہ ہو کر اسے تاریک بھی کر سکتے ہیں۔ جب کوئی نوجوان صلیبیوں اور یہودیوں کی بے حیائی کا دلدادہ ہو کر لوکیوں کو بُری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ محسوس نہیں کرتا کہ اُس کی اپنی بہن بھی اُس جیسے نوجوانوں کی بُری نظر کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں قومیں تباہ ہوتی ہیں۔۔۔۔ میرے نوجوان بیٹے! خدا کے اس گھر میں عہد کرو کہ تم صلح الدین الیوبی کے پیغام پر عمل کرو گے۔“

عثمان صام نے گھر جا کر اپنی بہن النور کو الگ بٹھا کر سلطان الیوبی کا پیغام سنایا اور کہا۔ ”النور! بارگاہِ مذہب

اور ہلا فوجی وقار تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہا ہے۔ آج سے اپنے آپ کو پردہ نشین لڑکی سمجھنا چھوڑ دو۔ مسلمان لڑکیوں تک یہ پیغام پہنچا کر انہیں اس جہاد کے لیے تیار کرو۔ میں تمہیں خنجر تیر کمان اور برچی کا استعمال سکھا دوں گا۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ کسی کو شک بھی نہ ہو کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں۔

”میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”میں اور میری تمام سہیلیاں تو پہلے ہی سوچ رہی ہیں کہ ہم اپنی آزادی اور اپنی قوم کے لیے کیا کر سکتی ہیں۔ ہم تو مردوں کے منہ کی طرف دیکھ رہی ہیں۔“

عثمان مام نے اسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے متعلق جتنی خبریں یہاں مشہور کی جاتی ہیں وہ سب جھوٹی ہوتی ہیں۔ تمام مسلمان گھرانوں میں جا کر عورتوں کو صحیح خبریں سناؤ۔ عثمان مام نے اسے صحیح خبریں سنائیں اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں میں غدار اور سلیبیوں میں مخبر بھی ہیں۔ اُس نے بن کو ایسے تین چار گھرانے بتائے اور کہا کہ ان کی عورتوں کو ہاتھ میں لو اور انہیں بتاؤ کہ ان کے آدمی غدار ہیں۔ انہیں یہ بھی کہو کہ عیسائی اور یہودی لڑکیوں کے پیار سے بچو۔ ان کا پیار محض دھوکہ ہے۔

”کیا میں رینی کو یہاں آنے سے روک دوں؟“ انور نے پوچھا۔ ”وہ تو ہمارے ساتھ بھی بے تکلف ہو گئی ہے۔“

”اُسے میں کہوں گا کہ ہمارے گھر نہ آیا کرے۔“ عثمان مام نے کہا۔ ”وہ بہت تیز اور ہوشیار لڑکی ہے۔“

رینی ایک نوجوان عیسائی لڑکی تھی۔ عثمان مام کے گھر سے تھوڑی ہی دور اس کا گھر تھا۔ اُس کا باپ شہری انتظامیہ کے کسی اونچے عہدے پر فائز تھا۔ لڑکی کا پورا نام رینی ایگزینڈر تھا۔ وہ انور کی بہیلی بنی ہوئی تھی۔ عثمان مام کے ساتھ بھی اُس نے گہرے مراسم پیدا کر لیے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ عثمان مام ابھی اس کے قریب نہیں ہوا تھا۔ یہ وجہ یہ جو ان سمجھتا تھا کہ یہ عیسائی لڑکی ہے اور یہاں جاسوسی کرنے آتی ہے۔ اُس نے رینی کو کبھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا بلکہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیتا تھا تاکہ اُسے شک نہ ہو۔ اب جب اُسے یہ ضرورت پیش آئی کہ رینی اُس کے گھر نہ آیا کرے تو رینی کو یہ کہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا کہ اب ہمارے گھر نہ آیا کر۔ مگر اُسے روکنا ضروری تھا کیونکہ وہ گھر میں اپنی بہن کو تنگی ڈینگ دینا چاہتا تھا اور اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے گھر میں اب کیا کیا لاز آئیں گے۔ اُس نے سوچ سوچ کر یہ طریقہ پسند کیا کہ انور سے کہا کہ رینی جب کبھی آئے تم یہ کہ کر باہر چلی جا یا کر کہ کسی سہیلی کے گھر جا رہی ہوں۔ اس طرح اُسے ثابت رہا۔ وہ خود ہی آنا چھوڑ دے گی۔

گرگ شہر کے لوگ اس پاگل کی باتیں کر رہے تھے جو مسلمانوں کی تباہی کی پیشین گوئی کرتا پھر رہا تھا۔ غیر مسلموں کو وہ بہت ہی اچھا لگا تھا۔ سب اُسے ڈھونڈتے پھرتے تھے لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سرکاری طور پر بھی اُسے تلاش کیا جا رہا تھا کیونکہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے اور ان کا جذبہ سرد کرنے کے لیے اس پاگل کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ اُسی رات کہیں لاپتہ ہو گیا تھا۔ دس بارہ روز اُس کی تلاش ہوتی رہی۔ سلیبی حکام نے شہر کے باہر بھی گھوڑ سوار دوڑا دیے۔ انہیں توقع تھی کہ وہ اس

شہر سے کہیں دوسرے شہر ہار ہا ہوگا، مگر وہ کسی کو نہ ملا اور دس بارہ دن گزر گئے۔

ان دس بارہ دنوں میں عثمان مام نے انور اور اس کی تین سہیلیوں کو ہتھیاروں کا استعمال سکھا دیا۔ اُس نے انہیں تیغ زنی بڑی محنت سے سکھائی۔ اُس کے علاوہ اُس نے مسلمان نوجوانوں کو درپردہ سلطان ایوبی کا پیغام سنا کر زمین و آسمان پر جمع کر لیا۔ ان نوجوانوں نے اُن مسلمان کاریگروں کو تیار کر لیا جو برچیاں اور تیر کمان وغیرہ بناتے تھے۔ یہ سب سلیبیوں کے ملازم تھے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہتھیار نہیں بنا سکتے تھے۔ مسلمانوں کو کوئی ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کاریگروں نے گھروں میں چوری چھپے ہتھیار بنانے شروع کر دیے۔ یہ بہت ہی خطرناک کام تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں موت سزا تھی۔ موت ہی نہیں تھی بلکہ مرنے سے پہلے سلیبی دزدوں کی جھانک اور تین تھیں۔ دہاں کوئی مسلمان کسی معمولی سے جرم میں یا محض شک میں پکڑا جاتا تو اس سے پوچھا جاتا تھا کہ مسلمان گھرانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے اور جاسوس کہاں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے جسم کو روٹی کی طرح دھنا شروع کر دیتے تھے۔ کاریگر جو ہتھیار بناتے تھے، وہ عثمان مام جیسے نوجوان رات کو مختلف گھروں میں چھپا دیتے تھے۔ دن کے وقت لڑکیاں برقعہ لہا دوں میں خنجر اور تیر کمان چھپا کر مسلمانوں کے گھروں میں سے جاتی رہتی تھیں، مگر ہتھیار بنانے اور گھروں میں پہنچانے کی رفتار بہت سست تھی۔

ادھر سلطان ایوبی کو ایک جاسوس نے اطلاع دے دی کہ کرک اور مضامات کے مسلمانوں تک اس کا پیغام پہنچ گیا ہے اور وہاں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے زمین و آسمان بنا لیا ہے۔ یہ اطلاع لانے والا بھی ایک زمین اور نذر جاسوس تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ جاسوس جس نے سلطان ایوبی کا پیغام عثمان مام تک پہنچایا تھا پاگل کے ہروپ میں کامیاب رہا ہے۔ سلطان ایوبی اس اطلاع پر بہت خوش تھا۔ اس نے کہا۔ ”جس قوم کے نوجوان بیدار ہو جائیں اُسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔“

”اس کامیابی نے میرا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔“ شعبہ جاسوسی کے نائب زامدان نے کہا۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو میں مقبوضہ علاقے کے نوجوانوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اتنا بھڑکا سکتا ہوں کہ وہ شعلے بن کر کرک اور یروشلم کو آگ لگا دیں گے۔“

”اور اس آگ میں وہ خود بھی جل مریں گے۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں نوجوانوں کو شعلے نہیں بنانا چاہتا۔ میں اُن کے سینوں میں ایمان کی چنگاری سلگانا چاہتا ہوں۔ نوجوانوں کو بھڑکانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ان میں سے کوئی آشرنی کی چمک اور لالچ سے تمہارے ہاتھ میں کھینچے گئے گا اور زیادہ تعداد ان کی ہے جو جذباتی الفاظ اور جو شیعہ نعروں سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ پھر تم ان سے جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرلو۔ انہیں آپس میں بھی لڑا سکتے ہو۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ جاہل اور گنہگار ہیں اور ان کا اپنا دماغ ہی نہیں، اصل وجہ یہ ہے کہ یہ عمری ایسی ہوتی ہے کہ خون کا جوش کچھ کر گزرنے پر مہرہ کرتا ہے۔ اس عمر میں ذہن عیاشی کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اور عمل صالح کی طرف بھی۔ تم نوجوان ذہن کو جو بھی تحریک اور اشتعال دے دو وہ اسی کا اثر قبول کرے گا۔ تمہارے دشمن ہماری قوم کے ابھرتے ہوئے ذہن میں عیاشی اور منہی لذت کے جراثیم ڈال رہے ہیں ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اُسے جہاد کی طرف مائل کر کے دشمن کے خلاف استعمال نہ کر سکیں۔“

تم یہ کوشش کرو کہ نوجوان بچہ نہیں بلکہ سرور میں اور سوچیں۔ رسول مقبول مسلم کی اس حدیث کو سمجھیں کہ اپنے آپ کو ہار اپنے دشمن کو پہچانو۔ ان کی سوچیں بدل دو۔ ان میں قومیت کا احساس پیدا کرو۔ یہ نوجوان قوم کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انہیں بچہ کر کے بچنے سے بچاؤ۔ انہیں مروانا دانشمندی نہیں۔ دانائی یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں دشمن کو مراد لیکن دشمن کا تصور واضح کرو۔ کوئی مسلمان مجھے بڑا بھلا کے تو وہ نہ اسلام کا دشمن ہے نہ غدار ہے۔ وہ میرا دشمن ہے۔ میں اُسے اس قانون کا سارا سے کر سزا نہیں دوں گا جو اسلام اور سلطنت اسلامیہ کے تحفظ کے لیے بنایا گیا ہے۔ ملت کا قانون ملت کے امیر کے ذاتی استعمال کے لیے نہیں ہوتا۔ غداری کی سزا اُسے دی جاتی ہے جو ملک اور قوم کی جڑیں کاٹے اور دین کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرے، خواہ حکمران خود ہی اس کا مجرم ہو وہ غدار ہے اور سزا کا مستحق۔

”اس صورت میں جبکہ وہاں نوجوان تیار ہو گئے ہیں ہم انہیں کس طرح استعمال کریں؟“ زابدان نے پوچھا۔
 ”انہیں جوش میں نہ آنے دو“ سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ ”ان کی سوچیں بیدار کرو۔ وہاں کے حالات کے مطابق وہ خود فیصلہ کریں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ وہ جذبات کے غلبے کے تحت نہ سوچیں۔ وہاں اور زیادہ ذہین جاسوس بھیج دو اور یہ یاد رکھو زابدان کہ دشمن ہمیں نہیں ہمارے نوجوان بچوں کا کردار بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے یا ہمارے اُن ممالکوں کا جن کے ذہن بچوں کی طرح خام ہیں۔ کسی بھی قوم کو جنگ کے بغیر شکست دینا چاہو تو اس کے نوجوانوں کو ذہنی عیاشی میں ڈال دو۔ یہ قوم اس حد تک تمہاری غلام ہو جائے گی کہ اپنی مستورات تمہارے حوالے کر کے اس پر فخر کرے گی۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم کو اسی سطح پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ سلطان ایوبی کو جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اُس نے زابدان سے کہا۔ ”میں نے کسی سے کہا تھا کہ کرک کے اُن مسلمانوں تک جو ہتھیار بنا رہے ہیں آتش گیر مادہ پہنچا دیا انہیں بتا دو کہ یہ کس طرح بنا اور استعمال ہوتا ہے۔“
 ”وہ انہیں بتا دیا گیا ہے۔“ زابدان نے جواب دیا۔ ”اطلاع ملی ہے کہ مسلمانوں نے یہ مادہ تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔“

✽

کرک میں ایسے حالات فوراً ہی پیدا ہو گئے جن میں وہاں کے نوجوانوں کو خود ہی سوچنا اور عمل کرنا پڑا۔ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے قافلے لوٹنے کا بھی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ قافلے اتنے عام نہیں تھے۔ تاجر اور دیگر سفر کرنے والے اکٹھے ہوتے رہتے تھے۔ ان کی تعداد ڈیڑھ دو سو ہو جاتی تو قافلے کی صورت میں چلتے تھے۔ یہ ایک حفاظتی اقدام ہوتا تھا۔ قافلے کے ساتھ لڑنے والے مسلح افراد بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی افراط ہوتی تھی۔ تاجروں کا بیشمار مال اور دولت ہوتی تھی۔ قافلے میں چند ایک کنبے بھی ہوتے تھے۔ یہ لوگ نقل مکانی کرتے تھے۔ صلیبی استبداد میں آئے ہوئے مسلمان اکثر وہاں سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اتنے بڑے قافلے کو چند ایک ڈاکو نہیں ٹوٹ سکتے تھے۔ قافلے والے مقابلہ کرتے تھے۔ صلیبیوں نے یہ کام اپنی فوج کے سپرد کر دیا تھا۔ انہیں اگر کسی قافلے کی اطلاع مل جاتی تو اپنی فوج کے ایک دو دستوں کو صحرائی لوگوں کے جھیس میں بھیج کر اسے لوٹ

لیتے تھے۔ قافلوں میں صرف مسلمان ہوتے تھے۔ یہ جرم اُن صلیبی بادشاہوں نے ہی کر لیا اور لٹے ہوئے مال سے حصہ وصول کیا جنہیں آج ناریخ میں صلیبی جنگوں کا ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

اس جرم میں مسلمان املا بھی شامل تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کے حکمران تھے۔ اُن کے پاس فوج بھی تھی۔ لٹے ہوئے قافلوں کے دو چار آدمی فرار ہو کر ان حکمرانوں کے دربار میں جاتے تھے تو ان کی شہنائی نہیں ہوتی تھی کیونکہ ان حکمرانوں کو بھی صلیبی لوگوں نے شرب اور قہوڑے سے سونے کی موت میں حصہ دیا کرتے تھے۔

اگر یہ حکمران چاہتے تو صلیبی ڈاکوؤں کا قلع قمع کر سکتے تھے مگر انہوں نے صلیبی ڈاکوؤں کی ایسی اعلیٰ جہتی سے رکھی تھی کہ یہ ڈاکو اُن کی ریاستوں کے اندر بھی آکر لوٹ مار کرتے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں انصاف کر کے قائم بھی اٹھایا کہ اُن کی ریاستوں کے سرحدی علاقے ہڑپ کرتے گئے۔ انہوں نے بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مسلسل ڈاکوئوں سے پریشان کر کے جزیہ بھی وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح سلطنت اسلامیہ سکڑتی چلی جا رہی تھی۔ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی ان مسلمان ریاستوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ان حکمرانوں کو وہ صلیبیوں سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ ایک بار نور الدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو ایک پیغام بھیجا تھا جس میں کئی اور باتوں کے علاوہ ان چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کے متعلق لکھا تھا۔ ”ان مسلمان حکمرانوں نے اپنی پیش دہشت کے لیے اپنی مائیں صلیبیوں کے پاس گروی رکھ دی ہیں۔ وہ کفار سے نفرت اور زور و جواہرات اور اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں لیتے اور اسلام کا نام ڈبوئے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان کفار سے زیادہ ناپاک اور خطرناک ہیں۔ وہ بادشاہی کے لشے میں

urdu-novelist.blogspot.com

مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر کے انہیں سلطنت اسلامیہ میں دغم کیا جائے اور خلافت بغداد کے تحت لایا جائے۔ اس کے بغیر اسلام کا تحفظ ممکن نہیں۔“

ان خطرہوں کے باوجود کبھی کبھی کوئی بہت بڑا قافلہ صحرائیں جانا نظر آ جاتا تھا۔ کرک سے چند میل دُور سے ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ اس میں ایک سو سے زیادہ اونٹ تھے۔ بہت سے گھوڑے بھی تھے۔ قافلے میں تاجروں کا مال تھا اور چند ایک کنبے تھے۔ ایک کنبہ ایسا بھی تھا، جس میں دو جوان لڑکیاں تھیں۔ یہ نہیں تھیں۔ قافلہ سب معمول مسلمانوں کا تھا۔ کرک کے علاقے سے قافلہ گزر رہا تھا تو صلیبیوں کو پتہ چل گیا۔ انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ بھیج دیا جس نے دن دہارے قافلے پر جا حملہ کیا۔ قافلے کے گھوڑے سواروں نے مقابلہ تو بہت کیا مگر صلیبیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں ریت خون سے لال ہو گئی۔ صلیبیوں نے بچوں تک کو کاٹ ڈالا۔ پندرہ سولہ جواں سال مسلمان رہ گئے۔ انہیں قیدی بنایا گیا۔ دونوں لڑکیوں کو بچا لیا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کو مال و اسباب سمیت کرک لے گئے۔

یہ قافلہ جب کرک میں داخل ہوا تو آگے آگے قیدی تھے۔ ان کے پیچھے دو گھوڑوں پر دو لڑکیاں سوار تھیں جن کا لباس تباہ تھا کہ مسلمان ہیں۔ ان کے پیچھے صلیبی تھے جن کے چہروں پر نقاب تھے اور ان کے پیچھے مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار تھی۔ لڑکیاں رو رہی تھیں۔ کرک کے شہری تماشہ دیکھنے کے لیے باہر نکل

بھی وہ جگہ اندر سے نہیں دیکھی۔

”میں نے دیکھی ہے۔“ موچی نے اپنے کام میں لگن رکھ کر کہا۔ ”میں نے وہاں سے لوگوں کو نکالنا ممکن نہیں۔“
 ”تم کس مرض کی دعا ہو؟“ عثمان صام نے ایسے لہجے میں کہا جس میں جذبات کا لہرہ اور غصہ تھا۔ کہنے لگا
 ”ہماری رہنمائی کرو۔ اگر ہم لوگوں تک پہنچ گئے اور پکڑے گئے تو لوگوں کی گروہیں کاٹ دیں گے۔ انہیں صلیبیوں کے
 پاس زندہ نہیں رہنے دیں گے۔“

”کتنے جوانوں کی قربانی دے سکتے ہو؟“ موچی نے پوچھا۔

”جتنے جوان مانگو گے۔“

”اگل رات۔“

”آج رات۔“ عثمان صام نے مدببے سے کہا۔ ”آج ہی رات برسیں! آج ہی رات۔“

”امام! کسے پس پیچو؟“ موچی نے کہا۔

”کتنے ہزار۔“

برہیں! بچی نے سوچ کر کہا۔ ”آٹھ.... ہتھیار سن لو۔ خنجر! آتش گیر مادہ۔“

عثمان صام نے اپنے جوتے پہنے اور چلا گیا۔

☆

سورج ابھی نوب نہیں ہوا تھا۔ عثمان صام نے راستے میں اپنے ساتھیوں کو گھروں سے بلا کر انہیں امام
 کے گھر پہنچنے کو کہا اور خود امام کے گھر چلا گیا۔ یہ اسی مسجد کا امام تھا جس میں عثمان صام کی ملاقات ”پاگل“ سے ہوئی تھی۔
 عثمان نے ہی امام کو اپنے ماز میں دوز جہالت کی امانت پیش کی تھی جسے جماعت کے ہر فرد نے قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ
 کسی نہ کسی کے گھر میں مل بیٹھے اور لاکھ عمل تیار کرتے تھے۔ اب ان دو مغویہ لوگوں کا مسئلہ سامنے آ گیا تو عثمان صام
 نے ان کی رہائی کا ارادہ کر لیا جو دراصل خودکشی کا ارادہ تھا۔ وہ موچی کے کہنے کے مطابق امام کے گھر چلا گیا۔ امام بے
 چینی سے اپنی ڈیوڑھی میں ٹہل رہا تھا۔ عثمان صام کو دیکھ کر کہا گیا اور پوچھا۔ ”عثمان! تم نے اس قیدی کی
 لٹکار سنی تھی؟ معلوم ہوتا ہے وہ لوگیاں اس کی بہنیں تھیں۔“

”میں اسی لٹکار پر لبیک کہنے آیا ہوں محترم امام!“ عثمان صام نے کہا۔ ”برہیں آ رہا ہے اور میرے

سات دوست بھی آ رہے ہیں۔“

”تم کیا کرو گے؟“ امام نے پوچھا۔ ”تم کبھی کیا سیکو گے؟.... میں جانتا ہوں کہ ہمارے بیشتر لوگیاں

کافروں کے قبضے میں ہیں مگر ان دو لوگوں نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے۔“ اُس نے منہ اب پر کر کے گہری آہ

بھری اور کہا۔ ”یا خدا! مجھے صرت ایک رات کے لیے جوان کر دے یا آج ہی رات میری جان۔“ اُسے۔ اگر میں

زندہ رہا تو تمام عمر ان لوگوں کی آہ و زاری مجھے سنائی دیتی رہے گی اور میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

”ہمیں اپنی دانش کی روشنی دکھائیں۔“ عثمان صام نے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ ہم آپ کو ایک بار رات سے

آئے۔ وہ نایاب پیٹے اور قہقہے لگاتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ٹانہا یہ تانہا مسلمانوں کا ہے اور قیدی بھی مسلمان
 ہیں۔ ان قیدیوں میں ایک جوان سال قیدی آفاق نام کا تھا۔ دونوں مغویہ لوگیاں اس کی بہنیں تھیں۔ آفاق زخمی بھی تھا۔
 اس کی پیشانی اور کندھے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ لٹے ہوئے قافلے کے آگے آگے شہر میں داخل ہوا تو تماشا یوں
 کو دیکھ کر اس نے بلند آواز سے کہا۔ ”کرک کے مسلمانو! ہمارا تماشا دیکھ رہے ہو؟ ڈوب مرو۔ ان لوگوں کو بکھیرو۔“
 یہ میری نہیں تمہاری بہنیں ہیں۔ یہ مسلمان ہیں۔“

ایک صلیبی نے تیچے سے اس کی گردن پر گھونٹ مارا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے ہاتھ رستوں سے پیچھے پیچھے
 بندھے ہوئے تھے۔ ایک قیدی نے اسے اٹھایا تو آفاق پھر چلا گیا۔ ”کرک کے مسلمانو! یہ تمہاری بیٹیاں ہیں۔“
 اُسے دو تین نقاب پوشوں نے پٹیا شروع کر دیا۔ اس کی بہنیں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں اور فریادیں کرتی تھیں۔ ”خدا
 کے لیے ہمارے بھائی کو نہ مارو۔ ہمارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو، اسے نہ مارو۔“ ایک بہن چلا رہی تھی۔ ”آفاق
 خاموش ہو جاؤ۔ تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ مگر آفاق چپ نہیں ہو رہا تھا۔ تماشا یوں میں مسلمان بھی تھے جو
 اپنا خون پی رہے تھے مگر بے بس تھے۔ ان کی غیرت ان کی نظروں کے سامنے سے گزرتی جا رہی تھی اور وہ دیکھ
 رہے تھے۔ ان میں نوجوان مسلمان بھی تھے اور ان میں عثمان صام بھی تھا۔ اُس نے اپنے نوجوان دوستوں کی طرف
 دیکھا۔ سب کی آنکھیں لال تھیں اور دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

عثمان صام تھوڑی دُور تک اس قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ آگے ایک غریب سا موچی بیٹھا تھا، جو
 لوگوں کے جوتے مرت کیا کرتا تھا۔ اُسے کسی مسلمان نے اپنے گھر کی ڈیوڑھی میں سونے کی جگہ دے رکھی تھی۔ دن بھر
 وہ باہر بیٹھا جوتے مرت کرتا رہتا تھا۔ بدقسمت تانہا اُس کے سامنے سے بھی گزرا۔ اُس نے بھی آفاق کی لٹکار اور
 لوگوں کی آہ و زاری سنی۔ آفاق کے چہرے کو خون سے لال دیکھا۔ اُس پر صلیبیوں کا ظلم ہوتا بھی دیکھا لیکن اس
 طرح دیکھا جیسے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس موچی کو نہ کبھی کسی نے مسجد میں جاتے دیکھا تھا نہ گرجے میں۔ وہ
 یودیوں کی عبادت گاہ میں بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ اس کی طرف وہی توجہ دیتا تھا، جسے جوتا مرت کرنا ہوتا تھا۔ اُسے
 کبھی کسی نے بولتے بھی نہیں سنا تھا۔ وہ خلق کا زندہ ہوا انسان تھا جسے صلیبیوں کے ساتھ بھی کوئی دل چسپی
 نہیں تھی اور اسلامیلوں کے ساتھ بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔

عثمان صام چلتے چلتے اس موچی کے قریب سے گزرنے لگا تو رک گیا۔ قیدی آگے نکل گئے تھے۔ اونٹ جا
 رہے تھے۔ جب آخری اونٹ گزر گیا تو عثمان صام نے دونوں جوتے اُتار کر موچی کے آگے رکھ دیئے اور اُس کے
 سامنے بیٹھ گیا۔ موچی کسی کا جوتا مرت کر رہا تھا۔ اُس نے عثمان صام کو سر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ عثمان نے ادھر ادھر
 دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔ ”ان دونوں لوگوں کو آج رات آزاد کرانا ہے۔“

جانتے ہو یہ لوگیاں رات کو کہاں ہوں گی؟“ موچی نے سر اٹھائے بغیر اتنی دھیمی آواز میں پوچھا کہ عثمان
 صام کے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا تھا۔

”مانتا ہوں۔“ عثمان صام نے جواب دیا۔ ”صلیبی بادشاہوں کے پاس ہوں گی، لیکن ہم سے کسی نے

عیسائیوں کے بھیس میں شوکت کی فتح کے بعد وہاں سے بھاگنے والے عیسائیوں کے ساتھ آئے تھے۔ انہیں یہاں نوکری مل گئی تھی اور وہ کامیاب جاسوسی کر رہے تھے۔

تم سب نے وہ عمارت دیکھی ہے جہاں وہ صلیبی حکمران جو ہماری فوج کے خلاف لڑنے کے لیے برطانیہ آئی، فرانس اور جرمنی وغیرہ سے آئے ہوئے ہیں رہتے ہیں۔ اس عمارت میں ایک بڑا کمرہ ہے جہاں وہ شام کے بعد اکٹھے ہوتے، شراب پیتے اور ناچتے ہیں۔ اُن کی نفرین کے لیے لڑکیاں موجود ہوتی ہیں۔ وہ آدمی رات تک وہاں اوجھ بھٹکتے رہتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ وہ جگہ ذرا بلندی پر ہے جہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ وہاں فوج کا پہرہ بھی ہوتا ہے۔ اس عمارت تک پہنچنا ممکن نہیں۔ کوئی عام آدمی بلکہ کوئی خاص شہری بھی اس عمارت کے قریب نہیں جاسکتا۔ میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ دو لڑکیاں کہاں پہل گئی مگر اُن تک رسائی کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہماری فوج باہر سے ابھی حملہ کر دے۔ اس صورت میں تمام حکمران اور فوجی حکام اس عمارت سے چلے جائیں گے اور حملہ روکنے میں لگ جائیں گے۔ مگر آج رات حملہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صلاح الدین ایوبی کب حملہ کریں گے۔

”ضرورت حملے کی ہے۔“ امام نے برجیس سے وضاحت چاہی۔ ”دوسرے لفظوں میں ضرورت یہ ہے کہ اس عمارت میں جو لوگ ہیں وہ وہاں سے چلے جائیں اور لڑکیاں وہیں رہ جائیں۔ اس صورت میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہ پیچھے اس عمارت میں داخل ہو کر لڑکیوں کو اٹھا لائیں۔“

”جی ہاں!“ برجیس نے اپنے تجربے کی بنا پر خود اعتمادی سے کہا۔ ”اگر شہر کے اندر کوئی بڑا ہی شدید اور خطرناک قسم کا ہنگامہ ہو جائے، کہیں آگ لگ جائے اور آگ جنگی ساز و سامان کو لگے تو شاید حکمران اور دیگر لوگ وہاں سے نکل کر موقعہ وار دات پر چلے جائیں۔“ برجیس گہری سوچ میں کھو گیا۔ اُس نے عثمان صادم اور اس کے ساتھیوں کو باری باری دیکھا اور کچھ دیر بعد کہا۔ ”ہاں میرے محابو! اگر ایک جگہ آگ لگا سکتے ہو تو لڑکیوں کی رہائی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔“

”جلدی بتاؤ محترم!“ عثمان صادم نے بے مبر ہو کر پوچھا۔ ”کہاں آگ لگانی ہے۔ کہو تو سارے شہر کو آگ لگادیں۔“

”تم سب نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں صلیبیوں کی فوج کے گھوڑے بندھے رہتے ہیں؟“ برجیس نے کہا۔ ”وہاں اس وقت کم و بیش تیرہ سو گھوڑے ایک جگہ بندھے ہوئے ہیں۔ باقی مختلف جگہوں پر ہیں۔ ان کے قریب اتنی ہی تعداد دونوں کی بندھی ہوئی ہے۔ اُن سے ذرا ہی پرے گھوڑوں کے خشک گھاس کے پھاڑ کھڑے ہیں۔ اس سے تھوڑا ہٹ کر فوج کے خیموں کے ڈھیر ٹپے ہیں۔ وہاں گھوڑا گاڑیاں بھی کھڑی ہیں اور ایسا سامان بے شمار پڑا ہے جسے فوراً آگ لگ سکتی ہے مگر اس کے ارد گرد سنتری گھوم پھر رہے ہوتے ہیں۔ وہاں سے رات کے وقت کسی کو گزرنے کی اجازت نہیں۔ اگر تم اس گھاس اور خیموں کے انباروں کو آگ لگا سکو تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ صلیبی حکمران ساری دنیا کو بھول کر وہاں پہنچ جائیں گے۔ گھاس، کپڑے اور لکڑی کے شعلے آسمان تک جھانگیں گے۔“

زیادہ بے چین نہیں رہنے دیں گے۔“ عثمان صادم کے دو ساتھی اندر آئے۔ امام نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور تینوں سے طالب ہو کر کہا۔ ”آج یوں ملوم ہوتا ہے جیسے میری دانش جواب دے گئی ہے۔ مجھے اس طرح بے قابو نہیں ہونا چاہیے، لیکن کوئی غیرت کو لٹکارے تو مجھے بھول اٹھے ہیں جنہیں مطمئن کرنے کے لیے جوان ہونا ضروری ہوتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن میرے بچہ! میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔“

مگر میں اب برواشت کی قوت نہیں رہی۔ تم جو کچھ کرنے کا ارادہ کرو سنبھل کر کرنا۔“ ایک ایک کر کے سات نوجوان جمع ہو گئے اور اُن کے فوراً بعد موجی آگیا۔ اس نے بوری اٹھا رکھی تھی جس میں پرانے جوتے اور اوزار تھے۔ اُس نے بوری پھینکی اور کمر سیٹی کی۔ وہ ہنس پڑا۔ وہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو کوئی کہ نہیں پرانے جوتے اور اوزار تھے۔ اُس نے بوری پھینکی اور کمر سیٹی کی۔ وہ ہنس پڑا۔ وہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو کوئی کہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ موجی ہے جو دنیا کی گہا گہی سے رشتہ توڑے ہوئے، راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا ہے۔ اُس وقت جب وہ امام کے گھر میں تھا اور دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ موجی نہیں برجیس تھا۔ علی بن سفیان کے حکم سے جاسوسی کے ایک خفیہ شعبے کا تجربہ کار اور نہایت عقل مند جاسوس۔ اُس نے امام سے کہا۔ ”یہ لڑکے آج ہی ان دونوں لڑکیوں کو صلیبیوں کی قید سے آزاد کرانے پر تھے ہوئے ہیں۔ اس کام میں صرف پکڑے جانے کا یا ناکامی کا ہی خطرہ نہیں بلکہ یقینی موت کا خطرہ ہے۔“

”ہم یہ خطرہ قبول کرتے ہیں محترم برجیس!“ ایک نوجوان نے کہا۔ ”آپ اس فوج کے استاد ہیں ہماری رہنمائی کریں۔“

”اگر عقل کی بات سنیں، تو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔“ برجیس نے کہا۔ ”صلیبیوں کے پاس بہت سی مسلمان لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے بعض کو انہوں نے بچپن میں تانلوں اور گھروں سے اغوا کیا تھا اور انہیں اپنی تعلیم و تربیت دے کر ہمارے خلاف جاسوسی اور ہماری کردار کشی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ تم لوگ ایک ایک لڑکی کو تو آزاد نہیں کر سکتے۔ اگر تم سب میرے فن سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو میں کہوں گا کہ دو لڑکیوں کی خاطر تم جیسے اچھے جوان قربان کر دینا عقل مندی نہیں۔ بُردباری اور تحمل ضروری ہے۔“

”میں تحمل کو کس طرح قبول کر سکتا ہوں؟“ عثمان صادم نے بھڑک کر کہا۔

”میری طرح۔“ برجیس نے کہا۔ ”کیا میں پتے کا، مچی ہوں؟ میں جب مصر میں ہوتا ہوں تو میری سولاری کے لیے عربی گھوڑا تیار رہتا ہے اور میرے گھر میں دو ملازم ہیں مگر یہاں تین مہینوں سے راستے میں بیٹھا لوگوں کے غلیظ جوتے مرمت کرتا رہتا ہوں۔۔۔۔۔ میں تمہیں دو لڑکیوں کی آزادی کے لیے پورے کرک اور اس سے آگے کے بہت وسیع علاقے کو آزاد کرانے کے لیے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ برواشت کرو۔ انتظار کرو۔“

عثمان صادم اور اس کے ساتوں دوست برداشت کی حدوں سے نکل چکے تھے۔ اُن کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ ان میں انتظار کی بھی بہت نہیں رہی۔ وہ اسی کی راہنمائی کے بغیر ہی اُس جگہ پر حملہ کرنے کو تیار تھے جہاں توقع تھی کہ لڑکیاں ہوں گی۔ انہوں نے امام کی بھی باتیں سننے سے انکار کر دیا۔ آخر برجیس نے انہیں بتایا کہ اس کے دو جاسوس اُس جگہ معمولی ملازم ہیں جہاں صلیبی حکمران رات کو اکٹھے ہوتے اور شراب پیتے ہیں۔ یہ دونوں جاسوس

سارے شہر پر خوف طاری ہو جائے گا۔ آگ لگانے کے ساتھ ہی اگر تم زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کو کھول دو تو وہ ڈر کر ایسا جاگیں گے کہ لوگوں کو کچلتے پھریں گے۔ مگر سوچنا یہ ہے کہ آگ کون لگائے گا، گھوڑے کون کھولے گا اور آگ لگانے کے لیے وہاں پہنچا کس طرح جائے گا؟

”قرض کرو آگ لگ گئی؟“ ایک نوجوان نے کہا۔ ”اور وہ عمارت بھی خالی ہوگئی تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟“

”میں ساتھ ہوں گا۔“ برہیں نے جواب دیا۔ ”اُس عمارت میں تم میرے بغیر نہیں جا سکو گے۔ وہاں میرے دو ساتھی موجود ہیں۔ وہ مجھے بتا دیں گے کہ روکیاں کہاں ہیں۔ مگر یہ بھی سوچ لو کہ روکیوں کو اٹھا لائیں گے تو انہیں کہیں چھپانا بھی ہوگا اور اُس کے بعد رک کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ میلیبی یقین ہی نہیں کریں گے کہ یہ مسلمانوں کے سوا کسی اور کا کام ہو سکتا ہے۔“

”مسلمان پہلے کتنے کچھ آرام میں ہیں؟“ امام نے کہا۔ ”میں مشورہ دیتا ہوں کہ ہم یہ کام کر گزریں۔ میلیبیوں کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ مسلمان کتنا ہی مجبور اور بے بس کیوں نہ ہو وہ غلام نہیں رہ سکتا اور اس کا دار جگر چاک کر دیا کرتا ہے۔“

برہیں تو تھا ہی کا ٹڈی قسم کا جاسوس۔ وہ کئی راز معلوم کر کے سلطان الیوتی تک پہنچا چکا تھا لیکن اُسے اس قسم کی تخریب کاری کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ایسی شدید کارروائی کو مزوری سمجھتا تھا تا کہ میلیبیوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کیا کر سکتا ہے۔ اُس نے عثمان صام اور اُس کے ساتھیوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ اس سلسلے کی دو کڑیاں بہت نازک تھیں۔ ایک یہ کہ آگ لگانے کے لئے تین چار روکیاں جائیں۔ وہ سنتری سے کسی اعلیٰ فوجی حاکم کا پتہ پوچھیں اور سنتری کو مار ڈالیں۔ برہیں نے روکیوں کو بھیجنے کی اس لیے سوچی تھی کہ عورتوں کو مارنا نوجوان روکی، جو تاثر پیدا کر سکتی ہے وہ کوئی مرد نہیں کر سکتا۔ مرد شک پیدا کر سکتا ہے۔ دوسرا خطرناک مرحلہ یہ آیا کہ کتنے نوجوان میلیبی حکمرانوں کی عمارت پر حملہ آور ہوں۔ برہیں اور امام نے متفقہ طور پر کہا کہ زیادہ نہ ہوں یہی اٹھ ہوں تو بہتر ہے کیونکہ زیادہ ہجوم نظر آ سکتا ہے اور کسی نہ کسی کے پڑے جانے کا خطرہ زیادہ ہوگا۔

پھر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی دلیر روکیاں کہاں سے ملیں گی۔ عثمان صام نے کہا کہ ایک اس کی بہن النور ہوگی۔ ایک اور نوجوان نے کہا کہ دوسری اُس کی بہن ہوگی۔ باقی چھ نوجوانوں میں کسی کی بہن نہیں تھی۔ امید ظاہر کی گئی کہ یہ دو روکیاں اپنی اپنی ایک سہیلی کو ساتھ لے لیں گی۔ برہیں نے ان روکیوں کو ان کا کام سمجھانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ سوچ غروب ہو گیا تھا۔ امام مسجد ایک طرف چلا گیا۔ باقی سب ایک ایک کر کے باہر نکلے۔ سب سے آخر میں برہیں باہر نکلا۔ وہ پھر وہی موچی تھا جسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اُس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ جھکا جھکا اس طرح مری ہوئی چال چلا رہا تھا جیسے ساری دنیا کے رنج و غم کا بوجھ اُس کے کندھوں پر گر پڑا ہو۔

☆

عثمان صام اپنے گھر سے ابھی کچھ دور تھا کہ اُسے ربی الیگزینڈر مل گئی۔ وہ عثمان کی بہن النور کی گہری سہیلی بنی ہوئی تھی۔ دونوں بہن بھائی چاہتے تھے کہ وہ اُن کے گھر نہ آیا کرے لیکن عثمان صام اُسے اپنا ننگ گھر آنے سے روک کر کسی شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ربی اُس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی

جس سے عثمان کو یہ خیال بھی آتا تھا کہ وہ اُس کا کردار خراب کر کے اس کا قومی جذبہ مارنا چاہتی ہے۔ اُس شام ربی راستے میں مل گئی۔ اُس نے کوسکڑا کر دیکھا اور کرنا نہ چاہا مگر ربی رگ گئی اور اُس کا راستہ روک دیا۔ عثمان صام کو ایسا کوئی ڈر نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ایک عیسائی روکی کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنا پڑا گیا تو سزا پائے گا۔ وہ جانتا تھا کہ صلیبی اور یہودی انہیں دیکھ کر خوش ہوں گے کہ اُن کی ایک ایک روکی ایک مشتہ مسلمان نوجوان کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے۔ وہ بھی رگ گیا اور بولا۔ ”میں ذرا جلدی میں ہوں ربی!“

”تمہیں کوئی جلدی نہیں عثمان!“ ربی نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ”کیا تم اتنی آسانی سے مجھ سے بھیجا چھڑا سکو گے؟“

”میں تم سے بھیجا چھڑانے کی تو نہیں سوچ رہا۔“

”مجھوٹ نہ بولو عثمان!“ ربی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تمہارے گھر سے آرہی ہوں۔ تمہاری بہن نے مجھے صاف کہہ دیا ہے کہ یہاں اب کم آیا کرو۔ عثمان ناراض ہوتا ہے۔۔۔ کیوں عثمان! یہ بات تم نے خود کیوں نہ کہہ دی؟“ عثمان صام خاموش رہا۔ اس کی بہن نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اُس کے لیے جواب دینا مشکل ہو گیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر ربی نے کہا۔ ”مجھے یہ تو بتا دو کہ میں تمہارے گھر کیوں نہ آیا کروں؟“

عثمان صام کی ذہنی حالت کچھ اور تھی۔ وہ جلدی میں تھا اور اُس کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ وہ ٹانے کے لیے کوئی موزوں جواب نہ سوچ سکا۔ اُس کے منہ سے وہی بات نکل گئی جو اُس کے دل میں تھی۔ اس نے کہا۔ ”ربی! معلوم نہیں میں خود کیوں نہ تمہیں کہہ سکا کہ ہمارے گھر نہ آیا کرو۔ اب سُن لو۔ تمہاری آپس میں کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو ہم قومی لحاظ سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم ذاتی محبت کی بات کرو گی مگر میں قومی محبت کا قائل ہوں جو صلیب اور قرآن میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا وطن ہے۔ تمہاری قوم یہاں کیا کر رہی ہے؟۔۔۔۔۔ جب تک تمہاری قوم کے آخری آدمی کا بھی وجود یہاں رہے گا ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے۔۔۔۔۔ میرے دل میں جو کچھ تھا وہ تمہیں بتا دیا ہے۔“

”اور میرے دل میں جو کچھ ہے وہ بھی سُن لو۔“ ربی نے کہا۔ ”میرے دل سے تمہاری محبت نہ صلیب نکال سکتی ہے نہ قرآن ہیں جب تک تمہیں دیکھ نہ لوں مجھے سپین نہیں آتا۔ تمہیں مسکراتا دیکھتی ہوں تو میری روح بھی مسکراتی ہے۔ سُن لو عثمان! اگر تم نے مجھے اپنے گھر آنے سے روکا تو ہم دونوں کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔“

”تم مجھے دھمکی دے سکتی ہو۔ تم حکمران قوم کی روکی ہونا!“ عثمان صام نے قہر سے کہا۔

”اگر میرے دماغ میں حکمرانی کا نشہ ہوتا تو تم یہاں نہ کھڑے ہوتے، قید خانے میں لگی سڑ رہے ہوتے۔“ ربی نے کہا۔ ”کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ مجھے تمہارے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں؟ کہو تو تمہاری زمین دونوں روکیوں کی تفصیل سنا دوں۔ کہو تو تمہارے گھر سے وہ سارے خنجر، تبر و کمان اور آتش گیر مادہ برآمد کروا دوں جو تم نے اپنے گھر میں میری قوم اور میری حکومت کے خلاف استعمال کرنے کے لیے چھپا رکھا ہے اور جو تمہیں گھر میں رکھنے اجازت نہیں۔ النور کو تم تیغ زنی سکھا رہے ہو اور تمہارے ساتھ جو دوست ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں میں اُن میں سے کئی ایک کو

امکان زیادہ ہے۔ اگر تم پکڑے گئے اور تمہارے ساتھی نکل آئے تو جان دے دینا، اپنے ساتھیوں کے نام بچے۔
بتانا۔ میں تمہیں صلاح القین الیقینی کی فوج کے لیے جوان کر رہا تھا لیکن تمہاری بہن کی شادی کر کے تمہیں رخصت کرنے
کی سوچی تھی۔ جاؤ اور میری روح کو مطمئن کرو۔ ایک بار پھر سن لو۔ میں کسی سے یہ نہیں کہتا کہ تمہاری لڑکیوں میں
کا خون نہیں تھا۔

باپ نے بیٹی کو بھی اعانت سے دی۔ عثمان صام نے اسے بتایا کہ برہیں ڈیوڑھی میں بیٹھا ہے اور وہ اس مہر کی
کمان اور رہنمائی کرے گا۔ باپ ڈیوڑھی میں برہیں کے پاس چلا گیا۔ عثمان نے التور سے کہا کہ وہ فوراً اپنی ایک یاد
ایسی سیلیوں کو بلا لائے جو اس کام میں شامل ہونے کی جرأت رکھتی ہیں۔ التور اُسی وقت باہر نکل گئی اور درسی دیر
میں دو سیلیوں کو بلا لائی۔ اتنے میں عثمان صام کا ایک ساتھی اپنی بہن کے ساتھ آ گیا۔ ایک ایک کر کے ساتوں جہان
آگئے۔ برہیں نے لڑکیوں کو بتایا کہ وہ کس راستے کہاں جائیں گی۔ راستے میں انہیں ایک سنتری روکے گا۔ لڑکیاں
اس سے پوچھیں گی کہ ادھر کو کون سا راستہ جانا ہے۔ وہ کہیں گی کہ شاہ رینا اللہ نے انہیں بلایا ہے لیکن وہ غلط راستے پر
آگئی ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی نوکرانیوں کے بھیس میں ہوگی جس کے سر پر سامان ہوگا۔ سنتری کو ختم کرنا ہوگا۔ پھر
آگ لگانی ہوگی۔ آگ لگانے والا سامان "نوکرانی" کے سر پر ہوگا۔ گھوڑے اس طرح بندھے ہوں گے کہ بچے بچے رستوں
کے سرے زمین میں دبائے ہوئے ہوں گے اور گھوڑوں کی پھلی ایک ایک ٹانگ سے زنجیر پارتی بندھی ہوگی جو رستوں سے
گزاری ہوئی ہوگی۔ ان بچے رستوں کو خجروں سے کاٹ دینا ہوگا اور خجروں کو خجروں سے ہٹانے ہونگے تاکہ وہ نہ زبردستی چلا سکیں۔
برہیں نے لڑکیوں کو فوراً لباس اور صلیبہ درست کرنے کو کہا اور ایک نوکرانی بنا دیا۔ اُس کے منہ اور

ہاتھوں پر سیٹی اور سیاہی سی مل دی۔ پھر وہ عثمان صام اور اس کے ساتھیوں کو ہدایات دینے لگا۔ وہ خود اُن کے ساتھ
جا رہا تھا۔ عثمان صام کے باپ نے بھی انہیں کچھ مشورے دیئے۔ پھر سب کو خجروں سے دیئے گئے۔ غلاما وقت گزر گیا تھا،
لیکن برہیں کہہ رہا تھا کہ ابھی شہر جاگ رہا ہے۔ اُس جگہ کی رونق اُس وقت مہاگتی تھی جب شہر سو جاتا تھا۔ تیار یوں
میں وقت گزرا رہا اور رونق کی کا وقت ہو گیا۔ سب کو اکیلے اکیلے جانا اور ایک طے شدہ مقام پر ملنا تھا۔ لڑکیوں کا
راستہ الگ تھا۔ انہیں اندازاً وقت بتا دیا گیا تھا جب انہیں آگ لگانی تھی۔ اُس وقت برہیں کی جماعت کو محلے
کے مقام پر ہونا چاہئے۔۔۔ یہ بے حد نازک اور خطرناک مہم تھی جس میں وقت کی غلطی اور کسی کی کوئی بے احتیاطی
سب کو ایسے قید خانے میں ڈال سکتی تھی جو جہنم سے کم نہیں تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ لڑکیوں کا تھا کیونکہ وہ لڑکیاں
تھیں۔ تصور کیا جاسکتا تھا کہ اُن کے پکڑے جانے کی صورت میں اُن کا کیا حشر ہوگا۔ التور نے کہا کہ پکڑے جانے کا
خطرہ ہوا تو لڑکیاں اپنے خجروں سے خودکشی کر لیں گی۔ وہ کفار کے ہاتھ زندہ نہیں آئیں گی۔

شہر پر خاموشی طاری ہوتے ہوئے سارا شہر خاموش ہو گیا۔ کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ صرت ایک جگہ
نئی جہاں رات کے سکوت کا ذرہ بھرا نہ نہیں تھا۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں صلیبوں کی متعدد کمان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔
وہیں صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں کی رہائش بھی تھی۔ یہ لوگ اُس ہال میں ایک ایک کر کے آچکے تھے جہاں وہ ہر
رات شراب نوشی اور رقص کی مہفل جمایا کرتے تھے۔ اُس رات اُن کا موضوع دونی مسلمان لڑکیاں اور مال و اسباب

ساتھ ہوں لیکن عثمان! تم نہیں جانتے کہ تمہارے اور قید خانے کے درمیان میرا وجود حائل ہے۔ تم جانتے ہو
کہ میرا باپ کون ہے اور وہ کیا نہیں جانتا اور کیا نہیں کر سکتا۔ وہ پانچ مرتبہ گھر میں بتا چکا ہے کہ عثمان کی گرفتاری
منروسی ہوگی ہے۔ میں نے پانچوں مرتبہ باپ سے منت کر کے کہا ہے کہ عثمان کی بہن میری بڑی پیاری بہیلی ہے
اور اس کا باپ ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ دو تین بار میرے باپ نے مجھے ڈانٹ کر کہا ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ
نقلی توڑ دوں۔ مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان اس قابل نہیں کہ اُن کے ساتھ اتنی زیادہ محبت اور مروت کی جائے،
لیکن میں ماں باپ کی اکیلی اولاد ہوں، وہ مجھے ناراض بھی نہیں کرنا چاہتے۔

یہ سوج غروب ہو گیا تھا۔ شام تاریک ہونے لگی تھی۔ عثمان صام خاموش رہا۔ اُس کا ذہن کسی اور طرف تھا۔
وہ کچھ جواب دینے بغیر چلا پڑا۔ ابھی دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ رینی نے آگے ہو کر اسے اس طرح روک لیا کہ اس کا سینہ
عثمان کے سینے سے ٹک گیا۔ رینی نے دونوں ہاتھ اس کے گولہوں پر رکھ دیئے۔ اُس کے جسم سے عثمان کو ایسی عطرینر
بُڑائی جو مسلمان گھرانوں میں نہیں ہوتی تھی۔ لڑکی اُس کے قریب ہو گئی۔ اتنی قریب کہ اُن کی سانسیں ٹکرانے لگیں۔ رینی
کے دم ریشم جیسے بال جب عثمان صام کے گالوں سے گئے تو وہ یوں ٹھپ اٹھا جیسے پتھر سے آنسو ہونے کی
کوشش کی ہو۔ رینی نے اسے چھوڑ دیا۔

"مجھے آزاد کر دو رینی!" عثمان صام نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے پتھر بن جانے دو۔ میرا راستہ
کوئی اور ہے۔ ہم اکٹھے نہیں چل سکیں گے۔"

"محبت قربانی مانگتی ہے۔" رینی نے نشیلی آواز میں کہا۔ "کہو کیا قربانی مانگتے ہو میں تمہاری قربانی کر دوں گی۔"
تم جوجی میں آئے کرو۔ میں تمہیں قید نہیں ہونے دوں گی۔

"اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔" عثمان صام نے طنز پر کہا۔ "کہ میں تمہیں بتاؤں گا ہی نہیں کہ میرے جی میں کیا
آتی ہے اور میں کیا کرنے والا ہوں۔ میں تمہارے اس حسین جسم اور ریشمی بالوں کے جادو میں نہیں آؤں گا۔"

"تو پھر مجھے ثابت کرنا پڑے گا کہ میں تمہارے لیے قربانی کر سکتی ہوں۔" رینی نے کہا۔ "جاؤ عثمان! تم جلدی
میں ہو لیکن میں تمہارے گھر آنے سے باز نہیں آؤں گی۔"

عثمان صام دوڑ پڑا۔ رینی اسے دیکھتی رہی اور آہ بھر کر چلی گئی۔

☆

عثمان صام گھر میں داخل ہوا تو برہیں وہاں پہنچ چکا تھا۔ عثمان صام اندر چلا گیا اور اپنے باپ، ماں اور
التور کو تفصیل سے بتایا کہ صلیبوں نے مسلمانوں کا ایک قافلہ ٹوٹا ہے اور دو لڑکیوں کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ اُس
نے تمام تر واقعہ سن کر کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن لڑکیوں کو آزاد کرانے جا رہا ہے اور اس مہم میں التور کی بھی
ضرورت ہے۔ عثمان صام کے باپ کی ٹانگ صلیبوں کے خلاف لڑتے ہوئے جوانی میں کٹ گئی تھی اور وہ باقی عمر اس
افسوس میں کاٹ رہا تھا کہ وہ جہاد کے قابل نہیں رہا۔ اُس نے عثمان سے کہا۔ "بیٹا! تم نے اگر اتنے خطرناک کام کا
الودہ کر لیا ہے تو مجھے یہ نہ سننا پڑے کہ تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ غارتگری کی ہے۔ اس کام میں پکڑے جانے کا

تھا جو خانے سے لوٹ گیا تھا۔۔۔ کسی نے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کسی اور کام بھی آسکتی ہیں؟ اس کا جواب ایک فوجی کمانڈر نے یہ دیکر لوگیاں بالغ ذہن کی ہیں اس لیے انہیں جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ایک کی عمر سولہ سترہ سال ہے اور دوسری کی بائیس تیس سال۔ کچھ عرصہ تفریح کے لیے استعمال ہو سکتی ہیں۔

”اس کے بعد انہیں اپنے دو فوجی افسروں کے حوالے کر دینا۔“ ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا۔ ”وہ ان کے ساتھ شادی کر لیں گے۔“

یہ لوگیاں ان کے ہستی مذاق اور غلیظ باتوں کا مومنوع بنی رہیں اور وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے رہے۔ اُس وقت لوگیاں دو الگ الگ کمروں میں تھیں۔ وہ دو دکر پے مال ہو رہی تھیں۔ دونوں کے ساتھ ایک ایک سلاخہ تھی۔ یہ ادھیڑ عمر عورتیں بڑی خوناٹ اور اس فن کی ماہر تھیں۔ وہ لوکیوں کو نہلا سکی تھیں اور انہیں رات کا لباس پہنا رہی تھیں۔ لوکیوں نے کچھ بھی نہیں کھلایا تھا۔ ان کے آگے ایسے ایسے کھانے رکھے گئے تھے جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے لیکن انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ دونوں عورتیں انہیں بڑے ہی حسین سبز باغ دکھا رہی تھیں۔ ایک کو بتایا جا رہا تھا کہ اُسے فرانس کے بادشاہ نے پسند کیا ہے بخدا اُسے زرد جوہرات سے لاؤ دیگا۔ دوسری کو جرمین کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دکھائے جا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں بڑے پیار سے دھکیاں بھی دی جا رہی تھیں کہ انہوں نے اگر ان بادشاہوں کو ناراض کیا تو وہ انہیں فوجی سپاہیوں کے حوالے کر دیں گے۔

یہ لوگیاں محرومی و دیہات کی رہنے والی تھیں۔ کوئی ایسی بزدل بھی نہیں لیکن بے بس ہو گئی تھیں۔ ان کی عصمت کی خاطر میلیمی استبداد میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ ان کے ماں باپ اور بڑے بھائی نے ان کی عصمت کی خاطر میلیمی استبداد کے علاقے سے ہجرت کی تھی مگر میلیمیوں کے پسند سے میں آگئے۔ لوگیاں پکڑی گئیں۔ ماں باپ مارے گئے اور بھائی قید ہو گیا۔ خدا کے سوا ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ قید سے نکل جا گئے کے بھی قابل نہیں تھیں۔ وہ روتی تھیں تو موت خدا کو یاد کرتی اور خدا کو ہی مدد کے لیے پکارتی تھیں۔ اپنی موت کے علاوہ اپنے بھائی آفاق کے لیے وہ بہت پریشان تھیں۔ اُس وقت آفاق بیگار کیمپ میں تڑپ رہا تھا۔ وہ زخمی تھا اور اُسے پیٹا بھی بہت گیا تھا۔ پہلے کے قیدی شام کے وقت روزمرہ کی مشقت سے آتے تھے۔ انہوں نے ان سے قیدیوں کو دیکھا۔ ان کی بیتا سنی۔ ان میں صرت آفاق زخمی تھا۔ کسی نے اس کی مرہم پٹی نہیں کی تھی۔ تین چار قیدیوں نے مرہم اور کچھ دہی دوائیاں چھپا کر رکھی ہوئی تھیں۔ رات کو انہوں نے آفاق کے زخم صاف کیے اور مرہم بھر کر اوپر کپڑے باندھ دیئے۔

آفاق کو اپنے زخموں کا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کا دھیان اپنی بہنوں کی طرف تھا۔ قیدیوں سے وہ پوچھتا تھا کہ اُس کی بہنیں کہاں ہوں گی اور وہ قید سے کس طرح بھاگ سکتا ہے۔ قیدیوں نے صاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اُس کی بہنیں کہاں ہوں گی اور ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہوگا۔ اُسے بتایا گیا کہ اس قید خانے کی کوئی دیوار نہیں اور انہیں بیڑیاں بھی نہیں ڈالی گئیں پھر بھی وہ یہاں سے بھاگ نہیں سکتا کیونکہ سنتری گھوم بھر رہے ہیں اور اگر وہ یہاں سے نکل بھی جائے تو جلائے گا کہاں۔ کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔ اس کی سزا اتنی اذیت ناک موت ہو گئی جس کا وہ تصور

بھی نہیں کر سکتا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہاں کئی کئی سالوں سے قیدی پڑے ہیں جو کرک ہی کے رہنے والے ہیں لیکن بھاگنے کی جرات نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ پکڑے نہ گئے تو میلیمی اُن کے پورے خاندان کو قید میں ڈال دیں گے۔ ان تمام مجبور یوں اور خطروں کے باوجود آفاق قرار اور بہنوں کو رہا کرانے کی سوچ رہا تھا۔ اُس کا جسم پلٹنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ قیدی دن بھر کے تھکے ماندے بے ہوشی کی نیند سو گئے اور آفاق جاگ رہا تھا۔

۵۶

”لوگیاں پکڑی نہ گئی ہوں۔“ عثمان صادم نے سرگوشی میں کہا۔

”خدا کو یاد کرو عثمان!“ برہمیں نے کہا۔ ”ہم اس وقت موت کے منہ میں ہیں۔ دل سے تمام ثنوت نکال دو اور خدا کو دل میں بٹھا لو۔۔۔ تمہیں دوسرے لوگوں پر بھروسہ ہے؟“

”پورا بھروسہ۔“ عثمان نے کہا۔ ”ان کا فکر نہ کرو۔ مجھے لوکیوں کا فکر ہے۔“

”خدا کو یاد کرو۔“ برہمیں نے کہا۔ ”ہم چوری کیوں نہیں آتے۔ اللہ مدد کرے گا۔“

اُس وقت عثمان صادم اور برہمیں گھر میں نہیں تھے۔ وہ اُس عمارت سے جس میں مغویہ لوگیاں تھیں اتنی دور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے جہاں سے عمارت انہیں اپنے سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی۔ ان کے سات ساتھی اُن سے تھوڑی ہی فاصلہ بھر کر انہی کی طرح چھپے ہوئے تھے۔ برہمیں نے انہیں بھی طرح بتا دیا تھا کہ کون سے شاخے پر انہیں کیا کرنا ہے۔ عثمان صادم کو اُن چار لوکیوں کا غم تھا جو فوجی سامان اور گھاس کو آگ لگانے کے لیے گئی تھیں۔ ان میں اس کی اپنی جان اتنی بھی تھی۔ اُس وقت تک آگ لگ جانی چاہئے تھی۔ توقع یہ تھی کہ اگر سکیم کامیاب رہی تو آگ کے شعلے اٹھیں گے۔ پھیلیں گے۔ اس عمارت سے تمام کمانڈر وغیرہ آگ کی طرف بھاگیں گے جو ایک قدرتی تدبیر تھا کیونکہ فوجی سامان کو آگ لگنے کی صورت میں وہ اپنی مفصل عیش و طرب میں مگن نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کے ہاتھ ہی ان لو جو انوں کو عمارت پر لوٹ پڑنا تھا، مگر لوکیوں کو گئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ شاید سنتری نے انہیں روک کر واپس بھیج دیا ہوگا۔

لوگیاں ابھی سنتری تک ہی نہیں پہنچی تھی کیونکہ وہاں سنتری تھا ہی نہیں۔ سنتری کا نہ ہونا خطرہ تھا، کیونکہ زندہ رہنے کی صورت میں وہ انہیں آگ لگانے پکڑ سکتا تھا۔ لوکیوں نے سنتری کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ وہ خشک گھاس کے پہاڑوں جیسے ڈھیروں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ اندھیرے میں انہیں خمیوں کے انبار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکٹھی جا رہی تھیں۔ انہیں ایک جگہ ڈنڈے سے بندھی ہوئی مشعل کا شعلہ نظر آیا۔ وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ سنتری سامنے آگیا۔ مشعل کا ڈنڈا زمین میں گڑھا ہوا تھا۔ سنتری نے مشعل اٹھالی اور لوکیوں کے قریب آکر انہیں روکا۔ وہ لوکیوں کا بھڑکیلا لباس اور سج دھج دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ ان کے ساتھ ایک نوکرانی تھی جس نے سر پر گھڑی سی اٹھا رکھی تھی۔ سنتری نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہی ہیں۔

”معلوم ہوتا ہے ہم غلط راستے پر آ گئی ہیں۔“ انور نے بڑی شوق منی سے کہا۔ ”شاہ رینالڈ کا دعوت نامہ آیا تھا۔ ہم نے رات کو آنے کا وعدہ کیا تھا۔ فلائیر ہو گئی تو کسی نے بتایا کہ یہ راستہ چھوٹا ہے۔ یہاں تو آگے

معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے وغیرہ بندھے ہیں۔ ہم کہہ رہے ہیں؟
ایک معمولی سے سنتری پر رعب ماری کرنے کے لیے شاہ رینالڈ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ ہاتھ تھا کہ سیلیبی ابقا۔
کس تماش کے لوگ ہیں۔ رینالڈ نے ان لوکیوں کو عیش و عشرت اور ناپاکانے کے لیے بلایا ہوگا۔ لوکیوں کے لباس
عمریں اور ان کی شکل و صورت اور اندر کے بات کرنے کا انداز اور کھلنڈر اس انداز بتا رہا تھا کہ یہ اُس کے اعلیٰ احکام
کے مطلب کی لوکیاں ہیں۔ اُس نے انہیں راستہ بتانا شروع کر دیا۔ ایک لڑکی اس کے پیچھے ہو گئی اور اتنی دُور سے
خبریں کی پیٹھ میں گھونپا کہ دل کو چیز تازہ نگے نکل گیا۔ اُس کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔ انور نے مشعل پر دونوں
پاؤں رکھ کر اس کا شعلہ بجھا دیا۔ باقی لوکیوں نے بھی سنتری کے جسم میں اپنا منہ ڈھل کر دیا۔ سنتری کی آواز بھی نہ نکلی۔
برجیس نے انہیں بتایا تھا کہ گھاس کو آگ لگے گی تو اس کی روشنی میں انہیں خیموں کے ڈھیر اور گاڑیاں نظر آجائیں گی۔
گھاس کے پہاڑ تو انہیں اندھیرے میں بھی نظر آ رہے تھے۔ جو لڑکی کو کوئی بتی ہوئی تھی اس نے جلدی سے سر سے
گھڑی اتاری۔ اس میں آتش گیر مادہ اور آگ لگا دی۔ پھر دوسرے اور تیسرے کو اور ذرا سی دیر میں تمام ڈھیروں کو
انہوں نے گھاس کے ایک ڈھیر کو آگ لگا دی۔ پھر دوسرے اور تیسرے کو اور ذرا سی دیر میں تمام ڈھیروں کو
آگ لگ گئی۔ اب خطرہ بڑھ گیا تھا کیونکہ روشنی ہو گئی تھی۔ بخود ہی دُور انہیں پٹے ہوئے خیموں کے ڈھیر نظر آ گئے۔
یہ کپڑا تھا۔ اسے آگ لگا تھا۔ خیمے بھی جلنے لگے۔ غالی گھوڑا گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔
لوکیوں میں غیر معمولی پھرتی آگئی تھی۔ انہوں نے تین چار گاڑیوں پر آتش گیر مادہ پھینکا اور آگ لگا دی۔ اتنی دیر میں
گھاس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔ لوکیاں گھوڑوں کی طرف بھاگیں۔ ابھی تک کوئی بیدار نہیں تھا۔
انہوں نے خیموں سے وہ لمبے لمبے رستے کاٹ دیئے جن کے سرے زمین میں دبے ہوئے تھے اور ہر رستے کے ساتھ
چالیس سے پچاس گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ لوکیوں نے چند ایک گھوڑوں کو خنجر مارے۔ وہ پدک کر اور شعلوں
کے ڈر سے بہت ناک آواز سے مہنہ مہنہ لگے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔ جو گھوڑے کھل نہ سکے انہوں نے اودھم
بپا کر دیا۔ معلوم نہیں کتنے گھوڑے کھل کر ادھر ادھر دوڑنے اور مہنہ مہنہ لگے۔ اونٹ کھلے تھے اور آرام سے بیٹھے
تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔

چاروں لوکیاں بے لگام گھوڑوں اور بے ہند اوٹوں کے نرغے میں آ گئیں۔ دوسری طرف شعلے تھے جن
کی تپش دُور سے بھی جسموں کو جلاتی تھی اور جانوروں کے اس قدر زیادہ شور و غل اور دھماکوں جیسے ٹاپوؤں سے
فوج بیدار ہو گئی۔

مغویہ لوکیوں کو دُور نہیں بنا دیا گیا تھا۔ دونوں کے کمروں میں بیک وقت ایک ایک آدمی داخل ہوا۔ یہ
میلیبیوں کے جنگجو حکمران تھے۔ وہ شراب میں بے ہوش تھے۔ خادما میں باہر نکل گئیں۔ لوکیاں کمروں میں بھاگ دوڑ کر
پناہیں ڈھونڈنے لگیں۔ اُن کی عصمت کا پاسان خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ ایک لڑکی دونوں گر پڑی اور ہاتھ جوڑ کر
اور نہ کرنا کہہ کر کے لیے پکارا۔ میلیبی نے تمقہ لگایا اور اُس کی طرف بڑھا۔۔۔۔۔ باہر اُسے شور و غل سنائی دیا۔
یہ غیر معمولی شور تھا۔ اُس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو ایسے لگا جیسے پورے شہر کو آگ لگ گئی ہو۔ گھوڑوں اور

اونٹوں کی خوفناکی کا یہ عالم کہ کچھ گھوڑے اس بلندی پر بھی چڑھ آئے جس پر یہ عمارت تھی۔ اُس کا نشہ فوراً اُڑ گیا۔
دوسرا بھی باہر نکل آیا۔ دو تین آدمی دوڑتے آئے اور گھبراہٹے ہوئے لمبے میں کھا کر گھاس، خیموں اور گاڑیوں کو آگ
لگ گئی ہے۔ دوڑتے ہوئے جانور ملنے لگے کئی آدمیوں کو کچل دیا ہے۔

اگر آگ شہر کو لگتی تو یہ حکام بہوانہ کرتے۔ وہاں تو فوج کا سامان مل رہا تھا اور فوج کے سینکڑوں جانور کھل گئے
تھے۔ ذرا سی دیر میں تمام حکمران اور کمانڈر اور وہاں جو کوئی بھی تھا، دوڑتے نکل گئے۔ وہ اپنی کرائی میں آگ بھانے
کا بندوبست کرنا چاہتے تھے۔ اس عمارت کے ارد گرد جو مسلح سپاہی بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ باڈی گارڈ بھی اپنے
حکام کے پیچھے دوڑتے گئے۔ برجیس نے بند آواز سے پکارا۔ ”تم بھی چلو۔“ اور وہ عمارت کی طرف اُٹھ دوڑا۔ اس
کے اٹھ جان بھی دوڑ پڑے۔ اُن کے ہاتھوں میں خنجر تھے عمارت کے برآمدوں میں جا کر اُس نے اپنے شان و شوکت
کو پکارتا شروع کر دیا جو وہاں عیسائیوں کے بھیس میں ملازم تھے۔ اُن میں سے ایک مل گیا۔ اُس نے برجیس کو پہچان
لیا۔ برجیس نے اس سے پوچھا کہ آج جو لوکیاں یہاں لائی گئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ اُسے معلوم نہیں تھا۔ اُس نے کمرے دکھا
دیئے اور خود بھی ساتھ ہو لیا۔ وہاں اب سہولت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ کوئی ذمہ دار آدمی موجود نہیں تھا۔ پیچھے تو کچھ کارہ
گئے تھے جو آگے جا کر بلندی سے آگ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ برجیس کی سلیم پوری طرح کامیاب تھی۔

وہ ملازم کی رہنمائی میں اُن کمروں میں جانے لگے جہاں لوکیاں ہوتی تھیں۔ وہاں برآمدوں میں کچھ لوکیاں کھڑی
تھیں۔ اُن میں بعض نیم برہنہ تھیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آج جو لوکیاں آئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ انہیں بھی معلوم نہ تھا۔
آخر ایک کمرے میں گئے تو ایک لڑکی مل گئی۔ وہ کمرے میں دبی ہوئی تھی۔ عثمان سامم اور اُس کے بعض ساتھیوں نے
اُسے دن کے وقت دیکھا تھا جب ان دونوں کو لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ برجیس کی پادری کے
تمام آدمی نقاب پوش تھے۔ انہیں دیکھ کر لڑکی نے چیخ ماری۔ برجیس نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور اسے رہا
کرانے آئے ہیں، مگر وہ لڑکی اتنی ڈری ہوئی تھی کہ اُن کے ہاتھ نہیں آرہی تھی۔ انہوں نے اُسے زبردستی اٹھالیا۔
دوسرے کمرے میں اُس کی بہن مل گئی اس کا ردِ عمل بھی یہی تھا۔ اُسے بھی زبردستی اٹھالیا گیا۔ دوسری لوکیاں جو ایک
عرصے سے میلیبیوں کے پاس تھیں، یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان آدمیوں کو ڈاکو سمجھ کر ادھر ادھر بھاگ گئیں۔ مغویہ
بہنیں چیخ و پکار کر رہی تھیں۔ انہیں برجیس نے غصے سے کہا کہ وہ سب مسلمان ہیں اور انہیں مسلمان گھرانوں میں
لے جا کر چھپائیں گے۔ بڑی ہی مشکل سے انہیں خاموش کیا گیا اور جانباڑوں کی یہ جماعت وہاں سے نکل گئی۔

۲۶

آگ کا منظر بے حد خوفناک تھا۔ شعلے تو فوج سے کہیں زیادہ اونچے جا رہے تھے اور دُور دُور تک پھیل گئے
اور پھیلتے ہی چلے جا رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں نے سارے شہر میں قیامت پھا کر رکھی تھی۔ سارا شہر جاگ اٹھا تھا۔
گیلوں میں، سڑکوں پر اور میدانوں میں ان جانوروں نے اس قدر دہشت پھیلا دی تھی کہ لوگ دیک کر گھروں میں بیٹھ
گئے تھے اور آگ نے جو دہشت پھیلائی تھی اس سے بعض لوگ گھروں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔
افرائی اور بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ وہ عقل مند اور موقع شناس تھے۔

انہوں نے آگ بجھا گئے دوڑتے جانور اور افزائش دیکھی تو یہ معلوم کیے بغیر کہ یہ معاملہ کیا ہے، یہ مشہور کر دیا کہ صلاح الدین الیوتی کی فوجیں شہر میں داخل ہو گئی ہیں اور شہر کو آگ لگا رہی ہیں۔ یہ افواہ مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہوش اڑ گئے۔ یہ افواہ آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ غیر مسلموں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

میلیبی حکمران اور اعلیٰ احکام آگ کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ انہوں نے بھی بھیجا کہ مسلمانوں کی فوج قلعے میں کہیں لقب لگا کر اندر آگئی ہے۔ انہوں نے فوج کو قلعے کے دفاع کے لیے جنگی ترتیب میں فوراً چلے جانے کا حکم دیا اور اسی فوج کے کچھ حصے کو قلعے کے باہر جانے کو کہا۔ مذہب کا تذکرہ کرتے کی دیوار پر چڑھے اور باہر دیکھا۔ باہر خاموشی تھی کسی طرف سے حملہ نہیں ہوا تھا۔ قلعے کا عقبی دروازہ کھول دیا گیا تاکہ فوج باہر جاسکے۔ رات کے وقت قلعے کا دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا لیکن اس خیال سے دروازہ کھول دیا گیا کہ سلطان الیوتی کا کوئی مہماں دوستہ اندر آگیا ہے جس نے جگہ ڈھچکا دی ہے۔ یہ باہر کے حملے کا پیش خیمہ ہے۔ فوج آ رہی ہوگی۔ اس فوج کو شہر سے دور رکھنے کے لیے میلیبیوں نے رات کو ہی فوج باہر بھیج دی اور دروازہ کھولنے کا خطرہ مول لے لیا۔ یہ فیصلہ دراصل گھبراہٹ میں کیا گیا تھا اور یہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ بعض غیر مسلموں نے جو عقبی دروازے کے قریب تھے دیکھ لیا کہ دروازہ کھل گیا ہے، وہ اندھا دھند دروازے کی طرف بھاگے۔ انہیں دیکھ کر دوسرے شہری بھی ان کے پیچھے گئے۔ وہاں سے فوج گزر رہی تھی۔ شہریوں کا سیلاب آگیا جسے کوئی نہ روک سکا۔

آگ بجھتی جا رہی تھی۔ گھوڑا گاڑیوں کے قریب ہی رسد کی بوریوں کے انبار تھے۔ بہت سادہ گیر اقسام کا سامان بھی پڑا تھا۔ آگ پر قابو پانا ضروری تھا مگر پانی کی قلت تھی۔ نہ کوئی تالاب تھا نہ کوئی ندی۔ شہر میں تھوڑے سے کنوئیں تھیں لیکن پانی لسنے والا کوئی نہ تھا۔ شہری گھروں میں چھپ گئے تھے یا بھاگ رہے تھے۔ یہ کام فوج کر سکتی تھی۔ فوج کی کچھ نفری کو بلا دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی کسی کو ان مسلمان قیدیوں کا خیال آگیا جو بیگار کیمپ میں پڑے ہوئے تھے۔ فوراً حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو اس اعلان کے ساتھ لے آؤ کہ وہ آگ پر قابو پالیں تو انہیں صبح کے وقت رہا کر دیا جائے گا۔ قیدی باہر کے تور سے جاگ اٹھے تھے اور سنتری انہیں ڈنٹے مار مار کر سوجانے کو کہہ رہے تھے۔ اتنے میں حکم آگیا کہ قیدیوں کو پانی لسنے اور آگ پر پھینکنے کے لیے لے چلو۔ رہائی کا اعلان بھی کیا گیا۔ ان میں آفاق بھی تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈا ہو کر اور زیادہ ڈکنے لگا تھا۔ اُس نے ایک قیدی سے کہا۔ ”میلیبیوں کی ساری سلطنت جل جائے گی میں آگ بجھانے نہیں جاؤں گا۔“

”پاگل نہ ہو۔“ ایک قیدی نے اسے کہا۔ ”ان لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ آگ بجھاؤ اور کل رہا ہو جائے لیکن یہ دھوکہ ہے۔ یہ کافر جھوٹ بولتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چلو اور بھاگ نکلو۔ ہم نہیں بھاگ سکتے کیونکہ یہ لوگ ہمارے گھروں سے واقف ہیں۔ تم نکل جانا۔“

”جاؤں گا کہاں؟“

”دونوں لیکن رہاں زیادہ دن نہ رکنا کیونکہ میلیبی میرے سارے کنبے کو سزا دیں گے۔“

قیدیوں کو میلیبی لے گئے اور انہیں تقسیم کر کے مختلف کنوئیں پر لے جایا گیا۔ فوجی پانی نکال رہے تھے۔ قیدیوں نے شکیزے اٹھانے شروع کر دیئے۔ وہ دوڑ دوڑ کر مارتے اور آگ پر پانی پھینکتے تھے۔ ایک دو گھر میں سنتری ان کے ساتھ رہے مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ قیدی اور فوجی گڈمڈ ہو گئے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ میلیبی کمانڈر گھبراہٹ میں سب کو گایاں دے رہے تھے۔ اتنے میں گھوڑوں کا ڈراما ہوا ریڈر دوڑا آیا۔ آگ بجھانے والے قیدی اور فوجی ان کی زد میں آ گئے۔ سب ادھر ادھر بھاگ اٹھے۔ بعض کچے بھی گئے اور اس سے نام نہ اٹھاتے ہوئے آفاق کو وہ پڑا قیدی اپنے ساتھ لے گیا۔ مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ خوش تھے کہ مسلمان فوج آگئی ہے۔ قیدی اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کا سارا خاندان جاگ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب بہت مسرور ہوئے لیکن اُس نے آفاق کو ان کے حوالے کر کے کہا۔ ”اسے چھپا لو اور جلدی شہر سے نکال دینا۔ میں نہیں رک سکتا۔ میلیبیوں نے کل رہائی کا وعدہ کیا ہے۔ اسے ابھی کوئی نہیں جانتا۔ اگر میں یہاں رک گیا تو شاید کبھی بھی رہائی نہیں ملے گی۔“

”کیا یہ سچ ہے کہ صلاح الدین الیوتی کی فوج اندر آگئی ہے؟“ قیدی کے باپ نے پوچھا۔

”کچھ پتہ نہیں۔“ قیدی نے جواب دیا۔ ”آگ بہت زور سے بج رہی ہے۔ معلوم نہیں کب بجھے گی۔“

”اگر ہماری فوج نہیں آئی تو پھر ہم یہ خطرہ کیسے مول لے سکتے ہیں؟“ قیدی کے باپ نے کہا۔

”یہ آدمی خود ہی نکل جائے گا۔“ قیدی نے کہا۔ ”یہ کل یہاں سے نکل جائے گا۔“

”اس کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔“ قیدی کے باپ نے کہا۔ ”ابھی ابھی تمہارا چھوٹا بھائی دو مسلمان لوکیوں کو لایا ہے۔ انہیں اُس نے اور صادم کے بیٹے عثمان نے اور ان کے دوستوں نے میلیبیوں کے شاہی خانے سے اغوا کیا ہے۔ دونوں کو ہم نے گھر میں چھپا لیا ہے۔“

”کون ہیں وہ لوکیں؟“ قیدی نے پوچھا۔

”کتنے ہیں انہیں کل ایک قافلے سے میلیبیوں نے اغوا کیا تھا۔“ باپ نے جواب دیا۔ ”ان کا بھائی ستارہ قیدی میں ہے۔“

آفاق نے تڑپ کر پوچھا۔ ”کہاں ہیں وہ لوکیں؟“

”وہ اسی دیر میں آفاق اپنی بہنوں کو گئے لگا رہا تھا۔ خدا نے اُن کی فریادیں سن لی تھیں۔ یہ بڑا ہی جذباتی منتر تھا۔ اُن کے ماں باپ مارے گئے تھے۔ وہ لٹ گئے تھے۔ انہیں ایسی معجزہ نما ملاقات کی توقع نہیں تھی۔۔۔ جس قیدی کا یہ گھر تھا وہ دوڑ کر باہر نکل گیا۔ وہ قیدی سے بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کا چھوٹا بھائی بہر جیس اور عثمان صادم کے ساتھ تھا۔ وہ لوکیوں کو گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔“

وہ اچانک آگیا۔ اس نے لوکیوں سے کہا۔ ”فوراً اٹھو شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا ہے۔“ آفاق کے متعلق اسے بتایا گیا کہ وہ ان لوکیوں کا بھائی ہے اور قیدی سے فرار ہو کر آیا ہے۔ اُس نے آفاق کو بھی اپنے ساتھ لیا اور باہر لے گیا۔ باہر بہن گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ برجیں کا انتظام تھا۔ اُس نے دونوں بہنوں کو گھوڑوں پر سوار کیا اور

اونہوں کی زد میں آکر کھیلے گئے تھے۔ فوجی اور قیدی ابھی تک کنوؤں سے پانی والا کراگ پر چھٹک رہے تھے۔ میلیبی حکام ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ سلطان الیوبی کی فوج اندر آگئی ہے لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ انہوں نے قلعے کی دیواروں پر جا کر ہر طرف دیکھا۔ باہر میلیبیوں کی اپنی فوج قلعے کے اندر موجود تھی۔ اسلامی فوج کا دھڑ دھڑ تک نام و نشان نہ تھا۔ اب یہ تفتیش کرتی تھی کہ آگ کس طرح لگی۔

اُس سنتری کی لاش ملی جسے لڑکیوں نے خنجروں سے ہلاک کیا تھا لیکن گھوڑوں اور اونٹوں نے اُسے ایسی بُری طرح روندنا تھا کہ خنجروں کے زخم پہچانے نہیں جاتے تھے۔ اس سے تھوڑی دیر پار تانہ لاشیں ملیں۔ یہ اُس میدان میں پڑی ہوئی تھیں جہاں گھوڑے اور اونٹ باندھے جاتے تھے۔ یہ تفتیش کرنے والا حاکم کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ میلیبیوں کی انشلی جنس کا ڈاکٹر کٹر سرن تھا۔ اس میدان میں لاشیں تو اور بھی پڑی تھیں لیکن اسے چار عورتوں کی لاشیں ملیں۔ ان کے چہرے گھوڑوں کے پاؤں تلے آکر مس ہو گئے تھے۔ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہیں تھا۔ یہ لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ان کے کپڑے تلوہو ہو گئے تھے۔ خاک و خون میں اُن کا اصل رنگ نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا ہی پتہ چلتا تھا کہ یہ تانہ کپڑے ہیں۔ لاشیں دیکھ کر بھی یہ ثبوت ملتا تھا کہ یہ عورتوں کی ہیں۔ سب کے جسموں سے کھال اکھڑی ہوئی اور کئی جگہوں سے گوشت باہر آیا ہوا تھا۔ کئی ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں اور ٹوٹی ہوئی بھی تھیں۔ ہر لاش کے گھٹے میں زنجیر اور زنجیر کے ساتھ ایک چھوٹی ملیب بندھی ہوئی تھی۔ یہ میلیبیں اس امر کا ثبوت تھا کہ عورتیں عیسائی تھیں۔

ہرین اور فوجی افسر حیران تھے کہ عورتوں کی لاشیں یہاں کیوں پڑی ہیں۔ یہ فوجی علاقہ تھا اور اُس طرف سے کسی شہری کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی یہ عام گزراہ تھی۔ یہ تو جانوروں اور رسد و فیو کی جگہ تھی۔ چنڈ اور لاشیں بھی پڑی تھیں وہ فوجیوں کی تھیں۔ عورتیں رات کے وقت ادھر کیوں آئیں۔ اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ صرف قیاس آرائی کی جا سکتی تھی جو کی گئی۔ کہا گیا کہ فوجی پیشہ ور عورتوں کو ادھر لے آئے ہوں گے مگر اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ آگ کس طرح لگی۔ شہر کے مسلمانوں پر شک کیا جاسکتا تھا، لیکن عورتوں کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔ حکم دے دیا گیا کہ خفیہ پولیس اور فوج کے سراغ رساں شہر میں مشتبه مسلمانوں کی چھان بین کریں اور جس پر ذرا سا بھی شک ہو اُسے قید میں ڈال کر اذیت رساں تحقیقات کریں۔

الٹو اور اس کی ٹینوں لڑکیوں کے گھر والے بہت پریشان تھے۔ لڑکیاں واپس نہیں آئی تھیں۔ ڈر ہے تھا کہ پکڑی نہ گئی ہوں۔ انہوں نے اپنا فرض مکمل کامیابی سے ادا کر دیا تھا لیکن وہ ابھی تک لا پتہ تھیں۔ عثمان مدام اور اس کے دوست ان تماشاخیوں کے ہجوم میں جا کھڑے ہوئے جو آتش زدہ جگہ کھڑے تھے۔ وہاں انہیں پتہ چلا کہ چار عورتوں کی لاشیں ملی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ چار عورتوں کی لاشیں نلال جگہ دکھ دی گئی ہیں۔ تمام شہری انہیں دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کریں۔ تماشاخیوں کا ہجوم اُدھر کو چلا گیا۔ عثمان مدام اور اُس کے دوستوں نے اکٹھی رکھی ہوئی چار لاشوں کو دیکھا۔ ان کی میلیبیں اُن کے سینوں پر رکھ دی گئی تھیں۔ کوئی بھی کسی لاش کو نہ پہچان سکا۔ پہچاننے کے لیے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ چہروں سے بھی کھال اُتری ہوئی تھی۔ بعض

جب تیسرے گھوڑے پر خود سوار ہونے لگا تو اُسے آفاق کے متعلق بتایا گیا۔ اُس نے آفاق کو تیسرے گھوڑے سوار کیا اور خود چل پڑا۔ اُس نے اتنا ہی کہا۔ ”خدا حافظ دستور زندہ رہے تو ملیں گے۔“ اور وہ دوڑ پڑا۔ وہ شہر کے عقی دروازے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے ڈرے ہوئے شہریوں کا جھلکا ہوا تھا۔ یہ دروازہ برجیں نے پہلے سے دیکھ رکھا تھا۔ شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے کہیں سے تین گھوڑے پکڑے اور لے آیا۔ کسی میلیبی کمانڈر نے دیکھ لیا کہ شہری تو بھاگ رہے ہیں۔ اُس نے دروازہ بند کرنے کا حکم دے دیا۔ برجیں جب وہاں پہنچا تو دروازہ آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا اور شہریوں کا ایک ہجوم دروازے میں پھنس گیا تھا۔ ایک واہلا پنا تھا۔ برجیں نے چلاتا شروع کر دیا۔ ”جیچے سے فوج آرہی ہے۔ دروازہ کھول دو۔ بھاگو۔ مسلمان آرہے ہیں۔“ ہجوم نے آگے کو زور لگایا تو بند ہوتے ہوئے دروازہ کھل گیا۔ انسان رُکے ہوئے دریا کی طرح بند توڑ کر نکل گئے۔ باہر نکل کر برجیں نے آفاق سے کہا کہ کسی ایک بہن کے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ اگر میں تمہارے ساتھ سوار ہوا تو ایک گھوڑے پر دو مردوں کا وزن زیادہ ہو جائے گا۔ ہمارا سفر لمبا ہے۔ آفاق ایک بہن کے پیچھے سوار ہو گیا۔ دوسری سے اُس نے کہا کہ وہ سواری سے ڈرے نہیں۔ گھوڑا اسے گرائے گا نہیں۔ انہوں نے گھوڑے دوڑا دیے۔ برجیں کو معلوم تھا کہ راستے میں میلیبی فوج خیمہ زن ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ کون سی جگہ فوج نہیں ہے۔ وہ اُس سمت ہولیا کرک کے چلے ہوئے لوگ ادھر ادھر بکھرتے جا رہے تھے۔ شعلوں کی روشنی دُور دُور تک جا رہی تھی۔ آفاق اور لڑکیوں کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کس طرح رہا کرایا گیا ہے۔ برجیں خاموش تھا۔ وہ اگر بولتا تھا تو موت اتنا کہ آفاق سے اس کی خیریت پوچھتا تھا اور اس کی جو بہن گھوڑے پر اکیلی سوار تھی، اس سے پوچھ لیتا تھا کہ وہ ڈر تو نہیں رہی۔ کرک کے شعلے جیچے بھٹتے جا رہے تھے اور رات گھوڑوں کی نزار کے ساتھ گزرتی جا رہی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو برجیں سلطان الیوبی کی فوج کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس نے ایک کماندار سے اپنا تعارف کرایا اور سلطان الیوبی کے متعلق پوچھا کہ کہاں ہوگا۔ کماندار اُسے اپنے دستوں کے کماندار کے پاس لے گیا جس نے اسے بتا دیا کہ سلطان الیوبی کہاں ہو سکتا ہے۔ برجیں اپنی اس کامیابی پر بے حد خوش تھا۔ اُس نے صرف لڑکیوں کو میلیبیوں سے آزاد نہیں کرایا تھا بلکہ کرک میں آتش زنی جیسی تخریبی کارروائی کر کے میلیبی فوج کے غیر مسلم شہریوں کے جذبے پر خوت طاری کر آیا تھا۔ وہ سلطان الیوبی کو یہ مشورہ دینا چاہتا تھا کہ کرک پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔

کرک کی صبح بڑی بھیانک تھی۔ شعلوں کی بندی اور تندی ختم ہو گئی تھی لیکن آگ ابھی تک سلگ رہی تھی۔ میلیبی فوج کی رسد اور جانوروں کا تمام تر خشک چارہ جل گیا تھا۔ خیموں کے علاوہ بے شمار جنگی سامان نذر آتش ہو گیا تھا۔ کچھ اونٹ زندہ جل گئے تھے۔ تمام گھوڑے اور اونٹ رات بھر دوڑ دوڑ کر خشک گئے اور اب سارے شہر میں آوارہ پھر رہے تھے، جگہ جگہ ان لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں جو بے لگام گھوڑوں اور بے بہار

کے چہرے اند کو چپک گئے تھے۔
 عثمان مام کے استوحال آئے۔ وہ تماشائیوں میں سے نکل گیا۔ اُس کے دوست بھی اُس سے جا ملے۔
 ان سب کو معلوم تھا کہ یہ لاشیں کن کی ہیں۔ ان میں ایک عثمان مام کی بہن انور کی لاش تھی۔ باقی تین لاشیں
 اس کی سہیلیوں کی تھیں۔ چاروں رات کو اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئی تھیں۔ ان کی شہادت کا عینی شاہد کوئی
 بھی نہیں تھا۔ لاشوں کی حالت جو کہانی بیان کرتی تھی وہ کچھ اس طرح ہو سکتی تھی کہ ان لڑکیوں نے سنتری کو
 ہوک کر کے آگ لگائی۔ بعد میں گھوڑوں کے رستے کاٹے اور انہی گھوڑوں کی جگہ لڑکیوں کی زندیاں آگئیں۔ معلوم
 نہیں کئے۔ سو گھوڑے اور اونٹ ان لاشوں کو روندتے رہے۔ دو لڑکیوں کی عصمت بچانے کے لیے چار
 لڑکیاں قربان ہو گئیں۔ برجیں لے اپنے ہاتھوں ان لڑکیوں کے گلوں میں ملیں لڑکائی تھیں تاکہ بوقت ضرورت
 وہ ملیں دکھا کر ظاہر کر سکیں کہ وہ عیسائی ہیں۔

ان لڑکیوں کا جندہ نہیں پڑھا گیا۔ انہیں ملیں نے عیسائی سمجھ کر اپنے قبرستان میں کہیں دفن کر دیا۔
 ان کے لاشیں نے ماتم نہیں کیا۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔ گھروں میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی
 گئی۔ چاروں لڑکیوں کے باپوں نے ایک ہی جیسے جذبات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے نام پر وہ چار
 چار بیٹے قربان کرنے کو تیار ہیں مگر ان سے جو قربانی لی جانے لگی وہ بڑی ہی اذیت ناک تھی۔ ملیں فوج نے تمام
 مسلمان گھروں کی خانہ تکاشی شروع کر دی۔ خطرہ تھا کہ جو ہتھیار انہوں نے گھروں میں چھپا رکھے ہیں وہ پکڑے
 جائیں گے۔ سب نے ہتھیار اندرونی کمرے کے فرش کھود کر دبا دیئے۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ جو چار لڑکیاں شہید
 ہو گئی تھیں، ان کے متعلق جواب دینا مشکل تھا کہ کہاں ملی گئی ہیں۔ آگ کی رات کے دوسرے ہی دن امام کو
 جب لڑکیوں کی شہادت کی خبر مل گئی تو اس نے پہلی بات یہ کہی — ”تمہارے غیر مسلم بڑوسی اور مسلمان خنجر
 مزور پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں تو کیا جواب دو گے؟“

امام دانشمند اور دُر اندیش انسان تھا۔ اس نے گہری سوچ کے بعد کہا — ”چاروں لڑکیوں کے
 باپ اور بھائی میرے ساتھ آئیں۔“ وہ آگئے تو اُس نے سب کو ایک طریقہ بتایا اور کچھ باتیں ذہن نشین کرائیں۔
 وہ سب کو ملیں کی انتظامیہ کے دفتر میں لے گیا اور وہاں کے سب سے بڑے مام سے ملاقات کی اجازت
 لے کر بڑے غصے میں اور جذباتی لہجے میں کہا — ”میں ان لوگوں کا امام ہوں۔ یہ میرے پاس فریاد دے کر آئے
 ہیں کہ رات آگ لگی تو یہ سب آگ بجھانے کے لیے اٹھ دوڑے۔ یہ رات بھر کنوؤں سے پانی نکالتے رہے۔
 شہر میں جگہ بگم گئی۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ یہ لوگ صبح کے وقت گھروں کو گئے تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی
 فوج کے کچھ آدمی ان کے گھروں میں گھس گئے اور ان کی کنواری لڑکیاں اٹھا کر لے گئے۔ ہماری چار لڑکیاں
 وہ ہیں۔“

”ہماری فوج پر الزام لگانے سے پہلے سوچ لو۔“ ملیں حاکم نے رعب سے کہا۔

”جناب! میں مذہبی پیشوا ہوں۔“ امام نے کہا — ”میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ہیں جنہاں

سکتے ہیں اور اپنی فوج کو بے گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن خدا سے آپ کوئی اچھا بڑا عمل نہیں چھپا سکتے۔ آپ ہمارے مام
 ہیں۔ خدا تو ہمیں۔ ان لوگوں نے آپ کی فوج کو نقصان سے بچانے کے لیے ساری رات آگ سے لڑائی لڑی۔
 آپ انہیں یہ ملہ دے رہے ہیں کہ یہ بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی لڑکیوں کو آپ کے فوجی اٹھا لے گئے
 کچھ درہ کی بحث کے بعد مام نے انہیں کہا کہ ان لڑکیوں کو تلاش کیا جائے گا۔ امام اُس سے یہی مسئلہ چاہتا
 تھا۔ باہر اگر حجب وہ دلہن کے لیے چلے تو امام نے سب سے کہا کہ اب یہی مشہور کرو کہ رات ان کی لڑکیاں قتل ہو گئی
 ہیں۔ چنانچہ یہی مشہور کر دیا گیا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والے غیر مسلموں نے یقین کر لیا۔ رات شہر کی حالت ہی
 ایسی تھی کہ لوٹ مار اور اغوا آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

۲۵

برجیں سلطان ایوبی کے خیمے میں بیٹھا تھا۔ آفاق کی مرہم پٹی سلطان ایوبی کا بروج کر چکا تھا۔ آفاق کی
 دونوں ہنہیں بھی خیمے میں بیٹھی تھیں۔ برجیں رات کا کا زمرہ سناچا تھا۔ سلطان ایوبی بار بار لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ ہر
 بار اُس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ برجیں نے کہا کہ وہ کرک کو ایسی افراتفری اور جگہ جگہ میں بھڑکایا ہے کہ فوجی
 طور پر حملہ کیا جائے تو حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ شہر میں فوجوں کے لیے رسد نہیں رہی۔ جانوروں کے لیے چارہ نہیں
 رہا۔ جانور ڈر رہے ہوئے ہیں۔ شہر لیل پر نوح طاری ہے۔ فوج بھی ڈری ہوئی ہے۔

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ بہت دیر بعد اُس نے سر اٹھایا اور اپنے نائبین اور مشیروں کو بلا لیا۔
 اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ ان لڑکیوں اور ان کے بھائی کو قاسم روانہ کر دیا جائے اور ان کی رہائش اور دلہنے
 کا انتظام کیا جائے۔

”آپ میری بہنوں کو اپنی عافیت میں لے لیں۔“ آفاق نے کہا۔ ”میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے
 اپنی فوج میں شامل کر لیں۔ مجھے اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ اگر آپ مجھے کرک میں داخل
 کر سکیں تو میں اندر تباہی مچا دوں گا۔“

”جنگِ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”بڑی لمبی تربیت کی ضرورت ہے
 تم صرف اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کو بے تاب ہو، مجھے اُن تمام باپوں اور تمام بیٹیوں کے
 خون کا انتقام لینا ہے جو ملیں درندوں کا شکار ہوئی ہیں۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو۔“

آفاق کی جذباتی حالت ایسی تھی کہ سلطان ایوبی اسے زبردستی قاہرہ بھیجنے سے گریز کرنے لگا۔ اسے کمانڈر
 پہلے اپنا علاج کرائے، صحت یاب ہو جائے پھر اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی۔... اتنے میں نائب سالار اور
 اعلیٰ کمانڈر آ گئے۔ ان میں زبیران بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے آفاق اور اُس کی بہنوں کو باہر بھیج دیا۔ اُس نے جہاں
 یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا کرک کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے؟ اُس نے سب کو کرک کی اُس وقت کی کیفیت بتائی۔

اس مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔ زبیران نے اپنے ہاسوسوں کی رپورٹوں کی روشنی میں کہا کہ ملیں فوج مرگ کر گئی
 نہیں باہر بھی ہے اور اس کا ایک حصہ ایسی پوزیشن میں ہے جو ہماری فوج کا محاصرہ باہر سے توڑ دے گا۔ انہوں نے

ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ رسد کی آمدورفت کی حفاظت کے لیے ان کی پوری فوج موجود ہے۔ اگر ان کے پاس وقتی طور پر رسد کی کمی آگئی ہے تو یہ کچھ کر کے رکھتا ہے۔ ہمارے کامیاب ہوگا بعض خوش فہمی ہے۔ اُن کے پاس مرنے والی رسد اور سامان نہیں تھا جو مل گیا ہے۔ ان کی ہر ایک فوج کے ساتھ اپنی اپنی رسد اور سامان موجود ہے اور ان کی نفی ہم سے پانچ چھ گنا ہے۔

ابلاس کے دوسرے شرکا، لے اپنے اپنے مشورے پیش کیے ان کی اکثریت فوجی حملے کے حق میں تھی اور بعض نے انتظام کی تجویز پیش کی۔ حجازی اور مشورے جیسے کیے بھی تھے سلطان الیوبی نے سُنے، اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کمانڈروں کا جذبہ شدید تھا۔ ان میں بیشتر نے کہا کہ حملہ جلدی کریں یا دیر سے، یہ پیش نظر رکھیں کہ ایک بار حملہ کر کے یہ نہ سنا پڑے کہ ہمارے اٹھارہ کھیلو کچھ ہم کمزور ہیں۔ سلطان الیوبی خاموشی سے سناتا رہا۔ اس نے آخر میں فوج کے جذبے اور دیگر کوائف کے متعلق پوچھا۔ اُسے تسلی بخش جواب ملا۔

”میں جلدی حملہ کرنا چاہتا ہوں۔“ آخر میں سلطان الیوبی نے کہا۔ ”لیکن میں جلد بازی کا قائل نہیں۔ میرے سامنے مرنے والے کمانڈر بند شہر نہیں بلکہ ملیبیوں کی وہ تمام فوج ہے جو انہوں نے باہر پھیلا رکھی ہے۔ زائد ان نے ٹھیک کہا ہے کہ کرک کے اندر کی تباہی سے ہیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم حملہ جلدی ہوگا۔ نامزد زیادہ نہیں۔ ایک ہی رات میں ہلے دستے کرک تک پہنچ سکتے ہیں مگر انہیں ایک جنگ تلے سے باہر لڑنی پڑے گی۔ کوہ سے چھتر ہیں کرک کے مسلمانوں کو تیار کرنا پڑے گا۔ مجھے اندر کی جوتانہ الملائین ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہاں کے مسلمان درپردہ ایک جماعت کی صورت میں منظم ہو چکے ہیں۔ اُسید کی جاسکتی ہے کہ وہ ہمارے کی صورت میں شہر میں تخریب کاری کریں گے۔ ان کی روکیاں بھی میدان میں نکل آئی ہیں۔ مرنے والوں کیوں نے ملیبیوں کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ پچاس پچاس نفی کے چار دستے بھی نہیں پہنچا سکتے۔ ہم کو شمش کریں گے کہ شہر میں اپنے چھاپہ مار بھی داخل کر دیں۔“

”مصلحت کی معافی پاتا ہوں۔“ برہیں نے کہا۔ ”اگر چھاپہ مار بھیجنے ہیں تو فوراً بھیجے۔ کرک کے جو شہری بھاگ گئے ہیں وہ یقیناً واپس جائیں گے۔ ان کے پردے میں چھاپہ مار داخل کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے بعد ممکن نہیں ہوگا۔ آتش زنی کے واقعہ کے بعد ملیبی محتاط ہو جائیں گے اور شہر کے تمام دروازے بند کر دیں گے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے ساتھ آج ہی روانہ ہو جاؤں۔ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائیں۔ وہاں سے ہتھیار مل جائیں گے۔“

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ آج ہی رات چھاپہ مار برہیں کی قیادت میں روانہ کر دیے جائیں۔ جہاں تک گھوڑے لے جاسکتے ہیں، وہاں تک گھوڑوں پر جائیں۔ آگے پھیل جائیں۔ گھوڑے واپس لانے کے لیے کچھ آدمی ساتھ بھیج دیے جائیں۔ اُسی وقت زائد ان سے کہا گیا کہ وہ برہیں کی ہدایت کے مطابق چھاپہ ماروں کو شہری لباس مٹیا کرے اور شام کے بعد روانہ کر دے۔ سلطان الیوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جنگی نوعیت کی ہدایات دیں اور خاص طور پر کہا۔ ”یہ یاد رکھنا کہ جس فوج سے ہم حملہ کر رہے ہیں۔ یہ وہ فوج نہیں جس نے شریک فتح کیا تھا۔ یہ

فوج مصر سے آئی ہے جس میں دشمن نے بے المینائی پھیلائی تھی۔ اس فوج کو ہمارے میں لڑنے کا تجربہ نہیں۔ کمانڈروں کو چونکہ رہنا پڑے گا۔ مجھے شک ہے کہ اس فوج میں دشمنی ذہن کے سپاہی بھی ہیں۔ میں نے جوتانے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، وہ ترک اور شامی ہیں اور ذرا الدین رنگی کی بھیجی ہوئی ملک کو بھی اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ حالات تمہارے خلاف ہو گئے تو گھبرا کر پیچھے نہ ہٹ آنا۔ میں تمہارے پیچھے موجود ہوں گا۔۔۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ کرک کے مسلمانوں کے ساتھ امیدیں وابستہ نہ کیے رکھنا۔ ان کے لیے جو ہدایات بھیج رہا ہوں وہ ایسی ہرگز نہیں ہوں گی کہ یہ اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال لیں کہ ان کی مستورات کی عزت بھی محفوظ نہ رہے۔ میں ان سے اتنی زیادہ قربانی نہیں مانگوں گا۔ وہ محکوم اور مجبور ہیں۔ ظلم و تشدد کا شکار ہیں۔ ہم اُن کی آندادی اور نجات کے لیے جا رہے ہیں، اُن کے بھروسے پر نہیں جا رہے۔“

☆

پانچ دنوں تک کرک میں یہ کیفیت رہی کہ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے پڑ رہے تھے کئی مسلمان بعض شک میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ بیگار کیمپ کے بن قیدیوں کو اس وعدے پر آگ بھلنے کے لیے لے گئے تھے کہ انہیں رہا کر دیا جائے گا، رہا نہیں کیا گیا تھا۔ ملیبیوں نے مظالم کا ایک نیا دور شروع کر دیا تھا۔ ان کا نقصان معمولی نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے سوا یہ دلیانہ تخریب کاری اور کوئی نہیں کر سکتا۔ گرفتار ہونے والوں میں عثمان صادم کے دو دوست بھی تھے جو لوگوں کو رہا کرانے کے لیے اُس کے ساتھ تھے۔ انہیں دو دروازوں کی طرح افیتیں دی جا رہی تھیں۔ ملیبی بربریت کی سدا سے بھی آگے نکل گئے۔ تھے مگر انہیں کوئی سراغ مل رہا تھا۔ صرف یہ دو کم عمر لڑکے تھے جن کے سینوں میں سراغ تھا لیکن ان کی زبانیں بند تھیں، ماں کے جسموں میں کچھ نہیں رہا تھا۔ پکڑے گئے ہیں کس کس کو اور جھٹکے دے دے کر اُن کے جوڑا لگ کر دیئے گئے تھے لیکن لڑکے خاموش تھے۔

آخر ہر من خود قید خانے میں گیا۔ اس کی توجہ بھی ان دو لڑکوں پر تھی۔ اسے مسلمان مجبوروں نے بتایا تھا کہ آتش زنی میں ان دو لڑکوں کا بھی ہاتھ ہے۔ مسلمان مجبور تھے۔ دونوں ان لڑکوں کے پڑوسی تھے۔ وہ معمولی سی حیثیت کے آدمی ہوا کرتے تھے لیکن اب گھوڑا گاڑیوں میں سواری کرتے تھے اور ملیبیوں کے درباری بن گئے تھے۔ وہ ملیبی حاکموں کو گھروں میں بھی مدعو کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بٹلاتے اور فخر کرتے تھے۔ ان کی دو دو تین تین بیویاں تھیں اور وہ شراب بھی پیتے تھے۔ انہوں نے ان دو لڑکوں کو آتش زنی کی رات کہیں مشکوک حالت میں دیکھا تھا اور انہیں گرفتار کر دیا۔ ہر من نے قید خانے میں ان دو لڑکوں کو جانوں کی حالت دیکھی تو اُس نے مسوس کیا کہ نزع کی حالت میں پہنچ کر بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو یہ کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ ان کے جسم عادی ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں بڑا اچھا کھانا کھلایا۔ پیار اور شفقت سے پیش آیا۔ ڈاکٹروں کو بلا کر انہیں دوائی پلائی اور تشدد کے زخموں اور چوڑوں کا علاج کرایا۔ پھر انہیں سلا دیا۔ وہ فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔

ہرمں دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ان میں سے ایک نوجوان صاف الفاظ میں بڑبڑانے لگا "میں کیا جانوں؟ میرا جسم کاٹ دو۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں، اگر کچھ معلوم ہوگا تو کبھی نہیں بتاؤں گا۔ تم گردن کے ساتھ ملیب بانہ مٹھتے ہو، میں نے قرآن کی ایک آیت بانہ مٹھی ہوئی ہے۔"

"تم نے آگ لگائی تھی۔" ہرمں نے کہا۔ "تم نے ملیبیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ تم بہادر ہو۔ مر گئے تو شہید کہلاؤ گے۔"

"اگر مر گیا تو۔" نوجوان بڑبڑایا۔ "اگر مر گیا تو۔ جب تک جسم میں جان ہے۔ اس جان میں آئین بھی رہے گا۔ جان نکل جائے گی ایمان نہیں نکلے گا۔"

ہرمں نے اس کے سرے سرے ذہن میں اپنے مطلب کی باتیں ڈالنے کی بہت کوشش کی لیکن نوجوان کے ذہن نے قبول نہ کیا۔ اتنے میں دوسرا لڑکا بھی بڑبڑانے لگا۔ ہرمں نے اس کی طرف توجہ دی۔ اسی طرح اُس کے ذہن میں بھی باتیں ڈالیں جو اُس نوجوان نے اُگ دیں۔ ہرمں کے ساتھ اُس کے تین چار سراسر غصاں بھی تھے۔ اُس نے بہت دیر کی کوشش کے بعد آہ بھری اور کہا۔ "مزید کوشش بیکار ہے۔ ان کی زبان سے تم کوئی راز نہیں اگوا سکو گے۔ یہ بے گناہ ملام ہوتے ہیں، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے عقیدے اور جذبے کے پکے ہیں۔ میں نے انہیں مرغین کھانوں میں اتنی زیادہ خشیش کھلائی ہے جتنی گھوڑے کو کھلا دو تو وہ بھی باتیں کرنے لگے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قومی جذبہ جسے یہ لوگ ایمان کہتے ہیں، ان کی رگوں میں اترا ہوا ہے۔ تم ان کی رگوں پر کوئی نشہ طاری نہیں کر سکتے۔ دوسری صورت یہی ہے کہ یہ بے گناہ ہوں گے۔"

وہ بے گناہ نہیں تھے۔ وہ آتش زنی اور لڑکیوں کو آزاد کرانے کی مہم میں شریک تھے۔ ملیبی جسے گناہ اور جرم کہہ رہے تھے وہ مسلمان کے لیے عظیم نیکی اور جہاد تھا جو ان لڑکوں نے روح اور ایمان کی قوت سے کیا تھا۔ خشیش نے انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ ان کی عقل کو سلا دیا تھا مگر ان کی رگوں میں بیدار تھیں۔ ملیبی ان کی زبان سے ہلکا سا اشارہ بھی نہ لے سکے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لڑکے بے قصود ہیں۔ یہ ملیبیوں کی مجبوری تھی۔۔۔۔۔ ان لوگوں کی آنکھ کھلی تو باہر دیرانے میں پڑے تھے۔ ملیبیوں نے انہیں بے ہوشی کی حالت میں دور لے جا کر پھینک دیا تھا۔ وہ اسٹلے۔ ایک دوسرے کو دیکھا اور گھروں کو چل دیے۔

جو عیسائی اور یہودی باشندے آتش زنی کی رات شہر سے نکل گئے تھے وہ یہ دیکھ کر کہ کوئی حملہ نہیں ہوا اور امن و امان ہے تو واپس آئے۔ ملیبیوں کی فوج جو باہر خیمہ زن تھی اُس نے بھی انہیں یقین دلایا کہ کوئی حملہ نہیں ہوا، وہ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ایک حکم کے تحت شہر کے دو دروازے ان لوگوں کے لیے کھلے رکھے گئے جو واپس آ رہے تھے۔ لوگ کنبہ در کنبہ چلے آ رہے تھے۔ اور انہی میں برہیں بھی کرک میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ کرک کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ اور غریب ساموئی ہونڈیا کے ہنگاموں سے بے خبر راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کیا کرتا تھا۔

تین دنوں کی غیر ملحظی کے بعد سحر راستے میں آ بیٹھا ہے۔ اُس نے رات ہی رات پندرہ کے پندرہ چھاپہ ماروں کو عثمان ملام اور اس کے نوجوان ساتھیوں کی مدد سے مسلمان گھرانوں میں پھپھادیا تھا۔ ان میں اب کوئی کسی دکان میں ملازم تھا، کوئی ملیبیوں کے سامنے اس کا سا نہیں بن گیا تھا، کوئی مذہب کے طالب علم کے روپ میں مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔

انہیں اب یہ دیکھنا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے کی صورت میں وہ اندر سے کیا کر سکتے ہیں۔ کرنے والا کام صرف یہ تھا کہ کہیں سے قلعے کی دیوار میں اتنا بڑا شکاف پیدا کریں کہ ان میں سے گھوڑے بھی اندر آ سکیں یا قلعے کا کوئی دروازہ کھول سکیں۔ وہ انہی کاموں کے لیے زمین ہولہ کر رہے تھے۔ عثمان ملام نے اپنی نوجوان جماعت میں اضافہ کر لیا تھا۔ لڑکیاں بھی تیار ہو گئی تھیں، مگر رینی الیگزینڈر سائے کی طرح عثمان ملام کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اُسے راستے میں روک لیتی تھی، اُس کے گھر چلی جاتی تھی اور ایک دفعہ اس نے عثمان ملام سے پوچھا۔ "عثمان! النور کہاں ہے؟"

"تمہاری قوم کے کسی گناہگار کے پاس۔" عثمان ملام نے جمل کر جواب دیا۔ "اُس پر اللہ کی لعنت۔"

"رحمت کہو عثمان!" رینی نے کہا۔ "تم ہمارے خلاف لڑ کر مرنے والوں کو شہید کہا کرتے ہو۔ النور شہید ہو گئی ہے۔"

عثمان ملام چکرا گیا۔ اُسے کوئی جواب نہ پڑا۔

"اور ان دو لڑکیوں کو اٹھانے والوں میں تم بھی تھے۔" رینی نے کہا۔ "لیکن تم ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہاری قید اور آزادی کے درمیان میرا وجود عامل ہے۔۔۔۔۔ کہو۔ اور کتنی قربانی مانگتے ہو۔"

عثمان ملام آخر نوجوان تھا۔ جسم میں جتنا جوش اور جذبہ تھا اتنی عقل نہیں تھی۔ وہ دانشمند نہیں تھا۔ رینی کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اُس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ "رینی! تم کیا چاہتی ہو؟"

"ایک یہ کہ میری محبت قبول کر لو۔" رینی نے جواب دیا۔ "دوسرے یہ کہ ان زمین دوز حرکتوں سے باز آ جاؤ۔"

"تم اپنی قوم اور اپنی حکومت سے محبت کرتی ہو۔" عثمان ملام نے کہا۔ "اگر تمہارے دل میں میری محبت اتنی ہی شدید ہے تو میری قوم سے ہمدردی کیوں نہیں کرتی؟"

"مجھے نہ اپنی قوم سے محبت ہے نہ تمہاری قوم سے۔" رینی نے کہا۔ "میں تمہیں خطرناک کارروائیوں سے مرمت اس لیے روک رہی ہوں کہ تم مارے جاؤ گے۔ حاصل کچھ بھی نہ ہوگا۔ میں جذباتی نہیں حقیقت کی بات کر رہی ہوں کہ سلطان ایوبی کرک فتح نہیں کر سکے گا۔ میں اپنے باپ کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق بات کر رہی ہوں۔ جنگ محاصرے کی نہیں ہوگی، باہر کرک سے دور ہوگی۔ ہمارے کمانڈر ایوبی کی چالیں سمجھ گئے ہیں۔ شوبک کی شکست سے انہوں نے سبق حاصل کر لیا ہے۔ اب کرک کے محاصرے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اگر تم لوگوں نے شہر کے اندر سے کوئی کارروائی کی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مارے جاؤ گے یا گرفتار ہو کر باقی عمر ناقابل برداشت اذیتوں میں

گوارہ گئے۔ میں نہیں مرت زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔“
عثمان سامر سر جھکائے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔ اسے ربی کی آواز سنائی دی۔ ”سوچو عثمان! سوچو۔“
میری! میں ایک غیر قوم کی لڑکی کی باتیں سمجھ کر ذہن سے آمارہ دینا۔“

۱۵

”میں آپ سب کو ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ یہ کرک ہے شوبک نہیں۔“ سلطان ایوبی نے اپنے کمانڈروں کو آخری ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ ”میلیبی چوکتے اور بیدار رہیں۔ میری جاسوسی مجھے بتا رہی ہے کہ وہیں ایک جنگ کرک سے باہر لڑی پڑے گی۔ شہر کے اندر سے مسلمانوں نے کوئی زمین دفن کارروائی کی تو شاید وہ ہمارے کام نہیں آسکے گی۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بے چارے مائے بائیں گے ہیں انہیں اتنے بڑے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ انہیں بچانے کی ایک ہی صورت ہے کہ حملہ تیز اور بہت سخت کرو۔“ ایسے ہی چند اور ضروری احکامات کے بعد سلطان ایوبی نے اس فوج کو کوچ کا حکم دے دیا جسے کرک کا محاصرہ کرنا تھا۔

کوچ سوچ غروب ہونے کے بعد کیا گیا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ صبح طلوع ہونے تک فوج کرک کے معانات میں پہنچ گئی جہاں سے ہمارے کی ترتیب میں آگے بڑھی۔ اس فوج کے سالار کے لیے یہ ایک عجوبہ تھا کہ راستے میں اسے میلیبیوں کا کوئی ایک دستہ بھی نظر نہ آیا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ میلیبیوں نے باہر بھی فوج حیمہ زن کر رکھی ہے۔ اسے ایسے راستے سے بھیجا گیا تھا جس طرف میلیبیوں کی فوج نہیں تھی۔ پھر بھی مزاحمت ضروری تھی جو بالکل ہی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کی دیواروں سے تیروں کی بارش برسے گی۔ سلطان ایوبی کی فوج نے اس کے جواب میں کوئی شدید کارروائی نہ کی۔ اس کے کماندار ادھر ادھر سے دیواروں پر چڑھنے یا قلعے لگانے یا کسی دروازے کو توڑ کر اندر جانے کے امکانات دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے تیر اندازوں کو بھی خاموش رکھا۔ ان کے ساتھ وہ جاسوس تھے جو شہر سے واقف تھے۔ وہ انہیں بتا رہے تھے کہ اندر کون سی اہم جگہ کماں ہے۔

شہر کے اندر ابھی کسی کو خبر نہیں ملی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے لیکن یہ محاصرہ ابھی مکمل نہیں تھا۔ عقب ابھی خالی تھا جہاں دو دروازے تھے۔ اچانک قلعے کے اندر فوجی علاقے میں آگ برسنے لگی۔ یہ آتش گیر مادے والی بانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی ایجاد تھی۔ یہ منفیقوں سے اندر چھپتی جا رہی تھیں۔ شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ ان کی فوج قلعے کی دیوار پر چڑھ گئی اور باہر کو تیر پتیر چلا رہی تھی۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ عیسائی اور یہودی باشندے گھروں میں دھب گئے۔ مسلمان باشندے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ وہ سلطان ایوبی کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ مسلمان ایسے تھے جو دعاؤں کے ساتھ بڑی خطرناک سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ یہ وہاں کے نوجوان تھے، جن میں روکیاں بھی تھیں اور ان میں سلطان ایوبی کے پندہ چھاپ مار بھی تھے۔ شہر کی افرا تفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کہیں اکٹھے ہو گئے اور قلعے کے بڑے دروازے کو اندر سے کھولنے یا توڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دروازہ بہت مضبوط اور موٹی لکڑی کا تھا جس پر لوہے کی موٹی موٹی پٹریاں بھی لگی تھیں۔ اسے توڑنا آسان نہیں تھا۔ باہر سے مسلمان فوج نے دروازے پر منفیقوں سے بانڈیاں پھینکیں۔ یہ دوسری قسم کی تھیں۔ یہ ٹوٹی تھیں تو ان میں سے سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر نلیتے والے آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ کو آگ لگ جاتی تھی۔ اس طریقے سے دروازے کو آگ لگائی گئی لیکن لوہے نے لکڑی کو نہ جلتے دیا۔ دروازہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اوپر سے میلیبیوں نے وہ تیر پتیر سانسے شروع کر دیے جو بہت دور تک جاتے تھے۔ یہ منفیقوں تک پہنچ گئے جن سے کئی آدمی زخمی اور شہید ہو گئے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے منفیقین پیچھے کر لی گئیں اور آگ پھینکنے کا طریقہ ناکام ہو گیا۔

آخر مسلمان تیر اندازوں کو حکم دے دیا گیا کہ قلعے کی دیواروں پر چوڑھن کے سپاہی ہیں ان پر تیر پتیر سائیں۔ سارا دن دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ ہوا میں مورت تیراڑتے نظر آتے تھے۔ میلیبی دفاعی پوزیشنوں میں تھے اور دیواروں کی بلندی پر بھی تھے، اس لیے زیادہ نقصان مسلمان فوج کا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے لقب زن جو قلعوں کی دیواریں توڑنے کے ماہر تھے، ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ دیوار میں کہاں شکاں ڈالا جاسکتا ہے۔ وہاں چاروں طرف سے اتنے تیراڑے تھے کہ دیوار کے قریب جانا خود کشی کے برابر تھا۔ شام سے کچھ دیر پہلے قلعے کی آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت آگے بڑھی۔ یہ جاننا جب دیوار سے تھوڑی دور رہ گئے تو اوپر سے ان پر اس قدر تیراڑے اور تیروں کے ساتھ اتنی زیادہ برچھیاں آئیں کہ انھوں نے جاننا ہی نہیں شہید ہو گئے۔ ایک ایک کے جسم میں کئی کئی تیراڑے برچھیاں لگیں۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ ربی اپنے گھر میں تھی۔ اس کا باپ تھا کھڑا آیا تھا۔ یہ کہہ کر سو گیا کہ جلدی جاگ اٹھے گا کیونکہ رات کو بھی اسے کام پر جانا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ شہر کے مسلمانوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ اندر سے کوئی بڑی خطرناک کارروائی کرنے والے ہیں۔ یہیں ہر ایک مسلمان گھرانے پر نظر رکھنی پڑے گی۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو کسی غلام کی بجائے ربی نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک مسلمان کھڑا تھا جو بڑی اونچی حیثیت کا مالک تھا۔ میلیبیوں کی طرف سے اسے خوب انعام و اکرام ملتا تھا۔ ربی نے اسے بتایا کہ اس کا باپ سویا ہوا ہے۔ وہ پیغام دے دے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جگے کا تو اسے بتا دیا جائے گا۔ مسلمان نے کہا کہ وہ خود بات کرنا چاہتا ہے۔ بات بہت اہم اور نازک ہے۔

”آج رات مسلمانوں کے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے۔“ ربی کے پوچھنے پر اس نے منتظر نہ کیا۔ اس نے کہا۔ ”میں نے ان کا ہمدرد اور ساتھی بن کر یہ راز حاصل کیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان میں باہر سے آئے ہوئے چھاپہ مار بھی ہیں اور نیا انکشاف یہ ہے کہ وہ غریب ساموچی جو راستے میں بیٹھا رہتا ہے وہ سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہے اور اس کا نام بریمیں ہے۔ میں تمہارے والد کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان لوگوں کو بچانے کے لیے گھات لگائی جائے۔“

ربی نے چند ایک مسلمان نوجوانوں کے نام لے کر عثمان سامر کا بھی نام لیا اور پوچھا۔ ”کیا یہ لڑکے

سرخنے ابام لازمی ہے۔
 ”مسلم کا بیٹا عثمان تو اس گروہ کا سرغنہ ہے۔“ مسلمان خبر نے بتایا۔ ”ادراں کا سب سے بڑا
 سرغنہ ابام لازمی ہے۔“

سرغنہ امام رازی ہے۔
 ”آپ تھوڑی دیر تک آجائیں۔“ ربی نے اُسے کہا۔ ”باپ کو ذرا سی دیر سونے دیں۔“
 مگر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ صلیبیوں کو خوش کرنے اور اُن سے انعام وصول کرنے کا اسے نہایت موزوں
 موقع مل گیا تھا۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو معلوم نہیں تھا کہ قرآن کی بجائے صلیب کا وفادار ہے۔ اُسی روز
 مسلمان نو جوانوں اور جہا پہاروں نے دیوار نذر نے کی سکیم بنائی تھی۔ اس خفیہ اجتماع میں تین چار بزرگ، امام اور
 یہ مسلمان بھی تھا جس نے لوگوں کو اچھے مشورے دیئے اور سب سے زیادہ جذبے کا اظہار کیا تھا۔ مسلمانوں کو
 شک تک نہ ہوا کہ وہ صلیبیوں کا پالا ہوا سانپ ہے سبھی اُسے شہر کا امیر اور معزز تاجر سمجھتے تھے جس کے حسن
 سلوک کی بدولت صلیبی بھی اُس کی عزت کرتے تھے۔

سلوک کی بدولت یہی بی بی اس کی حرکت کرتی رہی۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ ربی گہری سوچ میں کھو گئی۔ اس نے اُسے اندر بٹھانے کی بجائے یہ کہا کہ وہ اُسے پوری بات سنائے اور یہ بھی کہا کہ آؤ ذرا باہر ٹہل لیتے ہیں، اتنی دیر میں باپ جاگ اٹھے گا۔ وہ تو صلیبیوں کا غلام تھا۔ اتنے بڑے افسر کی بیٹی کے ساتھ خراہاں خراہاں چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ کنوئیں تک پہنچ گئے۔ یہ کنوئیں شہریوں کے لیے کھودا گیا تھا۔ بہت ہی دُور سے پانی نکلتا تھا۔ ربی کنوئیں کے منہ پر رک گئی۔ مسلمان بجز اُسے بات سنارہا تھا۔ وہ بھی کنوئیں کے قریب کھڑا تھا۔ ربی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے دھک دیا۔ مسلمان پیچھے کو گرا اور سیدھا کنوئیں میں گیا۔ اُس کی چیخ سنائی دی جو دھڑم کی آواز میں ختم ہو گئی۔ ربی اس مسرت کے ساتھ گھبرا گئی کہ اُس نے ایک ایسا راز کنوئیں میں ڈلو دیا ہے جو عثمانِ صادم کی یقینی موت کا باعث بن سکتا تھا۔

☆

وہاں سے وہ دوڑتی ہوئی عثمان صادم کے گھر گئی۔ اُس کی ماں کے پاس بیٹھی النور کی بانہیں کرتی رہی۔ اُس نے عثمان کے متعلق پوچھا تو اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ شام کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ یہی کوئی خیال آگیا کہ وہ دیوار توڑنے کی مہم پر چلا گیا ہوگا۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ ان کے اجتماع میں کوئی اور مخبر بھی ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور نے فوج کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ باہر نکل گئی اور اُس طرف چل پڑی جس طرف سے ان لوگوں نے دیوار توڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اُس مسلمان نے جسے اُس نے کنوئیں میں پھینک دیا تھا بتا دیا تھا کہ چھاپہ مار دیوار کے اوپر جا کر صلیبی نیز ان سازوں کو ایسے طریقے سے ختم کریں گے کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نیچے سے دیوار کھودیں گے۔ دیوار مٹی کی تھی۔ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اوپر دو گھوڑے پہلو پہلو آسانی سے دوڑ سکتے تھے۔ مٹی کی وجہ سے اس کی کھدائی مشکل نہیں، وقت طلب تھی۔ اس پلٹی نے بوقتِ ضرورت لڑائی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر اور برتھیاں بھی

حقائق۔ یہ ایک غیر معمولی طویل و پلید مہم تھی جس کی ناکامی کے امکانات زیادہ تھے۔ اصول کے بلکہ ایسی منتخب کی تھی جہاں پکڑے جانے کا امکان ذرا کم تھا۔

یہ گروہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ربیعہ اسی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ وہ عثمان صدام کو روکنا چاہتی تھی۔ اسے شاید علم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ پکڑے جائیں گے اور عثمان صدام ملا جائے گا۔ ان جانتا نفل کا جانے کا طریقہ اور راستہ کچھ اور تھا۔ ربیعہ پہلے وہاں پہنچ گئی جہاں سے دیوار توڑنی تھی۔ وہاں ابھی کوئی مہینہ نہیں پہنچا تھا۔ اس نے اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ اچانک پیچھے سے اُسے کسی نے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر پرے لے گیا۔ یہ ایک فوجی تھا۔ پرے لے جا کر فوجی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے باپ کا نام لیا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے سیلی جاتے مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتی تھی۔ وہاں دراصل فوج کا ایک پورا دستہ چھپا ہوا تھا۔ اس کے کمانڈر نے ربیعہ کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ یہاں نقب لگانے آیا ہے اور اُسے پکڑنے کے لیے گھات لگائی گئی ہے۔۔۔ یہ اطلاع ایک اور مسلمان خبر نے فوج کو دی تھی۔

یعنی انہیں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ گھات سے اٹھ جائیں۔ وہ تو مرث عثمان سام کو پہچانا چاہتی تھی۔ اس مسلمان نوجوان کی محبت نے اُس کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اتنے میں ایک فوجی نے کہا۔ ”اطلاع غلط نہیں تھی، وہ آرہے ہیں۔“ یہی تڑپ اٹھی۔ اُس نے چلا کر کہا۔ ”عثمان! واپس چلے جاؤ۔“ دستے کے کمانڈر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ ”یہ بدبخت ہمارے معلوم ہوتی ہے۔ اسے گرفتار کرلو۔“ لیکن گرفتاری کی انہیں ملت نہ ملی کیونکہ کچھ دُور سے شور شراب سنائی دینے لگا تھا۔

جانبازوں کی یہ پارٹی سیدھی گھات میں آگئی تھی۔ میلیبیوں کے دستے کی تعداد زیادہ تھی۔ بیشتر اس کے کہ جانباز سنبھلتے وہ گھیرے ہیں آپکے تھے۔ شعلیں جل اٹھیں جن کی روشنی میں جانباز صاف نظر آنے لگے۔ ان کے پاس کھدائی کا سامان، برچھیاں اور خنجر تھے۔ بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ان میں گیارہ لڑکیاں تھیں۔ میلیبی کمانڈر نے باآواز بلند کہا۔ ”لڑکیوں کو زندہ پکڑو“۔ چھاپہ ماروں میں سے کسی نے کہا۔ ”مجاہدو! بھاگنا نہیں۔ ایک ایک لڑکی کو ساتھ رکھو“۔

اور جو معرکہ لڑا گیا، وہ بڑا ہی خونریز تھا۔ چھاپہ مار تو تربیت یافتہ لڑاکے تھے، خوب لڑے، لیکن لوگوں اور لوکیوں نے میلیبیوں کو حیران کر دیا۔ لوکیاں ڈرنے کی بجائے جو بالوں کو لٹکا رہی تھیں۔ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش میں متعدد میلیبی ان کے خنجروں کا شکار ہو گئے مگر میلیبی تعداد میں زیادہ تھے۔ چونکہ یہ معرکہ قلعے میں لڑا جاتا تھا اس لیے میلیبی فوج کے دوستے آگئے۔ اس معرکے میں ایک نسوانی آواز بلند بار سنائی دیتی تھی۔ ”عثمان نکل جاؤ۔۔۔ عثمان! تم نکل جاؤ۔“ یہ رینی کی آواز تھی۔ اُس وقت تک عثمان مارم لڑ رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک میلیبی آیا۔ عثمان کے پاس خنجر تھا اور میلیبی کے پاس تلوار۔ اچانک اس میلیبی کی پیٹھ میں ایک خنجر داخل ہو گیا۔ یہ رینی کا خنجر تھا۔ ایک اور میلیبی نے اُسے لٹکا دیا۔ اُس نے مرے مرے میلیبی کی تلوار اٹھالی اور مقابلے پر اتر آئی۔

عثمان صائم اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھا لیکن کسی میلیبی کی تلوار نے اُسے شہید کر دیا۔ کچھ دیر بعد

جانبازوں میں سرت دلوں کیاں زندہ رہیں۔ وہ اکٹھی تھیں اور بہت سے صلیبیوں کے گھیرے میں آگئیں۔ گھیرا سنگ ہو رہا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ خنجر بھینک دیں۔ دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں نے بیک وقت اپنا اپنا خنجر اپنے اپنے دل پر رکھا اور دوسرے لمحے انہوں نے خنجر اپنے دلوں میں اتار دیئے۔ یہی کو زخمی کر کے پڑ لیا گیا تھا۔ اُس نے بعد میں پاگل پن کی کیفیت میں بیان دیا کہ وہ اس سکیم کو ناکام کر کے عثمان صادم کو بچانا چاہتی تھی۔

قلعے کی دیوار توڑنے کی اُمید ختم ہو گئی۔ شہر کے اندر مسلمانوں کی تخریب کاری بھی ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی قیادت کرنے والے جانباز شہید ہو چکے تھے۔ برجیں بھی شہید ہو چکا تھا۔ لیکن سلطان الیوبی کی اُمیدیں صرف ان سرفروشنوں کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں۔ وہ قلعے سر کرنا جانتا تھا۔ ابھی تو محاصرے کا دوسرا دن تھا مگر اب کے صلیبیوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ وہ اس قلعے کو سلطان الیوبی کے زین میں لے آئیں۔

☆ urdunovelist.blogspot.com

میرے فلسطین میں آؤں گا

صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے غیر معمولی طور پر حکم مستقر کرک پر ایسی بے خبری میں حملہ کیا تھا کہ صلیبیوں کو اُس وقت خبر ہوئی جب سلطان ایوبی کی فوج کرک کو محاصرے میں لے چکی تھی لیکن محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ یہ سڑک پہلے محاصرہ تھا۔ جاسوسوں نے سلطان ایوبی کو یقین دلایا تھا کہ کرک شہر کے مسلمان باشندے اُن چھاپہ ماروں کے ساتھ جنہیں سلطان ایوبی نے پہلے ہی شہر میں داخل کر دیا تھا، اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے۔ محاصرے کے چوتھے پانچویں روز اندر سے ایک جاسوس نے باہر آکر سلطان ایوبی کو یہ اطلاع دی کہ تمام چھاپہ مار اور چند ایک مسلمان شہری دیوار توڑنے کی کوشش میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان میں مسلمان لڑکیاں بھی تھیں، اور ان میں ایک عیسائی لڑکی بھی شامل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی بتایا گیا کہ کسی ایمان فروش مسلمان نے اس جانباز جماعت میں شامل ہو کر دشمن کو اطلاع دے دی تھی جس کے نتیجے میں دشمن نے کھات لگائی اور ساری جماعت کو شہید کر دیا۔ یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اب اندر سے دیوار توڑنے کی امیدیں ختم ہو چکی ہیں۔

امیدیں ختم ہوتی ہی تھیں۔ صلیبیوں نے جب دیکھا کہ دیوار توڑنے والوں میں کرک کے مسلمان نوجوانوں، اور لڑکیوں کی لاشیں تھیں تو انہوں نے مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اندھا دھند شروع کر دی۔ لڑکیوں تک کو نہ بچشا۔ جوانوں کو بیگار کرپ میں، بوڑھوں کو اُن کے اپنے گھروں میں اور جوان لڑکیوں کو قلعے کی فوجی بارکوں میں قید کر دیا۔ ان میں سے کچھ لڑکیوں نے خودکشی بھی کر لی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ کفار اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ صلاح الدین ایوبی کو بھی یہی غم کھانے لگا کہ کرک کے مسلمانوں کو یہ قربانی بہت ہنگامی پڑے گی۔ اُس نے جب ان جانبازوں کی خبر سنی تو اپنے نائبین سے کہا۔ ”یہ کارستانی صرف ایک ایمان فروش مسلمان کی ہے۔ اس ایک غدار نے اسلام کی اتنی بڑی فوج کو بے بس کر دیا ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے نام پر جانیں قربان کر دیں، ایک یہ مسلمان ہیں جنہوں نے اللہ کا ایمان کفار کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ یہ غدار اسلام کی تاریخ کا رُخ پھیر رہے ہیں۔۔۔ سلطان ایوبی غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ران پر گھونسا مار کر بولا۔ ”میں کرک کو بہت جلدی فتح کر دوں گا اور ان غداروں کو سزا دوں گا۔“

سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا افسر زہران خیمے میں داخل ہوا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا۔ ”آج رات کو محاصرہ مکمل ہو جانا چاہئے۔ میں آپ کو ابھی بتانا ہوں کہ کون سے دستے کرک کے پیچھے بھیجے جائیں۔“

”داخلت کی معافی چاہتا ہوں امیر مصر“ زابلان نے کہا۔ ”اب شاید آپ محاصرہ مکمل نہیں کر سکیں گے ہم نے کچھ وقت ضائع کر دیا ہے۔“

”کیا تم کوئی نئی خبر لائے ہو؟“ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُس سے پوچھا۔

”آپ نے جس کامیابی سے دشمن کو بے خبری میں آن لیا تھا اس سے آپ کو فائدہ نہیں اٹھا سکے۔“ زابلان نے جواب دیا۔ وہ ایسے بے دھڑک انداز سے بول رہا تھا جیسے اپنے سے چھوٹے عہدے کے آدمی کو ہدایات دے رہا ہو۔ سلطان ایوبی نے اپنے تمام سینئر اور جوئر کمانڈروں اور تمام شعبوں کے سربراہوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اُسے بادشاہ سمجھ کر فریضی سلام نہ کیا کریں، مشورے دیری اور خود اعتمادی سے دیں اور نہ کسی پستی کھل کر کیا کریں۔ زابلان انہی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس کی حیثیت ایسی آنکھ کی سی تھی جو اندھیوں میں لہجہ دیتی تھی اور وہ ایسا کان تھا جو اپنے جاسوسوں کے ذریعے سینکڑوں میل دور دشمن کی سرگوشیاں بھی سن لیا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کو اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامیاب جاسوسی کے بغیر جنگ نہیں جیتی جاسکتی خصوصاً اس صورت حال میں جہاں صلیبیوں نے سلطنت اسلامیہ میں جاسوسوں اور تجزیہ کار کا جال بچھا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کو نہایت اعلیٰ اور غیر معمولی طور پر ذہین اور تجربہ کار جاسوسوں کی ضرورت تھی۔ اس میدان میں وہ پوری طرح کامیاب تھا۔ اس کی انٹیلی جنس کے تین افسر علی بن سفیان اور اُس کے دونائب، حسن بن عبداللہ اور زابلان جانتا ہر قسم کے سراغریاں اور جاسوس تھے۔ انہوں نے اس محاذ پر صلیبیوں کے کئی وار بیکار کیے تھے۔

”آپ کو معلوم تھا کہ صلیبیوں نے جہاں کرک کا دفاع مضبوط کر رکھا ہے وہاں بہت سی فوج کرک سے دور خیمہ زن کر رکھی ہے۔“ زابلان نے کہا۔ ”آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس فوج کو باہر سے محاصرہ توڑنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جاسوسوں کی اطلاعیں مات بتا رہی تھیں کہ اب صلیبی قلعے سے باہر نہیں گئے، پھر بھی آپ نے فوری طور پر محاصرہ مکمل نہیں کیا۔ اس سے دشمن نے فائدہ اٹھا لیا ہے۔“

”تو کیا انہوں نے حملہ کر دیا ہے؟“ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے تابی سے پوچھا۔

”آج شام تک اُن کی فوج اُس مقام پر آجائے گی جہاں ہماری کوئی فوج نہیں۔“ زابلان نے جواب دیا۔ ”میرے جاسوس جو اطلاعیں لاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ صلیبی فوج گھوڑ سوار اور شتر سوار ہوگی۔ پیادہ دستے بہت کم ہیں۔ وہ محاصرے کی جگہ پر آجائیں گے اور دائیں بائیں حملے کریں گے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہلا محاصرہ ٹوٹ جائے گا۔ صلیبیوں کی تعداد بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔“

”میں تمہیں اور تمہارے جاسوسوں کو فوج تحسین پیش کرتا ہوں جو یہ اطلاعیں لاتے ہیں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں یہ کام کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔ میں تم سب کو یقین دلانا ہوں کہ صلیبی ہمارے محاصرے کا جو خلا پر کرنے اور محاصرہ توڑنے آ رہے ہیں انہیں اسی خلا میں گم کر دوں گا۔ مجھے اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے۔ اگر تم میں کوئی غدار نہیں تو اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔“

”ابھی وقت ہے۔“ ایک نائب سالار نے کہا۔ ”اگر آپ حکم دیں تو ہم محفوظہ کے تین چار دستے صلیبیوں

کے پہنچنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں۔ ہمارے کاغذ رپڑ ہو جائے گا اور صلیبیوں کا حملہ ناکام ہو جائے گا۔“

سلطان ایوبی کے چہرے پر پریشانی یا اضطراب کا ہلکا سا اثر بھی نہیں تھا۔ اس نے زابلان سے پوچھا۔ ”اگر تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ صلیبی فوج کس وقت حملے کے مقام پر پہنچے گی؟“

”اُن کی پیش قدمی خامی تیز ہے۔“ زابلان نے جواب دیا۔ ”اُن کے ساتھ خیمے اور رسد نہیں آ رہی۔ دیکھ آ رہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راستے میں کوئی پڑاؤ نہیں کریں گے۔ اگر وہ اسی رفتار پر آتے رہے تو رات گہری ہونے تک پہنچ جائیں گے۔“

”خدا کرے کہ وہ راستے میں نہ کریں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”مگر وہ تھکے ہوئے اور بھوکے پیاسے گھوڑوں اور اونٹنوں کے ساتھ حملہ نہیں کریں گے۔ حملے کے مقام پر اگر عافیتوں کو آرام اور خوراک دیں گے۔ اس دوران وہ دیکھیں گے کہ ہم نے جو محاصرہ کر رکھا ہے اس میں خلا ہے یا نہیں۔ صلیبی اتنے کوشش مغز نہیں کر ایسی پیش بینی اور پیش بندی نہ کریں۔“ سلطان ایوبی نے اپنے حملے کے دو تین حکام کو بلایا اور انہیں نئی صورت حال سے آگاہ کر کے کہا۔ ”صلیبی ہمارے جال میں آ رہے ہیں۔ قلعے کے عقب میں ہم نے محاصرے میں جو خلا چھوڑ دیا ہے اسے دوبارہ کھلا کر دو۔ دائیں اور بائیں کے دستوں سے کہہ دو کہ اُن پر عقب سے حملہ آ رہا ہے۔ اپنے پہلوؤں کو مضبوط کر لیں اور دشمن کو اپنے درمیان آنے دیں۔ کوئی تیر انداز حکم کے بغیر کمان سے تیر نہ نکالے۔“

”قسم کے احکام کے بعد سلطان ایوبی نے پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے چند ایک دستوں کو جو اُس نے ریزہ ریزہ رکھے ہوئے تھے، سوچ غروب ہوتے ہی ایسے مقام پر چلے جانے کو کہا جو صلیبیوں کے حملے کے ممکنہ مقام کے قریب تھا۔ وہ علاقہ میدانی نہیں تھا اور محاذ کی طرح ریتا بھی نہیں تھا۔ وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کا علاقہ تھا۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر کو بھی بلایا تھا۔ اُس نے یہ کام سونپا کہ صلیبیوں کی فوج کے پیچھے نکلے راستے سے یہ رسد آ رہی ہے جو رات کو راستے میں تباہ کرنی ہے۔ ایسے اور کئی ایک فوری احکامات دے کر سلطان ایوبی خیمے سے نکلا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنے حملے کے فوری افراد کو ساتھ لیا اور محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

✽

صلاح الدین ایوبی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے والا انسان نہیں تھا۔ اُس نے دور سے محاصرے کا جائزہ لیا اور اپنے حملے سے کہا۔ ”صلیبیوں سے یہ قلعہ لینا آسان نہیں۔ محاصرہ بڑے لمبے عرصے تک قائم رکھنا پڑے گا۔ اُس نے دیکھا کہ قلعے کی سامنے والی دیوار سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ قلعے کے دروازے تک پہنچنا ناممکن تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج تیروں کی زد سے دور تھی۔ جوابی تیر اندازی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سلطان ایوبی قلعے کے پہلو کی طرف گیا۔ وہاں اُسے ایک ولولہ انگیز منظر نظر آیا۔ اس کا ایک دستہ حیران کن تیزی سے قلعے کی دیوار پر تیر رہا تھا۔ چھ منہقیں آگ چھینک رہی تھیں۔ دیوار پر جہاں تیر اور آگ کے گولے جا رہے تھے وہاں کوئی صلیبی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دیک گئے تھے۔ سلطان ایوبی دور کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کے تقریباً پچاس سپاہی ہاتھوں میں برہمچر اور کدالیں

اسٹائے دیوار کی طرف سرٹ دھڑپڑے اور دیوار تک پہنچ گئے۔ قلعے کی دیوار پھول اور مٹی کی تھی۔ انہوں نے دیوار توڑنی شروع کر دی۔ اسی مقصد کے لیے اوپر تیر اور آگ کے گولے برسائے جا رہے تھے کہ اوپر سے دشمن اُن پر دیوار توڑتے وقت تیر نہ چلا سکے۔

سلطان ایوبی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "آفرین"۔ مگر اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ قلعے کی دیوار پر لٹکارتی دی۔ عین اُس جگہ کے اوپر سے جہاں سلطان ایوبی کے جانباز دیوار توڑ رہے تھے بہت سے میلیبیوں کے سردار کندھے نظر آئے۔ پھر بڑے بڑے ڈول اور ڈم نظر آئے۔ یہ اٹا دیے گئے۔ ان میں سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور انکارے تھے جو ان مجاہدین پر گرے جو نیچے دیوار توڑ رہے تھے۔ مجاہدین نے آگے جا کر تیر برساتے شروع کر دیے جن میں متعدد میلیبی گھاتس ہو گئے۔ دیوار کی کسی اور طرف سے تیر آئے جنہوں نے مجاہدین تیر اندازوں کو زخمی اور شہید کر دیا۔ پھر دونوں طرف سے اس نذر تیر برسنے لگے کہ وہاں میں اڑتے ہوئے تیروں کا جال بن گیا۔ جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ دیوار بہت ہی چوڑی تھی۔ نیچے سے اس کی چوڑائی اوپر کی نسبت زیادہ تھی۔ ان جانبازوں پر اوپر سے تیر نہیں چلایا جاسکتا تھا مگر ان پر جلتی لکڑیاں اور دھکتے انکارے پھینکے جا رہے تھے۔ آگ کے ڈول اور ڈم پھینکنے والوں میں بظاہر کوئی بھی مسلمان تیر اندازوں سے بچ کر نہیں جاتا تھا لیکن وہ تیر کھا کر گرنے سے پہلے آگ انڈیل دیتے تھے۔

نیچے یہ عالم تھا کہ آگ بھڑک رہی تھی اور دیوار توڑنے والے شعلوں اور انکاروں میں بھی دیوار توڑ رہے تھے۔ تیروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ آخر دیوار توڑنے والے جلس گئے اور ان میں سے چند ایک اس حالت میں قہقہے کو دھڑے کر اُن کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ دیوار سے ہٹے ہی تھے کہ اوپر سے تیر آئے جو اُن کی پیٹھوں میں اتر گئے۔ اس طرح ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ آ سکا۔ دس اور مجاہدین دیوار کی طرف دھڑے اور دشمن کے تیروں میں سے گزرتے دیوار ٹھٹھ پھٹ گئے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے دیوار کے بہت سے پتھر نکال لیے۔ اوپر سے اُن پر بھی آگ کے ڈم اور ڈول اٹھیل دیتے گئے۔ آگ پھینکنے والوں سے دوتا ادا ہوا گئے تھے کہ مجاہدین کے تیر سینوں میں کھا کر وہ پیچھے گرنے کی بجائے آگے کو گرے اور دیوار سے سیدھے نیچے اپنی ہی پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے، مگر دیوار توڑنے والوں میں سے بھی کوئی زندہ نہ بچا۔

سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس دستے کے کمانڈر کے پاس جا کر کہا۔ "تم پر اور تمہارے جانبازوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ اسلام کی تاریخ ان سب کو ہمیشہ یاد رکھے گی جو اللہ کے نام پر جمل گئے ہیں۔ اب یہ طریقہ چھوڑ دو۔ پیچھے ہٹ آؤ۔ اتنی تیزی سے انسان اور تیر ختم نہ کرو۔ میلیبی اس قلعے کے لیے اتنی زیادہ قربانی دے رہے ہیں جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور ہم بھی اتنی زیادہ قربانی دیں گے جس کا میلیبی تصور نہیں کر سکتے۔" کمانڈر نے کہا۔ "دیوار ہمیں سے ٹوٹے گی اور ہم آپ کو ہمیں سے اندر لے جائیں گے۔"

"اللہ تمہاری آرزو پوری کرے" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اپنے مجاہدین کو بچا کر رکھو۔ میلیبی باہر سے حملہ کر

رہے ہیں۔ تمہیں شاید باہر لڑنا پڑے گا۔ محاصرہ مضبوط رکھو۔ ہم میلیبیوں کو اندر بھجوا کا ماریں گے۔"

اس دستے کو پیچھے ہٹایا گیا مگر کمانڈر نے سلطان ایوبی سے کہا۔ "سالارِ عظمیٰ کی اہانت ہو تو میں شہیدوں کی لاشیں اٹھواؤں؟ اس مقصد کے لیے مجھے پھر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

"ہاں! سلطان ایوبی نے کہا۔ اٹھواؤ۔ کسی شہید کی لاش باہر نہ پڑی رہے۔"

سلطان ایوبی دیاں سے چلا گیا۔ اس جانباز دستے نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھائیں، وہ ایک دلولہ انگیز منظر تھا۔ جتنی لاشیں اٹھانی تھیں اتنے ہی مجاہدین شہید ہو گئے۔ سلطان ایوبی دُور نکل گیا تھا جنگ کے دوران وہ اپنا پرچم ساتھ نہیں رکھا کرتا تھا تاکہ دشمن کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اپنی فوج سے دُور ہٹ گیا اور بہت دُور جا کر وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں چلا گیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا تاکہ اسے دشمن نہ دیکھ سکے۔ اُسے قلعہ اور شہر کی دیوار نظر آرہی تھی اور کم و بیش ایک میل لمبا وہ علاقہ بھی نظر آ رہا تھا جہاں ابھی اُس کی فوج نہیں پہنچی تھی۔ اس نے ٹیلوں کے علاقے کا جائزہ لیا۔ ہر جگہ گھوم پھرا۔

اسی جائزے اور دیکھ بھال میں سورج غروب ہو گیا۔ وہ وہیں رہا شام گہری ہوئی تو اُسے اطلاع دی گئی کہ اُس کے حکم کے مطابق پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے دستے آ رہے ہیں۔ اُس نے اپنے قاصد سے کہا کہ کمانڈروں کو بلا یا جائے۔ جب کمانڈر اس کے پاس آئے تو چھاپہ مار دستے کا کمانڈر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اُسے سلطان ایوبی نے راستہ بتا کر اپنے ہفت پر پہلے جانے کو کہا۔ پھر وہ دوسرے کمانڈروں کو ہدایات دینے لگا۔

☆

urdunovelist.blogspot.com

رات آدھی گزری تھی کہ دُور سے گھوڑوں کی آوازیں اس طرح سنائی دینے لگیں جیسے سیلاب بند توڑ کر آ رہا ہو۔ چاند پورا تھا۔ چاندنی شفات تھی۔ میلیبیوں کے گھوڑے سوار ٹیلوں اور چٹانوں سے کچھ دُور تک آ گئے۔ اُن کے پیچھے شتر سوار تھے۔ ان کی تعداد کے متعلق متوخل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ غیر مسلم متوخلوں نے تعداد تین ہزار سے کم بیان کی ہے۔ مسلمان متوخل پانچ سے آٹھ ہزار تک بتاتے ہیں۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی جو تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں وہ کم سے کم تعداد دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار بتاتے ہیں۔ ان کا کمانڈر ایک مشہور میلیبی حکمران ریمانڈ تھا۔ دو متوخلوں نے کمانڈر کا نام رینالڈ لکھا ہے لیکن وہ ریمانڈ تھا۔ وہ اسی حملے کے لیے نئے عرصے سے وہاں سے دُور خیمہ زن تھا۔ اُسے اب رات کو واضح ہوتے ہی سلطان ایوبی کی اُس فوج پر حملہ کرنا تھا جس نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

میلیبی سوار گھوڑوں اور اونٹوں سے اترے۔ گھوڑوں کے ساتھ دالے کی پھیلیاں تھیں جو گھوڑوں کے آگے دھا دی گئیں۔ سواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے جانور کے ساتھ رہیں اور زیادہ دیر کے لیے سونہ جائیں۔ جانوروں کے لیے چارہ اور پانی کے مشکیزے پیچھے آ رہے تھے۔ میلیبیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں پر عقب سے اپنا حملہ کر کے گھوڑوں کو قلعے کے اندر سے پانی پلائیں گے۔ سلطان ایوبی کے دیدار میں میلیبیوں کو بڑی اچھی طرح دیکھ رہے تھے اور گھبرا بھی رہے تھے کیونکہ میلیبیوں کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ طاقت سے وہ محاصرہ توڑ سکتے تھے۔

اور طرے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

اس علاقے کے اندر پانی موجود تھا جو جانوروں کو کچھ عرصے کے لیے زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ فوج کو زندہ رکھنے کے لیے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت کافی تھا۔ سلطان الیوبی نے شہر کا محاصرہ مکمل کرنے کا حکم دے دیا۔ صلیبی سپاہیوں سے نہیں بیٹھے۔ ہر روز کسی نہ کسی جگہ جھڑپ ہوتی تھی اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ سلطان الیوبی نے قلعے اور شہر کے گرد گھومنا شروع کر دیا کہیں سے بھی دیوار توڑنے کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

☆

محاصرے کا سولہواں سترہواں روز تھا۔ شام کے وقت سلطان الیوبی اپنے خیمے میں بیٹھا اپنے نائبین وغیرہ کے ساتھ اس مسئلے پر باتیں کر رہا تھا کہ قلعے کو توڑنے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ محافظ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ سوڈان کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان الیوبی تڑپ کر بولا۔ "اُسے فوراً اندر بھیج دو"۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے نکل گیا۔ "اللہ کرے یہ کوئی اچھی خبر لایا ہو"۔

قاصد آمد آیا تو سلطان الیوبی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ قاصد نہیں، کسی دستے کا کمانڈر ہے۔ سلطان الیوبی نے بتائی سے پوچھا۔ "کوئی اچھی خبر لائے ہو؟.... بیٹھے جاؤ"۔

کمانڈر نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔ "جس رنگ میں سالار اعظم دیکھیں۔ خیموں کے لیے اچھی نہیں کہ ہم سوڈان میں فتح حاصل نہیں کر سکے اور اس لحاظ سے خبر اچھی ہے کہ ہم نے ابھی شکست نہیں کھائی اور سپاہیوں نے ہمت"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکست اور سپاہیوں کے آثار بھی نظر آرہے ہیں۔ سلطان الیوبی نے پوچھا۔

"سات نظر آرہے ہیں"۔ کمانڈر نے جواب دیا۔ "میں آپ کا حکم لینے آیا ہوں کہ ہم کیا کریں۔ ہوس ملک کے شہید ضرورت ہے۔ اگر ہماری یہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو سپاہیوں کے بغیر چارہ نہیں"۔

سلطان الیوبی نے پورا پیغام سننے سے پہلے اُس کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ اور پیغام سننے جاؤ۔ سلطان الیوبی کی غیر حاضری میں اس کا بھائی تقی الدین مصر کا نائب مقام امیر مقرر ہوا تھا۔ اُس نے سوڈان اور مصر کی سرحد کے قریب فرعونوں کے زمانے کے کھنڈروں میں صلیبیوں کا پیدا کردہ ایک بڑا ہی خطرناک نظریہ اور ڈرامہ پکڑا تھا اور اُس کے فوراً بعد اُس نے یہ سوچ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہاں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شیردل اور سالاروں نے اُسے کہا تھا کہ وہ سلطان الیوبی سے اجازت لے کر حملہ کریں مگر تقی الدین نے یہ کہہ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا کہ وہ صلیبیوں کے اتنے طاقتور لشکر کے خلاف لڑ رہا ہے۔ اُس نے جوش میں آکر حملہ تو کر دیا تھا لیکن یہ کمانڈر پیغام لایا تھا کہ سوڈان میں شکست سات نظر آرہی ہے۔ عام قاصد کی بجائے تقی الدین نے ایک کمانڈر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ سلطان الیوبی کو محاذ کی صحیح صورت حال فنی نقطہ نگاہ سے سنا سکے۔ اس سے پہلے سلطان الیوبی کو صرف یہ اطلاع ملی تھی کہ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کر دیا ہے۔

کمانڈر نے جو واقعات سلطان الیوبی کو سنائے وہ منظر یہ تھے کہ تقی الدین نے سقائے نظر رکھنے کی بجائے ہنسبے اور جذبات سے مغلوب ہو کر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کا جذبہ دہی تھا جو اُس کے بھائی سلطان الیوبی کا تھا۔

سرا بھی دھندلی تھی۔ صلیبیوں کو سوار ہونے، برجیاں اور تلواریں تیار رکھنے کا حکم ملا۔ یہ دراصل حملے کا حکم تھا۔ وہ ایک بڑی ہی لمبی صف کی صورت میں آگے بڑھے۔ جو جی اگی صف نے ایڑ لگائی عقب سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ جن سواروں کو تیر لگے، وہ گھوڑوں پر ہی اوندھے ہو گئے یا گر پڑے، اور جن گھوڑوں کو تیر لگے وہ بے قابو ہو کر بھاگ اٹھے۔ اونٹ ابھی چلے ہی تھے کہ اُن میں جھگڑا مچ گئی۔ صلیبی کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہ ہوا کیا ہے اور اُن کی ترتیب کبھری کیوں جا رہی ہے۔ انہوں نے غصے کی حالت میں چلاتا شروع کر دیا۔ زخمی گھوڑوں اور اونٹوں نے جو دواویلا پکایا اس نے ساری فوج پر دہشت طاری کر دی۔ صبح کا اجالامات ہوا تو ریمانڈ کو معلوم ہوا کہ وہ سلطان الیوبی کے گھیرے میں آگیا ہے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ اسے بہت زیادہ سمجھ رہا تھا۔ ایسی صورت حال کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔ اُس نے حملہ رکوا دیا لیکن اُس کے سواروں کی اگی

صف اُس رخسار کے قریب پہنچ چکی تھی جہاں اس پورے لشکر کو پہنچنا تھا۔ محاصرے والی فوج کو پہلے سے ہی خبردار کر دیا گیا تھا۔ وہ اس حملے کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کے مجاہدین نے گرد کے بادل زمین سے اٹھتے اور اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ تیار ہو گئے۔ گرد قریب آئی تو اس میں سے گھوڑے سوار نمودار ہوئے۔ مجاہدین نے اپنے آپ کو حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ دائیں اور بائیں تھے۔ جو جی گھوڑے اُن کے درمیان آئے، مجاہدین پہلوؤں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ تب صلیبی سواروں کو احساس ہوا کہ وہ اپنے لشکر سے کٹ گئے ہیں اور ان کا لشکر اپنی جگہ سے چلا ہی نہیں۔ سلطان الیوبی اس معرکے کی کمان اور نگرانی خود کر رہا تھا۔ صلیبی پیچھے کو مڑے تاکہ مقابلہ کریں لیکن سلطان الیوبی نے انہیں یہ چال چلائی کہ

کہا کہ صلیبیوں کا کوئی دستہ سرپٹ رفتار سے کسی طرف حملہ کرنا تھا تو آگے مزاحمت نہیں ملتی تھی۔ البتہ پہلوؤں اور عقب سے اُس پر تیر رہتے تھے۔ صلیبی کمانڈروں نے اپنے لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر دیا۔

سلطان الیوبی کے کمانڈروں نے اُس کی ہدایت کے مطابق آنے سامنے کے مقابلے کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ صلیبیوں کے گھوڑے ٹھکے ہوئے تھے۔ بھوکے اور پیاسے بھی تھے۔ انہیں جنگ روکنی پڑی۔ وہ چارے اور پانی کے منتظر تھے۔ رسد کو صبح تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

دوسرے دن رسد نہ پہنچی۔ چند ایک سوار دوڑائے گئے لیکن وہ مسلمان نیراندازوں کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ زندہ بھیچے چلے بھی جاتے تو انہیں رسد نہ ملتی۔ وہ رات کو ہی سلطان الیوبی کے چھاپہ مار دستے کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ اس دستے نے بڑی کامیابی سے شب خون مارا اور رسد تباہ کر دی تھی۔ سلطان الیوبی نے اپنے محفوظہ میں سے مزید دستے بلا لیے اور ریمانڈ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ اگر مسلمانوں کی تعداد صلیبیوں جتنی ہوتی تو وہ حملہ کر کے صلیبیوں کو ختم کر دیتے۔ سلطان الیوبی اپنی نفی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اس لشکر کو لڑاتے لڑاتے ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں لے جا کر گھیرے میں لے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا صلیبی بیکار ہونے جائیں گے، مگر صلیبیوں کو بڑی کامیابی سے گھیرے میں لے کر اُسے خود بھی نقصان ہو رہا تھا۔ اُس نے جہاں صلیبیوں کی اتنی بڑی قوت کو باندھ لیا تھا وہاں اُس کے اپنے بہت سے بیزر دستے بھی بندھ گئے تھے۔ انہیں اب وہ کسی

پاگل ہوا جا رہا ہے۔ اس نے مذہب کی وجہ سے کہا۔ "میں فاسق ہوں، باری تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ میں ان جاننا نہیں
کو جو فلسفین میں لڑتے ہوئے آئے ہیں ناسحق موت کے منہ میں نہیں دھکیلا جاتا تھا۔"

"پھر آپ کو جملہ بھی نہیں کرنا چاہئے تھا۔" کانڈرنے کہا۔ "ہم میں کون ہے جو اللہ کے نام پر جان دینے کیلئے
تیار نہیں۔ ہم موت کے منہ میں آچکے ہیں، اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ موت کے منہ میں ہانکے اور اپنے آپ کو اللہ کے
قرب محسوس کرتا ہے۔ آپ جذبات سے نکلیں۔ ہم دشمن کے حال میں آچکے ہیں۔"

تقی الدین کوئی ایسا انارشی بھی نہیں تھا۔ اُسے سلطان الیوبی کے یہ الفاظ یاد تھے کہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر
کسی کو حکم نہ دینا اور میدان جنگ میں ہانکرا اپنی غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرنا۔ اُس نے اس کانڈرن کی سخت کلامی کو گستاخی
نہ سمجھا اور اسی وقت تمام اعلیٰ کمانڈروں کو بلا کر جنگ کی صورت حال اور آئندہ اقدام کے متعلق بات چیت کی۔

فیصلہ ہوا کہ چھاپہ ماروں کو جوابی کارروائیاں کرنے کے لیے بھیلا دیا جائے۔ رستہ کے راستے کو بھی تباہ پانی کی مخالفت
میں لے لیں۔ فوج کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اُسے تین حصوں میں تقسیم کر کے دشمن پر تین اطراف سے حملہ کیا جائے۔ تقی
الدین نے اپنے پاس جو محفوظ رکھا وہ خاماکم تھا۔ اس تقسیم اور ترتیب سے یہ ناپا ہوا کہ فوج اس علاقے سے نکل
گئی جہاں پانی نہیں تھا۔ ریت اور ٹیلوں کا سمندر تھا، مگر فوج بکھر گئی۔ دشمن نے تینوں حصوں پر حملے کر کے انہیں اور زیادہ

بکھیر دیا جانی نقصان بہت ہونے لگا۔ نہایت تیزی سے کانڈروں نے اپنے اپنے دھڑوں کو الگ الگ کر کے اسی نوعیت کی جنگ شروع
کر دی جو انہیں سلطان الیوبی نے سکھائی تھی مگر صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ جیت نہیں سکیں گے۔ انہوں نے مذہب قائم
رکھا۔ رستہ اور لگ لگاتار سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ شہن مار تے اور کھانے پینے کے لیے کچھ حاصل کر لیتے تھے۔ چھاپہ مار
دستے نہایت سہانہ بازی سے شہن مار تے، دشمن کا نقصان کرتے اور جو ہاتھ لگتا وہ مختلف دھڑوں کو ہتھیار دیتے تھے۔

مرکزی کمان ختم ہو چکی تھی۔ تقی الدین اپنے غلے کے ساتھ بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔ جذبہ کی حد تک وہ مطمئن تھا۔

اُسے کہیں سے بھی ایسی اطلاع نہ ملی کہ کسی دستے یا جماعت نے مختار ڈال دیئے ہوں۔ جنگ چھوٹے چھوٹے مرکوں
اور جھڑپوں میں تقسیم ہوتے ہوئے آدھے سوڈان تک پھیل گئی۔ مسلمان کمانڈروں نے فرداً فرداً یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ چھاپہ
مار قسم کی جنگ لڑتے رہیں گے سوڈان سے نکلیں گے نہیں۔ دشمن کا نقصان بھی ہو رہا تھا۔ ایک وقت آگیا جب
دشمن پریشان ہو گیا کہ مسلمانوں کو سوڈان سے کس طرح نکالا جائے۔ مسلمان فوجی محاذوں، بیابانوں اور پہاڑی آبادیوں
میں پھیل گئے تھے۔ اب مرکز کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ جانی نقصان کتنا ہو چکا ہے اور کتنی نفری باقی ہے۔ یہ اندازہ
منور ہو رہا تھا کہ دشمن بھی مصیبت میں مبتلا ہے اور اب وہ مصر پر حملہ نہیں کر سکے گا، مگر اس طریقہ جنگ سے
کوئی ٹھوس فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فوج مرنے جا رہی تھی۔

ان حالات میں تقی الدین نے سلطان الیوبی کو اپنے ایک کانڈرن کی زبان پر پیغام بھیجا۔ اُس نے کہا کہ سوڈان
کی ہمہ صورت اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ اسے کمک مل جائے۔ اس کی تمام فوج چھاپہ مار پارٹیل میں بٹ
گئی تھی۔ ان پارٹیل کی کارروائیوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے مزید فوج کی ضرورت تھی۔ تقی الدین نے سلطان الیوبی
سے پوچھا تھا کہ کمک نہ مل سکے تو کیا وہ سوڈان میں بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے مصر واپس آہائے؟ مصر میں جو فوج

لیکن دونوں بھائیوں کی جنگی فہم و فراست میں فرق تھا۔ تقی الدین نے جو فیصلہ کیا نیک یعنی اور اسلامی جذبہ کے
تحت کیا مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر گیا کہ دشمن پر سوچے سمجھے بغیر لڑائی پڑنے کو جہاد یا جنگ نہیں کہتے۔ اُس نے
سوڈان میں پھیلے ہوئے اپنے ہاسوسوں کی رپورٹوں پر بھی پوری طرح غور نہ کیا۔ اُن کی صرف اس اطلاع پر توجہ
مركز رکھی کہ سوڈانیوں کو میلیں کمانڈر ٹرننگ سے رہے ہیں اور وہاں حملے کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔ تقی الدین
نے دشمن کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینے کا فیصلہ کر لیا مگر اس قسم کی انتہائی اہم معلومات حاصل نہ کیں کہ سوڈانیوں
کی جنگی طاقت کتنی ہے؟ وہ کتنی طاقت لڑائیں گے اور کتنی ریزرو میں رکھیں گے؟ ان کے ہتھیار کیسے ہیں؟ سوا کتنے
اور سپاہ کتنے ہیں؟ اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ میدان جنگ کس قسم کا اور مصر سے کتنی دور ہوگا اور
رستہ کے انتظامات کیا ہوں گے؟

دو فرمایاں نوابتدائیں ہی سامنے آگئیں۔ ایک یہ کہ سوڈانیوں نے بلکہ میلیں کمانڈروں نے تقی الدین کو سرحد پر
روکا نہیں۔ اُسے بہت دور تک سوڈان کے اُس علاقے تک جانے کے لیے راستہ دے دیا جو بڑا ہی ظالم صحرا
تھا اور جہاں پانی نہیں تھا۔ دوسرا نقصان یہ سامنے آیا کہ تقی الدین کی فوج دراصل صلاح الدین الیوبی کی چالوں پر
لڑنے والی فوج تھی جو انتہائی کم تعداد میں دشمن کے بڑے بڑے دستوں کو تھس تھس کر دیا کرتی تھی۔ اس فوج کو صرف
سلطان الیوبی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان الیوبی اُسے سامنے کی ٹکر سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ وہ متحرک قسم کی جنگ لڑتا
تھا۔ تقی الدین لشکر کشی کا قابل تھا۔ اس فوج میں تجربہ کار اور جاننا چھاپہ مار دستے بھی تھے لیکن اُن کا تعلق انہوں
سلطان الیوبی جانتا تھا۔ سوڈان میں جا کر یوں ہوا کہ فوج ایک لشکر کی صورت میں بندھی رہی اور دشمن اپنی چال چل
گیا۔ دشمن تقی الدین کو اپنی پسند کے علاقے میں لے گیا اور اس کی فوج پر سلطان الیوبی کے انداز کے شہن مارنے
شروع کر دیئے۔ تقی الدین کے جانوروں اور جوانوں کو پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی تھی۔ چھاپہ مار دستوں کے
کمانڈروں نے اُسے کہا کہ وہ انہیں صحرائیں آزاد چھوڑ دے مگر تقی الدین نے اس خدشے کے پیش نظر انہیں کوئی
کارروائی نہ کرنے دی کہ جمعیت اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔

جب رستہ کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دور چلے آئے ہیں جہاں تک رستہ کو پہنچتے
کئی دن لگیں گے اور رستہ کا راستہ محفوظ بھی نہیں۔ ہوا بھی ایسے ہی کہ رستہ کے پہلے ہی تلافی کی اطلاع ملی کہ دشمن نے
اسے تباہ نہیں کیا بلکہ تمام تر رستہ اور جانور اڑا لے گیا ہے۔ اس حادثے کی اطلاع پر چھاپہ مار دستوں کے ایک سینئر
کمانڈر اور تقی الدین میں گراگرمی ہو گئی۔ کمانڈرنے کہا کہ وہ لڑنے آئے ہیں اور لڑیں گے لیکن اس طرح نہیں کہ دشمن
شہن مار رہا ہے، رستہ لوٹ کر لے گیا ہے اور ہم مرکزیت کے پابند بیٹھے رہیں تقی الدین نے حکم کے لیے میں سخت
کلامی کی تو کمانڈرنے کہا۔ "آپ تقی الدین ہیں صلاح الدین نہیں۔ ہم اُس عزم اور اُس طریقے سے لڑیں گے جو ہمیں
صلاح الدین نہیں سکھایا ہے۔ ہم چھاپہ مار ہیں۔ ہم دشمن کے پیٹ کے اندر جا کر اس کا پیٹ چاک کیا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ
لشکر جھوکا مر رہا ہے اور رستہ دشمن لے گیا ہے۔ ہم دشمن کی رستہ لوٹ کر اپنی فوج کو کھلانے کے عادی ہیں۔"

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ تقی الدین کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ جانتا تھا کہ چھاپہ ماروں کا یہ کمانڈر کس جذبہ سے

مقابلہ کیا۔ یہ سپاہی چھاپا ہوا دیکھتا رہا۔ اسے اپنے دوسرا قہقہہ بھاگتے نظر آئے۔ موقع دیکھ کر یہ سپاہی بھی بھاگ اٹھا اور اپنے دوسرا قہقہوں سے جا ملا۔ وہ دونوں زخمی تھے۔ کسی نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پارٹی کا ٹنڈہ شتر سوار کے دیئے ہوئے لہجہ میں آگیا تھا یا وہ پہلے سے ہی دشمن کا ایجنٹ تھا اور اپنے آدمیوں کو مرنے کا موقع دیکھ رہا تھا۔ ہر حال یہ اگشتاں ہوا کہ دشمن نے بکھرے ہوئے مسلمان دستوں کو ختم کرنے یا اپنے ہاتھ میں کرنے کے لیے روکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دشمن انسانی فطرت کی کمزوریل کو استعمال کر رہا تھا۔ ان حالات میں لڑنے والے سپاہی کو پیٹ اور جنس کی بھوک بہت پریشان کیا کرتی ہے۔ دشمن مجاہدین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر حملے الگ کر رہا تھا اور نفسیاتی ہتھیار بھی استعمال کر رہا تھا۔ ایسے چند واقعات ہوئے۔ مجاہدین کو خبردار کیا گیا کہ کسی کے چھانے میں نہ آئیں۔

ایسے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ چھاپہ مردستے کا ایک کمانڈر عطا الہاشم، ایک بگڑ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دستہ تین چار پارٹیوں میں بکھرا ہوا تھا۔ یہ مصر سے آنے والی رسد کا راستہ تھا۔ عطا الہاشم نے اپنے منہ ایک دستے سے جس کی نفری ایک سو سے کچھ کم تھی، رسد کے تمام تر راستے کو محفوظ کر دیا تھا۔ رسد پر چھاپہ مارنے والے دشمن کا اس نے بہت نقصان کیا تھا۔ اس کے جانباز اپنا ٹک محبت پڑے تھے۔ سوڈانیوں نے انہیں ختم کرنے کے بہت ستن کیے لیکن پانچ چھ جانبازوں کو شہید کرنے کے سوا کوئی کامیابی مائل نہ کر سکے۔ عطا الہاشم ٹیلیوں میں ڈھک رہا تھا۔ ایک بگڑ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ چھ سات جانباز تھے۔ یہ اس نے سید کو لڑ رہا تھا تھا۔ اسے صحرائی فائدہ بدوشوں کے لباس میں دو لڑکیاں ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ نظر آئیں۔ عطا الہاشم کو دیکھ کر تینوں اس کے پاس آ گئے۔ لڑکیاں سوڈانی معلوم ہوتی تھیں لیکن انہوں نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ بہت عجیب لگتا تھا۔ ان کے چہروں پر گرد تھی۔ چہرے اور اس تھے اور تنگ بھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکیاں ادھیڑ عمر آدمی کے پیچھے ہو گئیں۔ یہ جھجک اور نرم کا اظہار تھا۔ اس آدمی نے کچھ معری اور کچھ سوڈانی زبان میں کہا کہ وہ مسلمان ہے اور یہ دونوں اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ اس نے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ عطا الہاشم سوڈان کی زبان جانتا تھا۔ وہ چھاپہ مارنے والے سوڈانی علاقے میں کمانڈر کارروائیوں کی کامیابی کے لیے اس نے سوڈانی زبان سیکھی تھی۔ اس کے پاس خوراک کی کمی نہیں تھی۔ وہ برید کا محافظ تھا۔ دو تین بار رسد گزری تھی جس میں سے اس نے اپنے دستے کے لیے بہت سا راشن پانی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس نے ان تینوں کو کھانا دیا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اس آدمی نے کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ ان کا گاؤں جنگ کی زد میں آگیا ہے۔ کبھی سوڈانی آجائے تھے کبھی مسلمان۔ دونوں گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو فوجیوں سے چھپاتا پھرتا تھا۔ آخر تنگ آ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ لڑکیوں کی عزت بچانا چاہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ چونکہ وہ مسلمان ہے، اس لیے اس کو شش میں ہے کہ مصر چلا جائے مگر ممکن نظر نہیں آتا۔ اس نے عطا الہاشم سے کہا کہ وہ انہیں مصر پہنچا دے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پوچھا۔ ”تم لوگ اس جگہ کب تک رہو گے؟“

”جب تک رہوں گا، تم تینوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا“ عطا الہاشم نے جواب دیا۔

تقی الدین کے اس قاصد نے سلطان الوبی کو جنگ کی صورت حال تو بتادی لیکن میلیبیوں اور سوڈانیوں نے قہقہہ دیا تھا وہ نہ بتایا۔ غالباً اس کمانڈر کو معلوم نہ ہوگا۔ ایسے اگشتاں بہت بعد میں ہوئے وہاں جو ایک درماد کھول دیا تھا وہ نہ بتایا۔ غالباً اس کمانڈر کو معلوم نہ ہوگا۔ ایسے اگشتاں بہت بعد میں ہوئے

تقی الدین کی فوج دس دس بارہ بارہ کی ٹویوں میں بکھر کر لڑ رہی تھی۔ بعض علاقوں میں شانہ بدوشوں کے جھونپڑے تھے۔ تقی الدین کی فوج دس دس بارہ بارہ کی ٹویوں میں بکھر کر لڑ رہی تھی۔ بعض علاقوں میں شانہ بدوشوں کے جھونپڑے اور غیمے جی تھے۔ بعض جگہیں ہری بھری اور سرسبز بھی تھیں اور بیشتر علاقے خیر ویران اور رگیستان تھے۔ ایک ٹھام تین چھاپہ۔ مجاہدین واپس اپنے ایک سینئر کمانڈر کے پاس آئے۔ ان میں دو زخمی تھے۔ انہوں نے سنایا کہ ان کی پارٹی میں کیس افراد تھے اور باکیسواں پارٹی کمانڈر تھا۔ دن کے وقت یہ پارٹی ایک بگڑ چھی ہوئی تھی۔ پارٹی کمانڈر ادھر ادھر اس طرح ٹھل رہا تھا جیسے پرہ دے۔ باہر یاسی کی راہ دیکھ رہا ہو۔ ایک سوڈانی شتر سوار گزرا اور پارٹی کمانڈر کو دیکھ کر گایا۔ کمانڈر اس کے پاس گیا اور معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ شتر سوار چلا گیا تو پارٹی کمانڈر نے اپنے اکیس جانبازوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ دو میل دور ایک گاؤں ہے جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اس شتر سوار نے پارٹی کو اپنے گاؤں میں دعویٰ کیا ہے۔ رات کو گاؤں والے پارٹی کو اپنا مسلمان رکھیں گے اور دشمن کی ایک جمعیت کی جگہ بھی بتائیں گے۔

تمام جانباز بہت خوش ہوئے۔ کھانا دانہ ملنے کے علاوہ دشمن پر حملے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ سب اس گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کے دیکھا کہ مرنے والے تین جھونپڑے تھے۔ ادھر ادھر درخت تھے اور پانی بھی تھا۔ سپاہیوں کو جھونپڑوں کے باہر ڈیرے ڈالنے کو کہا گیا۔ پارٹی کمانڈر ایک جھونپڑے میں چلا گیا۔ باہر مشعلیں چمکیں اور سب کو کھانا دیا گیا۔ پارٹی کمانڈر نے کہا کہ سب سو جاؤ، جلسے کے وقت انہیں جگا لیا جائے گا۔ تھکے ہوئے سپاہی سو گئے۔ یہ تین ہو واپس آئے ان میں سے ایک سو نہ سکا یا اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے ایک جھونپڑے میں عدول کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ جھونپڑے میں پارٹی کمانڈر دو نہایت حسین لڑکیوں کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا اور شرب پل ہی تھی۔ لڑکیاں صحرائی لباس میں تھیں لیکن صحرائی لگتی نہیں تھیں۔ اس سپاہی کو باہر کچھ دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ پانہنی میں اس نے دیکھا کہ بہت سے آدمی آ رہے تھے، جن کے ہاتھوں میں بچیاں اور تلواریں تھیں۔ سپاہی جھونپڑے کی اوٹ میں ہو گیا اور دیکھتا رہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جھونپڑے میں کوئی داخل ہوا۔ اس کی آواز سنائی دی۔ ”کیوں بھائی کام کر دیں؟“ پارٹی کمانڈر نے کہا۔ ”تم آگئے ہو۔ سب سوئے ہوئے ہیں ختم کر دو۔“ اور لڑکیوں کے قہقہے سنائی دیئے۔

وہ آدمی بد آ رہے تھے سوئی ہوئی پارٹی پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ تو رستے میں ختم ہو گئے اور جو باگ اٹھے انہوں نے

رہے تھے۔

لڑکی کو وہ اپنی جگہ لے گیا۔ لڑکی کے سر پر اب اور مٹی نہیں تھی۔ چاندنی اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو سونے کے تاروں کا رنگ دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر لڑکی کو دیکھتا رہا اور لڑکی اسے دیکھتی رہی۔ لڑکی نے نشی سی آواز میں مسکرا کر کہا۔ ”میں حیران ہوں کہ آپ ڈکیوں رہے ہیں۔ مجھے آپ کے پاس آپ ہی کے لیے لایا گیا ہے۔ کیا آپ میری مزدورت مٹوس نہیں کرتے؟“ وہ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا جیسے بُت بن گیا ہو۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور بولی۔ ”میں ہانتی ہوں آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارا باپ میری طرح کا ایک مرد ہوگا۔“ عطا الہاشم نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا۔ ”میں بھی باپ ہوں۔ ہم دونوں بالوں میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ وہ باپ کتنا بے غیرت ہے اور میں ہوں کہ غیرت کی پاسبانی کے لیے اپنے بچوں کو قسیم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”میرا کوئی باپ نہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”دیکھا ہوگا۔ اس کی صورت یاد نہیں۔“

”مر گیا تھا؟“

”یہ بھی یاد نہیں۔“

”اور ماں؟“

”کچھ سچی یاد نہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”یہ بھی یاد نہیں کہ میں کسی گھر میں پیدا ہوئی تھی یا کسی عام بدوؤں کے عیسے میں۔۔۔ مگر یہ وقت ایسی بے مزہ باتیں کرنے کا نہیں۔“

”ہم سپاہی یا دول سے مزے حاصل کیا کرتے ہیں۔“ عطا الہاشم نے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں بھی تمہارے ماضی کی چند ایک یادیں تازہ کر دوں۔“

”میں بچائے خود ایک حسین یاد ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”جس کے ساتھ ٹھوڑا سا وقت گزار جاتی ہوں وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ میری اپنی کوئی یاد نہیں۔“

”اپنے آپ کو حسین نہیں ایک غلیظ یاد کو۔“ عطا الہاشم نے کہا۔ ”مجھے تمہارے جسم سے میلہبیلوں کے سوڈانیوں کے، مسلمانوں کے اور بڑے ہی غلیظ انسانوں کے گناہوں کی بو آ رہی ہے۔ تم میرے قریب آؤ گی تو مجھے متلی آجائے گی۔ تمہیں کوئی مرد یاد نہیں رکھتا۔ تم بیسی لڑکیوں کے شکاری آج یہاں اور کل وہاں ہوتے ہیں۔ دوسرا شکل مل جاتا ہے تو پہلے کو بھول جاتے ہیں۔ تمہارا یہ حسن چند دنوں کا مہمان ہے۔ تم میری قید میں ہو۔ میں تمہارا یہ چہرہ اسی وقت سزا کے طور پر زخمی کر کے ہمیشہ کے لیے مکروہ بنا سکتا ہوں، مگر ایسی مزدوریت نہیں۔ یہ مہرا، شراب، خشیش اور بدکاری تمہیں سال کے اندر اندر مرجھایا ہوا پھول بنا دے گی جسے لوگ اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہ میلہبی اور یہ سوڈانی تمہیں جھیک مانگنے کے لیے باہر نکال دیں گے۔ تم بڑے ہی گھٹیا انسانوں کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاؤ گی۔۔۔“ عطا الہاشم کے لہجے میں ایسا ٹھنڈا اور ایسا تڑپا لڑکی کی ذہنی کیفیت میں پھل سی پیدا ہو گئی۔ یہ مسلمان کا نذر کر رہا تھا۔ ”میری ایک بیٹی ہے جو تم سے دو تین سال چھوٹی ہوگی۔ اس کی شادی ایک باعزت جوان کے

ساتھ ہوگی جو میری طرح کمرے تنوار لٹکا کر بڑی اچھی نسل کے گھوڑے پر سوار ہوا کرے گا۔ وہ میری طرح میلہبی جنگ کا شہزادہ ہوگا۔ میری بیٹی دلہن بنے گی۔ اپنے خاوند کے دل میں اور اُس کے گھر میں راج کرے گی۔ لوگ میری بیٹی کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے مگر دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں بھی اس پر فخر کیا کروں گا اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ اتنی محبت کرے گا کہ وہ بڑھتی ہو جائے گی تو بھی محبت ختم نہیں ہوگی۔ بڑھے گی۔ تمہیں دیکھنے کے لیے کوئی بھی بے تاب نہیں رہا۔ کیونکہ تم ایک رنگا بھید ہو تمہاری عزت کسی کے دل میں نہیں اور کوئی بھی نہیں جو تمہیں محبت کے قابل سمجھ گا۔“

”آپ میرے ساتھ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟“ لڑکی نے ایسی آواز میں پوچھا تھا جس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔

”میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جیسی بیٹیاں مقدس ہوتی ہیں۔“ عطا الہاشم نے جواب دیا۔ ”ہم مسلمان لوگ بیٹی کو اللہ کا پیغام سمجھتے ہیں۔ اگر تم عصمت اور مذہب کے معنی سمجھ لو تو تم پر اللہ کی رحمت برس جائے گی مگر تم سمجھ نہیں سکو گی کیونکہ تم اس محبت سے واقف نہیں جو روح کی گہرائیوں تک پہنچا کرتی ہے۔ تم بد نصیب ہو۔ تم نے مردوں کی ہوس دیکھی ہے محبت نہیں دیکھی۔“

عطا الہاشم آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اُس کے لب و لہجے اور انداز کا اپنا ایک تاثر تھا لیکن لڑکی اس پر حیران ہو رہی تھی کہ یہ بھی دوسرے مردوں کی طرح مرد ہے مگر اس نے اُس کے حسن کو ذرا بھرا ہمت نہیں دی۔ عطا الہاشم جتنا بڑا لڑکا سے پتھر بھی نہیں تھا۔ وہ تو ستر پانچویں بات میں ڈوبا ہوا تھا۔ لڑکی نے بے تاب سا ہو کر کہا۔ ”آپ کی باتوں میں ایسا تاثر ہے کہ میں سمجھ رہی ہوں کہ میں نے شراب اور خشیش میں نہیں پایا۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں آ رہی لیکن ہر ایک بات دل میں اترتی جا رہی ہے۔“ لڑکی ذہین تھی۔ اس قسم کی تخریب کاری کے لیے ذہین ہونا لازمی تھا۔ مردوں کو انگلیوں پر سچانے کی اسے بچپن سے ٹریننگ دی گئی تھی مگر اس مرد نے اس ناگن کا زہر مار دیا۔ اُس نے عطا الہاشم سے ہمت سی باتیں پوچھیں جن میں کچھ مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُس کے لہجے اور انداز میں اب پیشہ دراندہ اور کاری نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے قدتی رنگ میں باتیں کر رہی تھیں۔ اُس نے پوچھا۔ ”مجھے آپ لوگ کیا سزا دیں گے؟“

”میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے سکتا۔“ عطا الہاشم نے کہا۔ ”کل صبح تمہیں اپنے سالار اعلیٰ کے حوالے کر دوں گا۔“

”وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟“

”جو ہمارے قانون میں لکھا ہے۔“

”آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟“

”نہیں۔“

”میں نے سنا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”اگر آپ مجھے اپنی بیوی بنالیں تو میں آپ کا مذہب قبول کر کے ساری عمر آپ کی خدمت کروں گی۔“

”میں تمہیں بیٹی بنا سکتا ہوں بیوی نہیں۔“ عطا الہاشم نے کہا۔ ”کیونکہ تم میرے ہاتھوں میں مجبور ہو۔ تم میری پناہ میں بھی ہو اور میری قید میں بھی۔“

وہ باتوں میں مصروف تھے۔ لڑکی کا ساتھی مردین سپاہیوں کے نرے میں لیٹا ہوا تھا مگر وہ جاگ رہا تھا۔ اُس نے عطا الہاشم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ لڑکی کو جگا کر لے گیا ہے۔ وہ خوش تھا کہ لڑکی عطا الہاشم کو چمکے دے کر قتل کر دے گی یا اُسے یہاں سے کہیں دُور لے جائے گی۔ وہ لیٹا ہوا لڑکی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اُس نے سپاہیوں کو کچھا وہ بے ہوش ہونے کے سوتے ہوئے تھے۔ انہیں بے ہوش ہونا ہی تھا کیونکہ اس سوڈانی لڑکے کے بعد ان سپاہیوں کے ساتھ گپ شپ شروع کر دی تھی اور انہیں ہنسنے کیلئے حشیش پلا دی تھی۔ اس سے حشیش کی ایک بوٹلی تو بڑا کر لی گئی تھی لیکن اُس نے تھوڑی سی حشیش اپنے چنے میں کہیں سی رکھی تھی، وہاں سے نکال کر اس نے تین سپاہیوں کو پلا دی وہ چونکہ اس نشے کے عادی نہیں تھے اس لیے بیہوشی کی نیند سو گئے۔ یہ سوڈانی رات کو بھاگنے کے جتن کر رہا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ لڑکی عطا الہاشم کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بہت دیر گزرتی ہے تو وہ سمجھا کہ لڑکی اس مسلمان کمانڈر کو دُور نہیں لے سکی، لہذا اس شخص کو میں ختم کر دیا جائے۔ وہ واپس گیا اور سوتے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک کی کمان اور ترکش میں تین چار تیر لے آیا۔ راستے میں چند فٹ اونچی جگہ تھی جس کی اوٹ میں وہ عطا الہاشم کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اس لیے بھی نظر نہیں آ سکتا تھا کہ اس طرف عطا الہاشم کی پیٹھ تھی۔ لڑکی کا منہ اُدھر ہی تھا۔ لیکن وہ اپنے آدمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ وہ آدمی تیر وکان لے کر آیا تو لڑکی کو جانسنی میں اس کا سر اور کندھے نظر آئے پھر اسے کمان نظر آئی عطا الہاشم اپنی موت سے بے خبر بیٹھا تھا۔ اس کا خبر نیام میں پڑا ہوا تھا اور نیام قریب ہی رکھی تھی۔ لڑکی نے نیام اٹھا کر خنجر نکال لیا۔ عطا الہاشم چیختا کہ اس سے خنجر چھینے ہی لگا تھا کہ لڑکی نے نہایت تیزی سے گٹھن کے بل ہو کر اپنے آدمی کی طرف پوری طاقت سے خنجر پھینکا۔

نامہ چند گز تھا۔ اُدھر سے آہ کی آواز سنائی دی۔ خنجر سوڈانی کی شررگ میں اتر گیا تھا اور اس نے زخمی ہوتے ہی تیر چل دیا تھا۔ نشانہ جھک جانا مزدوری تھا۔ تیر کا ناطہ عطا الہاشم کے قریب سے گزرا اور دھک کی آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا کہ تیر لڑکی کے سینے میں اتر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر اُس طرف گیا جس طرف خنجر گیا اور تیر آیا تھا۔ وہاں سوڈانی اپنی شررگ سے خنجر نکال رہا تھا۔ اُس نے خنجر نکال لیا اور اٹھا۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ حملہ کرے گا عطا الہاشم نے اچھل کر اس کے پہلو میں دونوں پاؤں جوڑ کر اسے سوڈانی دھڑکا پڑا۔ عطا الہاشم بھی گرا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ سوڈانی نہ اٹھ سکا۔ اس کی شررگ سے خون اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔ عطا الہاشم نے خنجر اٹھایا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی سینے میں اپنے ہی ساتھی اور محافظ کا تیر لیے المیناں سے پڑی تھی۔ وہ ابھی زندہ تھی تیر نکالنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ لڑکی نے عطا الہاشم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کراہتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اس کے عوض اپنے خدا سے کہنا کہ میری روح کو اپنا پناہ میں لے لے۔ میرے جسم کی طرح میری روح بھی ان محروموں میں نہ بھٹکتی رہے۔ میری عمر گناہوں میں گزری ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ خدا اس ایک نیکی کے بدلے میرے سارے گناہ بخش دے گا۔ میرے سر پر اسی طرح ہاتھ پھیرو جس طرح اپنی بیٹی کے سر پر پھیرا کرتے ہو۔"

عطا الہاشم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "اللہ تیرے گناہ بخش دے، تجھ سے گناہ کروائے گئے ہیں تو بے گناہ ہے۔ تجھے کسی نے نیکی کی روشنی دکھائی ہی نہیں۔"

لڑکی نے دود کی شدت سے کراہتے ہوئے عطا الہاشم کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے بولنے لگی۔ اُس نے کہا۔ "یہاں سے تین کوس دور سوڈانیوں کا ایک اڈہ ہے۔ وہ لوگ آپ سب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور خود سے سنو۔ آپ کی فوج اتنی زیادہ پھیل گئی ہے کہ اس کی قسمت میں اب موت یا قید ہے۔ آپ کے ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک فوجی کے پیچھے مجھ جیسی لڑکیاں یا مرد لگے ہوئے ہیں۔ میں اس لڑکی کے ساتھ آپ کے چار کمانڈروں کو بچانے کر ختم کر چکی ہوں۔ مصر کی فکر کرو۔ صلیبیوں نے وہاں بڑے ہی خطرناک اور خوبصورت جہاز بچھا دیئے ہیں۔ آپ کی قوم اور فوج میں ایسے مسلمان حاکم موجود ہیں جو صلیبیوں کے تنخواہ دار ماسوس اور اُن کے وفادار ہیں۔ انہیں مجھ جیسی لڑکیاں اور بے پناہ دولت دی جا رہی ہے۔ مصر کو بچاؤ۔ سوڈان سے نکل جاؤ۔ اپنے غلاموں کو چھوڑو۔ میں کسی کا نام نہیں جانتی جو معلوم تھا بتا دیا ہے۔ آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ آپ نے مجھے باپ کا پلہ دیا ہے۔ میں اس کا معادضہ ہی دے سکتی ہوں کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کر دوں۔ اپنے بکھرے ہوئے دستے کو اکٹھا کرو اور حملہ روکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دو تین دنوں میں آپ پر حملہ ہوگا۔ فاطمیوں اور فلاحیوں سے بچو۔ انہوں نے مصر میں بہت سے ایسے حاکموں کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا ہے جو صلاح الدین الیوتی اور اپنی قوم کے وفادار ہیں۔"

لڑکی کی آواز ڈوبتی اور رکتی گئی اور ایک لمبے سانس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ صبح طلوع ہوئی تو عطا الہاشم دونوں لاشوں اور زندہ لڑکی کو ساتھ لے کر تقی الدین کے پاس چلا گیا۔ اُسے سارا واقعہ سنایا اور لڑکی کی باتیں سنائیں۔ تقی الدین پہلے ہی پریشان تھا۔ وہ شپٹا اٹھا۔ اس نے کہا۔ "اپنے بھائی کی اجازت اور ہدایت کے بغیر میں پسپا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے ایک ذمہ دار ذہین کمانڈر کو کرک بھیجا ہے۔ اس کی واپسی تک ثابت قدم رہو۔"

☆

سلطان الیوتی نے قاصد کمانڈر کی بیان کی ہوئی جنگی صورت حال پر غور کیا تو اپنے مشیروں کو بلا کر انہیں بھی تفصیل سنائی۔ اُس نے کہا۔ "بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے پیچھے ہٹانا آسان کام نہیں۔ دشمن انہیں یکجا نہیں ہونے دے گا۔ پسپائی سے اس فوج کے ہند بے پر بھی برا اثر پڑے گا جو مصر میں ہے اور جو یہاں میرے ساتھ ہے اور قوم کا دل ٹوٹ جائے گا، مگر حقائق سے فرار بھی ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو قریب دینا بھی خطرناک ہے۔ حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ تقی الدین اپنی فوج کو واپس لے آئے۔ ہم اسے کرک نہیں دے سکتے۔ ہم کرک کا محاصرہ اٹھا کر اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ میرے بھائی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بڑی ہی قیمتی فوج ضائع ہو رہی ہے۔"

"یہ ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں بننا چاہیے۔" ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "ہمیں سوڈان کی جنگ سے درست برادر ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ قائدین اور حکام کے غلط فیصلوں سے فوج برباد ہو رہی ہے۔ ہمیں قوم کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہیے کہ سوڈان میں ہماری ناکامی کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں ہوتی۔"

"بلاشبہ یہ میرے بھائی کی غلطی ہے۔" سلطان الیوتی نے کہا۔ "اور یہ میری غلطی بھی ہے کہ میں نے تقی الدین

تھی سلطان الیوبی اپنی خصوصی چالوں سے دشمن کے لیے آفت بنا ہوا تھا۔ ایسی جنگ اس کی نگرانی کے بغیر نہیں لڑی جاسکتی تھی۔

ادھر سوڈان کی صورت حال نے بھی مصر کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک انسانی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا سلطان الیوبی کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ تقی الدین نے بھاگنے کے انداز سے سپاہی کی نگرانی کی فوج اس کی فوج کو دھڑلے سے دے گی اور یہی مصر میں داخل ہو جائے گی۔ مصر میں جو فوج تھی وہ حملہ روکنے کے لیے کافی نہیں تھی۔ ادھر کرک کے محاصرے کی کامیابی یا جلدی کامیابی محذوشت نظر آ رہی تھی۔ دونوں محاذوں کی کیفیت میں مصر میں بغاوت کے خطرے کی خبر ایسی چوڑی تھی جس نے سلطان الیوبی کے پاؤں ہلا دیئے۔ وہ کچھ دیر سر ہٹا کر اسے ہونے خیمے میں ٹہلنا رہا، پھر اُس نے کہا۔ ”میں صلیبیوں کی تمام تر فوج کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اُس فوج کا بھی جو انہوں نے یورپ میں جمع کر رکھی ہے مگر میری قوم کے یہ چند ایک غدار مجھے شکست دے رہے ہیں۔ کفار کے یہ حواری اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہلاتے ہیں؟ وہ غالباً مانتے ہیں کہ انہوں نے مذہب تبدیل کر لیا تو عیسائی انہیں یہ کہہ کر دھتکار دیں گے کہ تم غدار ہو، ایمان فروش ہو، اپنے مذہب میں رہو، ہم سے ہجرت لو اور اپنی قوم سے غدار کی کرو۔“ وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کے خیمے میں جو افراد موجود تھے وہ بھی خاموش تھے۔ سلطان الیوبی نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا۔ ”خدا ہم سے بڑا ہی سخت امتحان لینا چاہتا ہے۔ اگر ہم سب ثابت قدم رہے تو ہم خدا کے حضور سرخرو ہوں گے۔“

اس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ بات کہہ دی لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُس پر گھبراہٹ طاری ہے جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

۴۱

سلطان الیوبی کو اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ مصر میں بغاوت کا خطرہ ہے اور صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ تفصیلات بڑی ہی خوفناک تھیں۔ اُس کی غیر حاضری سے نااہل اٹھاتے ہوئے مسلمان حکام میں سے تین سپاہی صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تو چند دن بعد اُس نے رسد مانگی۔ قاصد نے کہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ رسد فوراً بھیج دی جائے مگر دو روز تک کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ جو حاکم رسد کی فراہمی اور ترسیل کا ذمہ دار تھا، اُس سے باز پرس ہوئی تو اُس نے یہ اعتراف کیا کہ بیک وقت دو محاذ کھول دیئے گئے ہیں۔ دو محاذوں کو رسد کہاں سے دی جاسکتی ہے۔ ایک ہی طریقہ ہے کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھوکا رکھا جائے، بازار سے سارا اناج اٹھا کر قاہرہ کے باشندوں کے لیے قسط پیدا کیا جائے اور محاذوں کا پیٹ بھل جائے۔ یہ ایک اعلیٰ رتبے کا حکم تھا، مسلمان تھا اور سلطان الیوبی کے مساحلوں میں سے بھی تھا۔ اس کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی بات سچ مان لی گئی کہ اناج وغیرہ کی واقعی کمی ہے تاہم اسے کہا گیا کہ جس طرح ہو سکے محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کو رسد ضرور پہنچے۔ اس حکم نے انتظام کر دیا مگر دو دن ضائع کر دیئے۔ پانچویں روز رسد کا قافلہ روانہ ہوا۔ یہ اونٹوں اور خچروں کا بڑا ہی لمبا قافلہ تھا۔ مشورہ دیا گیا کہ قافلے کے ساتھ فوج کا ایک گھوڑا سوار دستہ حفاظت کے لئے بھیجا جائے۔ اسی حکم نے جو رسد فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا فوج کا دستہ جیسے براعظم میں کیا اور جوں پر پیش کیا کہ تمام

کو اجازت دی تھی کہ حالات کے مطابق وہ جو کارروائی مناسب سمجھے مجھ سے پہلے بغیر کر لے۔ اُس نے اتنی بڑی کارروائی حقائق کا سامنا کر لے بغیر کر دی اور اپنے آپ کو دشمن کے دم و دم پر چھوڑ دیا۔ میں اپنی اور اپنے بھائی کی لغزشوں کو اپنی قوم سے اور نور الدین زنگی سے چھپاؤں گا نہیں۔ میں تاخیر کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں اپنے کاغذات میں تحریر کرواؤں گا کہ اس شکست کی ذمہ دار فوج نہیں ہم تھے۔ درنہ ہماری تاخیر کو آنے والے حکمران ہمیشہ دھوکہ دیں گے۔ میں سلطنت اسلامیہ کے آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ مثال قائم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی لغزشوں پر پردہ ڈال کر بے گناہوں کو تاخیر میں ذلیل نہ کریں۔ یہ ایسی غلطی اور ایسا قریب ہے جو کرۃ ارض پر اسلام کو پھیلنے کی بجائے سکڑنے پر مجبور کرے گا۔“

سلطان الیوبی کا چہرہ لال ہو گیا۔ اُس کی آواز کانپنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی زبان سے پسپائی کا لفظ کہنا نہیں چاہتا۔ وہ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے بڑے ہی مشکل حالات میں جنگیں لڑی تھیں مگر اب حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے تقی الدین کے جیسے ہوئے کمانڈر سے کہا۔ ”تقی الدین سے کہنا کہ اپنے دستوں کو سیٹھو اور انہیں تھوڑی تھوڑی فوری میں پیچھے بھیجو۔ جہاں دشمن تعاقب میں آئے وہاں جم کر لڑو اور اس انداز سے لڑو کہ دشمن تمام سے تعاقب میں مصر میں داخل نہ ہو جائے۔ دسے جو مصر میں پہنچے۔“ میں اکتھا رہنے کا حکم دوتا کہ مصر پر دشمن حملہ کرے تو اسے روک سکوں۔ محفوظ پسپائی کے لیے چھاپہ ماروں کو استعمال کرو کسی دستے کو دشمن کے گھیرے میں چھوڑ کر نہ آنا۔ میں پسپائی بڑی مشکل سے برداشت کر رہا ہوں، میں یہ خبر برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر دشمن کی دستے نے مختیار ڈال دیئے ہیں۔ پسپائی آسان نہیں ہوتی۔ پیش قدمی کی نسبت محفوظ اور باعزت پسپائی بہت مشکل ہے۔ حالات پر نظر رکھنا۔ تیز رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھنا۔ میں تحریری پیغام نہیں بھیج رہا کیوں کہ خطرہ ہے کہ قاصد قاصد راستے میں پکڑا گیا تو دشمن کو معلوم ہو جائے گا کہ تم پسپا ہو رہے ہو۔“

سلطان الیوبی نے قاصد کمانڈر کو بہت سی ہدایات دیں اور اسے رخصت کر دیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز ابھی سنائی دے رہی تھی کہ زہدیلان خیمے میں داخل ہوا اور کہا کہ قاہرہ سے ایک قاصد آیا ہے۔ سلطان الیوبی نے اسے آمد بلایا۔ وہ اٹیلی جنس کا عہدیدار تھا۔ وہ مصر کے اندرونی حالات کے متعلق جو مشکن خبر لایا تھا اُس نے بتایا کہ دشمن کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ علی بن سفیان اپنے پورے محکمے کے ساتھ شب و روز مصروف رہتا ہے۔ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ فوجی بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

سلطان الیوبی کے چہرے کا رنگ ایک بار تو اڑی گیا۔ اگر صرف مصر کا غم ہوتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ اُس نے مصر کو بڑے ہی خطرناک حالات سے بچا یا تھا۔ صلیبیوں اور فاطمیوں کی تخریب کاری کی بڑی ہی کاری مزوں بیکار کی تھیں۔ سمند کی طرف سے صلیبیوں کا بڑا ہی شدید حملہ روکا تھا۔ خلیفہ تک کو معزول کر کے نناج کا سامنا دلیری اور کامیابی سے کیا تھا مگر اب کرک کو محاصرے میں لے کر وہ وہاں پابجولال ہو گیا تھا۔ وہاں سے اُس کی غیر حاضری میں بلان جنگ کا پانسہ اُس کے خلاف پلٹ سکتی تھی۔ کرک کے محاصرے کے علاوہ اُس نے قلعے کے باہر صلیبیوں کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہ فوج گھیراؤ کرنے کی کوشش میں حملے پہ حملہ کیے جا رہی تھی۔ وہاں خونریز جنگ لڑی جا رہی

”ہم سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے۔“ دوسرے نے کہا۔ ”مسلح الدین ایوبی قابل قدر شخصیت ہے لیکن آپس میں سچ بات کرنے سے ہیں ڈرنا نہیں چاہتے۔ ایوبی کو ملک گیری کی ہوس پسینے سے بیٹھے نہیں دے رہی۔ وہ ایوبی خاندان کو شاہی خاندان بنانا چاہتا ہے۔ صلیبیوں کی فوج ایک ہونٹان ہے۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر صلیبی ہمارے دشمن ہوتے تو وہ فلسطین کی بہائے مصر پر قبضہ کرتے۔ اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے کہ جلدی اس چھوٹی سی فوج کو اب تک کچل چکے ہوتے۔ وہ ہمارے نہیں مسلح الدین ایوبی کے دشمن ہیں۔“

”آپ کی باتیں میرے لیے ناقابل برداشت ہیں۔“ الادریس نے کہا۔ ”بہتر ہے کہ ہم جس مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں، اس کے متعلق بات کریں۔“

”یہ باتیں میرے لیے بھی ناقابل برداشت ہیں۔“ ایک نے کہا۔ ”لیکن ایک آدمی کی خواہشات پر ہمیں پوری قوم کے مفاد کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ آپ دونوں محاذوں کے لیے رستہ کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ رستہ کی حالت آپ نے دیکھ لی ہے کہ نہیں مل رہی سوڈان کا محاذ ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم اس محاذ کی رستہ نکالیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تقی الدین پیچھے ہٹ آئے گا اور فوج مرنے سے بچ جائے گی۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم رستہ بھیجیں تو تقی الدین مجبوری کے عالم میں گھیرے میں آجائے۔“ الادریس نے کہا۔

”ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہماری فوج دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے۔“

”فال دے ہتھیار۔“ اُس نے کہا۔ ”ہم شکست کا الزام فوج کے سرخوہ دیں گے۔“

”آپ کیا سوچ کر یہ باتیں کر رہے ہیں؟“ سلیم الادریس نے پوچھا۔

”میری سوچ بڑی صاف ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔ ”مسلح الدین ایوبی ہم پر فوجی حکومت ٹھونسنا چاہتا ہے وہ صلیبیوں سے مسلسل محاذ آرائی کر کے قوم کو تباہنا چاہتا ہے کہ قوم کی سلامتی کی ضمانت موت فوج ہے اور قوم کی قسمت فوج کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایوبی امن پسند ہوتا تو صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور صلح جلدی سے اپنے کام معاہدہ کر لیتا۔“

ادریس شہنشاہ اٹھا۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف اور صلیبیوں کی حمایت میں کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ وہ نہیں گرا گری ہو گئی۔ کمیٹی کے باقی دو ممبر اسے بات بھی نہیں کرنے دے رہے تھے۔ اُس نے آخر تنگ آ کر کہا۔ ”میں اجلاس برخاست کرتا ہوں۔ کل ہی میں آپ کی رائے اور تجاویز قلمبند کر کے محاذ پر امیر مصر کو بھیج دوں گا۔“ وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ممبر وہاں سے چلا گیا۔ دوسرا جس کا نام ارسلان تھا الادریس کے ساتھ ہوا۔ ارسلان کا شجر نسب سوڈانیوں سے ملتا تھا۔ اُس نے الادریس سے کہا۔ ”آپ شخصیت پرست اور جذباتی مسلمان ہیں۔ میں نے حقیقت بیان کی اور آپ ناراض ہو گئے۔ میں اب آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے خلاف مسلح الدین ایوبی کو کچھ نہ لکھنا۔ آپ کے لیے اچھا نہ ہوگا۔“ اُس کے بھبھے میں چیلنج اور دھمکی تھی۔ الادریس نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو ارسلان نے کہا۔ ”اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ علیحدگی میں ہلت کروں گا۔“

راستہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رستہ حفاظتی دستے کے بغیر بھیج دی گئی۔ روانگی کے چھ روز بعد اطلاع آگئی کہ رستہ راستے میں ہی (سوڈان میں) دشمن کی گات میں آگئی ہے۔ سوڈانی، رستہ میں جانوروں کے لے گئے ہیں اور انہوں نے تمام شتر بائون کو قتل کر دیا ہے۔

قاہرہ ہیڈ کوارٹر کے بالائی حکام پریشان ہو گئے۔ رستہ کا منافع ہو جانا معمولی سی چوٹ نہیں تھی سوڈانی میدان جنگ میں فوج کی ضرورت کا احساس اُن کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انہوں نے ذمہ دار ماک سے کہا کہ وہ فوری طور پر اتنی ہی رستہ کا انتظام کرے۔ اُس نے کہا کہ منڈی میں اناج کی قلت ہو گئی ہے۔ تاجروں سے کہا جائے کہ اناج مہیا کریں۔ تاجروں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے گودام کھول کر دکھا دیے۔ سب خالی تھے۔ گوشت کے لیے ایک بھی دنبہ، بکرا، بیل گائے یا کوئی اور جانور نظر نہیں آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ مصر میں جو فوج ہے اُسے بھی پورا راشن نہیں مل رہا جس سے فوجوں میں بے امنی پھیل رہی ہے۔ تاجروں نے بتایا کہ دیہات سے مال آہی نہیں رہا۔ علی بن سفیان کی جاسوسی کا انتظام ہوا اچھا تھا۔ یہ اکتشاف جلدی ہو گیا کہ باہر کے لوگ دیہات میں آتے ہیں اور وہ اناج اور بکری وغیرہ منڈی کی نسبت زیادہ دام سے خرید لے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اناج وغیرہ ملک سے باہر جا رہا تھا۔ تب سب کو یاد آیا کہ تین چار سال قبل سلطان ایوبی نے مصر کی پہلی فوج کو جس میں سوڈانی باشندوں کی اکثریت تھی، بناوت کے جرم میں توڑ کر اس کے افسروں اور سپاہیوں کو سرحد کے ساتھ ساتھ قابل کاشت اراضی دے کر کاشتکار بنادیا تھا۔ وہ لوگ اب مصری حکومت کو اور مثالیوں کو اناج دیتے ہی نہیں تھے۔ یہ سوڈان پر حملے کا رد عمل تھا۔ یہ انقلاب چھ سات دنوں میں آ گیا تھا۔ اناج کی فراہمی کا کام فوج کو سونپا گیا۔ دن رات کی بھاگ دوڑ سے تھوڑا سا اناج ہاتھ آیا جو فوج کی حفاظت میں سوڈان کے محاذ کو روانہ کر دیا گیا۔

بالائی حکام کے لیے رستہ کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسی قلت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ سلطان ایوبی نے رستہ منگ لی تو کیا جواب دیں گے۔ سلطان ایوبی کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ مصر میں اناج کا قحط پیدا ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے تین حکام کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ ان میں انتظامیہ کے بڑے عہدے کا ایک مام، سلیم الادریس تھا۔ اُس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق الادریس اس کمیٹی کا سربراہ تھا۔ دوسرے دو اس سے ایک ہی درجہ کم عہدے کے غیر فوجی یعنی شہری انتظامیہ کے مام تھے۔ رات کے وقت یہ تینوں پہلے اجلاس میں بیٹھے تو دوسرے الادریس سے کہا کہ سلطان ایوبی نے دو محاذ کھول کر سخت غلطی کی ہے اور تقی الدین ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا ہے۔

”فلسطین مسلمانوں کی سرزمین ہے۔“ الادریس نے کہا۔ ”وہاں سے صلیبیوں کو نکالنا ضروری ہے۔ وہاں مسلمان کیڑوں مکڑوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہاں مسلمان مستورات کی عزت محفوظ نہیں۔ مسجدیں مٹیل بن گئی ہیں۔“

”یہ سب بہتان ہے۔“ ایک نے کہا۔ ”کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صلیبی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کر رہے ہیں؟“

”میں ایک مکمل حقیقت بیان کر رہا ہوں۔“ سلیم الادریس نے کہا۔

”میں کرو۔“ الادریس نے کہا۔
 ”میرے گھر میں۔“ ارسلان نے کہا۔ ”کھانا میرے ساتھ کھائیں مگر یہ خیال رکھیں کہ یہ ملاقات ایک راز ہوگی۔“
 الادریس اُس کے ساتھ اُس کے گھر چلا گیا۔ اندر گیا تو اُسے یوں لگا جیسے کسی بادشاہ کے محل میں آگیا ہو۔ ارسلان
 اتنی زیادہ اپنی حیثیت کا مالک نہیں تھا۔ دونوں کمرے میں بیٹھے ہی تھے کہ ایک خوبصورت لڑکی نہایت خوبصورت ہرچی
 اور چاندی کے دو ہالے چاندی کے گول تھال میں رکھے ہوئے اندر آئی اور اُن کے آگے رکھ دیا۔ الادریس نے بوسے
 جان لیا کہ یہ شراب ہے۔ اُس نے پوچھا۔ ”ارسلان! تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو؟“ ارسلان مسکرا دیا اور بولا۔
 ”ایک گھنٹہ پی لیں، آپ اُس حقیقت کو سمجھ جائیں گے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔“
 دو سو ڈالی سبھی اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں ٹپکتی ہوئی فٹریوں میں کھانا تھا۔ کھانا لگ چکا تو الادریس
 حیرت سے ارسلان کو دیکھنے لگا۔ ارسلان نے کہا۔ ”حیران نہ ہوں محترم الادریس! یہ نشان و شکوہ آپ کو بھی مل سکتی ہے۔“
 میں بھی آپ کی طرح پارسی ہوں اور کتا تھا مگر اب اس طرح کی دوڑ لگیاں میرے گھر میں ہیں۔ دمشق اور بغداد کے امیروں
 اور وزیروں کے گھروں میں جا کر دیکھو۔ انہوں نے اس طرح کی حسین اور جوان لڑکیوں سے حرم بھر رکھے ہیں۔ دیاں
 شراب پیتی ہے۔“
 ”یہ لڑکیاں، یہ دولت اور یہ شراب ملیبیوں کی کرم نوزیاں ہیں۔“ الادریس نے کہا۔ ”عورت اور شراب نے“
 سلطنت اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔“

”آپ صلاح الدین ایوبی کے الفاظ میں باتیں کرتے ہیں۔“ ارسلان نے کہا۔ ”یہی آپ کی بے نیسی ہے۔“
 ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ الادریس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ ”مجھے شک ہے کہ تم ملیبیوں کے جال میں آگئے ہو۔“
 ”میں فوج کا غلام نہیں بننا چاہتا۔“ ارسلان نے کہا۔ ”میں فوج کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ اس کا واحد طریقہ یہ
 ہے کہ سوڈان میں قحطی امین کو رسد اور ملک نہ دی جائے۔ اُسے دھوکہ دیا جائے کہ ملک آرہی ہے۔ اُسے معمولی امیدوں
 پر بڑا تھوڑے رہو حتیٰ کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے سوڈانی اُسے قتل کر دیں گے اور اُس کی فوج ہمیشہ کے
 لیے اُدھر ہی ختم ہو جائے گی۔ ہم فوج کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرا کر اُسے قوم کی نظروں میں ذلیل کر دیں گے۔ پھر قوم مسلح
 الدین ایوبی کی فوج سے بھی متنفر ہو جائے گی۔... آپ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ آپ کو کوئی نقصان
 نہیں ہوگا۔ اس کا آپ کو اتنا اور ایسا معاوضہ ملے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔“
 ”میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔“ الادریس نے کہا۔ ”تم مجھ سے ایمان فروشی کرانا چاہتے ہو۔ یہ مجھ
 سے نہ ہوگا۔“

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد الادریس نے کہا۔ ”تم اتنی خطرناک باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کہہ
 رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں گرفتار کر کے غلامی کی منزل دلا سکتا ہوں؟“
 ”کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھ پر چھبنا لازم عامد کر رہے ہیں؟“ ارسلان نے کہا۔ ”صلاح الدین ایوبی
 میرے خلاف ایک لفظ نہیں سنے گا۔“

ادریس شپٹا اٹھا۔ وہ حیران تھا کہ اتنے بڑے حملے کا مالک کس قدر شیطان ہے اور وہ کتنی دلیری سے
 باتیں کر رہا ہے۔ دراصل الادریس خود مرد و من تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ ایمان کو نیچم کر دینے والے ذلت کی کن
 پستیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے پاس ارسلان کو پابند کرنے اور راہ راست پر لانے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ وہ ارسلان
 کے حملے سے زیادہ بڑے حملے کا مالک تھا۔ اس نے ارسلان سے کہا۔ ”میں جان گیا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے
 ہو اور تم کیا کر رہے ہو۔ تم جس جہنم کے مرتکب ہو رہے ہو اس کی سزا موت ہے۔ میں تمہیں یہ رعایت دیتا ہوں کہ سات
 روز کے اندر اپنا رقیہ درست کر لو اور دشمن سے تعلقات توڑ کر مجھے یقین دلادو کہ تم خلافت بغداد اور اپنی قوم کے مفاد
 ہو۔ میں تمہیں رسد کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہوں۔ یہ انتظام ہم خود کر لیں گے۔ اگر مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو
 میں تمہیں اس محل میں جو تمہیں ملیبیوں نے بنا دیا ہے نظر بند کر دوں گا۔ سات دن بڑی لمبی رعایت ہے۔ کہیں
 ایسا نہ ہو کہ آٹھویں روز تمہیں جلا دیں سے نکالے۔“

ادریس اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ ارسلان مسکرا رہا تھا۔ ارسلان نے کہا۔ ”محترم الادریس! آپ کے
 دو بیٹے ہیں۔ دونوں نوجوان ہیں۔“

”ہاں!“ الادریس نے کہا اور پوچھا۔ ”کیا ہے میرے بیٹوں کو؟“

”کچھ نہیں!“ ارسلان نے کہا۔ ”میں آپ کو یاد دلانا ہوں کہ آپ کے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی آپ کی

ادریس اس اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے کہا۔ ”شراب نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔“ اور وہ
 باہر نکل گیا۔

۲۶

ارسلان کے گھر سے نکل کر الادریس علی بن سفیان کے گھر چلا گیا اور اُسے ارسلان کی باتیں سنائیں۔ علی بن
 سفیان نے اُسے بتایا کہ ارسلان اُس کی مشتبہ فرست میں ہے لیکن اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل رہا تاہم وہ
 حاسموں کی نظر میں ہے۔ الادریس بہت پریشان تھا اور حیران بھی کہ ارسلان اتنی دلیری سے غلامی کا مرتکب ہو رہا
 ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ اکیلا نہیں، غلامی منظم طریقے سے ہو رہی ہے۔ اس کے چارٹیم فوج میں بھی
 پھیلا دیئے گئے ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سوڈان کے محاذ کے لیے رسد کا تھا۔ الادریس نے اُسے بتایا کہ
 اُس نے ارسلان کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے اور رسد کا انتظام اب خود کرنا ہے۔ علی بن سفیان نے
 اُسے بتایا کہ ایک سازش کے تحت دیہات سے اناج اور بکریں وغیرہ سرحد سے باہر بھجوائے جا رہے ہیں۔ منڈی میں
 غلے اور دیگر سامان خورد و نوش کا مصنوعی قحط پیدا کر دیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے اپنے حاسموں اور غلاموں کو
 یہ کام دے رکھا ہے کہ رات کو ادھر ادھر گھومتے رہا کریں۔ جہاں کہیں انہیں اناج کی ایک بوری بھی باقی نظر آئے پکڑ
 لیں۔ بلویل بات چیریت کے بعد انہوں نے رسد کے انتظام کا کوئی طریقہ سوچ لیا۔
 سلیم الادریس اس قومی مہم اور اپنے فرائض میں اس قدر مگن تھا کہ اُس کے ذہن سے ارسلان کا یہ اشارہ نکل

گیا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں اور سب تمہاری مٹی اولاد ہے۔ اللہ دیکھ کر اپنے بیٹوں کے کردار پر بھروسہ تھا مگر جوانی اندھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں بدکاری کی ایک لہر آئی تھی جس نے نوجوان ذہن کو لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ دو تین سال پہلے بھی ایسی ہی ایک لہر آئی تھی جس پر جلدی ہی قابو پایا گیا تھا۔ اب یہ لہر زمین کے نیچے سے آئی اور کام کر گئی۔ یہ مختلف کیل تماشوں کی صورت میں آئی جن میں شہید باری اور کھیلوں کی صورت میں جوان باری شامل تھی۔ یہ لوگ غیے اور شامیانے تان کر تماشہ دکھاتے تھے جس میں کچھ بھی قابلِ اعتراض نہیں تھا، مگر شامیانوں کے اندر خطیہ خیمے تھے جہاں اکیلے اکیلے نوجوان کو اشارے سے بلایا جاتا تھا۔ ان سے پیسے لے کر کپڑوں پر بنی ہوئی دستی تصویریں دکھائی جاتی تھیں۔ یہ عریاں اور بے حد فحش تصویریں تھیں جو مصوروں نے بڑی محنت سے بنائی تھیں۔ تصویریں دکھانے کا کام بڑیاں کرتی تھیں جن کی مسکراہٹ اور انداز میں دعوت گناہ ہوتی تھی۔

وہیں نوجوانوں کو تھوڑی تھوڑی خشیش پلائی جاتی تھی۔ یہ شرمناک اور خطرناک سلسلہ زمین کے اوپر چل رہا تھا مگر اسے پروکھائی نہیں سکتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کوئی یہ تصویریں دیکھ کر یا خشیش کا ذائقہ چکھ کر آتا تھا، وہ اپنے گناہ کو چھپائے رکھتا تھا۔ اس گناہ میں لذت ایسی تھی کہ جانے والے بار بار جاتے تھے۔ وہ اس لیے بھی باہر کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے کہ حکومت تک بات پہنچ گئی تو انہیں اس نشہ آور لذت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس لذت پرستی کا شکار نوجوان اور نوجوی ہو رہے تھے۔ ان کے لیے درپردہ قہر خانے بھی کھول دیئے گئے۔ کردار کشی کی یہ مہم اس کے لیے کامیاب تھی۔ اس کا جواب کرک کے قلعے میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس اور نفسیاتی جنگ کا ماہر جرجن نثراد ہرمن اپنے حکمرانوں کو ان الفاظ میں دے رہا تھا۔

”سپین کے مصوروں نے یہ جو تصویریں بنائی ہیں، یہ لوہے کے بنے ہوئے مردوں کو بھی مٹی کے بت بنا دیتی ہیں۔“ اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کی ایک فحش تصویر حاضرین کو دکھائی۔ یہ بڑے سائز کی تصویر تھی جو برش سے دلکش رنگوں میں بنائی گئی تھی۔ صلیبی حکمرانوں نے تصویر دیکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ ننگے مذاق شروع کر دیئے۔ ہرمن نے کہا: ”میں نے ایسی بے شمار تصویریں بنوا کر مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی خفیہ نمائش کا انتظام کر دیا ہے۔ وہاں سے ہماری کامیابی کی اطلاعیں آرہی ہیں۔ میں نے قاہرہ کی نوجوان نسل میں حیوانی جذبہ بھڑکا دیا ہے۔ یہ ایسا طاقتور جذبہ ہے جو مشتعل ہو جائے تو تمام انسانی جذبات کو جن میں فوجی جذبہ خاص طور پر شامل ہے، تباہ کر دیتا ہے۔ ان تصویروں نے مصر میں مقیم مسلمان فوج کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بیکار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان تصویروں کی لذت نشہ بھی مانگتی ہے۔ اس کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ میرے تخریب کاروں اور جاسوسوں کے گروہ نے صحرائی لڑکیوں کی پوری فوج قاہرہ اور دوسرے قصبوں میں داخل کر دی ہے۔ یہ لڑکیاں دیمک کی طرح صلاح الدین کی قوم اور فوج کو کھاری ہیں۔ وہ وجوہات کچھ اور تھیں جب میری مہم قاہرہ میں پکڑی گئی تھی۔ اب میں نے کچھ اور طریقے آزمائے ہیں جو کامیاب ہو رہے ہیں۔ اب دباؤ کے مسلمان خود میری مہم کی حفاظت کریں گے اور اسے تقویت دیں گے۔ وہ اس ذہنی عیاشی کے عادی ہو گئے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصے بعد میں ان کے ذہنوں میں

ان کی اپنی ہی قوم اور اپنے ہی ملک کے خلاف نہر بھرنے شروع کر دیں گے۔“

”صلاح الدین ایوبی بہت ہوشیار آدمی ہے۔ حاضرین سے کسی نے کہا: وہ جو اپنی مصر پہنچا تھا وہی اس مہم کو چڑے اٹھا دے گا۔“

”اگر وہ مصر پہنچا تو....“ ہرمن نے کہا۔ اس سوال کا جواب آپ ہی دے سکتے ہیں کہ آپ اُس کا مامو کامیاب ہوتے ہیں گے یا نہیں۔ سب شک اُس نے ریاست کی فوج کو قلعے سے باہر گھیرے میں لے رکھا ہے اور قلعہ اُس کے محاصرے میں ہے۔ لیکن یہ گھیراؤ یہ مامو اسی کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ آپ یہاں فیصلہ کن جنگ نہ لڑیں۔ ایوبی کو مامو کے رکھنے دیں تاکہ وہ یہیں پابند رہے اور مرکز بائسکے۔ سوڈان میں ہمارے کمانڈروں نے تقی الدین کی فوج کو نہایت کامیابی سے بکھیر دیا ہے۔ وہ اب نہ لڑ سکتا ہے نہ وہاں سے حملہ سکتا ہے۔ مصر کی منڈیوں کا اور وہاں کی کھیتوں کا غلہ میں نے غائب کر دیا ہے۔ آپ کی دی ہوئی دولت آپ کو پورا صلہ دے رہی ہے۔ ایوبی کا ایک وفادار حاکم ارسلان دراصل آپ کا وفادار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کر رہا ہے۔ اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہمارے ساتھ ہیں۔“

”ارسلان کو کتنا معاوضہ دیا جا رہا ہے؟“ فلپ آگسٹس نے پوچھا۔

”جتنا ایک مسلمان حاکم کا دماغ خراب کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔“ ہرمن نے جواب دیا۔ ”عورت اور شراب دولت اور حکومت کا نشہ کسی بھی مسلمان کا ایمان خیر سکتا ہے۔ وہ میں نے خرید لیا ہے.... میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ اب صلاح الدین ایوبی مصر چلے گا تو اسے وہاں کی دنیا بدلی ہوئی نظر آئے گی۔ وہ جس نوجوان نسل کی بات فحشے کیا کرتا ہے وہ مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے لیے بیکار ہوگی۔ اس کی سرچیں اور اس کا کردار ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ نسل جنسی جذبے کی ماری ہوئی ہوگی۔ یہی حال اس فوج کا ہوگا جسے وہ مصر میں پھوٹا آیا ہے۔ اس فوج میں میرے تخریب کاروں نے اتنی زیادہ بے اطمینانی پھیلا دی ہے کہ وہ بغاوت سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ میں آج یہ دعوے وثوق سے کر سکتا ہوں کہ آپ سے پہلے میں اپنا محاذ ختم کر چکا ہوں گا۔ دشمن کے کردار اور اخلاق کو تباہ کر دینے سے فوجوں کے حملوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔“

ہرمن کی اس حوصلہ افزا رپورٹ پر صلیبی حکمران بہت خوش ہوئے۔ فلپ آگسٹس نے وہی عزم دہرایا جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکا تھا۔ اُس نے کہا: ”ہماری لڑائی صلاح الدین سے نہیں اسلام سے ہے۔ ایوبی بھی مر جائے گا۔ ہم بھی مر جائیں گے، لیکن ہمارا جذبہ اور عزم زندہ رہنا چاہئے تاکہ اسلام بھی مر جائے اور دنیا پر صلیب کی حکمرانی ہو۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسا محاذ کھولا جائے جہاں سے مسلمانوں کے نظریات اور کردار پر حملہ کیا جائے۔ میں ہرمن کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے محاذ نہ صرف کھول دیا ہے بلکہ حملہ کر کے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے۔“

۴۴

سلیم اللدین کے بھی دو بیٹے جوان تھے۔ ایک کی عمر سترہ سال اور دوسرے کی اکیس سال تھی۔ کہا نہیں جاسکتا کہ وہ بھی لذت پرستی کے اس طوفان کی لپیٹ میں آگئے تھے یا نہیں جو صلیبی تخریب کار قاہرہ میں لائے تھے۔ البتہ

بھائی کی طرف دوڑا۔ بڑے بھائی نے حملہ آور کو اتنی تیزی سے آتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ بھائیوں نے ایک دوسرے پر رقابت کے جوش میں بڑے گھرے دار کیے۔ وہ گریز کر اٹھے اور ایک دوسرے کو ہولمان کرتے رہے۔ لڑکی انہیں بھڑکانی رہی۔

علی بن سفیان کے شعبے کے آدمی رات کو گشت پر رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک گھوڑ سوار گشت پر اچھا لڑکی بھاگ اٹھی۔ گھوڑ سوار نے اسے دُور نہ جانے دیا اور پکڑ کر واپس لے گیا۔ وہاں دونوں بھائی زمین پر پڑے آخری سانسیں لے رہے تھے۔ لڑکی نے اُن سے لافعلی کے اہلکار کی بہت کوشش کی لیکن اس آدمی نے اسے نہ چھوڑا۔ لڑکی کے دیئے ہوئے لہجے کو بھی اُس نے قبول نہ کیا۔ اُس نے پکار پکار کر گشتی پر وہاں کو بلایا۔ اُس وقت تک دونوں بھائی مر چکے تھے۔ لڑکی کو اُسی وقت علی بن سفیان کے پاس لے گئے۔ لاشیں بھی لائی گئیں۔ روشنی میں دیکھا تو دونوں بھائی مر چکے تھے۔ سلیم الادیس کو اطلاع دی گئی۔ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر اُس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ لڑکی نے اُسے سیدھے بیان دینے مگر وہ اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہی تھی کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں رہتی ہے۔ الادیس بہت بُری ذہنی حالت میں تھا۔ اُس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: "اے شکستہ میں ڈالو علی، اس طرح یہ کچھ نہیں بتائے گی۔"

"بتانے کے لیے ہے ہی کیا۔" لڑکی نے بھی غصے میں کہا۔ بڑے بھائی کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "میں نے تمہارے بھائی کو بلایا تھا۔ میں پہلی گئی۔ اوپر سے یہ (چھوٹا بھائی) آگیا۔ دونوں نے خنجر نکال لیے اور لڑ پڑے۔ میں ڈر کے مارے بھاگ اٹھی اور ایک گھوڑ سوار نے مجھے پکڑ لیا۔ میں اپنے باپ کا نام اس لیے نہیں بتاتی کہ اُس کی بھی رسوائی ہوگی۔"

علی بن سفیان کا دماغ حائر تھا۔ اُسے یاد آگیا کہ ارسلان اور الادیس کی آپس میں تشرش کا وہی تھی۔ ارسلان اُس کے مشتبہوں کی فہرست میں تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے الادیس کو آنکھ سے اشارہ کر کے کہا: "یہ لڑکی کوئی بھی ہے یہ قاتل نہیں۔ یہ دو جوانوں کو اکیلے قتل نہیں کر سکتی۔ اس نے سچ بات بتادی ہے۔ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔" اس نے لڑکی سے کہا: "جاؤ تم آزاد ہو۔ آئندہ کسی کے ساتھ اتنی دُور نہ جانا ورنہ قتل ہو جاؤ گی۔"

لڑکی بڑی تیزی سے گھر سے نکل گئی۔ علی بن سفیان نے اپنے دو مجرموں سے کہا کہ ان میں سے ایک لڑکی کا راستہ دیکھ کر دوسرے راستے سے ارسلان کے گھر کے بڑے دروازے سے داخل ہو چھپ جائے اور دوسرا ایسے طریقے سے لڑکی کا تعاقب کرے کہ لڑکی کو پتہ نہ چلے، اور وہ جہاں بھی جائے فوراً اطلاع دی جائے۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ لڑکی تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی اور اُس کا تعاقب ہو رہا تھا۔ علی بن سفیان کا شک ٹھیک ثابت ہوا۔ لڑکی ارسلان کے گھر چلی گئی۔ وہاں ایک آدمی موجود تھا۔ اُس نے آکر اطلاع دی کہ لڑکی اُس گھر میں داخل ہوئی ہے۔ جب الادیس کو معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعلق ارسلان کے گھر سے ہے تو اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ ارسلان نے اُسے کہا تھا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں، مگر الادیس یہ اشارہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ مات ظاہر ہو گیا کہ یہ ارسلان کی کارستانی

ثبوت بعد میں ملا کہ بڑے بیٹے کے درپردہ تعلقات ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ تھے۔ یہ لڑکی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتی تھی اور بے پردہ بہت تھی۔ کسی بڑے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُن کی ملاقاتیں خفیہ ہوتی تھیں۔ جس روز ارسلان نے الادیس سے کہا تھا کہ تمہارے دو بیٹے جوان ہیں اُس سے اگلے روز اس لڑکی نے الادیس کے بڑے بیٹے سے کہا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے۔ وہ بدھرجاتی ہے اُس کا پیچھا کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ اس بڑے بیٹے نے لڑکی سے پوچھا کہ نوجوان کون ہے تو لڑکی نے نہ بتایا۔ بات گول کر گئی کہنے لگی کہ اُس نے زیادہ پریشان کیا تو اُسے بتا دے گی۔

بعد کے ایشانات سے پتہ چلا کہ اُسے کوئی نوجوان پریشان نہیں کرتا تھا بلکہ وہ خود نوجوانوں کو پریشان اور خراب کرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے جس شام بڑے بیٹے سے یہ شکایت کی اس سے اگلے ہی روز اُس نے الادیس کے چھوٹے بیٹے کو جس کی عمر سترہ سال تھی اپنے جال میں پھانس لیا اور ایسی دالمانہ اور بے تابانہ محبت کا اظہار زبانی اور عملی طور پر کیا کہ لڑکا اپنا آپ اُس کے حوالے کر بیٹھا۔ دو درپردہ ملاقاتوں کے بعد اُس نے اُسے بھی بتایا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں دیتا ہے۔ لڑکے کا خون جوش میں آگیا۔ اُس نے پوچھا کہ وہ کون ہے تو لڑکی نے کہا کہ اگر اُس نے زیادہ پریشان کیا تو بتاؤں گی۔ اُسی شام وہ اس لڑکے کے بڑے بھائی سے ملی اور اُسے کہا کہ وہ نوجوان مجھے زیادہ پریشان کرنے لگا ہے۔ وہ تمہارے متعلق کہتا ہے کہ اُسے میں ایسے طریقے سے قتل کدوں گا کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ لڑکی نے کہا: "تم خنجر اپنے پاس رکھا کرو۔"

دوسری شام کی ملاقات میں اُس نے چھوٹے بھائی کو اسی طرح مشتعل کیا اور اُسے کہا کہ وہ خنجر اپنے پاس رکھا کرے۔ چنانچہ دونوں بھائی اس حقیقت سے بے خبر کہ وہ ایک ہی لڑکی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں خنجر اپنے پاس رکھنے لگے۔ لڑکی دونوں سے الگ الگ ملتی رہی۔ مرنے پاچہ دونوں میں لڑکی نے دونوں بھائیوں کو پہلے حیران پھر دہنہ بنا دیا۔ اُس شام اُس نے بڑے بھائی کو شہر سے ذرا باہر ایک اندھیری جگہ ملنے کو کہا۔ چھوٹے بھائی کو بھی اُس نے وہی وقت اور وہی جگہ بتائی اور دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نوجوان جو مجھے پریشان کیا کرتا ہے آج کہ گیا ہے کہ شام کو جہاں بھی جاؤ گی مجھے وہاں پاؤ گی۔ میں تمہارے چاہنے والے کو تمہارے سامنے قتل کروں گا۔ لڑکی نے کہا: "میں نے اُسے کہا ہے کہ اگر تم اتنے دیر ہو تو شام کو اس جگہ آجانا۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا تو میں تمہاری ہوجاؤں گی۔" یہ دونوں بھائی خونریز مہم کے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کو بڑا بھائی خنجر لیے اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے لڑکی نے بتائی تھی۔ اُس نے ایسی استادی کا مظاہرہ کیا کہ جگہ اندھیری کا انتخاب کیا اور یہ بھی خیال رکھا کہ دونوں بھائی اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اٹھے ہو کہ ایک دوسرے کو پہچان نہ لیں۔ وہ وہاں پہنچی تو بڑے بھائی کو وہاں موجود پایا۔ اُسے بتایا کہ وہ نوجوان میرے پیچھے آ رہا ہے۔ بڑے بھائی نے خنجر نکال لیا۔ فوراً ہی بعد چھوٹا بھائی آگیا۔ لڑکی نے بڑے بھائی سے کہا کہ وہ آگیا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ خون خرابہ ہو، میں اُسے کشتی ہول کہ وہ چلا جائے۔ یہ لڑکہ وہ چھوٹے بھائی کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ پہلے سے موجود ہے اور اُس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ چھوٹے بھائی کی عقل پر بھائی کا تازہ خون سلا تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اندھیرے میں اپنے

ہے۔ دونوں بھائیوں کو اُسی نے اس عجیب و غریب طریقے سے ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ الادریس نے حاکم اعلیٰ کو اطلاع دی۔ پولیس کا سربراہ غیاث بلبیس بھی آگیا۔ علی بن سفیان کو بھی خصوصی اختیارات حاصل تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ارسلان کے گھر چھاپہ مار کر اسے گھر میں ہی نظر بند کر دیا جائے۔

”اب میں سلیم الادریس کو بتاؤں گا کہ میں کیوں اتنی دیر سے باتیں کرتا ہوں۔“ ارسلان نے اس لڑکی کی کامیابی کی روئیداد سن کر کہا۔ ”میں اُسے بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“ اُس نے لڑکی کو شراب پیش کی اور دونوں کامیابی کا جشن منانے لگے۔

اُن کا جشن ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ بغیر اطلاع کے کوئی اندر آگیا۔ یہ الادریس تھا۔ اُس نے ارسلان اور لڑکی کو نشے اور عریانی کی حالت میں دیکھا اور لڑکی کو پہچان لیا۔ ارسلان نے نشے کی حالت میں کہا۔ ”اپنے بیٹوں کو قتل کر کے تم میرے ہاتھوں قتل ہونے آئے ہو؟.... دربان کہاں ہے؟ یہ شخص میری جنت میں بغیر اجازت کیوں کرا گیا ہے؟“

”تمہیں جہنم میں لے جانے کے لیے۔“ الادریس نے کہا۔ ”میں اپنے بیٹوں کا انتقام لینے نہیں آیا، تمہیں غداروں کے انجام تک پہنچانے آیا ہوں۔“ اتنے میں شہر کا وہ حاکم اعلیٰ اندر آیا جس کے پاس امیرِ مصر کے اختیارات تھے۔ اُس کے ساتھ غیاث بلبیس اور علی بن سفیان تھے۔ لڑکی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ارسلان کے تمام ملازموں اور گھر کے دیگر افراد کو باہر نکال کر اس کے محل جیسے مکان کے اندر اور باہر فوج کا سپرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے گھر میں ایک تہہ خانہ برآمد ہوا جو بہت ہی خوبصورت اور دلکش تھا۔ وہاں سے تیرکمانوں اور برچھیوں کے انبار نکلے۔ ایک ڈھیر خفروں کا تھا۔ آتش گیر مادہ بھی تھا۔ ایک صندوق میں سے خشیش اور زہر برآمد ہوئے۔ ایک اور کمرے میں سے سونے کی اینٹیں اور اشرفیوں کی ٹھیلیاں برآمد ہوئیں۔ اُس نے اپنی پرانی دو بیویوں اور اُن کے بچوں کو کہیں اور بھیج رکھا تھا۔ گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ تینوں ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت تھیں اور تینوں غیر مسلم۔ رات ہی رات ملازموں کی چھان بین کر لی گئی۔ ان میں تین صلیبیوں کے جاسوس نکلے۔

”کیا تم خود بتا دو گے کہ تمہارے عزائم کیا ہیں؟“ حاکم اعلیٰ نے ارسلان سے پوچھا۔ ”یہ مالِ دولت اور اسلحہ کے یہ انبار تمہیں سزائے موت دلانے کے لیے کافی ہیں۔“

”پھر سزائے موت دے دو۔“ اُس نے نشے کی حالت میں کہا۔ ”اگر مجھے جان ہی دینی ہے تو خاموشی سے کیوں نہ مر جاؤں؟“

”خدا کی نگاہ میں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی کہ تم ہمیں اور اس کے نام لیواؤں کو خطروں سے آگاہ کر دو۔“ حاکم اعلیٰ نے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ اسی نیکی کے بدلے خدا تمہارے اتنے زیادہ گناہ بخش دے گا۔“

”تم لوگ تم مجھے نہیں بخشو گے۔“ ارسلان نے کہا۔

”سلطان ایلی اس سے بھی بڑے گناہ بخش دیا کرتا ہے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”آپ کے بچنے کی صورت

پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ بتا دیں کہ یہاں کس قسم کی تخریب کاری ہو رہی ہے۔ کہہ اور لوگ گرفتار کر دیں۔“

وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ باقی لوگ ادھر ادھر بیٹھے تھے۔ الادریس نے اپنی خنجر نما تلوار کمر سے ہاتھ رکھی تھی۔ خاموشی سے ٹھٹھکتے اُس کے قریب گیا اور بڑی ہی تیزی سے اس کی میان میں سے تلوار نکال کر اپنے سینے اور پیٹ کے درمیان رکھی۔ پشیر اس کے ہاتھ سے تلوار چھینی مگر اُس نے دستے پر دونوں ہاتھ رکھ کر لڑکی کی طاقت سے تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ وہ اپنے بستر پر گرا۔ دوسرے آدمی تلوار اُس کے پیٹ سے نکالنے لگے تو اس نے کہا۔ ”رہنے دو۔ میری دو تین باتیں سن لو۔ مر جاؤں گا تو تلوار نکال لینا۔ میں نے اپنے آپ کو سزا دے دی ہے۔ میں زندہ صلاح العین الیوبی کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ مجھے اپنا وفادار دوست سمجھتا تھا.... میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ تلوار اپنا کام کر چکی ہے۔ ہوش کرو، مصر سخت خطرے میں ہے۔ مصر میں جو فوج ہے وہ بغاوت کے لیے تیار ہے۔ فوجوں کی رسد کو میں نے ناپید کیا ہے۔ سپاہیوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملا۔ صلیبی تخریب کاروں نے فوج میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ محاذوں پر کمرے، اناج اور شراب جا رہی ہے اور وہاں کے سپاہیوں کو مالِ غنیمت سے مالا مال کر کے عیاشی کرائی جا رہی ہے.... میرے گروہ میں اچھے عہدوں کے لوگ ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں بتاؤں گا۔ فاطمی اور فدائی تنباہ کاری کی پوری تیاری کر چکے ہیں۔ تم بغاوت کو روک نہیں سکو گے۔ نئی فوج لاؤ۔ حالات تمہارے قابو سے.... اور وہ فقرہ مکمل کیے بغیر گیا۔

اُس کے گھر سے جو تین لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں وہ بھی اس کے فقرے کو مکمل نہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنے متعلق بتا دیا کہ انہیں اخلاقی تخریب کاری اور مردوں کو پھانس کر استعمال کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ارسلان کے گھر والوں کو محفلیں جھاڑتی تھیں جس میں فوج اور انتظامیہ کے انسرایا کرتے تھے۔ اُن کی خفیہ ملاقاتیں اور اجلاس ان لڑکیوں کے بغیر ہوتے تھے۔ لڑکیوں نے یہ تصدیق کر دی کہ مصر میں بغاوت کے لیے زمین ہموار کر دی گئی ہے۔ جس لڑکی نے دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا، اس نے قتل کی ساری کہانی سنا دی جو بیان کی گئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ الادریس کے بڑے بیٹے کو پہلے ہی اپنے سال میں محبت کا جھانسہ دے کر لے چکی تھی۔ اسے ارسلان اپنے باپ الادریس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن ارسلان نے منصوبہ بدل دیا اور اس لڑکی سے کہا کہ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دو۔

ایک ہی رات میں تقریباً اڑھائی سو اونٹ مرکزی دفتر کے سامنے لائے گئے۔ ان پر غلہ اور خورد و نوش کا دیگر سامان لدا ہوا تھا۔ یہ اونٹ تین چار قافلوں کی صورت میں مختلف جگہوں سے پکڑے گئے تھے۔ اناج وغیرہ کو سرحد سے باہر جانے سے روکنے کے لیے گشتی پارٹیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ان کی پہلی کامیابی تھی۔ ان قافلوں کے ساتھ جو آدمی تھے انہوں نے شہر کے چند ایک بیوپاریوں کے نام بتائے۔ ان بیوپاریوں نے تمام غلہ اور دیگر سامان زیرِ زمین کر لیا تھا۔ آدھی رات کے بعد وہ یہ سامان باہر کے انہی تاجروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔ ان آدمیوں نے دیہاتی علاقوں میں بھی چند ایک جگہوں کی نشاندہی کی جہاں انہی سے تاجر موجود رہتے اور تمام تر رسد اکٹھی کر کے لے جاتے تھے۔ شہر والوں میں سے بعض نے سرحد کی ایک جگہ بتائی جہاں سے یہ قافلے سوڈان جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک

سرحدی دستہ موجود تھا۔ انکشاف ہوا کہ اس دستے کا کمانڈر دشمن سے باقاعدہ معاوضہ یا رشوت لیتا اور قافلے گزار دیتا تھا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ اتہام ارسلان کی زیرِ نگرانی ہو رہا تھا۔

☆

یہ ان سینکڑوں میں سے چند ایک واقعات ہیں جو سلطان ایوبی کی غیر ماضی میں مہر کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔ الادریس اور دیگر اعلیٰ حکام نے ارسلان کی غداری اور الادریس کے بیٹوں کی موت اور دیگر واقعات پر غور کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ مشورہ پیش کیا کہ حالات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ ان کے بس میں نہیں رہے۔ پیشتر اس کے مصر میں بناوت ہو جائے یا نالمیدوں کے اور نالیوں کے ہاتھوں کوئی اعلیٰ شخصیت قتل ہو جائے سلطان ایوبی کو مکمل حالات سے آگاہ کر دیا جائے اور انہیں مشورہ دیا جائے کہ ممکن ہو سکے تو وہ کرک کا محاصرہ اپنے نائبین کے سپرد کر کے قاہرہ آجائیں۔ ایک قاصد کو تو پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا مگر اسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ اب سنگین وارداتیں ہو گئیں تو اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ علی بن سفیان محاذ پر سلطان ایوبی کے پاس جائے۔

کرک کے محاصرے کو دو مہینے گزر گئے تھے مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں نے دفاع کے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ ایک انتظام یہ تھا کہ شہر میں سلمان خورد و نوش کا ذخیرہ کافی تھا۔ ایک جاسوس نے اندر سے تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر باہر بھیجا تھا جس میں تحریر تھا کہ اندر خوراک کی کوئی کمی نہیں ہے۔ باشندوں پر اتنی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں کہ ان کے گھروں کی دیواریں بھی ان کے خلاف مخبری اور جاسوسی کرتی تھیں اس لیے اندر تخریب کاری ممکن نہیں رہی تھی ورنہ خوراک کا یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جاتا۔ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوسوں کی بھی کمی تھی۔ وہ کبھی کبھی رات کے وقت تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر اور موقع محل دیکھ کر باہر کو تیر چلا دیتے تھے۔ فوجوں کو حکم تھا کہ ایسا تیر نظر آئے تو وہ اپنے کمانڈر تک پہنچا دیں۔ صلیبیوں نے محاصرہ توڑنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔ وہ سلطان ایوبی کی طاقت نازل کرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی ان کی چال سمجھ گیا تھا۔ اس کے جواب میں اس نے بھی اپنا طریقہ بدل دیا تھا۔

صلیبیوں کی یہ کوشش ناکام ہو چکی تھی کہ انہوں نے باہر سے حملہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی اس حملے کے لیے تیار تھا۔ اس نے نہایت اچھی چال سے اس فوج کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس فوج کو گھیرے میں آئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ گھیرے میں آئی ہوئی فوج گھیراؤ کرنے کے لیے ہڑت حملے کرتی تھی۔ سلطان ایوبی اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ البتہ گھیراؤ کی سیلوں پر پھیل گیا تھا۔ وہ علاقہ سرسبز تھا اس لیے صلیبیوں کو پانی اور جانوروں کو چارہ مل جاتا تھا۔ ان کے جانور مرتے تھے تو اسے وہ کھا لیتے تھے، مگر یہ کافی نہیں تھا۔ ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں کے سب سے چارہ کافی نہیں تھا۔ پانی کے لیے وہاں کوئی ندی یا دریا نہیں تھا۔ تین چار پستے تھے جن میں سے دو ڈیڑھ مہینے میں ہی خشک ہو گئے تھے۔ صلیبی سپاہیوں میں بدولی پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں غذا بہت کم ملتی تھی اور پانی کے لیے بہت دور جانا پڑتا تھا۔ رات کو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار گروہ ان پر شبخون مارتے اور نقصان کرتے رہتے تھے۔ ڈیڑھ

ماہ میں یہ فوج آدھی رہ گئی تھی۔ ان کے جانوروں میں بھی دم نہیں رہا تھا۔ صلیبی حکمران ریاضہ جو اس فوج کا کمانڈر تھا، سخت پریشانی کے عالم میں انتظار کر رہا تھا کہ صلیبی حملہ کر کے اسے سلطان ایوبی سے چھڑائیں گے مگر اس کی مدد کو کوئی نہیں آ رہا تھا۔

سلطان ایوبی چاہتا تو چاروں طرف سے حملہ کر کے اس فوج کو شکست دے سکتا تھا لیکن اس سے اپنا ہمانی نقصان بھی ہونا لازمی تھا اور جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کا خطرہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی اپنی طاقت نازل نہیں کرتا چاہتا تھا۔ وہ صلیبیوں کو آہستہ آہستہ مار رہا تھا۔ اسے یہ نقصان مزور ہو رہا تھا کہ اس کی فوج کا میسر اس قدر اس صلیبی فوج کو گھیرے میں رکھنے میں اُلجھ گیا تھا۔ اسے وہ شہر کے محاصرے کی کامیابی کے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس ابھی ریزرو دستے موجود تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ قلعہ توڑنے کے لیے وہ انہیں استعمال کرے۔ وہ اب محاصرے کو اور زیادہ طویل دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس دور میں محاصرے عموماً طویل ہوا کرتے تھے۔ ایک ایک شہر کو دو دو سال تک بھی محاصرے میں رکھا گیا ہے۔ چھ سات ماہ کا محاصرہ طویل نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن سلطان ایوبی محاصرے کو طویل دینے کا قائل نہیں تھا۔ وہ ان حملہ آوروں میں سے بھی نہیں تھا جو کسی ملک کے دار الحکومت کا محاصرہ کر کے اندر والوں کو پیغام بھیجا کرتے تھے کہ اتنی مقدار زرد جو اہرات کی، اتنے ہزار گھوڑے اور اتنی عورتیں باہر بھیج دو، ہم چلے جائیں گے۔ سلطان ایوبی عرب کی سرزمین سے صلیبیوں کو نالانا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ سرزمین اسلام کا سرچشمہ ہے جو ساری دنیا کو سیراب کرے گا اور وہ اپنی عمر کو بہت کم سمجھا کرتا تھا۔ یہ الفاظ اس نے برداشت کیے تھے کہ میں یہ کام اپنی مختصر عمر میں پورا کر دینا چاہتا ہوں ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان امرا اس مقدس خطے کو صلیبیوں کے ہاتھ نیچتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک رات وہ اپنے خیمے میں گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اس نے یہاں تک سوچا تھا کہ قلعے کے ارد گرد سے اتنی فراخ سرنگیں کھدوائی جائیں جن میں سپاہ سپاہی گزر سکیں۔ کچھ اور طریقے بھی اس کے ذہن میں آئے۔ وہ اب چند دنوں میں کرک پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں علی بن سفیان اس کے خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سلطان ایوبی خوش نہیں ہوا کیونکہ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ مصر کے حالات خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ چہرے پر تشویش کے آثار لیے سلطان ایوبی علی بن سفیان سے نبل گیر ہو کر بلا اور کہا۔ ”تم میرے لیے یقیناً کوئی خوشخبری نہیں لائے“

”بظاہر خیریت ہے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”مگر خوشخبری والی بات بھی کوئی نہیں۔“ اس نے مصر کے حالات اور واقعات سننے شروع کر دیے۔ علی بن سفیان جیسا ذمہ دار حاکم سلطان ایوبی سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ نہ ہی وہ اسے خوش فہمیوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی جائے۔ علی بن سفیان نے تقی الدین کی غلطیوں اور سلطان ایوبی کی بھی ایک دو غلطیوں کا کھل کر ذکر کیا۔ ارسلان کی غداری کا قصہ اور الادریس کے جوان بیٹوں کی موت کا حادثہ سن کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اگر ارسلان مر نہ چکا ہوتا تو سلطان ایوبی کبھی یقین نہ کرتا کہ اس کا یہ حاکم جسے وہ اپنا وفادار دوست سمجھتا ہے غداری کر سکتا ہے۔

اس سے پہلے بھی دو دوست اُس سے غداری کر چکے تھے۔
 "اگر ارسلان دلاسی دیر اور زندہ رہتا تو باقی راز بھی بے نقاب کر دیتا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اُس
 کے آخری فقرے سے جو موت نے پورا نہ ہونے دیا صاف ثبوت ملتا ہے کہ مصر میں بغاوت ہونے ہی والی ہے۔ مصر
 میں ہماری جو فوج ہے اُسے ذہنی لحاظ سے ہت کر دیا گیا ہے۔ میری جاسوسی بتاتی ہے کہ کمانڈر تک غلط فہمیوں
 اور بے الہیائی کا شکار ہو گئے ہیں۔ فوج کے لیے غلے اور گوشت کی قلت پیدا کر کے یہ بے بنیاد بات پھیلا دی گئی ہے
 کہ تمام تر سردمخازوں پر بھی جارہی ہے اور یہ بھی کہ فوج کا مال حاکم بیچ کر کھا رہے ہیں۔ دشمن کی سازشیں پوری
 طرح کامیاب ہے۔"

"دشمن کی سازش اُسی ملک میں کامیاب ہوتی ہے جہاں کے چند ایک افراد دشمن کا ساتھ دینے پر تڑپتے ہیں۔"
 سلطان الیوبی نے کہا۔ "اگر ہمارے اپنے بھائی دشمن کا آلہ کار بن جائیں تو ہم دشمن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میں جس طرح
 اللہ کے ان شیروں کے جذبے کے زور پر اردن کی جانبیں ترقان کر کے صلیبیوں کو میدان جنگ میں ناک چنے چہو ہوا
 ہوں اسی طرح میرے حاکم بھی پکے مسلمان ہوتے تو آج قبلہ اول آزاد ہوتا اور ہماری اذانیں یورپ کے کلیساؤں
 میں گونج رہی ہوتیں، مگر میں مصر میں قید ہو کے رہ گیا ہوں، میرے جذبے اور میرا عزم زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں۔
 اُس نے کچھ دیر کی گہری خاموشی اور سوچ کے بعد کہا۔ "مجھے سب سے پہلے ان غداروں کو ختم کرنا ہوگا ورنہ
 یہ قوم کو دیک کی طرح کھاتے رہیں گے۔"

"میں یہ مشورہ لے کر آیا ہوں کہ اگر محاذ آپ کو اجازت دے تو مصر چلیے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"میں خفائی سے چشم پوشی نہیں کر سکتا علی! سلطان الیوبی نے کہا۔ "لیکن میں یہ اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ
 سکتا کہ میرے ہاتھوں سے صلیبیوں کی گردن اور فلسطین چھڑانے والے میرے اپنے بھائی ہیں۔ علی بن سفیان! اگر میں
 نے غداروں کو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والے مسلمانوں کو ابھی ختم نہ کیا تو یہ کبھی ختم نہ ہوں گے اور
 ہماری تاریخ کو یہ گروہ ہمیشہ شرمسار کرتا رہے گا قوم میں ہر دور میں یہ گروہ موجود رہے گا جو دین اور رسولؐ کے
 دشمنوں سے دوستی کر کے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتا رہے گا۔" اُس نے پوچھا سوڈان کے محاذ کی کیا خبر ہے؟ میں
 نے تقی الدین کو پیغام بھیج دیا ہے کہ اس محاذ کو سمیٹنا شروع کر دو۔"

"مصر میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ایسا حکم دیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"اور کسی کو معلوم ہونا بھی نہیں چاہیے۔" سلطان الیوبی نے کہا۔ اس نے دربان کو بلایا اور کہا۔ "کاتب کو فوراً بلا لاؤ۔"
 کاتب کاغذ اور قلمدان لے کر آیا تو سلطان الیوبی نے کہا۔ "لکھو.... قابل صدا احترام نور الدین زنگی...."

☆

وہ قاصد بڑا ہی تیز رفتار تھا جس نے سلطان الیوبی کا پیغام اگلی رات کے آخری پہر بغداد اور نور الدین زنگی تک
 پہنچا دیا۔ سلطان الیوبی نے اُسے کہا تھا کہ راستے میں ہر چوکی پر اُسے تازہ دم گھوڑا مل جائے گا لیکن وہ گھوڑا صرت تبدیل
 کرے، خود آرام اور کھانے کے لیے نہ رکے۔ کہیں بھی گھوڑا آہستہ نہ چلے۔ اگر رات کو نور الدین زنگی کے پاس پہنچے، تو

دربان سے کہہ دے کہ انہیں جگا دے۔ اگر زنگی خفائی کا اظہار کرے تو کہہ دینا کہ صلاح الدین نے کہا ہے کہ ہم سب جاگ
 رہے ہیں۔ قاصد جب نور الدین زنگی کے دروازے پر پہنچا تو محافظت سے اُسے روک دیا اور کہا کہ پیغام صبح دیا
 جائے گا۔ قاصد نے گھوڑے کو کئی برسے تھے مگر کہیں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے بھی نہیں رکھا تھا۔ تھکن بھوک
 پیاس اور دور آؤں کی بیلہری سے وہ لاش بن گیا تھا۔ زبان پیاس سے اڑ گئی تھی۔ وہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا
 اور اُس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ اُس نے اشاروں میں بتایا کہ پیغام بہت منوری ہے۔ نور الدین زنگی نے
 بھی سلطان الیوبی کی طرح اپنے خصوصی عملے، دربان اور اپنے باڈی گارڈ کے کمانڈر کو رکھا تھا کہ کوئی منوری
 بات یا پیغام ہو تو اُس کی نیند اور آرام کی پروا نہ کی جائے۔

قاصد کی حالت دیکھ کر باڈی گارڈ کمانڈر نے اندر جا کر نور الدین زنگی کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ
 باہر آگیا اور پیغام اور قاصد کو ملاقات کے کمرے میں لے گیا۔ قاصد کمرے میں داخل ہوتے ہی گڑبڑاؤں سے اپنے
 ملازموں کو بلایا اور قاصد کی دیکھ بھال کرنے کو کہا۔ اُس نے پیغام پر مختصر مرقع کیا۔ سلطان الیوبی نے لکھا تھا:

"آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میرا پیغام آپ کو خوش نہیں کرے گا۔ آپ کے لیے خوشی اور اطمینان کی بات

موت یہ ہے کہ میں نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔ آپ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کر رہا ہوں۔ آپ میرے پاس تشریف لائیں

گے تو تمام حالات سناؤں گا۔ میں نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اتنی کامیابی حاصل

کہ حکام صلیبیوں کی ایک فوج نے شاہ ریمانڈ کی سرکردگی میں باہر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے محفوظ سے

اُسے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اب تک اس کی آدمی فوج ختم کر چکا ہوں۔ مجھ کے صلیبی اپنے ان گھوڑوں اور

اونٹوں کو کھا رہے ہیں جو انہیں اتنی دور سے یہاں لائے تھے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ ریمانڈ کو زندہ پکڑ لوں

مگر کرک کا محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ صلیبیوں کا داغ اور طریقہ جنگ پہلے سے بہت بدتر ہے۔ میں محاصرے کو کامیاب

کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ میرے جانا باز مجاہد قلعہ توڑ لیں گے۔ وہ جس جذبے سے لڑ رہے ہیں

وہ آپ کو حیران کر دے گا مگر سوڈان میں میرا بھائی تقی الدین ناکام ہو گیا ہے۔ اُس کی غلطی کہ اُس نے انہی محاذ میں جا

کر فوج کو پھیلا دیا ہے۔ وہ مدد مانگ رہا ہے۔ میں نے اُسے محاذ سمیٹنے اور واپس آنے کو کہہ دیا ہے۔ مصر سے آئی ہوئی

خبریں اچھی نہیں۔ غداروں اور ایمان فروشوں نے دشمن کا آلہ کار بن کر مصر میں بغاوت اور صلیبی ملینا کے لیے راستہ

صاف کر دیا ہے۔ علی بن سفیان کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ خود میرے پاس آیا ہے۔ میں اُس کے مشورے کو

تفہ انداز نہیں کر سکتا کہ میں مصر چلا جاؤں.... محترم! میں کرک کا محاصرہ اٹھا نہیں سکتا ورنہ صلیبی کہیں گے، کہ

صلاح الدین پیسا بھی ہو سکتا ہے۔ دشمن کی گردن میرے ہاتھ میں ہے۔ آئیے اور یہ گردن آپ اپنے ہاتھ میں پکڑیں۔

اپنی فوج ساتھ لائیں۔ میں اپنی فوج مصر لے جاؤں گا۔ ورنہ مہربانات کا شکار ہو جائے گا۔ امید ہے آپ میرے

دوسرے پیغام کا انتظار نہیں کریں گے۔"

نور الدین زنگی نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا۔ شب خوابی کے لباس میں ہی معروف کار ہو گیا۔ فوجی حکام کو بلا

لیا۔ انہیں احکام دیئے اور دن ابھی آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ اُس کی فوج کرک کی سمت کوچ کر چکی تھی۔ زنگی وہ

لیا۔ انہیں احکام دیئے اور دن ابھی آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ اُس کی فوج کرک کی سمت کوچ کر چکی تھی۔ زنگی وہ

مجاہد تھاجس کا نام سن کر صلیبی بک جلتے تھے۔ اُس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ وہ فن حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ اُس نے راستے میں کم سے کم پڑاؤ کئے اور اتنی جلدی محاذ پر پہنچا کہ سلطان الیوبی حیران رہ گیا۔ اگر قاصد پہلے سے اُسے اطلاع نہ دے دیتا کہ زنگی اپنی فوج کے ساتھ آ رہا ہے تو دور سے گرد کے بادل دیکھ کر سلطان الیوبی سمجھتا کہ صلیبیوں کی فوج آ رہی ہے۔ سلطان الیوبی گھوڑا سرپٹ بھاگتا استقبال کے لیے گیا۔ نور الدین زنگی اسے دیکھ کر گھوڑے سے کود آیا۔ اسلام کی عظمت کے یہ دونوں پاسبان جب گلے ملے تو جذبات کی شدت سے سلطان الیوبی کے آنسو نکل آئے۔

✽

سلطان الیوبی نے نور الدین زنگی کو تمام تر حالات اور غلطیوں کی ساری کارستانیوں سنائیں۔ زنگی نے کہا۔ "صلاح الدین! تمہاری عمر ابھی اتنی نہیں گزری کہ چند ایک حقائق کو قبول کر سکو۔ یہ اسلام کی بدنامی ہے کہ غلط ہماری قوم کا لازمی حصہ بن گئے ہیں اور قوم ان سے کبھی پاک نہیں ہوگی۔ مجھے مان لفظ آ رہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب غلط قوم پر باقاعدہ حکومت کریں گے۔ دشمن کے خلاف باتیں کریں گے۔ بلند دعوے کریں گے۔ دشمن کو کپڑے دینے کے نعرے لگائیں گے مگر قوم جان نہیں سکے گی کہ اُن کے حکمران دراصل اس کے اور اس کے دین کے دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر چکے ہیں۔ دشمن انہی کو ڈھال اور انہی کو تلوار بنائے گا اور ان کے ہاتھوں قوم کو مٹائے گا۔۔۔ پریشان نہ ہو صلاح الدین! ہم حالات پر قابو پالیں گے۔ تم مصر پہنچو اور نفی الدین کو مدد دے کر سوڈان سے نکالو۔ دائیں بائیں حملے کر کے دشمن کو الجھائے رکھو تاکہ نفی الدین کا کوئی دستہ کہیں گھیرے میں نہ آ جائے۔ مصر میں فوجوں کو کیا کرو اور مصر میں جو فوج ہے اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اس کے دماغ سے بغاوت کا کیڑہ نکال دوں گا۔"

شام کے بعد زنگی نے اپنی فوج کو کرک کے محاصرے پر لگا دیا اور سلطان الیوبی کی فوج پیچھے ہٹ آئی۔ اُسے فوراً قاہرہ کے لیے کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ کچھ غلطی دہاں ہو گئی جہاں سلطان الیوبی نے ریمانڈ کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ زنگی نے جب وہاں اپنے دستے اس ہدایت کے ساتھ بھیجے کہ سلطان الیوبی کی فوج کی بدلی کرنی ہے تو احکام اور ہدایت پر کسی غلط فہمی کی بنا پر عمل نہ ہو سکا۔ ریمانڈ نے اتفاق سے اُس سمت حملہ کیا، جہاں اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کا دستہ کمزور ہے۔ اُس نے وہاں کسی کو بھی حملہ روکنے کے لیے تیار نہ پایا۔ وہ اس طرف سے نکل گیا اور کچھ فوج بھی نکل گئی۔ صلیبیوں کی کچی کچی فوج پھنسی رہ گئی جسے اگلے روز پتہ چلا کہ اُن کا حکمران کمانڈر بھاگ گیا ہے تو اُس نے بھی اندھا دھند بھاگنے کی کوشش کی۔ صلیبی اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑے۔ کچھ مارے گئے اور بعض پکڑے گئے۔ نقصان یہ ہوا کہ ریمانڈ نکل گیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ گھیرا کامیاب رہا اور نور الدین زنگی کی فوج کا یہ حصہ کرک کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے فارغ ہو گیا۔

سلطان الیوبی جب قاہرہ کو روانہ ہونے لگا تو حسرت بھری نظروں سے کرک کو دیکھا۔ اُس نے زنگی سے کہا۔

"تاریخ یہ تو نہیں کہے گی کہ صلاح الدین الیوبی پسپا ہو گیا تھا؟ میں نے محاصرہ اٹھایا تو نہیں!"

"نہیں صلاح الدین!۔ نور الدین زنگی نے اس کا کال چپکا کر کہا۔" تھوڑے شکست نہیں کھائی۔ تم جذباتی ہو گئے ہو۔ جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔"

"میں آؤں گا میرے فلسطین!" سلطان الیوبی نے کرک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آؤں گا۔" اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی، پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

نور الدین زنگی اُسے دیکھتا رہا۔ وہ جب اپنے گھوڑے سمیت دور جا کر گرد میں چھپ گیا تو زنگی نے اپنے ایک نائب سے کہا۔ "اسلام کو ہر دور میں ایک صلاح الدین الیوبی کی ضرورت ہوگی۔"

یہ واقعہ ۱۱۷۳ء (۵۶۹ ہجری) کے وسط کا ہے۔

✽

urdunovelist.blogspot.com

وہ جو مردوں کو زندہ کرتا تھا

مصر کے دیہاتی اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ تھے — ”وہ آسمان سے آیا ہے۔ خدا کا دین لایا ہے۔ دل کی بات بتاتا اور آنے والے وقت کے اندھیروں کو روشن کر کے دکھا دیتا ہے۔ مرے ہوؤں کو اٹھا دیتا ہے۔“

وہ کون تھا؟ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ اُس کی کرامات سے اس قدر مسحور ہو گئے تھے کہ یہ جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کون ہے۔ وہ تسلیم کر لیتے تھے کہ وہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور جو لوگ اُس کی راہ دیکھ رہے تھے وہ اس سوال سے بے نیاز تھے کہ وہ کون ہے۔ قافلے گزرتے تھے تو اُس کی کرامات کی یادیں ہر کسی کی یادیں بن جاتیں۔ اسی کے معجزوں کا ذکر کرتا تھا۔ بعض لوگ اُسے بنی ادریسؑ بھی کہتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اُسے بارش کا دیوتا مانتے تھے اور اُس کی خوشنودی کے لیے انسانی جان کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار تھے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اُس کا مذہب کیا ہے اور وہ کیسا عقیدہ ساتھ لایا ہے۔ لوگ ابھی پسماندگی کے دور میں تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے اور قدرت کے سم کا شکار رہتے تھے۔ انہیں جہاں امید بندھتی تھی کہ اُن کے معائب کا حل وجود ہے وہاں جاسجدے کرتے تھے۔ ان کی اکثریت مسلمان تھی۔ اسلام کی روشنی وہاں تک پوری اب و تاب سے پہنچی تھی۔ مسلمانوں نے مسجدیں بھی بنا رکھی تھیں۔ رب کعبہ کے حضور پانچوں وقت سجدے بھی کرتے تھے مگر اسلام کے سچے عقیدے کو سچتہ ترک کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اُن کے امام بے علم تھے جو اپنی امامت کو برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کو عجیب و غریب باتیں بتاتے رہتے تھے۔ قرآن کو انہوں نے (غور بالہ) کالے علم کی ایک کتاب بنا ڈالا تھا اور ایسا تاثر پیدا کر رکھا تھا کہ قرآن کو صرف امام سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مسلمان قرآن کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرتے تھے۔

ان اماموں نے لوگوں کے دلوں میں ”غیب“ کا ایک لفظ بٹھا دیا تھا اور انہیں بلور کر دیا تھا کہ جو کچھ غیبی ہے وہ غیب میں ہے اور غیب میں جہان کئے کی قدرت صرف امام کو حاصل ہے۔ اماموں نے انسان کو ایک کمزور چیز بنا دیا تھا۔ اس مقام سے دوسرے اور توہمات پیدا ہوئے۔ مہرانی آمدھیوں کی چیخوں میں انہیں اُس مخلوق کی آوازیں سنائی

بے نیاز کو بھی ہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی سے بہت پہلے ہی یہودی اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی عسکری روح کو مردہ کرنے کے لیے اُن کی کردار کشی شروع کر دی تھی اور اُن کے مذہبی عقائد میں رکشش کا رو کر کے اُن کے ایمان کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کی بدعینی یہ تھی کہ وہ جب عیسائیوں کے غلات اٹھے تو اُس وقت تک عیسائیوں کی تقریاتی لیٹار بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اسلام کے دشمنوں نے اس لیٹار کو دوطرفہ استعمال کیا تھا اور پہلے طبقے کو جس میں حکمران، امراء اور فندار وغیرہ تھے، دولت، عورت اور شراب کا دلدادہ بنا دیا تھا اور نیچے یعنی پسماندہ لوگوں میں توہم پرستی اور مذہب کے غلات دوسرے پیدا کر دیے تھے جس طرح زنگی اور ایوبی نے فرن حرب و ضرب میں نئے تجربے کئے اور نئی پالیسی وضع کیں ماسی طرح عیسائیوں نے درپردہ کردار کشی کے میدان میں نئے طریقے دریافت کیے۔ تین چار یورپی نوآزمیں نے میل تک دکھا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عیسائی عسکرانوں نے میدان جنگ کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس نظریے کے قائل ہو گئے تھے کہ جنگ اس طریقے سے لڑو کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت نابل ہو رہے۔ زوردار حملہ اُن کے مذہبی عقائد پر کر دو اور اُن کے دلوں میں ایسے وہم پیدا کر دو جو مسلمان قوم اور فوج کے درمیان برا اعتمادی اور حقارت پیدا کر دیں۔ اس مکتبہ فکر کے عیسائی مفکرانوں میں فلپ آگسٹس سر فرست تھا۔ یہ عیسائی حکمران اسلام دشمنی کو اپنے مذہب کا بنیادی اصول سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی سے نہیں، یہ عیسائی اور اسلام کی جنگ ہے جو ہماری زندگی میں نہیں تو کسی نہ کسی وقت ضرور کامیاب ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تختی مولیٰ نسل کے ذہن میں قومیت کی بجائے حسدیت بھرو اور انہیں ذہنی عیاشی میں ڈلو دو۔

آگسٹس اپنے مشن کی کامیابی کے لیے میدان جنگ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ ہم جس دور یعنی ۱۱۶۹ء کے لگ بھگ کی کہانی سنا رہے ہیں اُس وقت وہ نور الدین زنگی کے ہاتھوں شکست کھا مفتوحہ علاقے واپس کر چکا تھا۔ اُس نے زنگی کو تاوان بھی دیا تھا اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر کے جزیہ دے رہا تھا، مگر جنگی قیدیوں کے تہادے میں اُس نے چند ایک معذور مسلمان سپاہی واپس کیے۔ سندرت قیدیوں کو اُس نے قتل کر دیا تھا، ادواب وہ کرک کے قلعے میں اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں اسلام دشمنی خبط کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اس کی بعض پالیسی ایسی خفیہ ہوتی تھیں کہ اُس کے اپنے عیسائی حکمران اور جرنیل بھی اُسے شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُس پر اپنے ساتھیوں نے یہ لازم عائد کیا تھا کہ وہ اندر سے مسلمانوں کا دوست ہے اور اُن کے ساتھ سودا بازی کر رہا ہے۔ ایک یورپی مؤرخ، آندرے آزون کے مطابق، اس الزام کے جواب میں ایک بار آگسٹس نے کہا تھا۔ "ایک مسلمان حکمران کو بچانے کے لیے میں اپنی کنواری بیٹیوں کو بھی اُس کے حوالے کرتے سے گریز نہیں کروں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ صلح نامے اور دوستی کے معاہدے کرنے سے گھبراتے ہو کیونکہ اس میں تم اپنی توہین کا پہلو دیکھتے ہو، تم یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان کو میدان جنگ کی نسبت صلح کے میدان میں مارنا آسان ہے۔ ضرورت پڑے تو

دیکھیں جو، امام کہتے تھے، کہ انسانوں کو نظر نہیں آسکتی۔ بیدار ہیں جنات اور شر شراب بن گئیں۔ امام صلاح اور عادل بن گئے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اُن کے قبضے میں جنات ہیں۔ انسان غیب سے اور غیب کی سزا سے اتنے خوف زدہ رہتے گئے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ کمزور ہو گیا اور وہ ہر اُس آواز پر لبیک کہنے لگے جو انہیں غیب کی فلولی اور غیب کی سزا سے بچانے کا یقین دلاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بے تابی سے اُس کی راہ دیکھ رہے تھے جو آسمان سے آیا اور مرے ہوؤں کو اٹھا دیتا ہے۔"

وہ مصر کے اُس دیہاتی علاقے میں وارد ہوا تھا جو جنوب مغرب کی سرحد کے ساتھ تھا۔ اُس زمانے میں سرحد کا کوئی واضح وجود نہیں تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے کاغذوں پر لبیک کہنے کی کئی تھی لیکن وہ بھی کہا کرتا تھا کہ دین اسلام کی اور سلطنت اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ دراصل سرحد عقیدوں کے درمیان تھی۔ جہاں تک اسلام کی گزرت تھی وہ اسلامی سلطنت تھی اور جہاں سے غیر اسلامی تقریبات شروع ہوتے تھے وہ علاقہ غیر کہلاتا تھا۔ مصر کے جس آخری گاؤں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی، وہ امارت مصر کا آخری اور سرحدی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔ اسی باعث عیسائی ملت اسلامیہ کے تقریبات پر حملے کرتے اور اسلامی عقیدوں کو کمزور کر کے وہاں اپنے عقائد کا غلبہ پیدا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت سرحدوں کی حیثیت جغرافیائی کم اور تقریاتی زیادہ تھی۔ اُس دور کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے غلبہ اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں پر تقریاتی حملے شروع کر دیے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جنگ کو جہاد کہتے ہیں اور قرآن نے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حالات کے تقاضے کے پیش نظر جہاد کو نماز پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ کسی غیر مسلم سلطنت میں مسلمان باشندے ظلم و ستم مہر مہر دو دوسری سلطنتوں کے مسلمانوں پر یہ اقدام فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم رعایا کو غیر مسلموں کے ظلم و ستم سے بچائیں خواہ اس مقصد کے لیے جنگی کارروائی کرنی پڑے۔

انہی قرآنی احکام نے مسلمانوں میں عسکری جذبہ پیدا کیا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ مسلمان جس ملک پر فوج کشی کرتے یا جس میدان میں بھی لڑتے تھے اُن کے ذہن میں جنگ کا مقصد واضح ہوتا تھا۔ گوان پر مال غنیمت حلال قرار دیا گیا تھا لیکن اُن کے ہاں لوٹ مار جنگ کے مقاصد میں شامل نہیں ہوتی تھی نہ ہی وہ مال غنیمت کے لالچ سے لڑتے تھے۔ اس کے برعکس عیسائیوں کی جنگ ملک گیری کی جوس کی آئینہ دار ہوتی اور وہ لوٹ مار پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے قانونوں کو ٹوٹنے کا کام بھی عیسائی فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ عیسائیوں کو اس کا یہ نقصان اٹھانا پڑتا تھا کہ ہر میدان میں ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کی نسبت پانچ سے دس گنا ہوتی تھی مگر وہ مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا جاتے تھے۔ شکست نہ کھائیں تو فتح بھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ قرآن کے احکام نے مسلمانوں میں جنگی جنون پیدا کر رکھا ہے۔ وہ اللہ کے نام پر لڑتے اور جانیں قربان کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے جرنیلوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو مسلمانوں پر مذہبی جنون کی گرفت کمزور کرنے کی ترکیبیں سوچتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ ایک مسلمان جو دس غیر مسلموں کا مقابلہ کرتا ہے وہ کوئی فرشتہ اور جن بھوت نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے اندر اللہ کی طاقت اور اپنے عقیدے کی قوت محسوس کرتا ہے جو اُسے کسی لالچ سے اور اپنی جان سے بھی

اس کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح نامہ کرو، معاہدہ کرو اور گھر آکر معاہدے اور صلح نامے کے اٹل عمل کرو۔ کیا میں ایسا نہیں کر رہا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے خون کے رشتے کی دوڑ لکیاں و شوق کے ایک شیخ کے حرم میں ہیں؟ کیا اس شیخ سے تم لڑے بغیر بہت سارا علاقہ لے نہیں چکے؟ کیا اس نے دوستی کا حق ادا نہیں کیا؟ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتا ہے اور میں اس کا جانی دشمن ہوں۔ میں ہر ایک غیر مسلم سے کہوں گا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرو اور انہیں دھوکہ دے کر مارو۔“

۴۱

یہ تھی وہ صلیبی ذہنیت جو ایک کامیاب سازش کے تحت سلطنت اسلامیہ کی جڑوں کو دھیک کی طرح کھا رہی تھی۔ اسی سازش کا یہ نتیجہ تھا کہ مصر میں بغاوت کی چنگاری شعلہ بننے لگی تھی جسے سرد کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کو کرک کا محاصرہ اس حالت میں اٹھانا پڑا جب وہ صلیبیوں کی ایک سوار فوج کو قلعے سے باہر شکست دے چکا تھا۔ اُسے محاصرہ نور الدین زنگی کے حوالے کر کے اپنی فوج سمیت قاہرہ مانا پڑا۔ وہ دل برداشتہ تو نہیں تھا لیکن دل پر ایسا بوجھ تھا جو اُس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی فوج کے سپاہی اس خیال سے مطمئن تھے کہ انہیں آرام کے لیے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے لیکن دستوں کے وہ کمان دار جو سلطان ایوبی کے عزم اور لڑنے کے طریقے کا ر کو سمجھتے تھے، حیران تھے کہ اُس نے نور الدین کو فوج سمیت کیوں بلایا اور محاصرہ کیوں اٹھایا ہے۔ وہ تو فتح یا شکست تک لڑنے کا قائل تھا۔ اُس کے ہڈی کو لڑنے کے دو تین سالوں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اور سوڈان میں تقی الدین کا حملہ ناکام ہو گیا ہے اور اُسے خیریت سے پیچھے ہٹنا ہے۔ سلطان ایوبی کے ساتھ علی بن سفیان بھی تھا۔ وہی مصر کے اندرونی حالات کی رپورٹ لے کے آیا تھا۔ سلطان ایوبی نے کرک سے کوچ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی دیا تھا کہ راستے میں بہت کم ٹپاؤ کیے جائیں گے اور کوچ بہت تیز ہوگا۔ اس حکم سے سب کو شک ہو رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ سفر کی پہلی شام آئی، فوج رات بھر کے لیے رُک گئی۔ سلطان ایوبی کا خیمہ نصب ہو گیا تو اُس نے اپنے اعلیٰ کمانڈروں اور اپنی مرکزی کمان کے عہدیداروں کو بلایا۔ اُس نے کہا: ”آپ میں زیادہ تعداد اُن کی ہے جنہیں معلوم نہیں کہ میں نے محاصرہ کیوں اٹھایا ہے اور میں فوج کو قاہرہ کیوں لے جا رہا ہوں۔ بے شک محاصرہ ٹوٹا نہیں۔ آپ میں کوئی بھی سپاہی نہیں ہوا لیکن میں اسے اگر شکست نہیں تو سپاہی مزدور کہوں گا۔ میرے رفیقو! ہم پسا ہو رہے ہیں اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آپ کو پسا کرنے والے آپ کے اپنے بھائی ہیں، اپنے رفیق۔ وہ صلیبیوں کے رفیق بن چکے ہیں اور انہوں نے بغاوت کا منصوبہ بنالیا ہے۔ اگر علی بن سفیان، اس کے نائب اور غیاث بلبیس جو کس نہ ہوتے تو آج آپ مصر پر قابض ہوتے۔ وہاں صلیبیوں اور سوڈانیوں کی عمرانی ہوتی۔ ارسلان سیسا حاکم صلیبیوں کا آلہ کار نکلا۔ وہ الادریس کے دو جوان بیٹے مروا کر خود کشی کر چکا ہے۔ اگر ارسلان غدار تھا تو آپ اور کس پر بھروسہ کریں گے؟“ حاضرین پر سننا طعاری ہو گیا۔ بے چینی اور اضطراب اُن کی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے خاموشن ہو کر سب کو دیکھا۔ اُس دور کا ایک وقائع نگار قاضی بہاؤ الدین شہلہ کی کسی غیر مطبوعہ تحریر کے حوالے سے

لکھتا ہے کہ دو تین یوں کی کاپیتی ہوئی روشنی میں سب کے چہرے اس طرح نظر آ رہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔ وہ آنکھ بھی نہیں جھپکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ سے زیادہ اُس کا لب و لہجہ اور انداز اُن پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ سلطان کی آواز میں دھڑ دھڑلا جوش نہیں بلکہ رن سا تھا جو سب کو ڈر رہا تھا۔ اس نے کہا: ”میں یہ کہہ کر کہ آپ میں بھی غدار ہیں معافی نہیں مانگوں گا۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ قرآن پر علف اٹھاؤ کہ آپ اسلام اور سلطنت اسلامیہ کے دغاوار ہیں۔ ایمان بیچنے والے قرآن ہاتھ میں لے کر بھی وفاداری کا یقین دلایا کرتے ہیں۔ میں آپ کو مروت یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ انسان جو مسلمان نہیں وہ آپ کا دشمن ہے۔ دشمن جب آپ کے ساتھ محبت اور دوستی کا اظہار کرتا ہے تو اس میں اُس کی دشمنی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ آپ کو آپ کے بھائیوں کے خلاف اور آپ کے مذہب کے خلاف استعمال کرتا ہے اور جہاں اُسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے وہ مسلمان مستورات کی عصمت دری اور اسلام کی بیخ کنی کرتا ہے۔ یہی اس کا مقصد ہے۔ ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں یہ ہماری ذاتی جنگ نہیں۔ یہ ذاتی حکمرانی قائم کرنے کے لیے کسی ملک پر قبضے کی کوشش نہیں۔ یہ وہ عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ یہ جنگ اُس وقت تک لڑی باقی رہے گی جب تک کفر اور اسلام ختم نہیں ہو جاتا۔“

”گستاخی معاف سالارِ عظم!“ ایک سالار نے کہا۔ ”اگر ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم غدار نہیں ہیں تو ہمیں مصر کے حالات سے آگاہ کریں ہم اُن سے ثابت کریں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ارسلان فوج کا نہیں انتظامیہ کا حاکم تھا۔ آپ کو غدار ہونے کی خبر نہیں میں میں ملیں گے فوج میں نہیں۔ کرک قلعے کا محاصرہ آپ نے اٹھایا ہے، ہم نے نہیں۔ ہم نے زنگی کو آپ نے بلایا ہے، ہم نے نہیں۔ ہمارا امتحان میدانِ جنگ میں ہو سکتا ہے، پُر اس کو چھ میں نہیں۔ ہمیں کیا ہو رہا ہے؟“ صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان کی طرف دیکھا اور کہا: ”علی! انہیں بتا دو ان کیا ہو رہا ہے؟“

علی بن سفیان نے کہا: ”غداروں نے دشمن کے ساتھ مل کر سوڈان کے محاذ کے لیے رستہ روک لی ہے۔ منڈیول سے غلہ غائب کر دیا ہے۔ دیہاتی علاقوں میں اجنبی لوگ آکر غلہ اور خورد و نوش کی دیگر اشیاء خرید کر لے جاتے ہیں۔ گوشت ناپید کر دیا گیا ہے۔ رستہ اگر بھی جاتی ہے تو دانستہ تاخیر کی جاتی ہے۔ یوں بھی ہوگا کہ رستہ بھی کر دشمن کو اطلاع دے دی گئی۔ دشمن نے رستہ کے قافلے کو راستے میں روک لیا۔ شہر میں بدکاری عام ہو گئی ہے۔ جوئے بازی کے ایسے دلچسپ طریقے رائج ہو گئے ہیں جن کے ہمارے رشتے حادی ہوتے ہمارے ہیں۔ دیہاتی علاقوں سے فوج کو بھرتی نہیں ملتی اور جانور بھی نہیں ملتے۔ فوج میں بے اطمینانی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارے قوی کردار کو تباہ کرنے کے سامان پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ انتظامیہ کے حکام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ لالچ صلیبیوں نے دے رکھے ہیں۔ ان حاکموں کو باہر سے بے دریغ دولت مل رہی ہے چونکہ سلطنت اور امارت کا انتظام انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس لیے انہوں نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے جو دشمن کے لیے سازگار ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ دیہاتی علاقوں میں عجیب و غریب عقیدے پھیل رہے ہیں۔ لوگ غیر اسلامی اصولوں کے قائل اور پابند ہوتے جا رہے ہیں، اس میں خطر یہ ہے

کہ ہیں فوج اچھی علاقوں سے ملتی ہے اور ہماری موجودہ فوج انہی علاقوں سے آئی ہے۔ بے بنیاد اور غیر اسلامی عقیدے فوج میں بھی آگئے ہیں۔

”کیا آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا؟“ سامنرین میں سے کسی نے پوچھا۔

”جی ہاں!“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”میرا تمام تر شعبہ مجرموں کے سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے میں مصروف ہے۔ میں نے اپنے جاسوس اور مخبر دیہاتی علاقوں میں بھی پھیلا رکھے ہیں، مگر دشمن کی تخریب کاری اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس کے آدمیوں کو یہ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کو پناہ اور تحفظ دیتے ہیں۔ کیا آپ یہ سن کر حیران نہیں ہوں گے کہ دیہاتی علاقوں کی بعض سبیلوں کے امام بھی دشمن کی تخریب کاری میں شامل ہو گئے ہیں؟“

”یہ تو ہونہیں سکتا کہ میں انتظامیہ فوج کے سپرد کردوں۔“ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ”فوج جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ اسی کی تکمیل کا فرض ادا کرتی رہے تو سلطنت کے لیے بھی بہتر ہوتا ہے اور فوج کے لیے بھی۔ جس طرح ایک کروڑ سالار نہیں بن سکتا اسی طرح کوئی سالار کروڑوں کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ البتہ ہر سالار کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ کو تو اں کیا کر رہے ہیں۔ ہر سالار کو باخبر رہنا چاہیے کہ انتظامیہ کیا کر رہی ہے۔ کیا واقعی فرائض میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی؟... میرے رفیقو! ہمیں خدا نے تاریخ کی سب سے زیادہ کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ مصر کے حالات آپ نے سن لیے ہیں۔ سوڈان کا حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ تقی الدین اپنی غلطیوں کی بدولت سوڈان کے صحران میں پھنس کے رہ گیا ہے۔ اُس کی فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیاں میں بھرنی ہے۔ اُس کی پسپائی بھی ممکن نظر نہیں آتی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ محترم زنگی کرک فتح کر لیں گے یا نہیں، لیکن اُسے بھی میں اپنی ناکامی کہتا ہوں۔ آپ انتہائی مشکل حالات میں بھی میدان جنگ میں دشمن کو شکست دے سکتے ہیں مگر دشمن نے جس محاذ پر حملہ کیا ہے اس پر دشمن کو شکست دینا آپ کے لیے بظاہر آسان نظر نہیں آتا۔ آپ تیغ نزن ہیں۔ محاذوں کا سینہ چیر سکتے ہیں مگر مجھے خطرہ نظر آ رہا ہے کہ میلیبیوں کے اس محاذ پر آپ ہتھیار ڈال دیں گے۔“

سامنرین میں چند ایک جوشیلی اور پرعزم آوازیں سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”اس وقت جو فوج مصر میں ہے وہ جب شوبک اور کرک کے محاذ سے مصر گئی تھی تو اس کے کمانداروں اور عہدیداروں کا جذبہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آج آپ کا ہے مگر قاہرہ پہنچ کر جب انہوں نے دشمن کے سبز باغ دیکھے تو بغاوت کے لیے تیار ہو گئے۔ اب اس فوج کی کیفیت یہ ہے کہ آپ اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔“

”ہم ایسے ایک ایک کماندار اور عہدیدار کو قتل کر کے دم لیں گے۔“ ایک سالار نے کہا۔

”ہم سب سے پہلے اپنی مفلکوں کو غارتوں سے پاک کریں گے۔“ ایک اور نے کہا۔

”اگر میرا بیٹا میلیبیوں کا درست نکلنا تو میں اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا۔“ ایک بوڑھے نائب سالار نے کہا۔

”میں اس قسم کی جوشیلی اور جذباتی باتوں کا تامل نہیں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔

سامنرین کا جوش غصہ ناک ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو سلطان ایوبی کے سامنے بات کرنے سے ڈرتے تھے۔ مگر اب یہ سن کر کہ اُن کی فوج کی وہ نفرتی جو مصر میں ہے دشمن کی تخریب کاری کا شکار ہو کر اپنی سلطنت کے خلاف بغاوت پر اُتر آئی ہے تو وہ لوگ آگ ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کو یہاں تک کہ دیا۔ ”آپ ہمیں ہمیشہ قتل سے سوچنے اور بردباری سے عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں، مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جنہیں قتل اور بردباری اور زیادہ بگاڑ دیتی ہے۔ ہمیں اجازت دیں کہ قاہرہ تک ہم ایک بھی پٹلاؤ نہ کریں۔ ہم آرام اور خوراک کے بغیر تنہا سفر کریں گے۔ ہم اس فوج کو نہایت کر کے قید کر لیں گے۔“

صلاح الدین ایوبی کے لیے ان حکام پر قابو پانا محال ہو گیا۔ اُس نے کچھ اور باتیں کہیں مگر بے نفاست کر دی۔ علی الصبح فوج نے کوچ کیا۔ یہ کوچ ترتیب سے ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی اپنے غلے کے ساتھ الگ قافلہ جاری تھا۔ اُس نے دیکھا کہ علی بن سفیان اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ شام تک فوج کو وہ درخت کچھ دیر کے لیے روکا گیا۔ شام گہری مہرنے کے بعد بھی فوج چلتی رہی۔ رات کا پہلا پھر شام ہو رہا تھا جب سلطان ایوبی نے رات کے قیام کے لیے فوج کو روکا۔ سلطان کھانے سے فارغ ہوا تو علی بن سفیان آگیا۔

”سالار دن کہاں رہے علی؟“ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

”مگر شش رات میرے دل میں ایک شک پیدا ہو گیا تھا۔“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ”اس کی تصدیق یا تردید کے لیے سالار دن فوج میں گھومتا پھرتا رہا۔“

”کیسا شک؟“

”آپ نے رات دیکھا نہیں تھا کہ تمام سالار، کماندار اور عہدیدار کس طرح اُس فوج کے خلاف بھڑک اُٹھے تھے جو مصر میں ہے؟“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”مجھے شک ہونے لگا تھا کہ یہ اپنے اپنے دستوں کو بھی اسی طرح بھڑکائیں گے۔ میرا شک میری ثابت ہوا۔ انہوں نے تمام تر فوج کو مصر کی فوج کے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں کہ تمام فوج انتقامی جذبے سے مشتعل ہو گئی ہے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم محاذوں پر نہ جی اور شہید ہوتے

ہیں اور ہمارے ہی سامنے قاہرہ میں عیش کرتے اور اسلامی پرچم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہی انہیں ختم کریں گے پھر سوڈان میں پھنسی ہوئی فوج کی مدد کو بھیجیں گے۔ قابلِ صدا احترام امیر اگر ہم نے کوئی پیش بندی نہ کی تو قاہرہ میں پہنچتے ہی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ پہلی یہ فوج انتقامی جذبے کے زیر اثر تھی میں ہے اور ہماری مصر والی فوج پہلے ہی بغاوت کے بہانے ڈھونڈ رہی ہے۔“

”مجھے اس پر تو خوشی ہے کہ مسلسل معرکوں کی فکری ہوئی اس فوج میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”مگر ہمارا دشمن یہی چاہتا ہے کہ ہماری فوج دو حصوں میں بٹ کر آپس میں ٹکرائے۔“ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا پھر کہنے لگا۔ ”جب ہم قاہرہ سے غاصب اور ہوں گے تو میں ذمہ دار اور ذہین قاصد بھیج کر مصر والی فوج کو کسی دوسرے راستے سے کرک کی سمت کوچ کا حکم دے دوں گا۔ شاید میں خود آگے چلا جاؤں اور اُس فوج کو کوچ کر

دوں تاکہ یہ فوج جو ہمارے ساتھ ہے جب وہاں پہنچے تو وہاں اُسے اس فوج کا کوئی سپاہی نظر نہ آئے۔ تم نے اچھا کیا ہے علی! میری توجہ ادھر نہیں گئی تھی۔“

۶۶

وہ پراسرار غیب دان جس کے متعلق سرحد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے اپنے معاصیوں کے قتلے کے ساتھ سفر کرتا تھا۔ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ وہ بوڑھا نہیں۔ اُس کی داڑھی بھورے رنگ کی اور چہرے کی رنگت گوری بتائی باقی تھی۔ اُس نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے۔ لوگ بتاتے تھے کہ اُس کی شریعتی آنکھوں میں پورے پاندھی جک ہے اور اُس کے دانت ستاروں کی طرح سفید اور شفاف ہیں۔ اُس کا قد اونچا اور جسم گٹھا ہوا بتایا جاتا تھا اور وہ بولتا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ اُس کے ساتھ بہت سے معاصی اور بہت سے اونٹ تھے۔ سلمان والے اونٹ الگ تھے جن میں سے بعض پر بہت بڑے بڑے ٹکے لادے ہوتے تھے۔ اُس کا قافلہ آبادی سے دور رکھتا اور وہ دیہی لوگوں سے ملتا تھا۔ کسی آبادی میں نہیں جاتا تھا۔ وہ ایک جگہ سے کوہ کرتا تو اُس کے آگے آگے کچھ لوگ اونٹ اور گھوڑے بھگا دیتے اور راستے میں آنے والے گاؤں اور بستیوں میں خبر کر دیتے تھے کہ وہ آ رہا ہے۔ یہ لوگ ہر کسی کو اُس کی کرامات اور روحانی قوتوں کے کرشمے سناتے تھے۔ لوگ کئی کئی دن اُس کے راستے میں بیٹھے رہتے تھے۔

جس رات علی بن سفیان صلاح الدین الیوبی کو بتا رہا تھا کہ عاز سے قاہرہ کو ہلنے والی فوج مصر میں آ رہی ہے خلافت مشتمل ہو گئی ہے، اُس رات وہ غیب دان قاہرہ سے بہت دور ایک نخلستان میں خیمہ زن ہوا۔ اُس کا ایک اصول یہ تھا کہ پانڈی راتوں میں کسی سے نہیں ملتا تھا۔ دن کے دوران کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا تھا۔ اندھیری راتیں اُسے پسند تھیں۔ اُس کی محفل ایسی قندیلوں سے روشن ہوتی تھی جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسری سے مختلف تھا۔ ان قندیلوں کا بھی ایک ناثر تھا جو سامنہ بن محفل کے لیے طماتی تھا۔ وہ جہاں خیمہ زن ہوا تھا اُس سے کچھ دور ایک بستی تھی جس میں زیادہ تر مسلمان اور کچھ سوڈانی حبشی رہتے تھے۔ اس بستی میں ایک مسجد بھی تھی جہاں کا امام ایک خاموش طبیعت انسان تھا۔ ایک جواں آدمی کوئی ڈیڑھ دو مہینوں سے اُس کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتا تھا۔ یہ آدمی جو اپنا نام محمود بن احمد بتاتا تھا کسی دوسری بستی سے مسجد میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی دلچسپی امام سجد اور اس کے علم کے ساتھ تھی مگر اُس کی ایک دلچسپی اور بھی تھی۔ یہ ایک جوان لڑکی تھی جس نے اسے اپنا نام سعدیہ بتایا تھا۔ سعدیہ کو محمود انسنا اچھا لگا کہ وہ اسے کئی بار اپنی بکریوں کا دودھ پلا سکتی تھی۔

اُن کی پہلی ملاقات بستی سے دور ایک ایسی جگہ ہوئی تھی جہاں سعدیہ اپنی پلہ بکریاں اور دو اونٹ چرانے اور انہیں پانی پلانے کے لیے لے گئی تھی۔ محمود وہاں پانی پینے کے لیے رکا تھا۔ سعدیہ نے اُس سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ محمود نے کہا تھا کہ کمپیں سے آ رہا ہوں نہ کمپیں جا رہا ہوں۔ سعدیہ سادگی سے ہنس پڑی تھی۔ جواب ہی کچھ ایسا تھا۔ سعدیہ نے محمود سے قدرتی سا سوال پوچھا۔ ”مسلم؟ سوڈانی؟“

محمود نے جب جواب دیا کہ وہ مسلمان ہے تو سعدیہ کے ہونٹوں پر سکڑا ہٹ آگئی تھی۔ محمود نے اُسے اپنا صبح ٹھکانہ نہیں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کہیں جو سعدیہ کو دلچسپی لگی تھیں۔ سعدیہ اُس سے سوڈان کی جنگ کے متعلق پوچھنے لگی۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اُسے اسلامی فوج کے ساتھ دلچسپی ہے۔ اُس نے جب صلاح الدین الیوبی کے متعلق پوچھا تو محمود نے اس کی ایسی تعریفیں کیں جیسے سلطان الیوبی انسان نہیں خدا کا اتار ہوا فرشتہ ہے۔ سعدیہ نے پوچھا۔ ”کیا صلاح الدین الیوبی اُس سے زیادہ مقدس اور برگزیدہ ہے جو آسمان سے اترا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے؟“

”صلاح الدین الیوبی مرے ہوؤں کو زندہ نہیں کر سکتا۔“ محمود نے جواب دیا۔

”ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ زندہ ہوتے ہیں انہیں صلاح الدین الیوبی مار ڈالتا ہے۔“ سعدیہ نے شکلی

لہجے میں کہا۔ ”لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے اور ہماری طرح کلمہ اور نماز پڑھتا ہے؟“

”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے؟“

”ہمارے گاؤں میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں وہ بتا ہاتے ہیں کہ صلاح الدین الیوبی بہت بڑا آدمی ہے۔“ سعدیہ نے کہا۔

”تمہاری مسجد کا امام کیا بتاتا ہے؟“ محمود نے بتایا۔

”وہ بہت اچھی باتیں بتاتا ہے۔“ سعدیہ نے کہا۔ ”وہ سب کو کہتا ہے کہ صلاح الدین الیوبی اسلام کی

رہنمائی سارے مصر اور سوڈان میں پھیلانے آیا ہے اور اسلام ہی خدا کا سچا دین ہے۔“

محمود اُس کے ساتھ اسی موضوع پر باتیں کرتا رہا تھا۔ سعدیہ سے اُسے پتہ چلا کہ اُس کے گاؤں میں ایسے آدمی آنے رہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں مگر بائیں ایسی کرتے ہیں کہ کئی لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ محمود نے سعدیہ کے شکوک رفع کر دیے اور اپنی ذات، طبعی زبان اور شخصیت کا اُس پر ایسا اثر پیدا کیا کہ سعدیہ نے بے تابی سے کہا کہ وہ اکثر یہیں بکریاں چرانے آیا کرتی ہے اور محمود جب کبھی ادھر سے گزرے اُسے مزور ملے۔ محمود اُسے جذبات اور خفائی کے درمیان بھٹکتا چھوڑ کر اس کے گاؤں کی طرف چلا گیا۔ سعدیہ یہ سوچتی رہ گئی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کا لباس اسی علاقے کا تھا مگر اُس کی شکل و صورت اور اُس کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اس علاقے کا رہنے والا نہیں.... سعدیہ کے شکوک مہج تھے۔ محمود بن احمد دیہاتی علاقے کا رہنے والا نہیں تھا۔ سکندر نے شہر کا باشندہ تھا اور وہ علی بن سفیان کی داخلی جاسوسی (انٹیلی جنس) کا ایک ذہین کارکن تھا۔ وہ کئی مہینوں سے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے سرحدی دیہات میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس نے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام خفیہ رکھا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ چند اور جاسوس بھی تھے جو اس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کبھی اکٹھے ہوتے اور اُن کے جو مشاہدات ہوتے تھے وہ اپنے کسی ایک ساتھی کے سپرد کر کے اُسے قاہرہ بھیج دیتے تھے۔ اس طرح علی بن سفیان کے شعبے کو پتہ چلتا رہتا تھا کہ سرحدی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔

محمود بن احمد کو سعدیہ مل گئی تو اُس نے اس لڑکی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کہیں جن سے اُسے گاؤں اور گرد و پیش کے علاقے کے لوگوں کے خیالات کا علم ہو سکتا تھا۔ اُس نے سعدیہ کے گاؤں کی مسجد کے امام کے متعلق خاص طور پر پوچھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دو گاؤں میں اُس نے ایسے امام مسجد دیکھے تھے جو شکوک سے گتے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے اُسے پتہ چلا تھا کہ یہ دونوں امام نئے نئے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ان مسجد میں امام تھے ہی نہیں۔ دونوں جہاد کے خلاف وعظ سنانے اور قرآن کی آیات پڑھ کر غلط تفسیریں بیان کرنے تھے، اور یہ دونوں پُر سرائی غیب دان کو برحق بتاتے اور لوگوں میں اس کی زیارت کا اشتیاق پیدا کرتے تھے۔ محمود اور اُس کے دو ساتھیوں نے ان دونوں اماموں کے متعلق پوری رپورٹ تیار ہو بیچ دی تھی اور اب وہ سعدیہ کے گاؤں جا رہے تھے۔ اُسے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس گاؤں کا امام سلطان الیوبی کا مرید اور اسلام کا علمبردار ہے۔ اُس نے اسی مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

۲۵

وہ مسجد میں گیا اور امام سے ملا۔ اپنا جھوٹا تعارف کر کے اُس نے کہا کہ وہ مذہبی علم کی تلاش میں مارا مارا پھیر رہا ہے۔ امام نے اُسے تعلیم دینے کا وعدہ کیا اور اُسے مسجد میں ہی رہنے کی پیشکش کی۔ محمود مسجد میں قید نہیں ہونا چاہتا تھا اُس نے امام سے کہا کہ وہ دو تین روز بعد اپنے گھر جایا کرے گا۔ اُس نے امام کو بھی اپنا نام بتایا تھا۔ امام نے اُس سے نام پوچھا تو اُس نے کچھ اور نام بتا دیا۔ یہ پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے تو اس نے دُور کسی سرحدی گاؤں کا نام بتایا۔ امام مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ ”محمود بن احمد! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے فرائض سے بے خبر نہیں۔ سکندریہ کے مسلمان فرض کے پکے ہوتے ہیں۔“

محمود ایسا چونکا جیسے برک اٹھا ہو۔ وہ سمجھا کہ یہ امام حبیبیوں کا جاسوس ہے، لیکن امام نے اُسے زیادہ دیر تک شک میں نہ رہنے دیا اور کہا۔ ”میں جاسوس کرتا ہوں کہ مجھے کم از کم تمہارے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کر دینا چاہیے۔ میں تمہارے ہی ٹکے کا آدمی ہوں۔ میں تمہارے تمام ساتھیوں کو جو اس علاقے میں ہیں جاننا ہوں، مجھے تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں محترم علی بن سفیان کے اُس عہدے کا آدمی ہوں جو دشمن پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے جاسوسوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ میں امام بن کر جاسوسی کا کام کر رہا ہوں۔“

”پھر میں آپ کو دانشمند آدمی نہیں کہوں گا۔“ محمود بن احمد نے کہا۔ ”آپ نے جس طرح میرے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کیا ہے، اس طرح آپ دشمن کے کسی جاسوس کے سامنے بھی بے نقاب ہو سکتے ہیں۔“

”مجھے یقین تھا کہ تم میرے آدمی ہو۔“ امام نے کہا۔ ”ضرورت ایسی آپڑی ہے کہ تمہیں اپنا اصلی روپ بتانا ضروری سمجھا۔ میرے ساتھ دو محافظ ہیں جو یہاں باشندوں کے ہر روپ میں گاؤں میں موجود رہتے ہیں۔ مجھے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اچھا ہو کہ تم آگئے۔ اس گاؤں میں دشمن کے تخریب کار آ رہے ہیں۔ تم نے اس آدمی کے متعلق سنا ہوگا جس کے متعلق مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مستقبل کے اندھیرے کی خیر دنیا اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ گاؤں بھی اُس کی آن دیکھی کرامات کی زد میں آ گیا ہے۔ میں نے گاؤں والوں کو شروع میں بتایا تھا

کہ یہ سب جھوٹ ہے اور لاشوں میں کوئی انسان جان نہیں ڈال سکتا، مگر اُس کی شہرت کا ہوا اننا سخت ہے کہ لوگ میرے خلاف ہونے لگے۔ میں سنبھل گیا کیونکہ میں اس مسجد سے نکلنا نہیں چاہتا۔ مجھے ایک اڑسے اور ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو اسلام کا سیدھا راستہ بھی دکھانا ہے۔ پندرہ بیس روز گزرے، رات کو دو آدمی میرے پاس آئے۔ میں اکیلا تھا۔ اُن دونوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرا اور کوئی ٹھکانا نہیں، انہوں نے کہا کہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو دس بند کر دو اور اُس کی باتیں کرو جو آسمان سے آیا ہے اور خدا کا سچا مذہب لایا ہے۔ میں دونوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ ہتھیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں لیکن میں لوگوں کو قتل کر کے یا قتل ہو کر اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے عقل سے کام لیا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ آج سے وہ مجھے اپنا آدمی سمجھیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ اُن کی باتوں پر عمل کرے گا تو اُسے ایک انعام یہ ملے گا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ اُسے اشرفیاں دی جائیں گی۔“

”پھر آپ نے اپنے وعظ اور خطبے کا رنگ بدل دیا ہے؟“ محمود نے پوچھا۔

”کسی حد تک۔“ امام نے جواب دیا۔ ”میں اب دونوں قسم کی باتیں کرتا ہوں۔ مجھے اشرفیوں کی نہیں،

اپنی جان کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فرض ادا کیے بغیر مرنا نہیں چاہتا۔ میں گاؤں سے باہر جا کر تمہیں یا تمہارے کسی ساتھی کو ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتا کیوں کہ اُس کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ خدا نے خود ہی تمہیں میرے پاس لے لیا ہے۔ میرے محافظ اُس رات میرے پاس نہیں تھے۔ اب تم ہی میرے ساتھ رہو۔ تم میرے شاگرد کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گے۔ تم سیدھی سادی گنواروں کی سی باتیں کیا کرنا گاؤں میں چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اگر ہمیں قریب کوئی سرحدی دستہ مل جائے تو ہمارا مقصد پورا ہو سکتا ہے مگر ہمارے سرحدی دستوں کے کسی کا انداز پر بھروسہ کرنا بڑا خطرناک ہے۔ دشمن نے اشرفیوں اور غورقوں سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ وہ متخواہ ہمارے خزانے سے لیتے اور کام دشمن کا کرتے ہیں۔“

محمود بن احمد اُس کے پاس رُک گیا۔ اُسی روز امام نے اُسے اپنے دونوں محافظوں سے ملا دیا۔

شام کو جب سعدیہ مسجد میں امام کے لیے کھانا لے کر آئی تو محمود کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور مسکرائی۔ محمود نے پوچھا۔ ”میرے لیے کھانا نہیں لاؤ گی؟“ سعدیہ کھانا امام کے حجرے میں رکھ کر دوڑی گئی اور روٹی کے ساتھ ایک پیالیے میں بکریوں کا دودھ بھی لے آئی۔ وہ چلی گئی تو امام نے محمود سے کہا۔ ”یہ اس علاقے کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔ ذہین بھی ہے اور کم عمر بھی۔ اس کا سودا ہو رہا ہے۔“

”سودا یا شادی؟“

”سودا۔“ امام نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کی شادی دراصل سودا ہوتا ہے مگر سعدیہ کا یہ سودا ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن خریدار مشکوک لوگ ہیں۔ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں۔ یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو مجھے دھمکی دے گئے ہیں۔ تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس لڑکی کو اپنے رنگ

”نہیں“۔ محمود کے منہ سے نکل گیا۔ ”میں اپنا فرض پورا کیے بغیر کہیں بھی نہیں جاسکتا۔“
 ”کیسا فرض؟“۔ سعدیہ نے پوچھا۔

محمود بن احمد چونکا۔ وہ سعدیہ کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اُس کا فرض کیا ہے۔ اُس نے منہ سے نکلی ہوئی بات پر وہ ڈالنے کی کوشش کی مگر سعدیہ اُس کے پیچھے پڑ گئی۔ محمود کو اچانک یاد آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ”میں امام سے مذہبی تعلیم لینے آیا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بغیر میں کہیں نہیں جاؤں گا۔“

”اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہاں پہنچا دیا جائے گا۔“ سعدیہ نے کہا۔

محمود فرض کو ایک لڑکی پر قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اُس کے دل میں یہ شک بھی پیدا ہوا کہ یہ لڑکی دشمن کی جاسوس بھی ہو سکتی ہے۔ اُسے بیکار کرنے کے لیے اتنا مال کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس نے سعدیہ کے متعلق چھان بین کرنا ضروری سمجھا۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی فوج قاہرہ سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اُسے بتا دیا گیا تھا کہ فوج مشتعل ہے اور مصر کی فوج پر ٹوٹ پڑے گی۔ سلطان ایوبی نے دیاں پڑاؤ کا حکم دے دیا اور سپاہیوں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ خود سپاہیوں کے جذبات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک سوار کے پاس ہانکا تو کئی سوار اور پیادہ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُن کے ساتھ غیر ضروری سی باتیں کہیں تو ایک سوار بول پڑا۔ اُس نے پوچھا۔ ”گستاخی معات سالار اعظم! یہاں پڑاؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم شام تک قاہرہ پہنچ سکتے تھے۔“

”تم لوگ روتے روتے آئے ہو۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں نہیں اس کھلے سوار میں آگ دینا چاہتا ہوں۔“
 ”ہم روتے آئے ہیں اور روتے جا رہے ہیں۔“ سوار نے کہا۔

”روتے جا رہے ہیں؟“ سلطان ایوبی نے انجان بنے ہوئے پوچھا۔ ”میں تو تمہیں قاہرہ سے جا رہا

ہوں جہاں تم اپنے دوستوں سے ملو گے۔“

”وہ ہمارے دشمن ہیں۔“ سوار نے کہا۔ ”اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے دوست بغاوت کرنے پر تلے ہوئے

ہیں تو وہ ہمارے دشمن ہیں۔“

”صلیبیوں سے بدترین دشمن۔“ ایک اور سپاہی نے کہا۔

”کیا یہ سچ نہیں سالار اعظم کہ قاہرہ میں غدار اور بغاوت ہو رہی ہے؟“ کسی اور نے پوچھا۔

”کچھ گڑبڑ سنی ہے۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں مجرموں کو سزا دوں گا۔“

”آپ پوری فوج کو کیا سزا دیں گے؟“ ایک سوار نے کہا۔ ”سزا ہم دیں گے۔ یہیں کمانڈروں نے قاہرہ

کے سارے حالات بتا دیے ہیں۔ ہمارے ساتھی شوبک اور کرک ہیں شہید ہوئے ہیں۔ دونوں شہروں کے اندر ہماری

بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت دری ہوئی ہے اور کرک میں ابھی تک ہو رہی ہے۔ ہمارے ساتھی قلعے کی دیواروں

سے دشمن کی چھینکی ہوئی آگ میں زندہ جل گئے ہیں۔ قبیلہ اول پر کافروں کا قبضہ ہے اور ہلہری فوج قاہرہ میں

میں لنگ کر ہمارے خلاف استعمال کریں گے۔ اس لیے اسے بچانا ضروری ہے اور اس لیے بھی اسے بچانا ضروری ہے کہ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ یہیں سلطنت کے ساتھ ساتھ سلطنت کی بچیوں کی عصمت کی حفاظت بھی کرنی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ سوا نہیں ہو سکے گا۔ سعدیہ کے باپ کو میں نے اپنا مڑبہ بنا رکھا ہے لیکن وہ غریب اور تنہا آدمی ہے اور رسم و رواج سے بھاگ بھی نہیں سکتا۔ ہر حال سلطنت اور سعدیہ کی عصمت کے مافوق ہمارے سوا اور کوئی نہیں۔“

اس کے بعد محمود امام کا شاگرد بن گیا۔ دن گزرنے لگے اور اس کی ملاقاتیں سعدیہ کے ساتھ ہونے لگیں۔ لڑکی چراگاہ

میں چلی جاتی اور محمود وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اُن کی بے تکلفی بڑھ گئی تو محمود نے سعدیہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اسے خریدنا

چاہتے ہیں۔ سعدیہ انہیں نہیں جانتی تھی۔ اُس کے لیے وہ جہنی تھے۔ انہوں نے اُسے اس طرح آکر دیکھا تھا جس طرح گائے بھینس کو

خریدنے سے پہلے دیکھا جاتا ہے۔ سعدیہ کو بھی طرح معلوم تھا کہ وہ کسی کی بیوی نہیں بنے گی۔ اُسے عرب کا کوئی دو تین تجربہ کار کوئی ایسا بڑا

اپنے حرم میں رکھ کر قید کرے گا جہاں وہ اپنا گھر بسائے بغیر بڑی محرومی ہو کر رہائے گی، یا اسے ناچنا سکھا کر تفریح کی چیز بنایا

ہائے گا۔ اُس نے اپنے گاؤں کے فوجیوں سے ایسی لڑکیوں کے بہت نقصے سنے تھے۔ وہ اتنے پس ماندہ علاقے

میں رہتے ہوئے بھی ذہین تھی اور اپنا برا بھلا سوچ سکتی تھی۔ اُس نے محمود کو دیکھا تو اُسے دل میں بٹھایا اور اُس

نے جب یہ دیکھا کہ محمود اُسے چاہنے لگا ہے تو اُس نے دل میں یہ ارادہ پختہ کر لیا کہ وہ فروخت نہیں ہوگی۔ وہ جانتی

تھی کہ خریداروں سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ ایک روز اُس نے محمود سے پوچھا۔ ”تم مجھے خرید نہیں سکتے؟“

”خرید سکتا ہوں۔“ محمود نے کہا۔ ”لیکن میں جو قیمت دوں گا وہ تمہارے باپ کو منظور نہیں ہوگی۔“

”کتنی قیمت دو گے؟“

”میرے پاس دینے کے لیے اپنے دل کے سوا کچھ بھی نہیں۔“ محمود بن احمد نے جواب دیا۔ ”معلوم

نہیں تم دل کی قیمت جانتی ہو یا نہیں۔“

”اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو میرے لیے یہ قیمت بہت زیادہ ہے۔“ سعدیہ نے کہا۔ ”تم ٹھیک

کہتے ہو کہ میرے باپ کو یہ قیمت منظور نہیں ہوگی لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میرا باپ مجھے بیچنا بھی نہیں چاہتا۔ اُس کی

مجبوری یہ ہے کہ غریب ہے اور اکیلا ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں۔ میرے خریداروں نے میرے باپ کو دھمکی دی ہے،

کہ اُس نے اُن کی قیمت قبول نہ کی تو وہ مجھے اغوا کر لیں گے۔“

”تمہارا باپ اتنی زیادہ قیمت کیوں قبول نہیں کرتا؟“ محمود نے پوچھا۔ ”لڑکیوں کو بیچنے کا تو یہاں

رواج ہے۔“

”باپ کہتا ہے وہ لوگ مسلمان نہیں لگتے۔“ سعدیہ نے کہا۔ ”میں نے بھی باپ سے کہ دیا ہے کہ میں

کسی غیر مسلم کے پاس نہیں جاؤں گی۔“ اُس نے بے تاب ہو کر کہا۔ ”تم اگر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے

تیار ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔“

”میں تیار ہوں۔“ محمود نے کہا۔

”تو چلو۔“ سعدیہ نے کہا۔ ”آج ہی رات چلو۔“

بیٹھی بیٹھ کر رہی ہے، آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہی ہے۔ جنہیں شہیدوں کا پاس نہیں، اپنی بیٹیوں کی مصرتوں کا خیال نہیں انہیں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ اسلام کے دشمن کے دوست بن گئے ہیں۔ ہم جب تک غداروں کی گزریں اپنے ہاتھوں نہیں کاٹیں گے، یہیں شہیدوں کی رو میں معاف نہیں کریں گی۔ ذرا ان زخمیوں کو دیکھئے جنہیں ہم اپنے ساتھ لے رہے ہیں۔ کسی کی ٹانگ نہیں، کسی کا بازو نہیں بکریا یہ اس لیے ساری عمر کے لیے اپنا بچ ہو گئے ہیں کہ ہمارے ساتھی اور ہماری دوست دشمن کے ہاتھ میں کھلیں؟

”ہم انہیں اپنے ہاتھوں سزا دیں گے۔“ اور پھر ایسا شور مچا ہوا گیا کہ ساری فوج وہاں جمع ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے اس جوش و خروش پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ وہ سپاہیوں کے جوش اور جذبے کو سرد کر کے ان کا دل بھی نہیں ٹوڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں مبروہ قتل کی تلقین کی۔ کوئی حکم نہ دیا۔ اپنے خیمے میں گیا۔ مشیروں اور نائبین کو بلا کر کہا کہ یہ فوج اگلے حکم تک یہیں پڑ کر رہے گی۔ اُس نے کہا۔ ”میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانہ جنگی ہوگی۔ فوج کا آپس میں مکر رہا ان دشمن کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ میں آج رات قاہرہ جا رہا ہوں۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ سپاہیوں کے جوش کو سرد کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے۔“

اُس نے ضروری احکام اور ہدایات دے کر کہا۔ ”ہماری قاہرہ والی فوج جو بغاوت پر آمادہ ہے میری نظر میں بے گناہ ہے اور ہماری قوم کے وہ نوجوان جو جوئے اور ذہنی عیاشی کے عاری ہوتے جا رہے ہیں وہ بھی بے گناہ ہیں۔ فوج کو ہمارے اعلیٰ حکام نے غلط باتیں بتا کر بھڑکایا ہے۔ انہی حکام کے ایمار پر دشمن نے ہمارے ملک کے سب سے بڑے شہر میں ذہنی عیاشی کے سلمان پھیلانے ہیں۔ اس اخلاقی تباہ کاری کو فروغ صرف اس لئے حاصل ہوا ہے کہ ہماری انتظامیہ کے وہ حکام جنہیں اس تخریب کاری کو روکنا تھا وہ اسے پھیلانے میں شریک ہیں۔ دشمن انہیں اُترت دے رہا ہے جب کسی قوم کے سربراہ اور اراکین کے ہاتھوں میں کھیلنے لگے ہیں اس قوم کا یہی شہر ہوتا ہے۔ ہماری فوج سوڈان کے ظالم صحرائیں بکھری ہوئی لڑ رہی ہے، کٹ رہی ہے، سپاہی بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں اور ہمارے حاکم ان کی کمک رسد اور ہتھیار روکے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ دشمن کی سازش نہیں جسے ہمارے اپنے بھائی کامیاب کر رہے ہیں؟ اس سے دشمن ایک فائدہ یہ اٹھا رہا ہے کہ تقی الدین اور اس کے وہ عسکری جو جذبہ جہاد سے لڑ رہے ہیں وہ مر رہے ہیں اور نوبت ہتھیار ڈالنے تک آگئی ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہماری قوم کو بتایا جائے گا کہ یہ دیکھو تمہاری فوج شکست کھا گئی ہے کیونکہ یہ اسی قابل قتل۔ ہمارے بھائی مصر کی امارت پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سب سے پہلے فوج کو قوم کی نظروں میں رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ من مانی کر سکیں۔ مجھے امارت کے ساتھ چپکے رہنے کی کوئی خواہش نہیں۔ اگر میرے منافقین میں سے کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ وہ میرے عزم کو پائے تکمیل تک پہنچائے گا تو میں اس کی فوج میں سپاہی بن کر رہوں گا مگر ایسا کون ہے؟ یہ لوگ اپنی باقی زندگی بادشاہ بن کر گزارنا چاہتے ہیں خواہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر کے بادشاہی ملے اور میں اپنی زندگی میں قوم کو اُس مقام پر لانا چاہتا ہوں جہاں وہ اپنے دین کے دشمنوں کے سر پر پاؤں رکھ کر بادشاہی کرے۔ ہمارے ان لالچی اور غدار حاکموں کی نظر اپنے حال پر، اپنے آج پر ہے۔ میری نظر قوم کے مستقبل پر ہے۔“

اُس نے ہلے ہلے ترقف کیا اور کہا۔ ”میرا گھوڑا فوراً تیار کرو۔“ اُس نے اُن افراد کے نام لیے جنہیں اُس کے ساتھ جانا تھا۔ اُس نے کہا۔ ”نہایت خاموشی سے ان سب کو بلاؤ اور انہیں قاہرہ پہنچنے کے لیے کہو۔ میرا خیمہ یہیں لگا رہنے دو تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ میں یہاں نہیں ہوں۔“ اُس نے گہرا سانس لیا اور کہا۔ ”میں آپ کو سختی سے ذہن نشین کرانا ہوں کہ جو فوج بغاوت کے لیے تیار ہے میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ تم میں سے کوئی بھی اس فوج کے خلاف کدورت نہ رکھے۔ اسی طرح اپنے نوجوانوں کو بھی قابل نفرت نہ بھنا میں اُن کے خلاف کارروائی کروں گا جو فوج اور قوم کو گمراہ اور ذلیل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہی فوج جب اپنے دشمن کے سامنے آئے گی اور دشمن اُس کا تیرہوں سے استقبال کرے گا تو فوج کو یاد آ جائے گا کہ وہ اللہ کی فوج ہے۔ دماغ سے بغاوت کے کیڑے نکل جائیں گے۔ آپ جب اپنے بچوں کو اپنے دین کا دشمن دکھائیں گے تو اُن کا ذہن از خود جوئے سے ہٹ کر جہاد کی طرف آ جائے گا۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ اسلام اور سلطنت اسلامیہ کی بقا اور وقار فوج کے بغیر ممکن نہیں۔ میں صلیبیوں اور یہودیوں کے عزائم اور ان کے طرز جنگ اور ان کی زمین و آسمانوں کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسلام کی فوج کو کمزور کر کے اسلام کا خاتمہ کریں گے۔ جس روز اور جس دور میں کسی بھی مسلمان ملک کی فوج کمزور ہوگئی وہ ملک اپنی آزادی اور اپنا وقار کھو بیٹھے گا۔ کسی بھی دور میں کوئی مسلمان مملکت مضبوط اور باوقار فوج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ جہلا آج کا غلط اقدام اسلام کے مستقبل کو تار پک کر دے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آنے والی نسلیں ہماری لغزشوں، ناکامیوں اور کامیابیوں سے فائدہ اٹھائیں گی یا نہیں؟“

”امیر مصر؟“ ایک شیر نے کہا۔ ”اگر ہمارے بھائی غازی کے فن میں ہی مہارت حاصل کرتے رہتے تو آنے والی نسلیں غلام ہوں گی۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہوگا کہ آزادی کسے کہتے ہیں اور قومی وقار کیا ہے۔ کیا ہلے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟“

”قوم کا ذہن بیدار کرو۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”قوم کو رعایا نہ کہو۔ قوم کا ہر فرد اپنی جگہ بادشاہ ہوتا ہے۔ کسی بھی فرد کو قومی وقار سے محروم نہ کرو۔ ہمارے امراء اور حاکموں میں چونکہ بادشاہ اور خلیفہ بننے کا جنون سوار ہے، اس لیے وہ قوم کو رعایا بنا کر اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو، قوم جسموں کا مجموعہ نہیں جسے تم موشیوں کی طرح ہانکتے پھرو۔ قوم میں دماغ بھی ہے، روح بھی ہے اور قومی وقار بھی ہے۔ قوم کی ان خوبیوں کو ابھارتا کہ قوم خود سوچے کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ اچھا کون اور بُرا کون ہے۔ اگر قوم محسوس کرے کہ صلاح الدین ایوبی سے بہتر امیر موجود ہے جو سلطنت اسلامیہ کے تحفظ کے ساتھ اسے سمندروں سے پار بھی وسعت دے سکتا ہے تو قوم کا کوئی بھی فرد مجھے راستے میں روک لے اور جرأت سے کہے کہ صلاح الدین تم یہ مسند خالی کر دو، ہم نے تم سے بہتر آدمی ڈھونڈ لیا ہے۔ قوم میں یہ سوچ بھی ہو اور جرأت بھی اور مجھ میں فروغیت نہ ہو کہ اپنے خلاف بات کرنے والے کی گردن مار دوں۔ مجھے یہی خطہ نظر آ رہا ہے کہ ملت اسلامیہ ایسے ہی فرعونوں کی نذر ہو جائے گی۔ قوم کو رعایا اور موشی بنا دیا جائے گا۔ پھر مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے یا براہ نام مسلمان ہوں

گئے۔ مذہب تو شاید ان کا یہی رہے مگر تہذیب و تمدن میلیمیوں کا ہوگا۔

انتہی میں ایک محافظ نے اندر آکر بتایا کہ گھوڑا تیار ہے اور جن تین چار نائب سالاروں کو بلایا گیا تھا وہ بھی آگئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ چار محافظ لیے۔ باقی محافظ دستے سے کہا کہ وہ اس کے خالی نیچے پر پرہرہ دیتے رہیں اور کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اُس نے اپنے ساتھ جانے والے غلے سے کہا کہ وہ خاموشی سے نلال جگہ پہنچ جائیں وہ ان سے آئے گا۔ اُس نے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور باہر نکل گیا۔

☆

مصر تاریک تھا۔ چودہ گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی تاریکی چھپنے سے پہلے قاہرہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ علی بن سفیان کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اُس کی فوج پڑاؤ میں گہری فیند سو گئی تھی۔ جاگنے والے سنتربوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ اُن کا سالار اعلیٰ نکل گیا ہے۔ قاہرہ والوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ سلطان ایوبی مصر میں داخل ہو چکا ہے۔ رات کا پچھلا پہر تھا جب سلطان ایوبی کا قافلہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اسے کسی سنتری نے نہ روکا۔ وہاں کوئی سنتری تھا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”یہ ہے بغاوت کی ابتدا۔ شہر میں کوئی سنتری نہیں۔ فوج سوئی ہوئی ہے۔ بے پروا، بے نیاز، حالانکہ ہم دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں اور دشمن کے حملے کا خطرہ ہر لمحہ موجود ہے۔“ اپنے ٹھکانے پر پہنچے ہی، ایک لمحہ آرام کیے بغیر، اُس نے مصر کے قائم مقام سالار اعلیٰ کو بلایا۔ الادیس کو بھی بلایا جس کے دونوں جوان بیٹوں کو غداروں نے دھوکے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کر دیا تھا۔ قائم مقام سالار اعلیٰ سلطان ایوبی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ سلطان ایوبی نے الادیس سے افسوس کا اظہار کیا۔ الادیس نے کہا۔ ”میرے بیٹے میدان جنگ میں جانیں دیتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ وہ دھوکے میں مارے گئے ہیں۔“ اُس نے کہا۔ ”یہ وقت میرے بیٹوں کے ماتم کرنے کا نہیں، آپ نے مجھے کسی اور مقصد کے لیے بلایا تھا۔ حکم فرمائیں۔“

قائم مقام سالار اعلیٰ محبت اسلام تھا۔ ان دونوں سے سلطان ایوبی نے قاہرہ کے اندرونی حالات کے متعلق تفصیلی رپورٹ لی اور پوچھا کہ ان کی نظر میں کون کون سے حاکم مشتبہ ہیں۔ وہ فوجی حکام کے متعلق خاص طور پر پوچھ رہا تھا۔ اُسے چند ایک نام بتائے گئے۔ اُس نے احکام دیتے شروع کر دیے جن میں اہم یہ تھے کہ مشتبہ حکام کو قاہرہ میں مرکزی کمان میں رہنے دیا جائے اور تمام فوج کو سورج نکلنے سے پہلے کوچ کی تیاری میں جمع کر لیا جائے اور بھی بہت سی ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے ایک پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہدایات علی بن سفیان کو دے کر اسے ناسخ کر دیا۔ کچھ دیر بعد فوج کے کیمپ میں ہڑنگ پڑ گئی۔ فوج کو قبل از وقت جگایا گیا تھا۔ فوج اور انتظامیہ کے مشتبہ حکام کو صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر میں بلایا گیا تھا۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ انہیں اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ سلطان ایوبی آگیا ہے۔ انہوں نے اُس کا گھوڑا بھی دیکھ لیا تھا لیکن انہیں سلطان ایوبی نظر نہیں آیا تھا اور سلطان ایوبی انہیں ابھی ملنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں کوچ تک فوج سے الگ رکھنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہی اس کا مقصد تھا۔

ابھی صبح کی روشنی سات نہیں ہوئی تھی۔ فوج ترتیب سے کھڑی کر دی گئی۔ پیادوں اور واروں کی صفوں کے پیچھے رسد اور دیگر سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ سلطان ایوبی نے فوج کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی تھی کہ جب بھی فوجی کوچ کا حکم ملے فوج ایک گھنٹے کے اندر اندر جمع رسد اور دیگر سامان کے قافلے کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اسی ٹریننگ اور مشق کا کرشمہ تھا کہ فوج طلوع صبح کے ساتھ ہی کوچ کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ مصر کا قائم مقام سالار اعلیٰ بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کو ایک نظر دیکھا اور ایک صف کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اُس کے چہرے پر سکراہٹ تھی اور اُس کے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے۔ ”آفرین، مدآفرین، اسلام کے پاسانوں تم پر اللہ کی رحمت ہو۔“ صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کا اپنا ایک اثر تھا جسے ہر ایک سپاہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کی سکراہٹ اور داد و تحسین کے کلمے سپاہیوں پر اس اثر کو اور زیادہ گہرا کر رہے تھے۔ امیر اور سالار اعلیٰ کا سپاہیوں کے اتنی قریب جانا ہی کافی تھا۔

تمام فوج کا معائنہ کر کے سلطان ایوبی نے مکمل طور پر بلند آواز سے فوج سے خطاب کیا۔ اُس وقت کی تحریروں میں اُس کے جواہر الفاظ محفوظ ملتے ہیں وہ کچھ اس طرح تھے۔ ”اللہ کے نام پر کھڑے ہونے والے مجاہدو! اسلام کی ناموس تمہاری تلواروں کو پکار رہی ہے۔ تم نے شوبک کا مضبوط قلعہ جو کفر کا سب سے زیادہ مضبوط مورچہ تھا ریت کا ٹیلہ سمجھ کر توڑ ڈالا تھا۔ تم نے میلیمیوں کو محاذوں میں بکھیر کر مارا اور جنت الفردوس میں جگہ بنالی ہے۔ تمہارے ساتھی تمہارے عزیز و دست تمہارے سامنے شہید ہوئے۔ تم نے انہیں اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ ان چھاپہ مار شہیدوں کو یاد کرو جو دشمن کی صفوں کے پیچھے جا کر شہید ہوئے۔ تم ان کا جنازہ نہ پڑھ سکے۔ ان کی لاشیں بھی نہ دیکھ سکے۔ تم تصور کر سکتے ہو کہ دشمن نے اُن کی لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ شہیدوں کے قیمتی بچوں کو یاد کرو۔ اُن کی بیویوں کو یاد کرو جن کے سہاگ خد کے نام پر قربان ہو گئے ہیں۔ آج شہیدوں کی رو میں تمہیں لٹکا رہی ہیں۔ تمہاری غیرت کو اور تمہاری مردانگی کو پکار رہی ہیں۔ دشمن نے کرک کے قلعے کو اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ تمہارے کئی ساتھی دیواروں سے بھینکی ہوئی آگ میں جل گئے ہیں۔ تم اگر وہ منظر دیکھتے تو سر کی ٹکڑوں سے قلعے کی دیواریں توڑ دیتے۔ وہ آگ میں جلتے رہے اور دیوار میں شکاوت ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ موت نے انہیں ہمت نہ دی۔۔۔“

”عظمت اسلام کے پاسانو! کرک کے اندر تمہاری بیٹیوں اور تمہاری بہنوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ بوڑھوں سے مویشیوں کی طرح مشقت لی جا رہی ہے۔ جوانوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے مگر میں کہ جس نے بچوں کے قلعے توڑے ہیں، مٹی کا قلعہ سر نہیں کر سکا۔ میری طاقت تم ہو۔ میری ناکامی تمہاری ناکامی ہے۔“ اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ اُس نے بازو اوپر کر کے کہا۔ ”میرا سینہ تیروں سے چھلنی کر دو۔ میں ناکام لوٹا ہوں، مگر میری جان لینے سے پہلے میرے کان میں یہ خوشخبری ضرور ڈالنا کہ تم نے کرک سے لیا ہے اور اپنی عصمت بریدہ بیٹیوں کو سینے سے لگا لیا ہے۔“

اُس وقت کا ایک وقائع نگار الاسدی لکھتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑے اپنے سواروں کی سبڈائی کیفیت کو سمجھتے تھے۔ سوار خاموش تھے لیکن کئی گھوڑے بڑی اندر سے مہنہ لگے۔ تراخ تراخ کی آوازیں سنائی

دیں۔ سولہ ماہوں کو زور زور سے جھٹک کر اپنی بے تابی اور ہندو انتقام کی شدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی زبانیں
غلاموش تھیں۔ اُن کے چہرے لال سرخ ہو کر ان کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ تیروں
کی طرح اُن کے دلوں میں اترتے ہوئے رہے تھے۔ بغاوت کی چراگاریاں بجھ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کا مقصد پورا
ہو رہا تھا۔

”سلطنتِ اسلامیہ کی عصمت کے محافظ: تم کفار کے لیے دہشت بن گئے ہو تمہاری تلواروں کو کندہ کرنے کے لیے آج صلیبی اپنی بیٹیوں کی عصمت اور حشیش استعمال کر رہے ہیں۔ تم نہیں سمجھتے کہ صلیبی اپنی ایک بیٹی کی عصمت لٹا کر ایک ہزار مجاہدین کو بیکار کر دیتے ہیں اور اپنے علاقوں میں اپنی ایک بیٹی کے بدلے ہماری ایک ہزار بیٹیوں کو بے آب و کرتے ہیں۔ تمہارے درمیان ایک فاحشہ عورت بھیج کر ہماری سینکڑوں بیٹیوں کو فاحشہ بنا لیتے ہیں۔ جاؤ اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کو بچاؤ۔ تم کرک جا رہے ہو جس کی دیواروں کے گھیرے میں قرآن کے ورق بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں کی مسجدیں صلیبیوں کے لیے بیت الخلاء بن گئی ہیں۔ وہ صلیبی جو تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔ آج تم پر بقیعہ لگا رہے ہیں۔ شوکب تمہنے لیا تھا کرک بھی تم ہی لوگے۔“

سلطان ایوبی نے فوج پر یہ الزام عائد نہیں کیا کہ وہ گمراہ ہو گئی ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ اُس نے کسی کے خلاف شک و شبہ کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس کی بجائے فوج کے جذبے اور غیرت کو ایسا لگا رکھا کہ فوج جو حیران تھی کہ اسے اتنی سویرے کیوں جگایا گیا ہے، اب اس پر حیران تھی کہ اُسے کرک کی طرف کوچ کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ تمام تر فوج مشتعل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اعلیٰ اور ادنیٰ کمانڈریوں کو بلایا اور انہیں کوچ کے متعلق ہدایت دیں۔ کوچ کے لیے کوئی اور راستہ بتا دیا یہ راستہ اُس راستے سے بہت دور تھا جس پر محاذ کی فوج آرہی تھی۔ کوچ کرنے والی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی نے اپنے وہ کمانڈر بھیج دیئے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہیں اُس نے خفیہ طور پر ہدایت دے دی تھیں۔ فوج کو جب کوچ کا حکم ملا تو سپاہیوں کے فوسے قاہرہ کے در و دیوار کو ہلانے لگے۔ سلطان ایوبی کا چہرہ جذبات کی شدت سے دمک رہا تھا۔

جب فوج اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اُس نے ایک قاصد کو پیغام دے کر اُس پڑاؤ کی طرف روانہ کر دیا جہاں محاذ سے آنے والی فوج رکی ہوئی تھی۔ قاصد کو بہت تیز جانے کو کہا گیا۔ پیغام یہ تھا کہ پیغام ملتے ہی فوج کو قاہرہ کے لیے کوچ کر دیا جائے۔ فاصلہ آٹھ دس میل تھا۔ قاصد جلدی پہنچ گیا۔ اُسی وقت کوچ کا حکم مل گیا۔ غروب آفتاب کے بعد فوج کے ہر اول دستے قاہرہ میں داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے باقی فوج بھی آ گئی۔ اُسے رہائش کے لیے وہی جگہ دی گئی جہاں گزشتہ رات تک کوچ کر جانے والی فوج قیام پذیر تھی۔ سپاہیوں کو کمانڈروں نے بتانا شروع کر دیا کہ پہلی فوج کو محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔ آنے والی فوج بھڑکی ہوئی تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں ٹھنڈا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ سلطان الیوتی نے دانشمندی سے فوجی بغاوت کا خطرہ بھی ختم کر دیا اور خانہ جنگی کا امکان بھی نہ رہنے دیا۔ اُس نے اعلیٰ کمانڈروں کو بلا لیا اور اُس فوجی حاکم کو بھی بلا لیا جو سرحدی دستوں کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ سرحد پر کتنے دستے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اتنی ہی نفری

کے دستے تیار کر کے علی الصبح مغلوبہ جنگوں کو بھیجے گا حکم دیا۔ اُسے بتایا جا چکا تھا کہ سرحدی دستے ملک سے غلہ اور فوجی ضروریات کا دیگر سامان باہر بھیجنے میں دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔ سلطان القلی نے ان دستوں کے کمانڈروں کو خصوصی اسکات دیئے اور سرحد سے واپس آنے والے پرانے دستوں کے متعلق اُس نے حکم دیا کہ انہیں قتل ہو کر لانے کی بجائے باہر سے ہی کھانڈ پر بھیج دیا جائے۔

☆

سعدیہ دونوں وقت مسجد میں امام کو کھانا دینے جاتی تھی۔ محمودین احمد شاہ گرد کی حیثیت سے مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ اُس چراگاہ میں بھی پلا جایا کرتا تھا جہاں سعدیہ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ وہاں ٹیلے بھی تھے۔ جبکہ سرسبز تھی کیونکہ وہاں پانی تھا۔ جبکہ گاؤں سے ذرا دور تھی۔ سعدیہ اب محمود کو اپنا محافظ سمجھنے لگی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ محمود اُسے کافروں کے قبضے میں جانے سے بچالے گا، مگر محمود اُس کی یہ بات نہیں مانتا تھا کہ اُسے فوراً گاؤں سے لے جائے۔ سعدیہ نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُسے اپنے گاؤں چھوڑ آئے اور یہاں آکر تعلیم مکمل کرے۔ محمود اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا گاؤں مصر کے دوسرے شہر سے پر ہے جہاں وہ اتنی جلدی نہیں جاسکتا۔ اُس نے اپنے باسوسی کے فن کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ سعدیہ دشمن کی آگاہ کار نہیں۔ اگر محمود کے راستے میں فرض حائل نہ ہوتا تو وہ کبھی کا سعدیہ کو وہاں سے لے جا چکا ہوتا۔ فرض کے علاوہ امام سید اسی کے حکم کے انصر تھا۔ جس کی موجود میں وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔ امام نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔ اُس کا کہنا حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک روز اچانک گاؤں میں رونق اُگئی۔ کچھ انہی سوتیں نظر آنے لگیں۔ ہر کسی کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا "وہ آ رہا ہے۔ وہ آسمان سے آیا ہے..." مرے بوڑوں کو زندہ کرنے والا آ رہا ہے۔" گاؤں کا ہر فرد بہت ہی خوش تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی مرادیں پوری کرنے والا آ رہا ہے۔ سعدیہ دوڑتی آئی اور محمود بن احمد سے کہا "تم نے بھی سنا ہے کہ وہ آ رہا ہے؟ تم جانتے ہو میں اس سے کیا مانگوں گی؟ میں اسے کہوں گی کہ نمود مجھے فوراً یہاں سے بے جائے۔ پھر تم مجھے بے جاؤ گے"

محمود کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔ اُس نے ابھی تک اس پُر اسرار آدمی کو نہیں دیکھا تھا جسے لوگ پیغمبر کہتے تھے.... محمود کی ڈیوٹی کے علاقے میں وہ پہلی بار آ رہا تھا۔ اُس کی کرامات اور معجزوں کی کہانیاں اس علاقے میں کسی کی پہنچ رہی تھیں۔ محمود باہر نکل گیا تو اجنبی لوگوں میں اُسے اپنے دوستی جاسوس نظر آئے۔ ان کا علاقہ کوئی اور تھا۔ محمود نے ان سے پوچھا کہ وہ اس کے علاقے میں کیوں آ گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اس غیب دان کو دیکھنے آئے ہیں مگر وہ جاسوسوں کی حیثیت سے نہیں آئے تھے بلکہ اس سے پوری طرح متاثر تھے۔ انہوں نے اس کی کرامات کسی جگہ دیکھی تھیں، جو انہوں نے محمود کو ایسے انداز سے سنائیں کہ وہ مرعوب ہو گیا۔ یہ وہی وہی اس غیب دان کو برق سمجھنے لگے تھے۔ محمود نے سرپاکہ علی بن سفیان کے تربیت یافتہ جاسوس جس سے متاثر ہو جائیں وہ برقی ہو سکتا ہے۔

اقتیت بھی اسی قدر زیادہ اور اقسیموں کی مدت لمبی ہوتی جائے گی اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ ہر ایک مسلمان جل مرے گا۔ اگر چند ایک مر گئے تو ہمیں یہ قربانی دینی ہی پڑے گی۔ آپ بھی تو مرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہلاک کو زندہ رکھنا ہے تو ہم میں سے کبھی ایک کو جائیں قربان کرنی ہوں گی۔ میں آپ کو یہ اطلاع اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ میں سے مجھ پر کوئی یہ الزام عائد نہ کرے کہ میں نے ایک قتلہ سر کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو جلا دیا ہے۔

”ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”ہم یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے نہیں آئے۔ فلسطین مسلمانوں کا ہے۔ ہم یہاں اپنے رسول کی بادشاہی بحال کرنے آئے ہیں۔ قبلہ اول ہمارا ہے۔ صلیبیوں اور یہودیوں کا نہیں۔“

”ہم یہودیوں کے اس دعوے کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ فلسطین یہودیوں کا وطن ہے۔“ ایک اور نے کہا۔ ”ہم سب جل مرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔“

نور الدین زنگی کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آگئی جس میں مسرت نہیں تھی۔ اُس نے کہا۔ ”تم مانتے ہی ہو گے کہ فلسطین کو اپنا وطن بنانے کے لیے یہودی کس میدان میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی دولت اور اپنی بٹیوں کی عصمت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے اور انہیں ہمارے خلاف لڑا رہے ہیں۔ اپنی دولت اور اپنی لڑکھوں کے ہی ذریعے ہماری مصلحتوں میں غدار پیدا کر رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ صلاح الدین اور مصر ہے۔ مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ناحشہ عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ سب یہودی عورتیں ہیں۔ انہیں سونا کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امرا اور دولت مند تاجر یہودیوں کے جال میں چسپس گئے ہیں۔ انہیں اتفاق اور فقر تو بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اب کفار انہیں آپس میں لڑائیں گے۔ اگر ہم ہوش میں نہ آئے تو یہودی ایک نہ ایک دن فلسطین کو اپنا وطن بنا کر قبلہ اول کو اپنی عبادت گاہ بنالیں گے اور مسلمان مملکتیں آپس میں لڑتی رہیں گی۔ انہیں محسوس نہ ہو گا کہ ان کی آپس کی حقیقت کے پیچھے یہودیوں اور صلیبیوں کا ہاتھ ہے، یہ ہو گا دولت عورت اور شراب کا کرشمہ جو شروع ہو چکا ہے۔ اگر ہمیں آنے والی نسلوں کو باوقار زندگی دینی ہے تو ہمیں آج کی نسل کے کچھ بچے قربان کرنے پڑیں گے۔ میں نیا چاند تکھے تک کرک لے لینا چاہتا ہوں، خواہ مجھے اس کے کھنڈر ملیں اور اندر مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں صلیبیوں اور یہودیوں کو بھروسہ روم میں ڈبو رہا ہے۔ یہ کام ہمیں اپنی زندگی میں کرنا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہمارے بعد اسلام کا پرچم غداروں اور صلیب نوازوں کے ہاتھوں میں آجائے گا۔“

نور الدین زنگی نے کارہیزوں کی بھی ایک فوج ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے متعلقہ کارہیزوں کو بتا دیا تھا کہ کھجوروں کے بہت لمبے لمبے درخت کاٹ کر مہینے تیار کریں۔ اُس نے کارہیزوں کے مشوروں سے کچھ اور قسم کے بھی درخت کاٹوائے تھے اور حکم دیا کہ ان کے تنے اور ٹن خشک ہونے سے پہلے کام میں لائے جائیں تاکہ ان میں لوسہ والی سختی پیدا نہ ہو جائے۔ کارہیز دن رات مصروف رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے

دی جاتی تھی کہ کسی کی بات پر فوراً اعتبار نہ کر دے کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھو۔ محمود نے اس اجنبی کا پیچھا کیا۔ وہ عجم میں سے ہوتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے چلا گیا اور شہر میں کہیں غائب ہو گیا۔ محمود کو یقین ہو گیا کہ سعدیہ انہی نیموں میں ہے اور اُس کے انعام میں اس آدمی کا ہاتھ ہے۔ یہ سعدیہ کے خریداروں میں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے سودا ہونے پر سعدیہ کے باپ کو لڑکی کے اغوا کی دھمکی دی تھی۔ سعدیہ کے باپ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ یہ اجنبی سعدیہ کے باپ کو یہ جھوٹا بیان دے کر گمراہ کرنے آیا تھا تاکہ باپ اپنی بیٹی کو یہاں تلاش نہ کرے۔

محمود بن احمد کے دل میں سعدیہ کی اتنی شدید محبت تھی کہ اُس نے سعدیہ کو وہاں سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اُس نے امام کو جا کر یہ ساری بات سنائی۔ امام سارغردانی کے شہر کا ذہین حاکم تھا۔ اُس نے بھی یہی رائے دی کہ اس غریب باپ کو دھوکا دیا جا رہا ہے کہ اس کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ محمود نے امام کے ان دونوں باسوسوں سے جو گاؤں میں موجود رہتے تھے ذکر کیا اور کہا کہ وہ سعدیہ کو وہاں سے نکالے گا اور اُسے ان کی مدد کی ضرورت ہے، مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ ٹیلوں کے اندر اب کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

✽

نور الدین زنگی نے کرک کے عامرے میں اپنی فوج لگا دی تھی اور قلعہ توڑنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ اُس نے پہلے روز ہی اپنے کمانڈروں سے کہہ دیا تھا کہ جو قلعہ صلاح الدین الیوتی سر نہیں کر سکا، وہ تم بھی آسانی سے سر نہیں کر سکو گے۔ صلاح الدین تو ناممکن کو ممکن کر دکھانے والا آدمی ہے۔ سلطان الیوتی نے اُسے تفصیل سے بتا دیا تھا کہ یہاں کون کون سے طریقے آزما چکا ہے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ قلعہ کے اندر کیا کیا ہے۔ رسد اور جانور کہاں ہیں اور آبادی کس طرف ہے۔ اُسے یہ معلومات باسوسوں نے دی تھیں۔ وہ اندر آگ پھینکنا چاہتا تھا مگر اُس کی منتخبین چھوٹی تھیں۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے پاس بڑی کمانیں تھیں جن کے تیر بہت دور تک چلے جاتے تھے۔ یہ تیر منتخبین کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ اسی لیے قلعہ کے دروازے پر بھی آگ نہیں پھینکی جاسکتی تھی۔ مجاہدین کہیں سے قلعہ کی دیوار توڑنے کی کوشش کرتے تھے تو اوپر سے صلیبی جلتی ہوئی لکڑیوں اور دھتکے کو نکلنے کے ذریعہ انہیں دیتے تھے۔

نور الدین زنگی نے اپنے نائبین کا اجلاس بلا کر انہیں کہا۔ ”صلاح الدین الیوتی نے مجھے کہا تھا کہ وہ بڑی منتخبین بنوا کر اندر آگ پھینک سکتا ہے لیکن اندر مسلمانوں کی آبادی بھی ہے، اگر ایک بھی مسلمان جل گیا تو یہ ساری عمر کا بچھتا ہوا ہو گا۔ میں اب الیوتی کی سوچ کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ میں نے اتنی بڑی منتخبین بنانے کا انتظام کر لیا ہے جن کی پھینکی ہوئی آگ اور دھننی پتھر دور تک جاسکیں گے۔ آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ آپ کی پھینکی ہوئی آگ سے اندر چند ایک مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ میرے دوستو! اگر تم اندر کے مسلمانوں کی حالت جانتے ہو تو کہو گے کہ وہ مری جائیں تو اچھا ہے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں۔ مسلمان بچیاں صلیبیوں کے پاس ہیں اور مرد کھٹے قید خانے میں پڑے بیگار کر رہے ہیں۔ وہ تو دعائیں مانگ رہے ہوں گے کہ خدا انہیں موت دے دے۔ آپ کا محامو جس قدر لمبا ہوتا جائے گا اندر کے مسلمانوں کی

دینی پتھروں کے ڈھیر گوا دیئے تھے۔ اُس کے پاس سلاح الدین الیقینی کا چھڑا ہوا آتش گیر مادہ سکا ذخیرہ بھی تھا۔ بہت سا سیال مادہ زنگی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے آگ کے گولے تیار کر لیے تھے۔ اسی دوران مصر سے سلطان الیقینی کی بھیجی ہوئی فوج بھی پہنچ گئی۔ نور الدین زنگی کو اس فوج کے متعلق بتایا گیا تھا کہ بغاوت کے لیے تیار ہے لیکن زنگی نے جب اس کا معائنہ کیا تو اُسے بغاوت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ زنگی سلطان الیقینی کی طرح دانشمند اور دور اندیش انسان تھا۔ اُس نے اس فوج کو چند ایک پُر جوش الفاظ سے اس سے زیادہ بھڑکا دیا جتنا سلطان الیقینی نے بھڑکا کر بھیجا تھا۔

ایک روز سورج غروب ہو چکا تھا۔ صلیبی حکمران اور اعلیٰ فوجی کمانڈر تھے کے اند ایک کانفرنس میں بیٹھے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں مصر سے کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ سلطان الیقینی مصر جا چکا ہے اور نور الدین زنگی آگیا ہے۔ کانفرنس واسطے دن کی صبح انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ مصر سے تازہ دم فوج آگئی ہے۔ اس صورت حال پر غور کرنے کے لیے یہ سب اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی بات شروع کی ہی تھی کہ دھماکے کی طرح آواز سنائی دی اور طبع کرنے کا شور بھی اٹھا۔ صلیبی کمانڈر اور حکمران دوڑتے باہر نکلے۔ ساتھ والے کمرے کی منڈیر بھٹ گئی تھی اور وہاں ایک وزنی پتھر پڑا تھا۔ دیوار میں شکات نہیں ہوا تھا۔ زناٹہ سانسائی دیا جو قریب آکر دھماکہ بن کر خاموش ہو گیا۔ اسی جگہ کے قریب ایک اور پتھر گرنا۔ صلیبی وہاں سے بھاگے۔ وہ سمجھ گئے کہ مسلمان متبیینوں سے پتھر پھینک رہے ہیں۔ وہ قلعے کی دیوار پر گئے مگر شام اندھیری ہو چکی تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

یہ نور الدین زنگی کی تیار کرائی ہوئی ایک متبیین تھی جسے تجرباتی طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ ضرورت کے عین مطابق دور مار تھی مگر اسے بھلا بہت مشکل تھا۔ ایک لمبے ٹن کے وسط میں مضبوط رستے باندھے گئے تھے جنہیں گھوڑوں کے زور سے کھینچ کر خم دیا جاتا، اور خم کی جگہ پتھر رکھا جاتا تھا۔ انتہائی نرم ہیں لے جا کر رستہ تواروں سے کاٹ دیا جاتا تھا۔ اس طریقے سے نقصان یہ ہوتا تھا کہ رستہ کٹ جاتا اور اسے گانٹھ دے کر دوبارہ استعمال کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ دوسری تکلیف یہ ہوتی تھی کہ جب آٹھ گھوڑوں کا کھپا تنا ہوا رستہ کٹتا تو گھوڑے دور آگے کو اس طرح چلے جاتے تھے جیسے کسی بے پناہ قوت نے دھکا دیا ہو۔ دو تین بار یوں ہوا کہ دو گھوڑے آگے جا کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور پچھلے گھوڑے ان کے اوپر گرے۔ دوسرا ایسے زخمی ہوئے کہ محاذ کے قابل نہ رہے۔ زنگی نے پھر بھی آدھی رات کے بعد تک یہ عمل جاری رکھا جس سے یہ نقصان ہوا کہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹر کی دو چھتیں گر پڑیں اور چند ایک کمروں کی دیواروں میں لمبے چوڑے شکات پڑ گئے۔ یہ نقصان کچھ زیادہ تو نہیں تھا لیکن صلیبیوں کی حوصلہ شکنی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ چند ایک دیواروں کے شکافوں نے ہیڈ کوارٹر کے مافوق اور دیگر محلے کو وہاں سے بھگا دیا تھا اور صبح تک اُس دور کی پہلی بمباری کی وشت ناک خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

مگر آدھی رات کے بعد نور الدین زنگی کی پہلی دور مار متبیین بیکار ہو گئی تھی۔ پتھر پھینکنے والا حصہ جسے خم دیا

جانا تھا زیادہ استعمال سے یا دیوار زور دینے سے ٹوٹ گیا۔ آخری پتھر قلعے کے اندر جانے کی بجائے دیوار کے باہر لگا۔ زنگی نے اگلا پتھر پھینکنے سے روک دیا۔ تاہم یہ تجربہ ناکام نہیں تھا۔ کاریگروں میں دھماکے کا شور مچا رہا تھا۔ انہوں نے بنیادی اصول دیکھ لیا تھا۔ اس اصول پر انہیں کامیاب دھماکے متعلق تیار کرنی تھی۔ انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ رستے کاٹنے بغیر پتھر قلعے اور اگر رستے کاٹنے ہی پڑیں تو گھوڑے اس سے پہلے تھے ہوئے رسول سے آزاد کر دیئے جایا کر یہ نور الدین زنگی نے انہیں کہا کہ وہ جو کچھ بھی کریں وقت مناسب سمجھیں کریں۔ دن رات سوچیں اور کام کریں۔ انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے تیر و کمان بنانے والے کاریگروں سے کہا کہ وہ دور مار کمانیں تیار کریں۔ اُس نے اپنے کمانڈر ول سے کہا کہ اپنے دستوں میں سے غیر معمولی طور پر طاقتور سپاہی الگ کر لیں جو بڑی کمانوں سے تیر پھینک سکیں۔

۴۱

سعدیہ کے گاؤں کے باہر جہاں وہ کمریاں چلاتی اور محمود بن احمد سے ملا کرتی تھی ایک ایسی دنیا آباد ہو گئی جس کی رونق وہاں کے لوگوں کے لیے دوسرے زمین کی نہیں آسمان سے اتری ہوئی معلوم ہوتی تھی بہت دیر گزری سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات تاریک تھی۔ لوگوں کو ٹیلوں کے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن انہیں ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا۔ کسی کو کسی ٹیلے کے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لوگوں کو وہاں بٹھا دیا گیا تھا۔ کسی کو کسی کو اسٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کوئی حکم نہیں دیا جا رہا تھا بلکہ اُس سے ڈرا جا رہا تھا۔ اُس سے کوئی کسی کی ذرا سی بھی حرکت سے ناراض ہو گیا تو سب پر مصیبت نازل ہو گئی۔ لوگ دم بخود بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے کچھ دور بڑی خوبصورت دریاں اور ان پر دو تالین کچھ ہوئے تھے جیسے لمبے لمبے پودے لٹکے ہوئے تھے جن پر تارے سے چمکتے تھے۔ یہ چمک اُن مشعلوں اور آئندہ یوں سے پیدا ہوتی تھی جو ایک خاص ترکیب سے رکھی مل رہی تھیں۔ پردوں کے نیچے عمودی ٹیلا تھا جس کے دامن میں اجنبی لوگ غار کھود رہے تھے۔ اس ٹیلے کے نیچے کچھ جگہ ہوا تھی۔ وہاں رنگارنگ شیشے نصب تھے۔

تماشا یوں پر ایسا رعب طاری تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ یہ رات اُس سے اگلی تھی جس رات سعدیہ اغوا ہوئی تھی۔ سامنے لٹکے ہوئے پردے آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ تارے آسمان کے تاروں کی طرح ٹٹھانے لگے اور ایسے سازوں کا ترنم سنائی دینے لگا جن کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ یہ ایک گونج سی تھی جس میں طمائی سا تاثر تھا۔ مگر کی خاموش رات میں یہ تاثر روحوں تک اترا محسوس ہوتا تھا۔ یہ احساس بھی ہوتا تھا جیسے اس ترنم کی لہریں لوگوں کے اوپر سے گزر رہی ہوں جنہیں وہ دیکھ سکیں گے، جیسے بھی سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بار بار اوپر اور ادھر ادھر دیکھتے تھے لیکن انہیں نظر کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ سازوں کے ترنم میں ایک اور گونج شامل ہو گئی۔ مات پتہ چلتا تھا کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی نغمہ گنگنا رہے ہیں۔ اس میں لوگوں کی آواز بھی تھی۔ اس کے ساتھ جب ٹیلے کے سامنے اتنے لمبے لمبے پردے ہلتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے رات، فضا اور ماحول پر وحید طاری ہو گیا ہو۔

لوگ پوری طرح مسحور ہو گئے تو کہیں سے گونج دار آواز اٹھی۔ "وہ آگیا ہے جسے خدا نے آسمان سے اتار لیا ہے۔ اپنے دل اور دماغ خیالوں سے خالی کر دو۔ وہ تمہارے دلوں اور دماغوں میں خدا کی جتنی باتیں اتارے گا۔ پر دلوں میں جنبش ہوئی۔ پردوں میں سے ایک انسان نمودار ہوا۔ وہ تھا تو انسان ہی لیکن اس مترنم اور مرعوب ماحول میں اور ان روشنیوں میں وہ کسی بلند و بالا جہان کی مخلوق لگتا تھا۔ اُس کے سر کے بال ہلکے ریشمی اور لمبے تھے جو اُس کے شانوں پر پڑتے تھے۔ بالوں میں چمک تھی۔ چہرہ بھرا بھرا اور سرخ و سپید و دھبھی سلجھے سے تراشی ہوئی تھی۔ یہ بھی بھورے رنگ کی تھی۔ جسم گٹھا ہوا اور اس پر سبز چغہ تھا۔ چغے پر پردوں کی طرح ستارے تھے جو روشنیوں میں چمکتے تھے۔ ایسی ہی چمک اُس کی آنکھوں میں تھی۔ اُس کے سہارا میں ایسا تاثر تھا جس نے لوگوں کو مبہوت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سازوں کا گونجنا ترنم اور بہت سی آوازوں کے گنگنانے کی گونج، مگر جس نے لوگوں کو دم بخود کیا تھا وہ اُن کہانیوں کا اثر تھا جو وہ کسی سے سُن رہے تھے۔ ان معجزاتی کہانیوں کی سنسنی خیزی نے ان کی سوچوں پر غلبہ پارکھا تھا۔ اُس رات اُسے اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے پہلے تو سر جھکائے پھر ہاتھ اس طرح پیٹ پر باندھ لیے جس طرح نمازیں باندھ جاتے ہیں۔

اُس نے پردوں کے سامنے کھڑے ہو کر بازو اوپر کو پھیلائے اور کہا۔ "تم پر اس خدا کی رحمت نازل ہو جس نے تمہیں دنیا میں اتارا، جس نے تمہیں آنکھیں دیں کہ دیکھ سکو، جس نے تمہیں کان دیئے کہ سن سکو، جس نے تمہیں دماغ دیا کہ سوچ سکو، جس نے تمہیں زبان دی کہ بول سکو مگر تم ہی بھی انسانوں نے جن کی آنکھیں تمہاری طرح ہیں، زبانیں تمہاری طرح ہیں تمہیں غلام بنا کر خدا کی نعمتوں سے اور دنیا کی آسائشوں سے محروم کر دیا ہے۔ اب تمہارا یہ حال ہے کہ تمہاری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں مگر تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارے کان سُن سکتے ہیں مگر یہ سچ بات نہیں سنتے۔ تمہارا دماغ سوچ سکتا ہے مگر اس میں دہم اور جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں، تمہاری زبانیں بول سکتی ہیں مگر ان کے خلاف ایک کلمہ نہیں کہہ سکتیں جنہوں نے تمہیں غلام بنا لیا ہے۔ انہوں نے تمہیں تمہارے گھوڑے اور اونٹوں کو اور تمہارے جوان بیٹوں کو خرید لیا ہے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو اس طرح لٹاتے ہیں جس طرح کتوں کو لویا جاتا ہے۔ وہ تمہارے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیردوں اور بھجیوں سے چھلنی کر دے مروتے ہیں۔ تمہارے بیٹوں کو مروا کر ریگستانوں میں پھینک دیتے ہیں جہاں انہیں مُردے کھانے والے پرندے اور درندے کھا جاتے ہیں۔۔۔ میں وہ آنکھ ہوں جو آنے والے وقت کو دیکھ سکتی ہے، اور دیکھ سکتی ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے۔ میں وہ کان ہوں جو خدا کی آواز سُن سکتا ہے۔ میں وہ دماغ ہوں جو بنی نوع انسان کی بھلائی کی سوچتا ہے اور میں وہ زبان ہوں جو خدا کا پیغام سنا سکتی ہے۔ میں خدا کی زبان ہوں۔"

"کیا تو لافانی بھی ہے جسے موت نہیں آئے گی؟" مجھے میں سے ایک آواز اٹھی۔ لوگ دم بخود ہو گئے۔ بعض ڈر بھی گئے کہ اس شخص نے اس مقدس انسان کی بات کاٹ کر اُس معیبت کو آواز دی ہے جو گاؤں پر نازل ہوگی۔

"تم آنالو۔" اُس نے کہا۔ "میرے سینے میں تیرا رو۔"

اُس کی آواز میں اور انداز میں جادو کا اثر تھا۔ اس نے پھر کہا۔ "یہاں کوئی تیرا انداز ہے تو میرے سینے پر

تیرا انداز ہے۔" ہجوم پر سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ اُس نے غصیلی اور بلند آواز سے کہا۔ "میں حکم دیتا ہوں کہ یہاں جس کسی کے پاس تیرا مکان ہے وہ سامنے آجائے۔"

چار تیرا انداز جو سعدیہ کے گانوں کے رہنے والے نہیں تھے اُمتا اُمتا آگے آئے۔ وہ ڈر سے پہلے ہوئے تھے۔ "اُس نے کہا۔" تیس قدم گن کر چاروں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔" انہوں نے تیس قدم گنے اور اُس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

"کمانوں میں تیرا ڈالو۔"

چاروں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔

"میرے دل کا نشانہ لے لو۔"

انہوں نے کمانیں سیدھی کر کے نشانہ لے لیا۔

"یہ سوچے بغیر کہ میں مر جاؤں گا پوری طاقت سے کمانیں کھینچو اور تیرا انداز۔"

انہوں نے کمانیں جھکالیں۔ انہوں نے یہی سوچا تھا کہ وہ مر جائے گا۔

"میرے دل کا نشانہ لے کر تیرا پلاؤ۔" اُس نے گرج کر کہا۔ "درز جہاں کھڑے ہو وہیں شعلے بن کر

بھسم ہو جاؤ گے۔"

تیرا اندازوں نے اپنی موت کے ڈر سے فوراً کمانیں اوپر کر لیں اور اُس کے دل کا نشانہ لیا۔ دیکھنے والا ہجوم اس طرح ماموش تھا جیسے وہاں کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ سازوں کا ترنم اس سکوت میں کچھ زیادہ ہی سحر آگیا اور پُرسوز ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے انسانوں کی مترنم گونج پھر ابھری جو لفظ نہیں آتے تھے۔ اس سحر آگیاں موسیقیت میں چار کمانوں کی "پنگ، پنگ" کی آوازیں بڑی صاف سنائی دیں۔ چار تیر اُس مقدس انسان کے دل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ وہ کھڑا رہا۔ اُس کے بازو اوپر اور کچھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"چار خنجر دل والے آگے آجائیں۔" اُس نے کہا۔ "تیرا انداز چلے جائیں۔"

تیرا انداز حیران و پریشان چلے گئے اور چار آدمی ایک طرف سے سامنے آئے۔ اس حکم پر کہ خنجر ہاتھ میں لے لو اور مجھ سے پندرہ قدم گن کر میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ اُس سے پندرہ قدم دور جا کھڑے ہوئے۔ اُس نے پوچھا۔ "تم نشانے پر خنجر پھینکنا جانتے ہو؟" چاروں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ "چاروں اکٹھے میرے سینے میں خنجر مارو۔"

چاروں نے پوری طاقت سے خنجر اُس پر پھینکے۔ چاروں خنجر اس کے سینے میں لگے اور وہیں رہے۔ خنجر دل کی دوکیں اُس کے سینے میں اُتری ہوئی تھیں اور وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ہجوم سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "آفریں۔۔۔ اس کے قبضے میں موت کے فرشتے ہیں۔"

"کیا اسے جواب مل گیا ہے جس نے پوچھا تھا کہ میں لافانی ہوں؟" اُس نے پوچھا۔

”یکس میں اور کسی مومے کو زندہ نہیں کروں گا۔“ اُس نے کہا۔ ”زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لوگوں کو موت یہ دکھانے کے لیے کہ میں خدا کا الٰہی بن کر آیا ہوں ابھی ابھی خدا سے اجازت لی ہے کہ تم لوگوں کی دیر کے لیے مجھے طاقت دے دے کہ میں مرے ہوئے انسان میں جان ڈال سکوں۔ خدا نے مجھے طاقت دے دی۔“ کیا تم جنگ میں مرے ہوئے سپاہی کو زندہ کر سکتے ہو؟“ مجھے میں سے کسی نے پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”جنگ میں مرنے والوں سے خدا اتنا زیادہ ندامت نہیں دیتی کہ وہی زندگی نہیں دیتا۔ اگلے جہان وہ انہیں دوزخ کی آگ میں پھینک دیتا ہے۔ ہر کسی کو قتل کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اُسے ایک باپ نے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ بھی کسی کا باپ بنے۔ اسی لیے تمہیں کہا گیا ہے کہ چار چار بیویاں رکھو۔ مرد اور عورت کا یہی کام ہے کہ بچے پیدا کریں اور جب بچے بڑے ہو جائیں تو ان سے بچے پیدا کرائیں۔ یہی عبادت ہے۔“

✽

جس وقت وہ معجزے دکھا رہا تھا اُس وقت دو آدمی ٹیلے کے پیچھے اُس جگہ پہنچے ہوئے تھے جہاں رنگ برنگ خیمے نصب تھے۔ کسی خیمے میں سے دو کیوں کی باتیں اور منشی سنائی دے رہی تھی۔ یہ دو آدمی امام اور محمودین احمد تھے۔ محمودین تھا کہ سعدیہ یہیں کہیں ہے۔ محمودین اننی فری ہو جھوٹو نہیں تھی۔ وہ خدا کے اس الٰہی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں تھا۔ امام نے کہا تھا کہ کوئی انسان مرے ہوئے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اُس کے لیے جو بھی نہیں دی تھی کہ یہ پُر اسرار آدمی لوگوں کو کیا کچھ کر کے دکھا رہا ہے۔ اُس نے اس سے یہ غلطی اٹھایا تھا کہ لوگ اُس کی کرامات دیکھنے میں لگن ہیں اس لیے پیچھے جا کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں راز کیا ہے۔ اس کی توجہ صرت سعدیہ پر تھی۔ محمودین سعدیہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ خیموں کی جگہ اندھیرا تھا۔ صرت تین خیموں میں روشنی تھی۔ تینوں کے پردے دونوں طرف سے بند تھے۔ وہاں پہرے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ دو تین مرد کہیں باہر کر رہے تھے۔ یہ خطرہ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی کو نظر آ گئے تو وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ ٹیلے کی دوسری طرف سے ”اُس“ کی آواز سنائی دے رہی تھی اور سازوں کا ترنم بھی سنائی دے رہا تھا لیکن یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ سازندے کہاں ہیں۔

امام اور محمودین نے روشنی والے ایک خیمے کے قریب جا کر دو کیوں کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ ان کی باتوں نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا۔ ایک نسوانی آواز کہہ رہی تھی۔ ”یہاں بھی تماشہ کامیاب رہا ہے۔ ایک لڑکی نے کہا۔“ بڑی ہی جاہل قوم ہے۔“

”مسلمان کو تنہا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اُسے شعیب سے دکھا کر تو ہم پرست بنادو۔“ یہ ایک اور عورت کی آواز تھی۔

”معلوم نہیں وہ کس حال میں ہے؟“

”کون؟“

ایک آدمی جو مہرائی لباس میں تھا، دوڑتا ہوا گیا اور اُس کے قدموں میں سجدہ کر پڑا۔ ”اُس نے مجھ کو اُسے اٹھایا اور کہا۔“ جانتھو یہ خدا کی رحمت ہو۔“

”تو پھر تو مرے میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔“ ایک بوڑھے دیہاتی نے اُسے آگے آکر کہا۔ ”خدا نے مجھے ایک ہی بیٹا دیا تھا وہ جوانی میں مر گیا ہے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ تو مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے میں اپنے بیٹے کی لاش اٹھا کر بہت دُور آ گیا ہوں۔ میرے بچے اپنے پر ہم کر رہے تھے کہ اُسے زندہ کر دے۔“ بوڑھا دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

چار آدمی کفن میں لپیٹی ہوئی ایک لاش آگے لائے۔ لاش درخت کی ٹیر سی ٹیر سیوں کے بنے ہوئے سڑک پر پڑی تھی۔ انہوں نے لاش اُس کے آگے رکھ دی۔ اس نے کہا۔ ”ایک مشعل لو۔ لاش کو اٹھاؤ اور تمام لوگوں کو دکھاؤ۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ پہلے ہی زندہ تھا۔“

لاش سب کے سامنے سے گزاری گئی۔ اُس کے منہ سے کفن ہٹا دیا گیا تھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں مشعل لئے ساتھ ساتھ تھا۔ سب نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ لاش کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں آدمی کھلی ہوئیں اور منہ بھی آدھا کھلا ہوا تھا۔ سب نے لاش دیکھ لی تو اُسے اس مقدس انسان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ موسیقی کی نئے بدل گئی اور پہلے سے زیادہ پُرسوز ہو گئی۔ ”اُس نے بازو آسمان کی طرف کئے اور بلند آواز سے پکارا۔“ ”زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں تیرے بیٹے کا بیٹا ہوں۔ تو نے اپنے بیٹے کو سولی سے اتارا اور مجھے ملیب کا تقدس عطا کیا تھا۔ اگر تیرا بیٹا اور اُس کی ملیب سچی ہے تو مجھے قوت دے کہ میں اس بد نصیب بوڑھے کے بیٹے کو زندہ کر دے۔“

”اُس نے جبکہ کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بڑبڑایا، پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح سکون۔“ اُس نے جبکہ کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بڑبڑایا، پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح سکون۔“ اُس نے جبکہ کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بڑبڑایا، پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح سکون۔“

دونوں ہاتھ پھیرے کہ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کفن پھر پھڑپھڑانے لگا۔ مقدس انسان ہوا میں اُس پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ کفن اور زور سے پھڑپھڑایا۔ بعض لوگ اس قدر ڈر گئے کہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ عورتوں میں سے کسی عورت کی چیخ بھی سنائی دی۔ یہ منظر اس لیے بھی بھانک بن گیا تھا کہ مردے کو زندہ کرنے والے کے سینے میں چاتر اور چار خیر اترے ہوئے تھے۔

کفن میں کچھ اور ہی حرکت ہوئی۔ لاش بیٹھ گئی۔ اُس نے ہاتھ کفن سے باہر نکالے۔ ہاتھوں سے کفن میں سے چہرہ نکال دیا اور آنکھیں مل کر کہا۔ ”کیا میں عالم پاک میں پہنچ گیا ہوں؟“

”نہیں! اُسے زندہ کرتے والے نے ہمارے کراٹھایا اور کہا۔“ ”تم اسی دنیا میں ہو جہاں تم پیدا ہوئے تھے۔ جلا اپنے باپ کے سینے سے لگ جاؤ۔“

باپ نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو بازوؤں میں لے لیا۔ بے تابی سے اُس کا منہ جُوم جُوم کر اُس نے زندہ کرنے والے کے آگے سجدہ کیا۔ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ آپس میں کُسر کُسر کر رہے تھے۔ ان کے سامنے کفن میں لپیٹی ہوئی لاش اپنے پاؤں پہل رہی تھی۔ مردہ زندہ ہو گیا تھا۔ باپ نے اُسے سارے ہجوم کے سامنے سے گزرا تا کہ سب دیکھ لیں کہ وہ زندہ ہو گیا ہے۔

”نئی چڑیا!“ ایک لڑکی نے کہا۔ ”تم سب کو ماننا پڑے گا کہ وہ ہم سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔“
 ”وہ آج دن کو بھی مدتی رہی تھی“ کسی لڑکی نے کہا۔
 ”آج رات اُس کا رونابند ہو جائے گا۔“ ایک لڑکی نے کہا۔ ”اُسے خدا کے بیٹے کے لیے تیار کیا

جار رہا ہے۔“
 لڑکیوں کا تہمتہ سنا کر ایک نے کہا۔ ”خدا بھی کیا یاد کرے گا کہ ہم نے اُسے کیسا بیٹا دیا ہے۔ کمال انسان ہے۔“

اس کے بعد لڑکیوں نے آپس میں فحش باتیں شروع کر دیں۔ امام اور محمود سمجھ گئے کہ نئی چڑیا سعدیہ ہی ہو سکتی ہے۔ انہیں ہر حال یقین ہو گیا کہ یہ سب شہیدہ بازی ہے اور یہ ڈھونگ پس ماندہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے چلایا جا رہا ہے۔ امام نے محمود کے کان میں کہا۔ ”ان لڑکیوں کی باتیں اور شراب کی بونٹا رہی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔ ہم دیے ہی نہیں بھٹک رہے۔“

وہ دونوں بڑے خیمے کے قریب چلے گئے۔ یہ خیمہ ایک ٹیلے کے ساتھ تھا اور یہ ٹیلا تقریباً عمودی تھا۔ ٹیلے اور خیمے کے پچھلے دروازے کے درمیان ایک آدھ گز فاصلہ تھا۔ انہوں نے اس جگہ جا کر دیکھا۔ خیمے کے پورے درمیان سے رستوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک آنکھ سے اندر جھانکنے کی جگہ تھی۔ یہاں نے جھانکا تو ان کے شکوک رفع ہو گئے۔ اندر ایک لمبی مسند تھی جس پر خوشنما سند پوش بچھا ہوا تھا۔ فرش پر قالین بچھا تھا اور دو فینیلیں جل رہی تھیں۔ ایک طرف شراب کی مراچی اور پیالے رکھے تھے۔ اندر کی سجاوٹ اور شان و شوکت سے پتہ چلتا تھا کہ اس مشتبہ قافلے کے سردار کا خیمہ ہے۔ سعدیہ کے پاس ایک عورت اور ایک مرد تھا۔ سعدیہ کو دہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔

”آج دن تم روتی رہی ہو۔“ عورت اُسے کہہ رہی تھی۔ ”تھوڑی دیر بعد تم ہنسو گی اور اپنے آپ کو پہچان بھی نہیں سکو گی۔ تم خوش نصیب ہو کہ اُس نے جو خدا کی طرف سے زمین پر اترا ہے تمہیں پسند کیا ہے۔ وہ صرف تمہارے لیے یہاں آیا ہے۔ اُس نے تمہیں بیس روز کی مسافت تھنی دُور سے غیب کی آنکھ سے دیکھا تھا۔ تمہارے گاؤں میں اُسے خدا لایا ہے۔ اگر یہ نہ آتا تو تم کسی محرابی گڈریے کے ساتھ بیاہ دی جاتیں یا تمہیں بروہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا۔“

سعدیہ پر ان باتوں کا جادو سوار ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سُن رہی تھی۔ محمود جوش میں آچلا تھا۔ امام نے اُسے روک لیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سعدیہ کو کس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیلے کی دوسری طرف سے کسی نے اعلان کیا۔ ”وہ جو خدا کا بھیجا ہوا یہ خیمہ ہے اور جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگی اور موت ہے اور جس کی آنکھ غیب کے بھیید دیکھ سکتی ہے۔ تاہم رات میں آسمان پر جا رہا ہے، جس کے ستارے خدا کی آنکھ کی طرح روشن ہیں۔ تم میں سے کوئی آدمی اُس طرف نہ دیکھے جہاں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ٹیلوں کے اوپر کوئی نہ جائے۔ جس کسی نے اُس طرف جانے یا دیکھنے کی کوشش کی وہ ہمیشہ

کے لیے اندھا ہو جائے گا۔ کل رات وہ تم سب کی مرادیں سنے گا۔“

امام اور محمود وہیں کھڑے رہے۔ خیمے کے اندر جو مرد دعوت تھے انہوں نے سعدیہ کو ایک بار پھر نصیحت کی کہ وہ آ رہا ہے، اُس کے سامنے کوئی بدتمیزی نہ کرنا۔۔۔۔ وہ آگیا۔ وہ سامنے کی طرف سے خیمے میں داخل ہوا۔ امام اور محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر آئے ہوئے تھے۔ سعدیہ نے تیر اور خنجر دیکھے تو اُس نے خون سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیچہ۔ اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مقدس انسان سکرایا اور بولا۔ ”ڈرمت لڑکی! یہ مجھ سے خدا نے دیا ہے کہ میں تیروں اور خنجروں سے مر نہیں سکتا۔“ وہ سعدیہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

”میں نے یہ شہیدہ ایک بار قہر میں دیکھا تھا۔“ امام نے محمود کے کان میں کہا۔ ”تم بھی ڈر نہ مانا۔ میں جانتا ہوں تیر اور خنجر کہاں بچنے ہوئے ہیں۔“

”وہ“ اٹھا اور خیمے کا پردہ رستوں سے باندھ دیا۔ ادھر محمود اور امام نے اپنی طرف سے خیمے کا پردہ کھول دیا۔ انہوں نے نتائج کی پروا نہ کی۔ دس بے پاؤں اندر گئے۔ جو تہی وہ شخص جیسے مڑا وہ امام اور محمود کے شکبے میں آچکا تھا۔ محمود نے وہی آواز میں سعدیہ سے کہا۔ ”جس پر تم بیٹھی ہو اس کا کپڑا اس کے اوپر ڈال دو۔“ سعدیہ تو جیسے سُن ہو گئی تھی۔ اُس نے سند پوش اتار کر اُس آدمی پر ڈال دیا۔ اس کا جسم طاقتور نظر آتا تھا مگر امام اور محمود نے اُسے بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ پھر اُس کے اوپر کپڑا ڈال کر باندھ دیا گیا۔ تندیسیں بچھا دی گئیں۔ امام کے کہنے پر پہلے سعدیہ باہر نکلی۔ اپنے تئیدی کو محمود نے اپنے کندھوں پر بٹھک لیا۔ امام ہاتھ میں خنجر لیے آگے آگے چلا۔ وہ سب جس طرف سے خیمے میں داخل ہوئے تھے اسی طرف سے باہر نکل گئے۔ پکڑے جانے کا خطرہ ہر قدم پر تھا، لیکن انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو انہیں فوراً خطرے سے باہر لے گیا۔ اندھیرے نے اُن کی بہت مدد کی۔

☆

انہیں دُور کا پیکر کاٹ کر گاؤں میں داخل ہونا پڑا۔ وہ مسجد میں چلے گئے۔ حجرے میں لے جا کر اس شہیدہ باز کو کھولا گیا۔ ابھی تک تیر اور خنجر اس کے سینے میں اترے ہوئے تھے۔ اسے اٹھانے کی وجہ سے وہ میسرے ہو گئے تھے۔ سعدیہ کو بھی انہوں نے حجرے میں ہی رکھا کیونکہ خطرہ تھا کہ لڑکی کی گشدگی کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ اس کے باپ پر حملہ کریں گے۔ دراصل حملہ کرنے والے اب یہ دیکھنے کی حالت میں بھی نہیں تھے کہ اُن کے ”خدا“ کا بیٹا کہاں ہے۔ وہ کامیاب جشن منا کر شراب اور بدکاری میں بدمست ہو گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کا آقا بمع نئی چڑیا کے اغوا بھی ہو سکتا ہے۔

امام اور محمود نے اُسے چنچہ اتارنے کو کہا۔ اُس نے پہلے تیر اور خنجر کھینچ کر نکالے۔ چنچہ اتار پھر اُس سے اندر والے کپڑے بھی اُتروائے گئے۔ ان کپڑوں میں کارک کی طرح نرم لکڑی جھپی ہوئی تھی جس پر چمچہ لگا ہوا تھا۔ یہ لکڑی کچھ دوہری ہو جاتی تھی اور اتنی لمبی چوڑی تھی جس سے اس کا سینہ ٹھک جاتا تھا تیر اور خنجر

اس میں اُسے ہوتے تھے۔ اُس نے امام اور محمود سے کہا۔ ”اپنی قیمت بتاؤ۔ سونے کی صورت میں گھوڑوں اور اونٹوں کی صورت میں، ابھی ادا کروں گا، مجھے ابھی آزاد کرو۔“

”تم اب آزاد نہیں ہو سکو گے۔“ امام نے کہا۔ ”ہم بھی لوگوں کی طرح تمہارے انتظار میں بیٹھے تھے۔“

امام نے محمود سے کہا۔ ”تمہیں معلوم ہوگا کہ قریبی چوکی کہاں ہے۔ وہاں کے پورے دستے کو ساتھ لے آؤ۔“

اُس نے چوکی کا نام لے کر بتایا اور وہ خفیہ الفاظ بھی بتائے جن سے امام سر غصاں اور جاسوس کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ اپنے دو جاسوسوں کے نام اور ٹھکانہ بتا کر محمود سے کہا۔ ”انہیں میرے پاس بھیجے جانا۔“

محمود نے امام کے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر نکل گیا۔ اسے امام کے دونوں جاسوس مل گئے۔ انہیں مسجد میں ملنے کو کہہ کر وہ چوکی کی سمت روانہ ہو گیا۔ گاؤں سے کچھ دور جا کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت تھی، مگر وہ شش در پنج میں مبتلا تھا۔ وہ اس چوکی کے کمانڈر کو جانتا تھا۔ وہ لاہور آدمی تھا۔ میلیبیوں اور سوڈانیوں نے اُسے رشوت دے دے کر اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ محمود نے قاہرہ کو اس کی رپورٹ بھیج رکھی تھی مگر ابھی تک اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ محمود کو یہی نظر آیا تھا کہ وہ اپنے دستے کو اُس کے ساتھ نہیں بھیجے گا یا وقت مٹانے کرے گا تاکہ دشمن نکل جائے۔ محمود سوچ رہا تھا کہ اگر چوکی سے اُسے دستہ نہ ملا تو وہ کیا کرے گا۔ صبح سے پہلے دستے کو گاؤں میں پہنچنا ضروری تھا۔ دستہ نہ ملنے کی صورت میں امام اور ان کے جاسوسوں کی جانیں خطرے میں آسکتی تھیں کیونکہ اس شعبہ باز کے ساتھ بہت سارے آدمی تھے۔ اس کے مریدوں کا ہجوم بھی اُسی کا حامی تھا۔

امام کے پاس خیر تھا۔ اُس کے جاسوس بھی اُس کے پاس آگئے تھے۔ وہ بھی خبروں سے مستحق تھے۔ انہوں نے شعبہ باز کو گرفتار کر رکھا۔ وہ رہائی کی اتنی زیادہ قیمت پیش کر رہا تھا جو امام اور اس کے جاسوس خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ امام نے اُسے کہا۔ ”میں مسجد میں بیٹھا ہوں۔ یہ اسی خدا کا گھر ہے جس نے تمہیں سچا دین دے کر زمین پر اتارا ہے۔ کیا یہ ہے تمہارا سچا دین؟.... دیکھو دوست! میں قاہرہ کی حکومت کا اہلکار ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا اور میں ایمان بھی نہیں بیچ سکتا۔“

محمود بن احمد چوکی کے خیموں میں داخل ہوا تو کمانڈر کے خیمے میں اُس نے روشنی دیکھی۔ گھوڑے کے قدموں کی آواز سن کر کمانڈر باہر آ گیا۔ محمود نے اپنا تعارف کرایا اور کمانڈر کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ محمود کے لیے یہ کمانڈر اجنبی تھا۔ اُسے کمانڈر نے بتایا کہ گزشتہ شام پرانے دستے کو یہاں سے بھیج دیا گیا ہے اور یہ دستہ نیا آیا ہے۔ یہ تبدیلی صلاح الدین ایوبی کے حکم سے کی گئی تھی۔ تمام پرانے سرحدی دستوں کو وہاں سے ہٹا کر اُس فوج کے دستے بھیج دیئے گئے تھے جو سلطان ایوبی کے ساتھ محاذ سے آئی تھی۔ محمود نے کمانڈر کو تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے بہت بڑا لشکار پکڑا ہے اور اس کے تمام گروہ کو پکڑنے کے لیے چوکی کے پورے دستے کی فوری طور پر ضرورت ہے تاکہ ان لوگوں کو رات ہی رات میں گھیرے میں لے لیا جائے۔

کمانڈر نے فوراً پورے دستے کو جس کی تعداد سچا س سے زیادہ تھی گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ اُن کے پاس برچیاں اور تلواریں تھیں اور ان میں تیرا انداز بھی تھے۔ آٹھ دس سپاہیوں کو چوکی پر چھوڑ دیا گیا۔ یہ دستہ کرک کے محاصرے سے آیا تھا۔ جذبہ فائز تھا۔ کمانڈر نے سر پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ محمود راہنمائی کر رہا تھا منزل کے قریب جا کر گھوڑوں کی رفتار سست کر دی گئی تاکہ خبروں کو خبر نہ ہونے پائے۔ ہجوم خبر ہونے کی حالت میں نہیں تھے۔ فخر اور مزین نے انہیں بے ہوش کر رکھا تھا۔ کمانڈر نے محمود کی راہنمائی میں گھیرا کھل کر لیا اور کافرانی صبح تک ملتوی رکھی۔ محمود نے امام کو اطلاع دے دی کہ دستہ آگیا ہے۔ سعدیہ ابھی امام کے حجرے میں ہی تھی۔ امام نے ایک جاسوس بھیج کر سعدیہ کے باپ کو بھی بلا لیا۔

۳۶

جو معتقد، مرید اور زائرین بڑی دُور دُور سے اُس کی زیارت کو آتے تھے وہ رات کے مجھے دیکھ کر کھلے آسمان تلے سو گئے تھے۔ اُن کے مقدس انسان نے انہیں کہا تھا کہ اگلی رات وہ ان کی مرادیں سنے گا۔ یہ ہجوم صبح اُس وقت ہلکا اٹھا جب ابالا ابھی دُھندلا تھا۔ اس دُھندلے میں انہیں بہت سے گھوڑے نظر آئے۔ اُن پر سوار ہوتے وہ فوجی لگتے تھے۔ لوگ کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جو مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے وہ مسجد کے حجرے میں ہاتھ پاؤں بندھے بیٹھا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے سپتہ خلا کی گرفت میں آچکا تھا۔ دستے کا کمانڈر دمشق کا رہنے والا رُشد بن مسلم جس کا عہدہ مولی تھا لیکن سرحد پر آکر اُس نے اپنے دستے سے کہا تھا۔ ”ساری سلطنت مرث تمہارے مجھ سے پرسوتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ اگر وہ تمہیں نظر نہیں آتا تو اُسے میری آنکھوں میں دیکھ لو۔ ہم سب سلطان صلاح الدین ایوبی ہیں۔ اگر کسی نے یہاں پرانے دستے کے آدمیوں کی طرح ایمان فروخت کیا تو میں اُس کے پاؤں باندھ کر گتیل میں زندہ پھینک دوں گا۔ میں اس سزا کا حکم قاہرہ سے نہیں مل گیا میں خدا سے حکم لیا کرتا ہوں۔“

رُشد بن مسلم نے صبح کے وقت دیکھا کہ خیموں کے اندر کوئی حرکت نہیں تھی۔ اندر والے اتنی جلدی اٹھنے والے نہیں تھے۔ رُشد نے لوگوں سے کہا کہ وہ دُور تیچھے ہٹ جائیں اور وہیں موجود رہیں۔ انہیں مقدس انسان قریب سے دکھایا جائے گا۔ لوگوں کو دُور ہٹا کر رُشد نے تین چار سوار مختلف ٹیلوں کے اوپر کھڑے کر دیئے تاکہ خبر ملوں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ باقی سواروں کو اُس نے گھوڑوں سے اتار کر پاروں طرف سے پیدل اندر جانے کو کہا اور حکم دیا کہ کوئی مزاحمت کرے تو اُسے فوراً ہلاک کر دو۔ کوئی بھاگے تو اُسے تیرا دو.... وہاں بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رُشد نگلی تلوار ہاتھ میں لیے پہلے خیمے میں داخل ہوا تو اندر سے ایک نیم برہنہ لڑکی اور دو آدمی گہری خیمہ سوتے ہوئے نظر آئے۔ اُس نے تلوار کی نوک چھو کر زمین کو جگایا۔ بھاگنے کی بجائے انہوں نے جگانے والے کو گالیاں دیں اور کروٹ بدل کر سوتے رہے۔ تلوار کی نوک اب کے اُن کی کھال میں اتر گئی۔ تینوں ہڑبڑا کر اٹھے۔ انہیں باہر نکال دیا گیا۔ دوسرے خیموں میں بھی جو لڑکیاں اور مرد لے وہ اسی حالت میں تھے۔ خیموں میں بے شمار سلمان تھا۔ ایک خیمے میں بہت سے ساز پڑے تھے۔

کہ یہ تمام مجھے میں گھلاؤ۔ امام نے لوگوں سے کہا کہ تیرا اور خیر اس کو دی میں گئے ہیں۔ تمام لوگوں نے عہدہ
دیکھ لیا تو انہیں آگے بلا کر کہا گیا کہ ہر ملک گھومو اور ہر ایک چیز دیکھو۔ لوگ دوڑتے ہوئے ہر ملک پھیل گئے۔
پروہوں کے پیچھے ایک غار بنایا گیا تھا۔ وہاں رات کو سازندہ سے بیٹھ کر ساز سمجھاتے تھے۔۔۔۔۔ لوگ شہروں
میں گئے تو وہاں شراب کی بوتلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ ہر ملک گھوم پھر چکے تو انہیں ایک جگہ بٹھا کر بتایا گیا کہ یہ سب
ڈھونگ کیا تھا۔ امام نے معلوم کر لیا تھا کہ جسے اُس نے رات کو زندہ کیا تھا وہ کون ہے وہ اسی کے گروہ کا ایک آدمی
تھا جو رستوں میں بندھا ہوا قیدیوں میں بیٹھا تھا۔ اُسے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ ایک اور آدمی لوگوں کو
دکھایا گیا، جو رات کو بوڑھے کا ہر وہ چہرہ دکھا کر اس آدمی کا باپ بنا تھا۔ چار تیرا انداز بھی سامنے آگئے جنہوں
نے رات تیرا ملائے تھے۔ وہ بھی اسی گروہ کے آدمی تھے۔ غرض تمام تیرا ڈھونگ لوگوں کو دکھایا گیا۔

”اسلام کے بیٹے! غور سے سنو۔“ امام نے لوگوں سے کہا۔ ”یہ سب صلیب کے بھاری ہیں اور تیرا اہلین
خراب کرنے آئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ کوئی انسان کسی انسان کو زندہ نہیں کر سکتا۔ خود خدا کسی مرے ہوئے کو زندہ
نہیں کرتا کیونکہ خدا نے ذوالجلال اپنے بنائے ہوئے قاتل کا پابند ہے۔ اس کی ذات واحدہ لاشریک ہے۔
اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہ صلیبی اسلام کی آواز کو دبانے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ باطل
کے بھاری تمہارے ایمان اور جذبے سے اور تمہاری تلوار سے ڈرتے ہیں۔ تمہارا مقابلہ میدان میں نہیں کر سکتے، اس
لیے یہ دکنش طریقے اختیار کر کے تمہارے دلوں میں دھم اور دوسوے ڈال رہے ہیں تاکہ تم اسلام کے تحفظ کے
لیے صلیب کے تلوار اٹھا۔ اسی مصر میں فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خدائی
کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا۔ اپنی عظمت کو پہچانو میرے دوستو! اپنے دشمن کو بھی اسی طرح پہچان لو۔“

لوگ جو سب کے سب مسلمان تھے مشتعل ہو گئے۔ وہ چونکہ پامانہ اور علم سے بے بہرہ تھے اس لیے
انتہا پسند تھے۔ انہوں نے گناہگار انسان کی شعبہ بازی دیکھ کر اُسے ”خدا کا بیٹا“ تسلیم کر لیا اور جب اس کے
خلاف باتیں سنیں تو ایسے مشتعل ہوئے کہ غصے و غضب سے غرے لگاتے اُس آدمی پر اور اس کے گروہ پر ٹوٹ
پڑے۔ امام ان مجرموں کو زندہ قاتل ہر لے جانا چاہتا تھا لیکن اتنے بڑے ہجوم سے انہیں زندہ نکالنا ناممکن ہو
گیا۔ رُشد نے تشدد سے ہجوم پر قابو پانے کا مشورہ دیا جو امام نے تسلیم نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری تلواروں
سے یہ سیدھے سادے مسلمان کٹ جائیں گے۔ انہیں اپنے ہاتھوں ان لوگوں کو ہلاک کرنے وقتا کہ انہیں یقین
ہو جائے کہ جس نے خدا کا ایلمی اور بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک گناہگار انسان ہے جسے کوئی بھی انسان
قتل کر سکتا ہے۔

امام، رُشد بن مسلم اور محمود ایک طرف ہٹ گئے۔ رُشد نے ایک ٹیلے پر جا کر اپنے سپاہیوں کو ملکارا
اور کہا۔ ”تم جہاں ہو وہیں رہو۔ ان لوگوں کو موت دو کو۔“

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں امام، محمود، رُشد بن مسلم اور اُس کے دستے کے سپاہی رہ گئے۔ تمام ہجوم
غائب ہو چکا تھا۔ رات جہاں شعبہ سے دکھائے گئے تھے وہاں شعبہ باز اور اُس کے گروہ کی لاشیں پڑی

سب کو باہر لے جا کر ان پر پھر کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے اونٹوں اور تمام تر سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ امام رُشد
بن مسلم کے ساتھ تھا۔ وہ اُس آدمی کو اپنے حجرے میں سے لے آیا جو اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کا بیٹا کہتا تھا۔ اس
کے ہاتھ پیٹھے پیچھے بندھے تھے۔ اُسے اسی جگہ کھڑا کیا گیا جہاں رات اُس نے معجزے دکھائے تھے۔ پیچھے
پروہے گئے ہوئے تھے۔ اُس کے گروہ کو اُس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ ان سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے
تھے۔ وہ سازان کے قریب رکھ دیئے گئے جو ایک نیچے سے برآمد ہوئے تھے۔ امام نے لوگوں کو آگے آنے کو
کہا۔ ہجوم آگے آیا تو امام نے کہا۔ ”اسے کہو کہ یہ خدا کا ایلمی ہے یا اس کا بیٹا ہے تو اپنے ہاتھ رستوں سے آزاد
کرے۔ یہ مرے ہوئے کو زندہ کرتا ہے۔ میں اس کے گروہ کے ایک آدمی کو ہلاک کر دوں گا۔ تم اسے کہو کہ اُسے
میرے ہاتھ سے چھڑا لے یا وہ مر جائے تو اُسے زندہ کر دے۔“ امام نے اس کے گروہ کے ایک آدمی کو اٹھایا اور
رُشد کی تلوار سے کراس کی طرف بڑھا تو وہ آدمی پٹلا اٹھا۔ ”مجھے بخش دو۔ یہ آدمی مجھے زندہ نہیں کر سکے گا۔ یہ بہت
بڑا پاپی ہے۔ خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرنا۔“

لوگوں نے یہ تماشا دیکھا گرائن کے دم ابھی دُور نہیں ہوئے تھے۔ امام اس آدمی کا چُڑا کر کپڑے بھی ساتھ
لے آیا تھا۔ نرم کڑی بھی ساتھ تھی۔ امام نے یہ کپڑے پہن لیے۔ کسی کو دکھائے بغیر کڑی اندر رکھ لی۔ اور پھر چُڑا پہن لیا۔
اس نے رُشد سے کہا کہ اپنے چار تیرا انداز میرے سامنے لاؤ۔ تیرا انداز آئے تو اُس نے انہیں کہا۔ ”تیس قدم دُور
کھڑے ہو کر میرے دل کا نشانہ لو اور تیرا چلاؤ۔“ تیرا اندازوں نے رُشد بن مسلم کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ رات
کو محمود نے رُشد کو تیروں اور خبروں کے سینے میں اترنے کی حقیقت بتادی تھی۔ رُشد نے اپنے تیرا اندازوں کو علم
دیا کہ وہ تیرا چلا دیں۔ انہوں نے نشانہ لے کر تیرا چلا دیئے۔ چاروں تیرا امام کے دل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔
امام نے کہا۔ ”اب آگے آکر میرے سینے پر چار خبر پوری طاقت سے پھینکو۔“ خنجر پھینکے گئے جو امام کے سینے
میں جا کر ایک گئے۔

امام نے تیرا اندازوں سے کہا۔ ”ایک ایک تیرا اور کمانوں میں ڈالو۔“ اُس نے مقدس انسان کو ذرا آگے کیا اور
لوگوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا۔ ”یہ شخص اپنے آپ کو لافانی کہتا ہے۔ میں تمہیں دکھانا ہوں کہ یہ اصل
میں کیا ہے۔“ اُس نے تیرا اندازوں سے کہا۔ ”اس کے دل کا نشانہ لے کر تیرا چلاؤ۔“

جونہی کمانیں اوپر اٹھیں وہ آدمی دوڑ کر امام کے پیچھے ہو گیا۔ وہ موت کے ڈر سے تھر تھرا کانپ رہا
تھا اور بھکاریوں کی طرح جان کی بخشش مانگ رہا تھا۔ امام نے اُسے کہا۔ ”آگے آؤ اور لوگوں کو بتاؤ، کہ تم
صلیبیوں کے جیسے ہوئے تخریب کار ہو اور تم شعبہ باز ہو۔“ امام نے تلوار کی نوک اس کے پیلو سے لگا دی۔
”لوگو! اُس آدمی نے آگے جا کر بلند آواز سے کہا۔ ”میں لافانی نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح انسان
ہوں۔ مجھے صلیبیوں نے جیسا ہے کہ تمہارا ایمان خراب کر دیا۔ اس کی مجھے اجرت ملتی ہے۔“

”اور تمہوں کی بیٹی سعدیہ کو اسی نے اغوا کر لیا تھا۔“ امام نے کہا۔ ”ہم نے لڑکی رہا کر لی ہے۔“
امام نے چُڑا اتارا۔ اندر کے کپڑے اُتارے۔ کڑی الگ کی اور رُشد کے ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا

تھیں۔ لوگوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ کوئی لاش پہچانی نہیں باقی تھیں۔ سب غیر مذہبی تھیں۔ لوگ غیہ، پورے
اور تمام تر سامان لوٹ لے گئے تھے۔ بزمِ گروہ کے اڈے بھی لوگ کھول لے گئے اور رشید کے دستے کے نو
گھوڑے بھی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے سوار پیادے تھے اور گھوڑوں سے دوڑ۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ اپنی فوج
کے گھوڑے ہیں۔ یوں گناہا جیسے آندھی آئی ہے اور سب کو اپنے ساتھ اٹالے گئی ہے۔

”ہمیں اب تباہہ چلنا پڑے گا۔“ امام نے رشید اور محمود سے کہا۔ ”یہ واقعہ حکومت کے سامنے رکھنا۔“

۲۵

ان چند ہی دنوں میں صلاح الدین ایوبی نے جو حکام نافذ کئے اور جو اقدام کیے وہ انقلابی تھے۔ اتنے انقلابی
کہ اس کے قریبی دوست اور مرید بھی چونک اٹھے۔ اُس نے سب سے پہلے اُن انسرول کے گھروں پر چھاپے مرائے
اور تلاشی لی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کی مشتبہ فہرست میں تھے۔ ان میں دو تین مرکزی کمان کے اعلیٰ مام
تھے۔ اُن کے گھروں سے زبرد جواہرات، دولت اور بڑی خوبصورت غیر ملکی لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ بعض کے گھروں میں
ایسے عازم تھے جو سوڈان کے تجربہ کار جاسوس تھے اور بھی کئی ایک ثبوت مل گئے۔ ان سب کو سلطان ایوبی
نے عہدے اور رتبے کا لحاظ کیے بغیر غیر معین مدت کے لیے قید خانے میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ
اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے۔ اس اقدام سے اس کی مرکزی کمان اور مجلس مشاورت کی چند ایک اہم
آسامیاں خالی ہو گئیں۔ اُس نے ذہ بھر پروا نہ کی۔

سلطان ایوبی نے دوسرا حملہ اُس گروہ پر کیا جو اپنے آپ کو مذہب کا ابارہ دار بنا گئے ہوئے تھے۔ سلطان
ایوبی کو شیردوں نے غلوں نیت سے مشورہ دیا کہ مذہب ایک نازک معاملہ ہے۔ لوگ مسجدوں کے اماموں کے
مرید ہیں۔ راستے عام خلاف ہو جائے گی۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔ ”ان میں کتنے ہیں جو مذہب کی بوجھ کو سمجھتے
ہیں؟ لوگ اُن کے مرید مروت اس لیے بن گئے ہیں کہ اُن کی ساری کوششیں اسی پر مرکوز ہیں کہ لوگ اُن کے
مرید بن جائیں۔ میں جانتا ہوں یہ امام اپنی عظمت قائم کرنے کے لیے لوگوں کو اصل مذہب سے بے بہرہ
رکھتے ہیں۔ قوم کی بہترین درسگاہ مسجد ہے۔ مسجد کی چار دیواری میں بٹھا کر کسی کے کان میں ڈالی ہوئی کوئی
بات روح تک اُتر جاتی ہے۔ یہ مسجد کے تقدس کا اثر ہے، مگر یہاں مسجد کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ مسجدوں
میں امام پیر اور رشید بننے جارہے ہیں۔ اگر میں نے مسجدوں میں باطل عالم نہ رکھے تو کچھ عرصے بعد لوگ اماموں،
پیروں اور رشیدوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ یہ بے علم اور بے عمل عالم اپنے آپ کو خدا اور اُس کے بندوں
کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنالیں گے اور اسلام کے زوال کا باعث بنیں گے۔“

سلطان ایوبی نے اپنے ایک مفکر اور باطل عالم زین الدین علی بن سخا الوعظ کو مشورے کے لیے بلایا۔
اس عالم نے اپنا جاسوسی کا ایک ذاتی نظام قائم کر رکھا تھا اور ایک بار اُس نے میلیبیوں کی ایک بڑی ہی خطرناک
سازش بے نقاب کر کے بہت سے آدمی گرفتار کرائے تھے۔ وہ مذہب کو اور مذہب میں جو تخریب کاری ہو
رہی ہے اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر سلطان ایوبی کا حوصلہ بڑھا دیا کہ اگر آج آپ مذہب کو

تخریب کاری سے آزاد نہیں کریں گے تو کل آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ قوم آپ کی دہشتناکی اور حکم
کو قبول کرنے سے پہلے نام نہاد مذہبی مشیخوں سے اجازت لیا کرے گی۔ اس وقت تک مسیحی مسلمانوں کے مذہبی
نظریات میں تو ہم پرستی اور رسم و رواج کی ملاوٹ کر چکے ہیں۔ سلطان ایوبی نے فوری طور پر تحریری حکم نافذ کر دیا
کہ زین الدین علی بن سخا الوعظ کی زیر نگرانی ملک کی تمام مسجدوں کے اماموں کی علمی اور معاشرتی جانچ پڑتال
ہوگی اور نئے امام مقرر کیے جائیں گے۔ نئے اماموں کے تقرر کے لیے سلطان ایوبی نے جو شرائط طے کیں اُن میں ہم
کا عالم ہونے کے علاوہ فوجی یا سابق فوجی یا عسکری تربیت یافتہ ہونا ضروری قرار دے دیا۔ سلطان ایوبی نے
جہاد اور عسکری جذبے کو مذہب اور مسجد سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے ملک میں ایسے تمام کھیل تماشا خانے اور تفریح کے ذرائع اور طریقے جو قرار دے دیے جن میں
جوڑے بازی اور تخریبی سکون کا پہلو تھا تھا۔ اُس کے حکم سے علی بن سفیان کے محلے کے تفریح گاہوں اور اُن
کے زیر زمین حصوں پر چھاپے مارے جہاں سے اٹلی کے معتدلوں کی بنائی ہوئی ننگی تصویریں برآمد ہوئیں۔ بہت
سے لوگ گرفتار کیے گئے جنہیں ملک دشمنی اور دشمن کا آلہ کار بننے کے الزام میں تمام عمر کے لیے تہناتوں میں
ڈال دیا گیا۔ اس کی بجائے سلطان ایوبی نے تیغ زنی، تیر اندازی، گھوڑ سواری، بغیر ہتھیار لڑائی، کشتی چلنے
آزادی کہتے تھے اور ایسے ہی چند ایک کھیلوں کے مقابلوں کا سرکاری انتظام کر دیا۔ پہلے مقابلے میں خود گیا اور قتل
آنے والوں کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے تک انعام میں دیے۔ اُس نے درس گاہوں اور مسجدوں میں تعلیمی مقابلوں
کا اہتمام کیا۔

urdunovelist.blogspot.com

سرحدی دستوں پر اُس نے زیادہ توجہ دی تھی۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ شہروں اور دار الحکومت سے
دور رہنے والے لوگ نظریاتی تخریب کاری کا شکار جلدی ہوتے ہیں اور وہی سب سے پہلے دشمن کے حملے یا
سرحدی جھڑپوں کی زد میں آتے ہیں۔ ان لوگوں کے نظریاتی اور جسمانی تحفظ کے لیے اُس نے خصوصی انتظام کیے
اس نے سرحدوں پر جو دستے بھیجے تھے، اُن کے کمانڈروں کو اُس نے خود ہدایات دیں اور بڑے ہی سخت حکام
دیے تھے۔ یہ تمام کمانڈر جذبے اور ذہانت کے لحاظ سے ساری فوج میں منتخب کئے گئے تھے۔ رشید بن مسلم
انہی میں سے تھا جسے محمود کا اشارہ ملا کہ ایک تخریب کار پکڑا ہے تو وہ پورے کا پورا دستے کے ساتھ دوڑا تھا۔
اگر پڑا کمانڈر ہوتا تو اُس وقت میلیبیوں یا سوڈانیوں کی دی ہوئی شراب میں ہر دست ہوتا اور تخریب کار اپنے
سرغنہ کی دہائی کے لیے گاؤں میں تباہی پھیلانے کا غائب ہو چکے ہوتے۔

اب رشید بن مسلم، محمود بن احمد اور امام جس کا نام یوسف بن آذ تھا اُس کے کمرے میں بیٹھ اس
شعبہ باز کی کہانی سنارہے تھے جسے لوگ قتل کر چکے تھے۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اُس نے تینوں سے
ساری واردات سن لی تھی اور سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی خوش تھا کہ اتنی خطرناک نظریاتی
یلتغار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے، مگر علی بن سفیان نے کہا۔ ”موت یلتغار ختم ہوئی ہے۔ اس کے اثرات
ختم کرنے کے لیے لمبا عرصہ درکار ہے۔ مجھے جو تفصیل معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سرحدی دیہات سے ہمیں

قریب تھا۔ خوش قسمتی سے گولے ٹھکانے پر گئے۔ اندر سے شعلے جواسٹے انہوں نے زنگی کی فوج کا سولہ چار دیا۔ مسلمانوں نے دُور مار تیر و کان بھی تیار کر لیے تھے۔ انہیں استعمال کرنے کے لیے فیروز مولیٰ اور پھانسی سپاہی استعمال کیے جا رہے تھے لیکن آٹھ دس تیر پھینک کر سپاہی بے حال ہو رہا تھا۔ زنگی نے ایک اور دلیرانہ کارروائی کی۔ اُس نے نہایت دلیر سپاہی تھیں۔ یہ اور انہیں حکم دیا کہ قلعے کے دروازے پر ٹوٹ چلیں۔ انہیں دروازہ توڑنے کے موزوں اماندار دیئے گئے۔

ساتھ ہزاروں کا یہ دستہ دروازے کی طرف دوڑا تو اوپر سے صلیبیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ کئی ہانہ ہار شہید اور زخمی ہو گئے۔ زنگی نے دُور مار تیر اماندوں کو دیاں اکٹھا کر لیا اور عام تیر اماندوں کا بھی ایک ہجوم بنا دیا۔ ان سب کو مختلف دلیلوں پر مودہ بند کر کے دروازے کے اوپر والے دیوار کے حصے پر مسلسل تیر پھینکنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو اتنے تیر برسے لگے جن کے پیچھے دیوار کا بالائی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ ہانہ ہاروں کی ایک اور جماعت دروازے کی طرف دوڑی۔ زنگی نے تیروں کی بارش اور تیر کرادی۔ دیوار پر لٹکار سائی دی۔ فرار ویر بعد دیوار پر لٹکڑیوں سے بندھے ہوئے ڈرم نظر آئے۔ یہ جلتی لٹکڑیوں اور گولوں سے بھرے ہوئے تھے جو پہلی انہیں باہر کو اٹھانے والوں کے سر نظر آئے وہ سر تیروں کا نشانہ بن گئے۔ ایک دو ڈرم باہر گر کر باقی دیوار پر ہی اُٹھے ہو گئے۔ دیاں سے شعلے اُٹھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ آگ پھینکنے والے اپنی آگ میں مل رہے ہیں۔ زنگی کے کسی کمانڈر نے زنگی کے حملے کا یہ طریقہ دیکھ لیا۔ وہ گھوڑا سر پرٹ دوڑا کر قلعے کے پچھلے دروازے کی طرف چلا گیا اور دیاں کے کمانڈر کو بتایا کہ سامنے والے دروازے پر کیا ہو رہا ہے۔ ان دونوں کمانڈروں نے وہی طریقہ پچھلے دروازے پر آزمانا شروع کر دیا۔ پہلے پہلے میں مجاہدین کا جانی نقصان زیادہ ہوا۔ لیکن جوں جوں مجاہدین گرتے تھے اُن کے ساتھی قہرمن کر دروازے کی طرف دوڑتے تھے۔ تیر اماندوں نے صلیبیوں کو اوپر سے آگ نہ پھینکنے دی۔ زنگی نے حکم دے دیا کہ تحقیق قلعے کے اندر آگ پھینکیں۔ زنگی کی فوج نے دونوں دروازوں پر دلیرانہ حملے دیکھے تو فوج کسی کے حکم کے بغیر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ قلعے کے سامنے چلا گیا اور دوسرا عقبی دروازے کی طرف۔ دونوں طرف دیوار پر تیروں کی ایسی بارش برساتی گئی کہ اوپر کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ دونوں دروازے توڑ دیئے گئے۔ زنگی کی فوج اندر چلی گئی۔ شہر میں خونریز جنگ ہوئی۔ دیاں کے باشندوں میں جھگڑا مچ گئی۔

اس جھگڑے سے ناامد اٹھاتے ہوئے صلیبی حکمران اور کمانڈر قلعے سے نکل گئے۔ شام تک صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ زنگی نے قیدی مسلمانوں کو کھلے اور بند قید خانوں سے نکالا پھر صلیبی حکمرانوں کو سارے شہر میں تلاش کیا مگر کوئی ایک بھی نہ ملا۔

یہ ۱۱۴۲ء کی آخری سہ ماہی تھی جب کرک کا مضبوط قلعہ سر کر لیا گیا اور مسلمانوں کو بیت المقدس نظر آنے لگا۔

فوجی بھرتی نہیں مل رہی۔ سرحد کے ساتھ ساتھ چنے والے لوگ سوڈانیوں کے دست بن گئے ہیں۔ وہ امارت مصر کے خلاف ہو گئے ہیں۔ جہاد کا ہند نہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ غزا اور مویشی نہیں دیتے سوڈانیوں کو خوشی دیتے ہیں۔ مسیحیوں پر ان ہو گئی ہیں۔ لوگ تو ہم پرست ہو کر شہید و باز پیروں وغیرہ کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ عربان لوگوں کے ذہنوں کو اپنے مسیح راستے پر واپس لانے کے لیے باقاعدہ مہم شروع کرنے پڑے گی۔ اگر اس صلیبی شہید بازوں اُس کے گروہ کو لوگ قتل نہ کر دیتے تو ہم اسے سامنے علاقے میں گھماتے پھرتے۔

سلطان ایوبی نے اپنے انقلابی احکامات میں سرحدی علاقوں کو خاص طور پر شامل کر رکھا تھا۔ اب اُس نے اس طرف اور زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے لیے سب سے زیادہ شدید سرحدی یہ تھی کہ نفی الدین اور اُس کی فوج کو سوڈان سے نکالنا تھا۔ قاہرہ پہنچنے ہی وہ منسوب ہندی میں معروف ہو گیا تھا۔ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ وہ خود سوڈان کے محاذ پر نہیں جاسکتا تھا کیونکہ مصر کے اندرونی حالات اُس کی توجہ کے محتاج تھے۔ اُس نے قاہرہ میں اگر نفی الدین کو یہ اطلاع دینے کے لیے کہ وہ قاہرہ آگیا ہے، ایک قاصد بھیج دیا تھا۔ قاصد واپس آ چکا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ نفی الدین کا جانی نقصان تمام ہو چکا ہے اور کچھ نفی دشمن کے بھلنے میں آکر یا جنگ کی صورت حال سے گھبرا کر ادھر ادھر بھاگ گئی ہے۔ قاصد نے بتایا کہ نفی الدین اپنی باقی ماندہ فوج کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر دشمن اُس کے سر پر موجود رہتا ہے۔ نفی الدین کو جوابی حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اُسے اتنی سی مدد کی ضرورت ہے کہ دشمن پر حملے کرنے کے لیے چند دستے مل جائیں تاکہ وہ اپنی فوج کو واپس لاسکے۔

سلطان ایوبی نے اسی وقت اپنے تین چار چھاپہ مار دستے اور چند ایک وہ دستے جنہیں جوابی حملہ کرنے اور گھوم پھر کر رونے کی خصوصی مشق کرانی گئی تھی سوڈان بھیج دیئے تھے۔ وہ ہر حملہ دشمن کے عقب میں جا کر کرتے اور دشمن کا نقصان کر کے اور اُسے گھیر کر ادھر ادھر ہو جاتے تھے۔ چھاپہ ماروں نے دشمن کو زیادہ پریشان کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو نفی الدین کے تعاقب سے ہٹایا جائے۔ وہ خلاف توقع بہت جلدی کامیاب ہو گئے۔ ان کی اہلیت اور شجاعت کے علاوہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ دشمن کی فوج تھکی ہوئی تھی اور مہربان ہی دشوار اور گرم تھا۔ گھوڑے اور اونٹ جواب دے رہے تھے۔

سوڈان کا حملہ بُری طرح ناکام ہوا۔ کامیابی صرف یہ ہوئی کہ نفی الدین کو، اُس کی مرکزی کمان کے سالاروں وغیرہ اور دستوں کو اور کچھ کچی فوج کو ایسی تباہی سے بچا لیا گیا جو اُن کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ نفی الدین جب مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے پتہ چلا کہ وہ سوڈان میں آدھی فوج ضائع کر آیا ہے۔

ادھر کرک بل رہا تھا۔ نور الدین زنگی کے کاریگروں نے ضرورت کے مطابق دُور مار تحقیق بنالی تھیں، جن سے قلعے کے اندر چکر کم اور آگ زیادہ پھینکی جا رہی تھی۔ ملاح الدین ایوبی اندر کے چند ایک مدت بنا آیا تھا۔ اُن میں رسد کا ذخیرہ بھی تھا۔ آگ کے پہلے گولے قلعے کی اُس طرف پھینکے گئے جس طرف سے رسد کا ذخیرہ ذرا

جب خزانہ مل گیا

میلیبیوں کی یہ کافر نس اپنی نوعیت کی پہلی ہنگامہ خیز کافر نس تھی۔ وہ ہر شکست کے بعد ہر فتح کے بعد، ہر سپائی اور ہر کامیاب پیش قدمی کے بعد مل بیٹھتے تھے۔ تبادلہ خیالات کرتے اور شراب پیتے تھے عورت اور شراب کے بغیر وہ سمجھتے تھے کہ جنگ جیتی ہی نہیں جاسکتی۔ اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور مسلمان حکام کی کردار کشی کے لیے بھیج دیتے تھے اور خود اپنے قبضے میں یہ ہوئے علاقوں سے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے انہیں تفریح کا ذریعہ بناتے تھے۔ جاسوسوں نے جب انہیں یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ میلیبی عصمتوں کے بیوپاری اور مسلمان عصمتوں کے محافظ ہیں تو میلیبی حکمران اور کمانڈر بہت ہنسے تھے۔ ان میں سے کسی نے سلطان ایوبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ شخص اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتا کہ جس طرح ملیب کے بیٹے سپاہی بن کر اپنا جسم استعمال کرتے ہیں اسی طرح ملیب کی بیٹیاں بھی مسلمانوں کو بیکار کر دے گی۔ یہاں تک کہ مسلمان لڑکیاں بھی اور کسے لہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ اس کی قوم کے بشمار چھوٹے چھوٹے حکمرانوں، قلعہ داروں اور سالاروں کو ہماری ایک ایک لڑکی اور سونے کے سکوں کی ایک ایک تھیلی ایسی شکست دے چکی ہے جس پر وہ لوگ فخر کر رہے ہیں اور اس شکست سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی ہم سے اسلام کی عصمت کس طرح بچائے گا؟

یہ میلیبیوں کی پہلی کافر نسوں کی باتیں ہیں مگر ۲، ۱۱ کے آخر میں بیت المقدس میں میلیبی سربراہ اکٹھے ہوئے تو ان پر کچھ اور ہی موڈ طاری تھا۔ انہوں نے سلطان ایوبی کا مذاق نہ اڑایا۔ کسی کے ہونٹوں پر چھوٹے سے بھی مسکراہٹ نہ آئی اور کسی کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ جب مل بیٹھتے ہیں تو شراب کا دور بھی چلا کرتا ہے۔ کرک سے وہ بڑے ہی شرمناک طریقے سے پسپا ہوئے تھے۔ ان میں رہنما لڈ بھی تھا جو کرک کا قلعہ دار بلکہ مالک تھا۔ وہ جنگجو تھا، فن حرب و ضرب کا ماہر تھا، سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ اس نے اپنے زرہ پوش لشکر سے متعدد بار لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس محفل میں رہنما لڈ بھی تھا جس نے کرک کے محاصرے کے دوران سلطان ایوبی کی فوج کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ ان دونوں نے ایسا پلان بنایا تھا جس کے متعلق وہ بجا طور پر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے، مگر سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ قائم رکھا، رہنما لڈ کا محاصرہ ایسے انداز سے توڑا کہ رہنما لڈ کا لشکر محاصرے میں آگیا۔ اس کی رسید تباہ ہو گئی اور اس کی فوج اپنے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کو مار مار کر کھاتی رہی۔ آخر اس

انہیں راستے میں ہی پیاسا مار ڈالیں گے۔

”پھر کون سے مسلمان ہیں جنہوں نے تم سے دو اتنے مضبوط قلعے لیے ہیں؟“ صلیب اعظم کے محافظ نے کہا۔ اس حقیقت کو مت بھولو کہ مسلمان اتنا پسند تو تم سے ہے۔ مسلمان غدار ہی پر اتنا ہے تو اپنے بھائیوں کی گردن پر چھری چلا دیتا ہے مگر اس میں جب قومی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو اپنی گردن کاٹ گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا کرتا ہے۔ مسلمان اگر غدار بھی ہو جائے تو اس پر اعتماد نہ کرو۔ دودھ جلاؤ۔ گزرتے ہوئے صرف دس سالوں کے واقعات پر نظر ڈالو۔ اسلام کے غداروں نے ہمیں کتنے علاقے دلوائے ہیں؟ کیا تم میں ہمت ہے کہ مصر میں قدم رکھو؟ آج مسلمان فلسطین میں بیٹھے ہیں، کل تمہارے سینے پر بیٹھے ہوں گے۔ یاد رکھو میرے دوستو! اگر صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی نے تم سے بیت المقدس لے لیا تو وہ تم سے یورپ بھی لے لے گا لیکن سوال فلسطین اور یورپ کا نہیں، سوال زمین کے ٹکڑوں کا نہیں، اصل مسئلہ صلیب اور اسلام کا ہے۔ یہ دو مذہبوں اور نظریوں کی جنگ ہے۔ دو میں سے ایک کو ختم ہونا ہے۔ کیا تم صلیب کا ناقہ پاندہ کرو گے؟“ نہیں مقدس باپ، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ محفل میں جو شش و خروش پیدا ہو گیا۔ اتنی زیادہ باہوشی کی کوئی وجہ نہیں۔

”پھر تم ان وجوہات پر غور کرو جو تمہاری پسپائی کا باعث بنی ہیں۔“ محافظ صلیب اعظم نے کہا۔ میں تمہیں جنگ کے متعلق کوئی سبق نہیں دے سکتا۔ میں تقریبات کے مآذ کا سپاہی ہوں، میں کلیسا کا محافظ ہوں۔ لیکن یہاں کنواریوں کی قسم دس کھتر مسلمان میرے سامنے آئے انہیں صلیب کا بیماری بنالوں گا۔ ذرا اس پر غور کرو کہ تمہارے اتنے بڑے بڑے لشکر جو ذریعہ پوش بھی ہیں مسلمانوں کی منتشر سی فوج کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ تمہارے پانچ سو سواروں کو ایک سو پیادہ مسلمان کیوں شکست دے دیتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ مسلمان غریب کے خون سے لڑتے ہیں۔ وہ تمہارے مقابلے میں آتے ہیں تو قسم کھا لیتے ہیں کہ فوج یا موت میں سے سنا ہے کہ ان کے چہا پہ مار تمہارے عقب میں چلے جاتے ہیں اور تمہاری کمر توڑ کر تمہارے تیرہوں سے چلنی ہو جاتے ہیں یا نکل جاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ دس دس بارہ بارہ آدمی تمہارے ہزاروں کے لشکر میں کس طرح گھس آتے ہیں؟ یہ محض مذہبی جنون ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بھی ان کے ساتھ ہے اور خدا کا رسول بھی ان کے ساتھ ہے۔ ایسی دلیل نہ کارروائیوں میں وہ اپنے کمانڈروں سے نہیں قرآن سے سکھ لیتے ہیں۔ میں نے قرآن کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے۔ ہمارے خلاف جنگ کو قرآن جہاد کہتا ہے اور ہر مسلمان پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ جہاد کو نماز یعنی عبادت پر فوقیت حاصل ہے۔۔۔۔۔ تم بھی جب تک اپنے آپ میں یہی جنون پیدا نہیں کرو گے اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

☆

کچھ ایسے ہی جذباتی اور حقیقی الفاظ تھے جن سے عکرمہ کے پادری نے اپنے شکست خوردہ حکمرانوں اور کمانڈروں کو بھڑکانے اور ان میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور وہ یہ کہ گر مپلا گیا کہ اب آپس میں بحث

کی آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی، کچھ گرفتار ہوئی اور باقی پسپا ہو گئی۔

ریجنالڈ خوش نصیب تھا کہ نور الدین زنگی کے سرکردہ لشکر نے قلعہ سر کر لیا تو اندر کی جگہ میں ریجنالڈ بچ کر نکل گیا، ورنہ وہ اس کانفرنس میں شمولیت کے لیے زندہ نہ ہوتا۔ اس محفل میں صلیبیوں کے اُن جگہ سواروں کی تعداد بھی خاصی تھی جنہیں ”ناٹ“ کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خطاب تھا جو بادشاہ کی طرف سے عطا کیا جاتا اور اس کے ساتھ سر سے پاؤں تک زبردہ بکتر دی جاتی تھی۔ اس کانفرنس میں عکرمہ کا پادری بھی تھا جسے محافظ صلیب اعظم کا رتبہ دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ گئے آف نو زبان اور اس کا بھائی املرک بھی تھا اور ان میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن فلپ آگسٹس بھی تھا۔ ناٹوں اور دیگر کمانڈروں کے ساتھ ساتھ اس کانفرنس میں صلیبیوں کی متحدہ ایشیائی جنس کا سربراہ ہرن اور اس کے دو تین معاون بھی تھے۔ ابتدائی اس ہجوم پر خاموشی چھائی رہی جیسے وہ ایک دوسرے کے سامنے بات کرنے گھبراتے ہوں۔ آفر فلپ آگسٹس نے زبان کھولی جس سے محفل میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اُس نے ”محافظ صلیب اعظم“ کو کانفرنس کی صدارت پیش کر کے اسی سے درخواست کی کہ وہ خطاب کرے۔

”ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں، عہد توڑے اور بیت المقدس میں زندہ اور زخمی آجیٹے۔“ عکرمہ کے پادری نے کہا۔ ”میں یسوع مسیح کے آگے شرمسار ہوں اور میں صلیب کو دیکھتا ہوں تو میری نظریں جھک جاتی ہیں۔ کیا تم سب نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے دشمنوں کا ناقہ پاندہ کرو گے خواہ اس میں تمہیں بائیں بھی قربان کرنی پڑیں؟ کیا تم نے مسیح نہیں اٹھایا تھا کہ اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لیے جان اور مال کی اور اپنے جسموں کے اعتنا کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرو گے؟ تم میں کتنے ہیں جن کے جسموں پر ہلکی سی خراشیں بھی آتی ہوں؟ کوئی ایک بھی نہیں۔ تم شوبک مسلمانوں کو دے کر بھاگے۔ اب تم کرک دے کر بھاگ آئے ہو۔ میں اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ جویدان میں اترتے ہیں، وہ شکست بھی کھا سکتے ہیں۔ دو فتوحات کے بعد ایک شکست کوئی معنی نہیں رکھتی مگر یکے بعد دیگرے دو شکستیں اور دو پسپائیاں مجھے یقین دلاتی ہیں کہ صلیب یورپ میں قید ہو گئی ہے اور وہ وقت بھی آنے والا ہے جب یورپ کے کلیساؤں میں مسلمانوں کی اذانیں گونجیں گی۔“

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ فلپ آگسٹس نے کہا۔ ”صلیب اعظم کے محافظ! ایسا کبھی نہیں ہوگا شکست کے کچھ اسباب تھے جن پر ہم غور کر چکے ہیں اور اب آپ کی موجودگی میں مزید غور کریں گے۔“

”اور شاید تم اس پر غور نہ کرو کہ اب مسلمانوں کی منزل بیت المقدس ہو گئی۔“ صلیب اعظم کے محافظ نے کہا۔ ”کیا تم اس حقیقت سے بے خبر ہو کہ صلاح الدین ایوبی بیت المقدس لینے کی قسم کھا چکا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے جس کی خاطر وہ اپنے بچوں تک کو ذبح کرا ڈالیں گے؟“

”ہم نے مسلمانوں میں غدار کی بجائے ڈال دیا ہے۔“ فلپ آگسٹس نے کہا۔ ”ہم نے مسلمانوں میں اتنے غدار پیدا کر لیے ہیں جو صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کو بیت المقدس کے راستے پر ڈال کر

سے تارے توڑ لانے کے برابر تھا۔ یہ خزانے فرعونوں کے مدفنوں میں محفوظ تھے۔ تاہم فرعونوں کی اس رسم سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہی کہ جب کوئی فرعون مرنے لگا تو اس کے ساتھ شامہ ضروریات کا تمام سامان اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

مرے ہوئے فرعون کی قبر چند گز چوڑی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ زمین کے نیچے ایک محل تعمیر ہو جاتا تھا۔ فرعون اپنی زندگی میں اپنا دفن تیار کر لیا کرتے تھے اور جگہ ایسی منتخب کرتے تھے جس تک اُس کی موت کے بعد کوئی رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مرنے کے بعد دفن کو اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ معماروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اسے کھولا کس طرح ہا سکتا ہے۔ مرنے والے کے لواحقین معماروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ فرعونوں کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ وہ خدا ہیں اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد انہیں یہی جاہ و جلال حاصل ہوگا۔ چنانچہ پھاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور پھر پہاڑ کے نیچے زمین کی کھدائی کر کے محل جیسے ہال اور دیگر کمرے بنوا کر اس محل میں زیادہ سے زیادہ ہیرے جواہرات رکھوا دیے جاتے تھے اس کے علاوہ جگھیاں، مع گھوڑوں اور گھجی بالوں کے اور کشتیاں، مع ملاحوں کے اندر رکھ دی جاتی تھیں۔ خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام اور بیویاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس طرح صودت حال یہ بن جاتی تھی کہ ایک انسان کی لاش کے ساتھ جہاں بے انداز مال و دولت دفن ہو جاتا تھا وہاں بہت سے انسان زندہ اندر بھیج کر باہر سے دفن کا منہ بند کر دیا جاتا تھا۔ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ دم گھٹنے سے کس طرح مرتے ہوں گے۔ فرعونوں کی لاشوں کو مصالغے وغیرہ لگا کر حنوط کیا جاتا تھا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج بھی ان کی لاشیں محفوظ ہیں، جن میں کچھ لندن کے عجائب خانے میں پڑی ہیں۔

فرعونوں کا دور ختم ہوا تو مصر کی حکومت جس کے بھی ہاتھ آئی اُس نے فرعونوں کے دفن تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہ مہم ناممکن کی حد تک مشکل ثابت ہوئی۔ مدفنوں کو تلاش کرنا ہی ایک مسئلہ تھا، اس کے بعد آج تک یہ مہم جاری ہے۔ مصر نے تاریخ میں بہت سی بادشاہیاں دیکھیں۔ ہر بادشاہ نے دفن تلاش کیے جسے جو ہاتھ لگا لے اُٹا۔ سب سے زیادہ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا کیونکہ انگریزوں نے وہاں موجودہ دور میں اپنا اثر قائم کیا تھا جب سائنس ترقی کر چکی تھی۔ سائنس نے اور کھدائی کے مشینی طریقوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ مصر کی زمین فرعونوں کے خزانوں سے ابھی تک مالا مال ہے اور مصر کی تاریخ میں اگر غور سے جھانکیں تو اس میں ایسے پراسرار اور خوفناک واقعات ملتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کچھ ذاتی طور پر کسی فرعون کے دفن کی تلاش میں نکلے۔ ان میں سے بعض دفن میں داخل ہو چکے مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں غائب ہو گئے۔ ان میں سے جو بچ کر نکلے وہ دوسروں کے لیے سراپا عبرت بن گئے۔ اسی لیے یہ عقیدہ آج بھی قائم ہے کہ فرعون خدا تو نہیں تھے لیکن اُن کے پاس مرکز بھی کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو اُن کے مدفنوں میں جانے والوں کو عبرتناک سزا دیتی ہے۔ لوگوں نے اس عقیدے کو اس لیے تسلیم کیا ہے کہ جس بادشاہ نے بھی کسی فرعون کے دفن میں ہاتھ ڈالا اس کی بادشاہی کو زوال آیا یا بعض نے

مباحثہ کرو کہ تمہاری شکست کے اسباب کیا تھے اور اس کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہوتی ہے اور اس شکست کو فتح میں کس طرح بدلنا ہے۔ بیت المقدس کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالو۔ صلح الدین الیوتی فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح ایک انسان ہے۔ اُس کی طاقت موت اس میں ہے کہ ایمان کا پکا ہے۔

یادری کے جانے کے بعد کانفرنس میں جو گرامری پیدا ہوئی وہ اس لحاظ سے تاریخی نوعیت کی تھی کہ اس میں کچھ فیصلے کیے گئے۔ ان میں ایک فیصلہ یہ تھا کہ جوابی حملہ کیا جائے بلکہ ایوتی اور زندگی کے لیے انگینت پیدا کی جائے کہ وہ پیش قدمی کریں اور حملے جاری رکھیں۔ انہیں مستقر سے دور لایا جائے اور پھر گمراہ کیا جائے۔ اس طرح اُن کی رسد کے راستے لیے اور غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور فرنگوں کو فوری طور پر تیار کیا جائے کہ سمندر کی طرف سے مصر پر بحری حملہ کریں، اور ساحل پر فوج اُتار کر مصر کے شمال مشرق کے اُن سے علاقے پر قبضہ کریں جسے مضبوط مستقر (اڈہ) بنا لیا جائے۔ اسے فلسطین کے دفاع اور مصر پر جارحیت کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اہم فیصلہ یہ ہوا کہ اسلامی علاقوں میں اخلاق کی تخریب کاری تیز کر دی جائے اور نظریاتی حملے اور شدید کر دیے جائیں۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مصر میں صلیبیوں کی ایک مہم تباہ کر دی گئی تھی جو سرحدی علاقے میں تو ہات پیدا کرنے کے لیے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں سے اگر اطلاع دے دی تھی کہ وہ مہم ناکام ہو چکی ہے اور جن مسلمانوں کو زیر اثر لے لیا گیا تھا انہوں نے ہی مہم کے افوا کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس کانفرنس میں یہ انکشاف پیش کیا گیا کہ مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ وہ مجبور ہو کر قافلوں کی صورت میں ترک وطن کرتے ہیں تو راستے میں اُن کے قافلے لوٹ لیے جاتے ہیں۔ مال اور مویشی چھین لیے جاتے ہیں اور لوٹکیوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس اقدام کو ضروری سمجھا گیا۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ تھا۔ یہ نسل کشی کی مہم تھی جو صلیبیوں نے بہت عرصے سے جاری کر رکھی تھی۔ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی کس اور خلیفہ بچپوں کو اغوا کر کے صلیبی انہیں بے حیائی اور چرب زبانی کی تربیت دے کر انہیں پالنے پوسنے اور جب وہ جوان ہو جائیں انہیں مسلمانوں میں غداہی کے جرائم پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے لیے بے شمار دولت کی ضرورت تھی جو خرچ تو کی جا رہی تھی لیکن کچھ دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک یہ تھی کہ رتم اونٹوں کے ذریعے بھیجی جاتی تھی۔ کئی بار ایسے ہوا کہ مصر کے کسی سرحدی دستے نے پکڑ لیا یا اونٹ لوٹ لیے گئے ضرورت یہ محسوس کی گئی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ مل جائے جس سے رتم اور انفامات کی دیگر قیمتی اشیاء اسی ملک سے دستیاب ہو جائیں جہاں استعمال کرنی ہوں۔ خاصے عرصے سے اس مسئلے پر سوچ و پکار ہو رہا تھا۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا کامنڈر، ہرن، علی بن سفیان کی طرح غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ اُس نے کبھی کا سوچ رکھا تھا کہ مصر کی زمین اپنے اندر اس قدر خزانے چھپائے ہوئے ہے جس سے ساری دنیا کو خریدا جاسکتا ہے مگر ان خزانوں تک پہنچنا آسان

فرعون کو سخت کا معاملہ کہا ہے۔

صلاح الدین الیوبی کے دور سے پہلے ہی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ مصر فرعون کی سرزمین ہے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ وہ مصر پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ سلطان الیوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ان مدفنوں کی تلاش مصریوں سے کرائی جائے اور ترانے بھگوا کر استعمال کیے جائیں۔ انہیں کسی طرح یہ پتہ چل گیا تھا کہ مصری حکومت کے پرانے کاغذات میں ایسی تحریریں اور نقشے موجود ہیں جن میں بعض مدفنوں کے متعلق معلومات درج ہیں۔ ان کاغذات تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ صلیبیوں نے مصر میں بڑے بڑے ذہین جاسوس بھیجے تھے جو صرف یہ معلوم کر سکے تھے کہ یہ کاغذات کہاں ہیں اور کس طرح اڑائے جاسکتے ہیں مگر اس شعبے کے سربراہ کو اپنی گرفت میں لینا ممکن نہ تھا۔ اُن دنوں جب سلطان الیوبی شوبک اور کرک کی جنگوں میں اُلجھا ہوا تھا اور اُس کی غیر حاضری میں مصر سازشوں کی زرخیز زمین اور لیاوت کا آتش نشان بن چکا تھا، صلیبیوں کے ماہر سربراہ نے کامیابی حاصل کر لی تھی کہ سلطان الیوبی کی نوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر احمد درویش کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ احمد سوڈانی تھا۔ اس کے خلاف کوئی ایسی شکایت نہیں تھی کہ وہ غدار ہے۔ سلطان الیوبی کو اس پر اعتماد تھا۔ اُس نے سلطان الیوبی کی زیرِ کمان لڑائیاں لڑی تھیں اور کمانڈروں کی صف میں نام پیدا کیا تھا۔

بعد کے انکشافات سے معلوم ہوا کہ یہ کمانڈر میرزا الیستھینا نام کی ایک صلیبی لڑکی کا تھا کہ اُس نے احمد کے دماغ میں سوڈان کی محبت، سلطان الیوبی کی مخالفت اور سوڈان اور مصر کے سرحدی علاقوں میں کچھ چھپنے کی خود مختار ریاست کا لالچ پیدا کیا تھا۔ وہ تھا تو مسلمان لیکن صلیبیوں نے اُس کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ وہ پہلے سوڈانی اور بعد میں مسلمان ہے۔ اب جبکہ نور الدین زنگی نے کرک کا قلعہ توڑ لیا تھا اور سلطان الیوبی مصر میں غداروں کا قلع قمع کر رہا تھا، احمد درویش نے صلیبی جاسوسوں کے ساتھ کئی ایک ملاقاتیں کر لی تھیں۔ اُس نے کسی کو شک تک نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ اُس نے مرکزی دفاتر میں اتنا اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا کہ وہ پرانی دستاویزات تکسب پہنچ گیا۔ وہاں سے اُس نے جو کاغذات چوری کر لئے اُن میں بظاہر اوٹ پٹانگ سی لکیروں کا ایک نقشہ تھا۔ دراصل یہ کاغذات نہیں کپڑے اور کاغذ کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔ ایسے ہی چند ایک اور کپڑے یا کاغذ تھے جن پر فرعونوں کے دفنوں کی بلیب وغیرہ تحریریں تھیں جنہیں پڑھنا اور سمجھنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ یہ کسی کو دکھانی بھی نہیں جاسکتی تھیں۔ بہر حال کسی طرح ان تحریروں کے معانی واضح کر لیے گئے۔ انکشاف یہ ہوا کہ قاہرہ سے تقریباً اٹھارہ کوس دور ایک پہاڑی علاقہ ہے جو خوفناک ہے، بیکار ہے اور جس کے اندر شاید درندے بھی نہیں جاتے ہوں گے، اس کے اندر کہیں ایک فرعون کا مدفن ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ یہ تحریر کہاں تک صحیح اور با معنی ہے۔ اس میں کیرول میں ہاتھ سے بنی ہوئی چند ایک تصویریں بھی تھیں۔ کہانی کا کچھ حصہ ان تصویروں میں چھپا ہوا تھا۔ احمد نے سمت آزمائی کا فیصلہ

کر لیا تھا۔ اس فرعون کا نام سینیس دوم تھا۔ اس کے مدفن کی تلاش اور کھدائی کے لیے صلیبیوں نے قاہرہ میں چند ایک ہوشیار دانشمند اور جفاکش جاسوس بھیج دیئے تھے۔ ان کا سربراہ مارکونی اطالوی تھا جسے سیاست اور کوہ پیمائی کا تجربہ تھا۔ احمد نے ان آدمیوں کو کامیابی سے بہرہ ور چڑھا دیا تھا کہ قہر میں نہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ دو کو تو اُس نے اپنے گھر میں ملازم رکھ لیا تھا۔ اس کے مرنے پر احمد درویش سے یہ سودا ہوا تھا کہ وہ مدفن سے زرد و ہوا ہرات نکالے، انہیں اپنے پاس رکھے۔ سلطان الیوبی کے خلاف تخریب کاری میں استعمال کرے، قندیلوں کو منگائی اجرت دے۔ سلطان الیوبی کو قتل کرانے اور جب مصر صلیبیوں یا سوڈانیوں کے قبضے میں آجائے گا تو اُسے ایک خود مختار ریاست بنادی جائے گی جس میں کچھ حصہ سوڈان کا اور کچھ مصر کا شامل ہوگا۔ اسے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس تلاش کے دوران اگر سلطان الیوبی صلیبیوں پر یا سوڈانیوں پر حملہ کرے تو احمد اپنے زیرِ کمان دستوں کو سلطان الیوبی کی جنگی چالوں کے الٹ استعمال کرے۔

احمد درویش کا دماغ اتنے بڑے لالچ کے بادل کی گرفت میں آچکا تھا اور اُس نے مارکونی کو اُن دو صلیبیوں کے ساتھ جو اُس کے نوکروں کے بہرہ ور میں اُس کے گھر میں تھے نقشہ دے کر مدفن کی تلاش کی مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ ایک جاسوس کی وساطت سے اُس نے ہرن کو اطلاع بھیج دی تھی کہ تلاش شروع ہو چکی ہے۔ ہرن نے اس کا نفرنس میں صلیبی حکمرانوں وغیرہ کو بتا دیا کہ اگر یہ مدفن بے نقاب ہو گیا تو اس سے بڑا مدھونے والی دولت سے مصر کی جڑیں مصریوں کے ہی ہاتھوں کھوکھلی کی جاسکیں گی۔

☆

۱۱۷۴ء کی پہلی سہ ماہی کے آخری دن تھے۔ قاہرہ سے اٹھارہ کوس دور ایک بگڑتی اونٹ کھڑے تھے۔ ہر اونٹ پر ایک آدمی سوار تھا۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے، ایک سوار نے چنے کے اندر سے ایک گول کیا ہوا چوڑے کاغذ نکالا۔ اُسے کھول کر نور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "بگڑی ہے۔" اس کے اشارے پر تینوں اونٹ آگے چل پڑے۔ دو ٹیلے آگے سامنے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک اونٹ گزرنے کا راستہ تھا۔ تینوں ایک قطار میں اندر پہنچے گئے۔ اندر کی پہاڑیوں کی شکل و صورت ایسی تھی جیسے کوئی بہت ہی وسیع عمارت ہو جس کی چھتیں غائب ہوں۔ ریت کے لامحدود سمندر میں یہ پہاڑی صاف تین پہاڑیوں میں بچھا ہوا تھا۔ باہر ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ان کے نیچے سخت مٹی کی پہاڑیاں اور ان کے نیچے ٹوٹی پھوٹی دیواروں کی طرح پہاڑیاں تھیں جن میں بعض بہت چوڑے اور گول ستونوں کی طرح ایک ہزار فٹ بلندی تک گئی ہوئی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب شام ابھی گہری نہیں ہوتی تھی یہ علاقہ بہت سے بھونوں کی طرح نظر آیا کرتا تھا۔ اس کے اندر جانے کی کسی نے کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ کوئی جرأت کرتا بھی تو کیوں کرتا۔ اندر جانے کی کسی کو کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ محل کے مسافروں کی ضرورت مرنے پانی ہوا کرتی تھی۔ ایسے خشک پہاڑوں اور چٹانوں کے اندر جو دن کے وقت دُور سے شعلوں کی طرح نظر آتے تھے پانی کا دھارا

گی اور آگے جگہ فراخ ہے۔

گئی نے اب سُرنگ کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں اونٹوں کے پاؤں کی آوازیں ڈھلوانی سی گونج پھیل کر تھیں۔ مارکونی جڑھٹا گیا۔ وہاں ہی ایک راستہ تھا اس لیے غلطی کا امکان کم تھا۔ سلسلے روشنی کا جو دھبہ تھا وہ پھیل رہا تھا۔ سُرنگ ختم ہو رہی تھی.... اور جب وہ سُرنگ کے وہانے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اونٹ سواروں کی صورت نہیں گزر سکیں گے۔ سوار اونٹوں کی گردنوں پر آکر نیچے اترے کیونکہ پہلوؤں سے نہیں اترا جاسکتا تھا۔ اونٹوں کو بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔ آگے دیکھا تو چاروں طرف کسی پرانے قلعے کی بڑی ہی بلند دیواریں نظر آئیں مگر یہ قلعہ قدرتی تھا۔ پہاڑیوں کی شکل ایسی تھی کہ تین چار سو گز تک ڈھلان تھی اور وہاں سے پہاڑیاں سیدھی اوپر کھڑکی تھیں۔ بعض اونچی تھیں بعض کم بلند معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جگہ ہر طرف سے بند ہو گھوم بھر کر دیکھا تو ایک پہاڑی کے ساتھ اتنی جگہ تھی جس پر سیدیل چلا جاسکتا تھا۔

مارکونی نے اونٹوں کو وہیں بٹھا دیا اور سیدیل چل پڑے۔ پہاڑی گولائی میں ہو گئی تھی۔ پاؤں جاکر رکھنا پڑتا تھا کیونکہ ریت اور مٹی تھی جس سے پاؤں ڈھلان کی طرف موڑ کر گرا سکتا تھا۔ یہ دراصل کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا چلنے کی صورت جگہ تھی۔ زمین اور ٹیلے بتا رہے تھے کہ صدیوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ یہ چلنے کی جگہ یا راہ آگے گئی تو مارکونی اور اس کے ساتھیوں کے دل اُچھل کر ملنے لگے۔ ڈھلان سمت ہو گئی تھی اور نیم چال کسی بڑی ہی اونچی دیوار کی منہ پر بن گئی تھی۔ دائیں طرف پہاڑی تھی جس کے پہلو میں وہ قدم جما کر پھسل رہے تھے مگر بائیں طرف زمین دُور نیچے چلی گئی تھی۔ یہ ایک بڑی وسیع اور بہت ہی گہری کھائی تھی۔ وہاں سے گرنے کا نتیجہ موت موت تھا۔ کھائی کے دوسرے کناروں پر اسی طرح کے پہاڑ تھے جس کے ساتھ ساتھ وہ چل رہے تھے۔

ایسے خطرناک مقام پر آکر مارکونی کے ایک ساتھی نے اُس سے پوچھا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمیں فرعون کا جنازہ اس جگہ سے گزرا گیا ہوگا؟“

”امرد درویش نے ہی راستہ بتایا ہے۔“ مارکونی نے کہا۔ ”جہاں تک میں نفٹے کو سمجھ سکا ہوں، ہمارے گزرنے کا راستہ یہی ہے۔ زمینیں کا نابوت کسی اور طرف سے گزرا گیا تھا۔ ہمیں وہ راستہ معلوم کرنا ہے۔ وہ کوئی خفیہ راستہ تھا جو صدیوں کی آندھیوں اور زمین کی تبدیلیوں نے بند کر دیا ہوگا۔ اگر وہ راستہ مل گیا تو ہم مدفن تک پہنچ جائیں گے۔“

”اگر زندہ رہے تو!“

”میں اس کے متعلق یقین تو نہیں دلا سکتا۔“ مارکونی نے کہا۔ ”یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ مدفن مل گیا تو

تم دونوں کو مالا مال کر دوں گا۔“

راستہ چوڑا ہو گیا اور کھائی ختم ہو گئی۔ اب وہ دو ایسی پہاڑیوں کے درمیان جا رہے تھے جن کے دامن ملے ہوئے تھے مگر کچھ ہی دور آگے پہاڑیاں مل گئی تھیں۔ وہ وہاں تک پہنچے تو انہیں بائیں طرف اوپر چڑھنا پڑا۔

وہ کہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ جگہ کسی راستے میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ میلوں دُور سے نظر آنے لگی تھی۔ لوگ اس کے متعلق کچھ ڈھلوانی سی کہانیاں سنایا کرتے تھے جن میں ایک یہ تھی کہ یہ شیطان بد رُوحوں کا مسکن ہے۔ خدا نے جب آسمان سے شیطان کو دھتکارا تھا تو شیطان یہیں اُترا تھا۔ اس علاقے کی چونکہ فوجی اہمیت بھی نہیں تھی اس لیے فوجوں نے بھی کسی اس کے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے علاقے کے اندر ریت، موت اور صحرائی دفعہ عمل کے سوا اور ہوی کیا جاسکتا تھا۔ اس ہولناک خطے کی تاریخ میں غالباً یہ پہلے تین انسان تھے، جو اس کے اندر چلے گئے تھے۔ انہیں وہیں جاتا تھا کیونکہ ہزاروں سال پرانا نقشہ اسی جگہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ موت ایک لکیر شک پیدا کرتی تھی۔ یہ ایک ندی کی لکیر تھی مگر وہاں کوئی ندی نہیں تھی۔ اس کی جگہ اب ایک بڑا ہی لمبا نشیب نظر آتا تھا۔ اس کی چوڑائی بارہ چودہ گز تھی۔ اس کے اندر کی ریت کی شکل و صورت بتاتی تھی، کہ صدیوں پہلے یہاں سے پانی گزرتا رہا ہے۔ اسی نشیب نے جو قریب ہی کہیں ختم ہونے کی بجائے دریا کے نیل کی طرف چلا گیا تھا، شتر سواروں کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس جگہ کی تلاش میں ہیں وہ یہی ہے۔

ان سواروں میں ایک مارکونی اطالوی تھا اور دو اس کے ساتھی زمینوں صلیبی تھے۔ انہیں سلطان ایوبی کے ایک کمانڈر احمد درویش نے فرعون زمینیں دم کے مدفن کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔ نفٹے کے مطابق وہ صبح جگہ پر آگئے تھے۔ اب اندر جا کر یہ دیکھنا تھا کہ یہ جگہ کس حد تک صیح ہے۔ مارکونی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے والے فرعون اپنی آخری آرام گاہ ایسے جہنم میں بنانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ جہر اور ہرمن نے بھی ایک بیکار آزمائش میں ڈال دیلے۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے اپنا کمانڈر سمجھتے ہوئے کوئی مشورہ نہ دیا۔ وہ حکم کے پابند تھے۔ مارکونی سخت جان صلیبی تھا۔ ہمت مارنے کا قائل نہ تھا۔ وہ آگے آگے چلتا رہا۔ وہ بول بول اندر جا رہے تھے چٹانوں کی شکلیں بدلتی جا رہی تھیں۔ ان کا رنگ گہرا بادامی بھی تھا، کتھنی بھی اور کہیں کہیں ان کا رنگ ٹیلا لال بھی تھا۔ ان میں ریتیلی سلوں کی پٹانیں تھیں اور مٹی کے سیدھے کھڑے ٹیلے بھی۔ ڈھلانوں سے ریت ہتی نظر آتی تھی۔

بہت آگے جا کر یہ وادی بند ہو گئی۔ مارکونی نے دائیں طرف دیکھا۔ ایک ٹیلا درمیان سے اس طرح پھٹا ہوا تھا جیسے زلزلے نے دیوار میں شکات کر دیا ہو۔ شکات میں سے جھانکا۔ یہ ایک گلی تھی، جو دُور تک چلی گئی تھی۔ اونٹ کا گزنا مشکل نظر آتا تھا۔ مارکونی نے اپنا اونٹ شکات کی گلی میں داخل کر دیا۔ اس کے گھٹنے دونوں طرف ٹیلوں کی دیواروں سے لگتے گئے۔ اُس نے ٹانگیں سمیٹ کر اونٹ کی کوہان پر رکھ دیں۔ سچھے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اونٹوں کے پہلو دائیں بائیں لگتے تھے تو مٹی نیچے گرتی تھی۔ ٹیلا دو حصوں میں کٹ کر دُور اوپر تک چلا گیا تھا۔ اونٹوں کے ہچکولوں سے یوں لگتا تھا جیسے ٹیلے کے دونوں حصے ہل رہے ہوں اور دونوں مل کر اونٹوں کو سواروں سمیت پیس ڈالیں گے۔ آگے جا کر اوپر دیکھا تو دُور اوپر ٹیلے کے دونوں حصوں کی چوٹیاں آپس میں مل گئی تھیں۔ آگے اندھیرا سا تھا لیکن دُور آگے روشنی سی نظر آتی تھی جس سے اُمید بندھ گئی کہ گلی وہاں ختم ہو جائے

کے ساتھ بھیج دے گا۔

اُسی روز پچاس آدمیوں کی تلاش شروع ہو گئی۔ قہارو میں ملیبی مسلحین اور تحریک کاروں کی کمی تھی۔ مارکونی زیادہ تر آدمی انہی میں سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اُس کے اعتماد کے آدمی تھے۔ احمد بھی اسی گروہ سے آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہتا تھا۔ سلطان الیوبی کے اس جرنیل نے اپنا ایک تحریک کار گن تیار کر رکھا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ اُن کے اغراض و مقاصد ملیبیوں والے تھے۔ احمد درویش نے اپنا ایمان نیلام کر کے ان چند ایک مسلمانوں کو بھی ایمان فروش بنا دیا تھا۔ یہ سب صلاح الدین الیوبی کے دشمن بن گئے تھے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا حسن بن صباح کے فرائضوں کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

قدومی کے پاس مارکونی خود احمد درویش کا پیغام لے کر گیا۔ احمد معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ وہ فوجی حاکم تھا اور مصر پر عملاً فوج کی حکومت تھی۔ ویسے بھی قدومی احمد کے زیر اثر تھی۔ اُس نے بادل غواستہاں کو دی لیکن مارکونی نے اُسے یہ بتا کر کہ وہ فرعون کے مدفن میں سے ہیرے جواہرات نکلنے جا رہا ہے۔ قدومی پر ایسا نشہ طاری کر دیا کہ وہ فوراً روانہ ہونے کو تیار ہو گئی۔ مارکونی منجانباً چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے قدومی کو ملکہ قتل و لہو بنا دیا۔ قدومی ایک رفاقت تھی جس کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ اُسے اپنے جسم، اپنے حس، اپنے فن اور زرد جواہرات سے پیار تھا۔ وہ اُن عورتوں میں سے تھی جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ اُن کے حسن و جوانی کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ مارکونی نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ فرعون کے مدفن سے برآمد ہونے والا خزانہ کہاں اور کیوں مورت کیا جائے گا۔

پچاس آدمیوں کی تلاش میں پندرہ بیس دن لگ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد ملیبی تحریک کاروں کی تھی۔ باقی مسلمان تھے۔ وہ بھی ملیبیوں کے ہی تحریک کار تھے۔ سب اونٹوں پر سوار ہو کر قہارہ سے نکل گئے تھے لیکن وہ اکٹھے روانہ نہ ہوئے۔ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں مسافروں اور تاجروں کے روپ میں نکلے۔ قدومی کو ہے۔ وہاں چوڑائی اتنی کم تھی کہ کھڑے ہو کر چلا نہیں جاسکتا تھا۔ مارکونی بیٹھ گیا اور گھوڑے کی سواری کی پوزیشن میں ٹانگیں اُدھار دھر کر کے آگے کو سرکنے لگا۔ دیوار کی چوڑائی کم اور گول ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نیچے کو سرک گیا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک ساتھی بھی آگے چلا گیا۔ اچانک تیسرے ساتھی کی بے حد گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مارکونی مجھے پکڑنا۔" مگر اُس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ کوئی سہارا نہ ہونے کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اُس کی چیخیں سنائی دیتی رہیں جو دھند ہی دھند ہوتی گئیں، پھر دمک کی آواز آئی چیخیں بند ہو گئیں۔ انجام ظاہر تھا۔ مارکونی نے نیچے دیکھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ گر کر مرنے والے کی چیخوں کی گونج ابھی تک اس دہشت ناک دیرانے میں بھٹک رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ رکھو مارکونی!" دوسرے ساتھی نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں ایسی موت نہیں مرنے چاہتا۔"

مارکونی نے اُس کا حوصلہ بڑھایا اور آگے بڑھنے لگا۔ دیوار اوپر اٹھ رہی تھی۔ مارکونی بیٹھ بیٹھ آگے

کوئی ایک سو گز اور اوپر جا کر انہیں ایک گلی سی نظر آئی جو نیچے کو جا رہی تھی۔ وہاں سے ارد گرد دیکھا تو دُور دُور تک پہاڑیوں کے ستون اوپر کو گئے ہوئے تھے۔ منظر بدست ناک تھا۔ وہ نیچے اترنے لگے۔ یہ گلی کئی ایک سوڑ مڑ کر انہیں ایک فراخ جگہ لے گئی جو گولائی میں تھی۔ یہاں کی گرمی ناقابل برداشت تھی چوٹیوں کے قریب پہاڑیوں میں چمک سی تھی۔ وہاں کی مٹی میں کسی دعائے کی آمیزش تھی۔ اسی کی تپش سے گرمی زیادہ تھی۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ سوائے چند گز جگہ کے۔ وہاں گئے تو خوف سے تینوں جیسے ہٹ آئے۔ وہ بہت گہرا نشیب تھا۔ رمت بھی زیادہ تھی اس کی تپ رہیت چمک رہی تھی اور سورج کی تپش انہی زیادہ تھی کہ ریت سے دھواں سا اٹھتا اور لرزنا نظر آتا تھا۔ اس سے اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

اس اتنے گہرے نشیب کے آسنے سامنے کے کناروں کو ایک قدرتی دیوار ملائی تھی۔ یہ نیچے سے اوپر تک تھی۔ یہ دراصل مٹی اور ریت کا دیوار تھا۔ نیچے سے بھی اتنا ہی چوڑا تھا جتنا اوپر سے۔ اس کی چوڑائی ایک گز سے کم تھی۔ کہیں سے گولائی میں تھی جس پر چلنا خطرناک تھا۔ اگر مارکونی کو پار جانا ہی تھا تو یہی ایک راستہ تھا جو پہلے صراط کی مانند تھا۔ اس کی مسابئی پچاس گز سے زیادہ ہی تھی۔ مارکونی کے ایک ساتھی نے اُسے کہا۔ "میرا خیال ہے اس دیوار پر چلنے کی بجائے تم خود کشتی کا کوئی بہتر طریقہ اختیار کر لے گے۔"

"خزانے راستے میں پڑے نہیں ملا کرتے۔" مارکونی نے کہا۔ "ہیں اسی راستے سے پار جانا ہے۔"

"اور پھیل کر نیچے جہنم کی آگ میں گرنا ہے۔" دوسرے ساتھی نے کہا۔

"کیا ہم نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف نہیں اٹھایا کہ صلیب کی عظمت اور اسلام کی بیعت کے لیے جانیں قربان کر دیں گے؟" مارکونی نے کہا۔ "کیا میدان جنگ میں ہمارے ساتھی صلیب پر جانیں قربان نہیں کر رہے؟ میں بزدلوں کی طرح یہیں سے واپس ہو کر احمد درویش کو یقین دلا سکتا ہوں کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد اب تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ جہاں نہی تھی وہاں چٹانیں ہیں اور جہاں نقشہ چٹانیں دکھاتا ہے وہاں کچھ بھی نہیں ہے مگر میں بزدل نہیں بنوں گا۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے دل پر خوف طاری ہو چکا ہے۔ میں اس کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ میرے خوف میں انسان نہ کرو دو سنو! اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو صلیب سے دھوکہ کرو گے اور اس کی سزا بڑی اذیت ناک ہوگی۔ میں تمہارے آگے آگے چلتا ہوں۔ جہاں پھسلنے کا خطرہ محسوس کرو وہاں اس طرح بیٹھ جانا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں پھر آگے سرکتے رہنا۔"

۲۵

یہ مطالبہ کہ وہ ایک رفاقت کو اپنے ساتھ رکھے گا کوئی عجیب یا غیر معمولی مطالبہ نہ تھا۔ البتہ قدومی کو اپنے ساتھ لے جانا کچھ عجیب سا تھا۔ قدومی ایک سو سال رفاقت تھی جو موت و مراد اور دولت و مفاد کے ہاں جاتی تھی۔ وہ سوڈان کی رہنے والی تھی اور مسلمان۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی مگر اُس کے ناز و ادا میں جو باد و تھا اُس نے بڑے بڑے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے تھے۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ قدومی مارکونی کے ساتھ صحرا میں چلی جائے گی۔ مارکونی اس کے بغیر جانے پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ احمد درویش کو آخر یہ وعدہ کرنا پڑا کہ وہ قدومی کو اس

مارکونی زیادہ باتیں کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر کہا: ”ہم ایک سو نہیں ایک ہزار مسلمانوں کو کاٹیں گے اور مرے گئے نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔“

وہ ساتھی کو لے کر چڑھائی پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی زیادہ اونچی نہیں تھی، زمین آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ سورج آگے نکل گیا تھا۔ سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ ان دونوں کو ٹھکنے سے بچ کر رہا تھا۔ وہ آگے کو جھکے ہوئے بڑھتے گئے اور اوپر اٹھتی ہوئی انتہائی بلندی تک پہنچ گئے۔ ریت نے اُن کی آنکھیں بھر دی تھیں۔ مارکونی نے آنکھیں مل کر دیکھا۔ آگے ڈھلان تھی اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں۔ وہ ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا: ”تم اگر گیتان سے اچھی طرح واقف ہو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ سامنے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ سراب تو نہیں؟“

اُس کے ساتھی نے دیکھا۔ آنکھیں بند کیں۔ کھولیں اور غور سے دیکھا۔ اُس نے کہا: ”یہ سراب نہیں ہو سکتا۔ وہ واقعی سراب نہیں تھا۔ انہیں کھجوروں کے کئی ایک درختوں کی پوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ پتے ہرے تھے۔ درخت نشیبی جگہ میں معلوم ہوتے تھے اور کچھ دور بھی تھے۔ مارکونی ٹیکری سے آگے چلا گیا۔ وہ اب دوڑ رہا تھا اُس کا ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہاں عجیب و غریب شکلوں کی ٹیکریاں تھیں۔ بعض ایسی جیسے کوئی انسان گھٹنوں میں سر دے کے بیٹھا ہو۔ کچھ بڑی تھیں کچھ چھوٹی۔ مارکونی ان میں سے راستہ تلاش کرتا دوڑتا جا رہا تھا۔ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں کے قریب چلا گیا۔ مارکونی کا سانس چھوٹنے لگا۔ اُس کا ساتھی قدم گھسیٹتا جا رہا تھا۔ مارکونی اچانک رُک گیا اور آہستہ آہستہ یوں پیچھے ہٹنے لگا جیسے اُس نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔ اُس کا ساتھی اُس سے جا ملا اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

☆

اُن دونوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہیں ایک نشیب نظر آ رہا تھا۔ یہ کم و بیش ایک میل وسیع اور عریض تھا۔ اس کے ارد گرد مٹی اور ریت کی اونچی اونچی قدرتی دیواریں تھیں۔ گہرائی کا یہ علاقہ سرسبز تھا۔ کچھ اونچا نیچا بھی تھا۔ وہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں پانی کی بہتات تھی۔ ایسے جہنم میں ایسا سرسبز گوشہ فریب نگاہ نہیں تھا۔ وہ اسی خطے کی بو تھی جو مارکونی نے سونگھ لی تھی۔ مارکونی کو اس جگہ سے کچھ آگے ایسی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں جو ریت اور مٹی کی نہیں بلکہ پتھروں اور پتھریلوں کی تھیں۔ اُن کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اس جہنمی خطے کے باہر سے یہ پہاڑیاں نظر نہیں آتی تھیں اور اس سرسبز جگہ کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مارکونی نے تیزی سے بیٹھ کر اپنے ساتھی کو بھی بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔ انہیں ایک اور عجیب چیز نظر آگئی تھی۔ یہ دو انسان تھے جو نشیب میں اسی طرف آرہے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک ننگے تھے۔ اُن کے رنگ گہرے باوامی اور اُن کے چہرے اچھے غامے تھے۔ کہیں سے ایک عورت نکلی۔ وہ کسی اور طرف جا رہی تھی۔ وہ بھی سر سے پاؤں تک ننگی تھی۔ اس کے بال کبھرے ہوئے اور کمر تک لمبے تھے۔ شکل و صورت سے یہ لوگ حبشی نہیں مروں گا۔“

سرکنا گیا۔ رونے کی آوازیں بدستور آرہی تھیں اور ان کے تیسرے ساتھی کی چیخوں کی گونج اس طرح بھونک رہی تھی جیسے اوپر جا کر اُن کے اوپر منڈلا رہی ہو۔۔۔ دیوار کچھ چوڑی ہوگئی۔ مارکونی نے گھوم کر اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اوپر کر لیا۔ آگے وہ ذرا اطمینان سے چل سکتے تھے لیکن ہوا کے جھونکے اتنے تیز تھے کہ اُن کے لیے توازن قائم رکھنا ذرا مشکل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور دیوار ختم ہوگئی۔ آگے زمین اور پہاڑیاں کچھ سخت تھیں۔ دو چٹانوں کے درمیان تنگ سارا سہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گئے۔ مارکونی کے ساتھی نے اس سے پوچھا: ”جیفرے مرچکا ہوگا؟ اُسے بچایا یا دیکھا نہیں جاسکتا؟“

مارکونی نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ بھری اور نفی میں سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس نے کچھ کہے بغیر اپنے ساتھی کے کندھے پر تپکی دی اور آگے چل پڑا۔ یہ بھی ایک گلی سی تھی جو فراخ ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی سے کہا: ”ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم جہاں جاتے ہیں وہاں ایک ہی راستہ ملتا ہے۔ ایک سے زیادہ راستے ہوں تو بھٹک جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔“

یہ گلی ختم ہوگئی۔ آگے جگہ کشادہ ہوتے ہوتے بہت ہی کھل گئی اور زمین اوپر کو اٹھتی گئی۔ ہوا ابھی تک تیز تھی۔ مارکونی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس ہیبت ناک علاقے میں کتنی دور اندر پہنچ گیا ہے۔ اُسے مرنے کا احساس رہ گیا تھا کہ دنیا سے اُس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ وہ صلیب کے نام پر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ فرعون کا مدفن تلاش کرنے کا مقصد اُس کے سامنے ہی تھا کہ اس سے نکلے ہوئے خزانے سے مسلمانوں کو فائدہ ہو۔ مارکونی نے اُس سے کہا: ”اگر ہمیں سلطنت اسلامیہ کے ہی غلات استعمال کیا جائے گا اور دنیا میں صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ وہ اپنے دُور سے ہوئے ساتھی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ہوا اُسی طرف سے آرہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں دائیں اور بائیں کو بٹ گئی تھیں اور سامنے آسمان نظر آ رہا تھا۔ مارکونی چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ وہ رُک گیا اور ہوا کو سونگھ کر بولا: ”تم بھی سونگھو۔ ہوا میں جو بو ہے وہ صحرائی نہیں۔“

”تمہارا دماغ جواب دے رہا ہے۔“ اُس کے ساتھی نے کہا۔ ”صحرائی صحرائی تو نہیں ہے تو اُدس کی ہے؟ تم اٹالوی ہو شاید؟ شاید تمہیں اپنے گھر کی بو آرہی ہے۔“

مارکونی کے چہرے پر کچھ اور تاثر تھا۔ وہ ہوا کو سونگھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا: ”تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ میرے دماغ پر صحرائی صحرائی کی صوبت کا اثر ہو گیا ہے۔ یہاں پانی نہیں ہو سکتا۔ میں شاید خیالوں میں کھجوروں کی سبزے اور پانی کی بو سونگھ رہا ہوں۔ میں اس بو سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ میرا تجربہ ہے، مگر میرے سونگھنے کی جس مجھے دھوکہ دے رہی ہے۔ اس جہنم میں پانی کی بو نہ بھی نہیں ہو سکتی۔“

”مارکونی!“ اُس کے ساتھی نے اُس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا: ”میں بھی ایک بو سونگھ رہا ہوں، موت کی بو۔ مجھے موت اپنی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ دوست! جلد سے آئے ہیں اور ہری لوٹ چلیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں بزدل ہوں تو مجھے میدان جنگ میں بھیج دو۔ ایک سو مسلمانوں کو کاٹنے سے پہلے نہیں مروں گا۔“

ہوں گے۔ وہ کچھ دیر وہیں سے نیچے دیکھتا رہا۔

پھر سورج غروب ہو گیا۔ مارکونی نے موت کو قبول کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ اس جگہ اور ان لوگوں کے عجیب کو پانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے ایک ہفتے میں خیر اور دوسرے ہفتے میں چھوٹی تلواریں لی اور اوجھر ادھر دیکھتا ایک اور سمت چل پڑا شام اندھیری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اُپر ہی اوپر سے اُس طرف جا رہا تھا جس طرف وہ اُس کے ساتھی کو لے گئے تھے۔ وہاں کوئی آہٹ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ ڈراؤنا سا سکوت تھا۔ وہ دائیں بائیں اور نیچے دیکھتا آگے ہی آگے چلتا گیا۔ وہ نشیب کی گولائی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اُسے قبیعی قبیعی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جب یہ آوازیں بلند ہوئیں تو یہ ناچنے اور گانے کا ترنم اور ہنگام تھا۔ وہ ان آوازوں کی سمت گیا تو اُسے ایک اور منظر نظر آیا۔ بائیں طرف ایک اور وسیع نشیب جگہ تھی۔ کئی شعلیں چل رہی تھیں۔ وہاں بھی سبزہ تھا جہاں کم و بیش بچپن مرد، عورتیں اور بچے آہستہ آہستہ تاج اور گارہے تھے۔ ان کے درمیان بہت سی آگ مل رہی تھی۔ اُس کے ذرا اوپر ایک انسانی لاش سر اور پاؤں سے باندھ کر زمین کے متوازی لٹکائی ہوئی تھی۔ اُسے گھمایا جا رہا تھا۔ یہ مارکونی کا ساتھی تھا جسے جونا جارا ہا تھا۔ مارکونی یہ ہونا نک منظر دیکھتا رہا۔ اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ بوڑھے نے اُس کے ساتھی کے جسم سے گوشت کاٹ کر سب میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

مارکونی کے دل پر ایسا گرا اثر ہوا کہ وہاں سے اُدھر کو واپس چل پڑا جہر سے آیا تھا۔ اُسے راستہ یاد تھا۔ وہ چونکا ہو کر پہلا جا رہا تھا۔ وہ اُس دیوار پر پہنچا جو قصوروں سے زیادہ گہرے نشیب میں کھڑی تھی یہیں اُس کا ایک ساتھی گرا تھا۔ وہ جب دیوار کے درمیان اُس جگہ پہنچا جہاں سے اُس کا ساتھی گرا تھا اُسے وہ وہ نیچے غرائے اور جھونکنے کی دہلیزی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ مہرائی کو مڑیاں اُس کے ساتھی کو کھا رہی ہیں۔ اُس کے دوسرے ساتھی کو تو انسان کھا گئے تھے۔ اب ہوا تیز نہیں تھی۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتا اور سرگنا دیوار سے گزر گیا۔۔۔۔۔ رات کے پچھلے پہر وہ اُس جگہ پہنچا جہاں تین اونٹ بیٹھے تھے۔ اُس نے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ اونٹوں کے ساتھ بندھا ہوا پانی پی لیتا۔ وہ ایک اونٹ پر بیٹھا۔ وہ اونٹوں کو ساتھ لیا اور چل پڑا۔

☆

وہ اگلے دن کی شام تھی جب مارکونی ایک معزز معری سوداگر کے روپ میں احمد دوش کے گھر میں داخل ہوا۔ احمد نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ ”تم اکیلے ہو۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟“

مارکونی جواب دینے کی بجائے بیٹھا گیا۔ اُس کے تو ہوش ہی ٹھکانے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اُس نے احمد کو اپنے سامنے بٹھالیا، اور اُسے ایک ایک لمحے لمحے اور ایک ایک قدم کی رویداد سنائی۔ احمد کو مارکونی کے دوستوں کے مرنے کا درد بھرا فوس نہ ہوا۔ اُس نے جب سنا کہ ایک ساتھی کو ننگے آدم خوروں نے کھا لیا ہے تو اُس نے خوشی سے اچھل کر پوچھا۔ ”کیا تم نے اپنی آنکھوں دیکھا تھا کہ اُن میں سے کسی کے

اور جتنی نہیں لگتے تھے۔

”یہ بدروہیں ہیں۔“ مارکونی کے ساتھی نے کہا۔ ”یہ انسان نہیں ہو سکتے۔ مارکونی! سورج غروب ہونے والا ہے۔ اٹھو، پیچھے کو بھاگ چلیں۔ رات کو یہ میں زندہ نہیں بچوڑیں گے۔“

مارکونی انہیں بدروہیں سمجھتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا کہ یہ انسان ہو سکتے ہیں۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ وہ ہوا میں اُڑ نہیں رہے تھے، زمین پر چل رہے تھے۔ دُور انہیں تین بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے نظر آئے۔ ان سب کی حرکتیں ایسی تھیں جن سے یقین ہوتا تھا کہ یہ انسان ہیں۔ مارکونی پیٹ کے بل سرگنا آگے چلا گیا۔ اُس کا ساتھی بھی اُس کے پیلوں میں بالیٹا۔ وہ جہاں لیٹ کر دیکھ رہے تھے وہاں کی دیوار مودی نہیں کچھ ڈھلانی تھی اور ریت زیادہ تھی۔ مارکونی کے ساتھی نے غالباً اور آگے ہونے کی کوشش کی یا جانے کیا ہوا، وہ نیچے کو سرک گیا اور ڈھلکا ہوا نیچے جا پڑا۔ وہاں سے اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ مارکونی پیچھے کو سرک کر ایک ایسی ٹیکری کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وہ نیچے دیکھ سکتا تھا۔ یہ ڈھلان جہاں سے میلی گرا تھا تیس چالیس گز اونچی ہوگی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی کو اٹھنے دیکھا۔ وہ ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مارکونی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دو ننگے آدمی جو اسی طرف آ رہے تھے دوڑ پڑے۔ مارکونی نے انہیں اوپر سے دیکھ لیا۔ اُس کے ساتھی نے نہ دیکھا۔ مارکونی اسے آواز نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کے لوگ انسان بھی ہیں۔ اُن دو آدمیوں نے مارکونی کے ساتھی کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ اُس کے پاس خنجر تھا اور ایک چھوٹی تلواریں بھی، مگر ہتھیار نکالنے کا موقع نہ ملا۔ اُن آدمیوں نے اُسے نیچے گرا لیا۔ وہ عورت جو کہیں جا رہی تھی دوڑتی آئی۔ اُدھر سے بچے بھی آگئے۔ انہوں نے اپنی زبان میں کسی کو کپکپا۔ معلوم نہیں کہاں سے دس بارہ آدمی جو سب ننگے تھے دوڑتے آئے۔ ایک نے مارکونی کے ساتھی کی کمر سے تلوار نکال لی۔ اُسے گرا لیا گیا اور مارکونی نے دیکھا کہ تلوار سے اس کے ساتھی کی تہہ رگ کاٹ دی۔ سب آدمی ناچنے لگے۔ وہ کچھ گا بھی رہے تھے اور منہں بھی رہے تھے۔ اتنے میں ایک ضعیف العمر انسان آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب ایک طرف ہٹ گئے۔

یہ بوڑھا بھی ننگا تھا۔ اُس کے عصا کے اوپر والے سرے پر دو سانپوں کے پھن بنے ہوئے تھے۔ یہ فرعونوں کا امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ بوڑھے نے مارکونی کے ساتھی کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ وہ اب تڑپ نہیں رہا تھا، مگر چونکا تھا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ تمام ننگے انسان جن میں چند ایک عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی بہت سے میں گر پڑے۔ بوڑھا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ پھر اوپر کیا اور سب سجدے سے سر اٹھا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بوڑھے کو ڈھلان کی طرف اشارے کر کے بتایا جا رہا تھا کہ یہ آدمی اُدھر سے نیچے آیا ہے۔ بوڑھے کے اشارے پر وہ لوگ مارکونی کے ساتھی کی لاش کو اٹھا لے گئے۔ مارکونی کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ یہ پراسرار انسان اوپر آکر ہر طرف دیکھیں گے کہ نیچے گرنے والے کے ساتھی بھی اوپر

بھی جسم پر کپڑا نہیں تھا؟.... بوڑھے کے عصا پر دو سانپوں کے بچن تم نے دیکھے تھے؟.... تم نے بھی طرح دیکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے آدمی کا گوشت کھا لیا تھا؟“

”میں خواب کی باتیں نہیں سنا رہا۔“ مارکونی نے جھنجھلا کر کہا۔ ”مجھ پر جویتی ہے میں وہ سنا رہا ہوں میں نے یہ اپنی آنکھوں دیکھا ہے جو سنا رہا ہوں۔“

”فرعون بھی یہی سنا رہے ہیں جو تم نے سنایا ہے۔“ احمد درویش نے اٹھ کر مارکونی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اُسے مسرت کی شدت سے تھجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”تم نے بھید پالیا ہے۔ مارکونی! یہی ہیں وہ لوگ جن کی مجھے تلاش تھی۔ یہ قبیلہ سولہ صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زمانہ انہیں انسان کا گوشت کھانے پر مجبور کر دے گا۔ تم یہ تحریریں نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے پڑھ لی ہیں۔ لکھا ہے کہ خزانوں کی حفاظت سانپ کیا کرتے ہیں لیکن میرے مدن کی حفاظت انسان کریں گے جو صدیوں بعد سانپ لہو و دند کے بن جائیں گے۔ میرے مدن کی حدود میں کوئی انسان داخل ہوگا اُسے میرے محافظ کھا جایا کریں گے۔ وقت اور زمانہ انہیں ننگا کر دے گا لیکن میں نے جہاں اپنا دوسری دنیا کا گھر بنایا ہے وہ جگہ ان کی ستر لٹنی کرے گی۔ باہر کا کوئی مردان کی عورت پر نظر نہیں ڈال سکے گا۔ جو نظر ڈالے گا وہ وہاں سے زندہ نہیں جاسکے گا۔“

”میں زندہ واپس آ گیا ہوں۔“ مارکونی نے کہا۔

”اُس لیے کہ تم نیچے نہیں گئے۔“ احمد نے کہا۔ ”تم نے جن سیاہ رنگ کے پتھر لیے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے وہ پہاڑ اپنے واسطے میں کہیں زمینیں کی حنوط کی ہوئی لاش اور خزانے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور یہ ننگے لوگ؟۔ ان کے آباد ابدال زمینیں کے وقت سے وہاں پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ مرتے رہے، اُن کی نسل آگے بڑھتی رہی اور پندرہ سولہ صدیاں گزر گئیں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ وہ زندہ کس طرح رہتے ہیں۔ شاید درندوں کی طرح صحرا کے مسافروں کے شکار میں رہتے اور انہیں بھون کر کھا لیتے ہیں۔ وہاں پانی کی افراط ہے۔ کمجوروں کی کمی نہیں۔ ان کا زندہ رہنا حیران کن نہیں۔ وہ آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہیں، اگر ان کے عقیدے ٹوٹ چکے ہوتے تو وہاں نہ ہوتے.... تم نے ان کے پاس کوئی ہتھیار دیکھے تھے؟“

”نہیں!“

”اُن کی تعداد کا کچھ اندازہ؟“

”رات کو وہ جب اکٹھے تھے تو پچیس تھے۔“

”وہ اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتے۔“ احمد درویش نے کہا۔

”ہاں!“ مارکونی نے کہا۔ ”میں نے اُن کے پاس دو اونٹ بھی دیکھے تھے۔ اونٹ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں مگر میں نے مرنے دیکھے تھے۔“

”پھر وہ باہر آتے ہوں گے۔“ احمد درویش نے کہا۔ ”وہ باہر مزدور آتے ہوں گے۔ مسافروں کو پکڑنے کے لیے انہیں باہر آنا ہی پڑتا ہوگا.... سنو مارکونی! غور سے سنو۔ وہاں کوئی ایسا سیدھا راستہ مزدور ہے جس سے وہ

باہر آتے اور اندر جاتے ہوں گے۔ یہ پہاڑوں کا کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔ میں نے تمہیں جو راستہ بتایا تھا، وہ آئے جانے کا ایسا راستہ نہیں جس سے بار بار آیا جاسکے۔ وہاں کوئی اور راستہ ہے جہاں ننگے آدم خوروں سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ میں اس کی ترکیب سوچ چکا ہوں۔ ترکیب یہ ہے کہ وہاں ہتھیار جمع کیا جائے۔ ہر کتا ہے وہیں اُس دیوار غلطی سے جس سے تمہارا ایک ساتھی گر کر مرے گا۔ کچھ آدمی گرا کر مارنے پڑیں لیکن یہ قربانی ضروری ہے۔ تباہ و بچھڑیں تیس نہتے آدمیوں کو جن میں بچے اور عورتیں بھی ہیں مارنے کے لیے اور ان میں دو تین کو زندہ پکڑنے کے لیے تمہیں کتنے آدمی دیکھ کر رہیں؟ کم سے کم تعداد تباہ۔ تم ان آدمیوں کے رہنا اور سربلہ ہو گے۔“

”میں ترکیب سمجھ گیا ہوں۔“ مارکونی نے کہا۔ ”ایک ترکیب میرے دماغ میں بھی آئی ہے۔ ہم انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ دو تین کو زندہ پکڑ سکتے ہیں لیکن میں آپ کو یہ یقین نہیں دلا سکتا کہ وہ اس جگہ کے تمام بھید ہمیں بتا دیں گے۔ اپنے قبیلے کو مزید کچھ کر دے بھی مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے بتائیں گے کچھ نہیں۔ میں ایسی ترکیب کر دوں گا کہ ان میں سے ایک دو آدمی باہر کو بھاگ اٹھیں اور ان کا تعاقب کیا جائے۔ راستہ معلوم ہو جائیگا۔“

”تم دانشمند ہو مارکونی!“ احمد درویش نے کہا۔ ”تباہ کتنے آدمی دوں؟“

”پچاس!“ مارکونی نے جواب دیا اور کہا۔ ”زیادہ تر آدمی میرے منتخب کیے ہوئے ہوں گے میں انہیں تلاش کروں گا، مگر ہم کے آغاز سے پہلے میں اپنی شرطیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔“

”تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا۔“ احمد نے کہا۔

”مجھے خزانے سے حصہ ملنا چاہیے۔“ مارکونی نے کہا۔ ”اتنی خطرناک ہم میرے فرائض میں شامل نہیں۔ میں جاسوس اور تخریب کار ہوں۔ مجھے خزانے کی تلاش کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کی ذاتی ہم ہے۔ میں انعام نہیں منہ مانگا حصہ لوں گا۔ اگر آپ کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو آپ کو ایک ریاست کی حکمرانی مل جائے گی۔ میں جاسوس کا جاسوس رہوں گا۔“

”یہ ہم اور یہ منصوبہ ذاتی نہیں۔“ احمد درویش نے کہا۔ ”یہ منصوبہ ایلان کی حکمرانی کا منصوبہ ہے۔“ مارکونی اپنے مطالبے پر قائم رہا۔ احمد مجبور ہو گیا۔ اُسے احساس تھا کہ مارکونی کے سوار زمینیں کے مدفن تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کے مطالبے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مارکونی نے کہا۔ ”معلوم نہیں مجھے کتنے دن صحرا میں رہنا پڑے۔ میں ایسی سخت اور خشک خوراک پسند نہیں کروں گا۔ مجھے دو تین اونٹ فالتو دیے جائیں جو میں اور میرے ساتھی بھون کر کھا سکیں اور مجھے تھوڑی دی جائے۔“

”تھوڑی؟“ احمد درویش نے حیرت سے کہا۔ ”اتنی نازک اور ایسی اعلیٰ درجے کی تمام کو تمہارے ساتھ ایسی خطرناک ہم میں روانہ کر دوں؟ وہ جانے پر بھی راضی نہیں ہوگی۔“

”اُسے زیادہ معاونہ پیش کریں وہ راضی ہو جائے گی۔“ مارکونی نے کہا۔ ”میں اُس کے لیے ایسا انتظام کروں گا کہ وہ محسوس ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ صحرا میں ہے اور کسی خطرناک ہم میں شریک ہے۔ میں اس کی قدر و قیمت

سے واقف ہوں۔

یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب دولت مند تاجراجہ اپنی چہیتی بیویوں کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اپنی بیویوں میں سے کوئی پسند نہ ہو تو کسی من پسند طوائف یا رقاصہ کو منہ مانگا معاوضہ دے کر ہمسفر بنا لیتے تھے۔ فوجوں کے کمانڈر بھی جنگ کے دوران اپنی بیویوں یا کرائے کی خوبصورت عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے۔ ہن دور میں خوبصورت اور جوان عورت کو سونے سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں اور یہودیوں نے سلطنت اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے عورت کو استعمال کیا تھا۔ مارکونی جیسے ہم جو اور خطرناک آدمی کا اچانک گرم ہوا کے جھونکے تیز ہونے لگے۔ ریت اڑنے لگی اور اس کے ساتھ عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو یا تین عورتیں اپنی آواز میں رو رہی تھیں۔ مارکونی کے ساتھی گھبرا گئے۔ مارکونی نے کان کھڑے کیے۔ ایک ساتھی نے اسے کہا۔ ”اس ددرخ میں کوئی عورت زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ

بدرو میں ہیں۔“

”یہ کچھ بھی نہیں ہے۔“ مارکونی نے کہا۔ ”بدرو میں بھی نہیں۔ زندہ عورتیں بھی نہیں۔ یہ ہوا کی پیدا کی ہوئی آوازیں ہیں۔ اس علاقے میں بعض ٹیلوں میں لمبے لمبے سوراخ ہیں جو دونوں طرف کھلتے ہیں اور بعض چٹانوں کی شکل ایسی ہے کہ ان سے تیز ہوا کے جھونکے گزرتے ہیں تو اس قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو تم سن رہے ہو۔ نیچے اتنی گہری اور اتنی وسیع کھائی ہے۔ اس پر یہ ننگے پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ آوازوں میں گونج پیدا کرتے ہیں۔ یہ گونج ہر طرف جھلکتی رہتی ہے مڑو نہیں؟“

مگر اُس کے ساتھیوں پر ایسا خوف طاری ہو گیا تھا جس پر وہ قابو نہیں پا سکتے تھے۔ یہ آوازیں ہوا کی ہمیں نہیں۔ قریب ہی کہیں عورتیں یا بدرو میں رو رہی تھیں۔ انہوں نے مارکونی کا پیش کیا ہوا فلسفہ تسلیم نہ کیا۔ آوازیں ہی ایسی تھیں۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ٹیلوں سے اور زمین سے ریت کے ہلکے ہلکے بادل اڑنے لگے تھے جن سے اب زیادہ دور تک نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مارکونی نے اس قدر تکی دیوار پر پہلا قدم رکھا جو اس بھیانک نشیب میں کھڑی تھی۔ وہاں جگہ اتنی کچی تھی کہ ریت اور مٹی میں پاؤں دھنس گیا۔ اُس نے دوسرا پاؤں آگے رکھا اور نیچے دیکھا۔ گہرائی دیکھ کر وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اب اس گہرائی کی تہ بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ریت اڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی تہ ہے ہی نہیں۔ مارکونی چند قدم آگے چلا گیا۔ وہاں اس کے دائیں یا بائیں کوئی ٹیلا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ہوا میں کھڑا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکوں نے اس کے جسم کو وحیل وحیل کر اُس کا توازن بگاڑ دیا۔ رونے کی آوازیں اور بلند ہو گئیں۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”آرام آرام سے پاؤں جھاتے آؤ۔ نیچے بالکل نہ دیکھنا۔ یہ تصور کرتے آنا کہ تم زمین پر چل رہے ہو۔“

اُس کے دونوں ساتھیوں پر پہلے ہی ثبوت طاری تھا۔ دیوار پر تین چار قدم آگے گئے تو ہوا کی تندہی نے اُن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ اُن کے جسم ڈولنے لگے۔ مارکونی اُن کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ وسط میں پہنچ گئے اور وہاں مارکونی نے دیکھا کہ دیوار ٹوٹی ہوئی ہے اور ذرا نیچے چلی گئی

ایک پردہ دار بیوی کے ہوسپ میں سے ہایا گیا۔ مارکونی اس کا خاندان بنا۔ ان دونوں کے ساتھ دو آدمی تھے۔ ایک صلیبی تھا اور دوسرا مسلمان جس کا نام اسماعیل تھا۔ یہ احمد کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ اپنی ضرورت پر اہل کرائے پر بھی ہرجم کر گزرتا تھا۔ کرائے کے قاتلوں میں سے بھی تھا۔ معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت اور عزت نہیں تھی لیکن حیثیت والے لوگ اُسے سلام کرتے تھے۔ مارکونی بھی اُسے اہم طرح جانتا تھا اور اس ہم میں اُسے قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ یہ سب الگ الگ راستوں سے روانہ ہوئے تھے۔ انہیں اٹھارہ کوس دور وہ جگہ بتادی گئی تھی جہاں انہیں اکٹھا ہونا تھا۔ اُن کے پاس تیرہ کمان اور تلواریں تھیں۔ رستے اور کھدائی کا سامان تھا۔

سب سے پہلے مارکونی، اسماعیل، تندی اور اُن کا ایک صلیبی ساتھی وہاں پہنچے تھے۔ مارکونی انہیں ہی پہاڑی علاقے کے اندر لے گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور انہوں نے خیمے لگا لیے تھے۔ اُسی رات اُن کے ساتھیوں کو پہنچ جانا تھا۔ اسماعیل تندی کو جانتا تھا۔ تندی اُس سے واقف نہیں تھی۔

۲۱۴

ایک وہ محاذ تھا جس پر نور الدین زنگی لڑ رہا تھا۔ اُس نے کرک کا قلعہ فتح کر کے وہاں کے اور مقامات کے علاقوں کے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اُس کے گشتی دستے دور دور تک گشت کرتے تھے تاکہ صلیبی کسی طرف سے جوابی حملے کے لیے آئیں تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ ان دستوں کا تمام صلیبی دستوں سے ہوتا رہتا تھا۔ زنگی تمام انتظامات سلطان ایوبی کی فوج کے حوالے کر کے بغداد واپس جانے کی تیاریاں کرنا چاہتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے کمانڈر میں تھا مگر سلطان ایوبی دوسرے محاذ پر لڑ رہا تھا جو صلیبیوں اور اُن کے پیدا کردہ غارتوں نے مصر میں کھول رکھا تھا۔ یہ محاذ زیادہ خطرناک تھا۔ سلطان ایوبی اس زمین دور محاذ پر لڑنے کی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ خوب مقابلہ کر رہا تھا مگر اُسے ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ ایک محاذ اور بھی کھل گیا ہے۔ یہ قافروں کے ہاتھوں کی تلاش۔ شام کے کھانے کے بعد سلطان ایوبی اُس کمرے میں گیا، جہاں وہ اپنے سالاروں اور دیگر حکام کو اکٹھا کر کے احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ وہاں فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کے علاوہ علی بن سفیان اور غیاث ملبیس بھی تھے۔ سلطان ایوبی کو اُسی روز نور الدین زنگی کا ایک طویل تحریری پیغام ملا۔ اُس نے اس پیغام کے مزوری سے کمانڈروں کو سنا۔ زنگی نے لکھا تھا۔ ”عزیر صلاح الدین! اللہ تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اسلام کو تہااری بہت ضرورت ہے۔ کرک اور گرد و پیش کے علاقے دشمن سے صاف ہو چکے ہیں۔ گشتی دستے جلتے ہیں، تو صلیبیوں کا کوئی دستہ کہیں کہیں ہمارے کسی دستے سے اُلجھ پڑتا ہے۔ صلیبی فوج پر یہ رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ابھی یہیں ہیں۔ تمہارے تیار کیے ہوئے چھاپہ مار دستے تعریف کے قابل ہیں۔ بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ تم نے اُن پر جو محنت کی ہے وہ اس کا صلہ دے رہے ہیں۔ تمہارے ہاسوس ان سے بھی دلیر اور عقل مند ہیں۔ اُن کی نظروں سے میں اتنی دُور بیٹھا ہوا دشمن کی ہر ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔“

”تازہ اطلاع یہ ہے کہ صلیبی شاید جوابی حملہ نہ کریں۔ وہ ہمیں انگشت کر رہے ہیں کہ ہم آگے جا کر اُن پر حملہ کریں۔ تم جانتے ہو کہ بیت المقدس جو ہماری منزل ہے اور تیز اول جو ہمارا مقصود ہے کتنی دُور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ

تم ان فاسلوں سے اور ان مسافروں سے گھبرانے والے انسان نہیں لیکن فاصلے زیادہ نہیں ڈھریاں اور کاؤں زیادہ ہیں۔ بیت المقدس تک ہمیں بہت سے قلعے سر کرنے ہوں گے۔ ان میں چند ایک قلعے تو بہت مضبوط ہیں صلیبیوں نے قبلہ اولیٰ کا دفاع دور دور کی قلعہ بندیوں کی صورت میں بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ صلیبی اس کوشش میں ہیں کہ یونانیوں بازنطینیوں اور اطالویوں کا بحری بیڑہ متحدہ ہو جائے اور مصر پر حملہ آور ہو کر شمالی علاقے میں فوجیں اتار دے۔ تمہیں اس صورت حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پیش بندی کر لو۔ تمہارے پاس دور مار آتشیں گولے پھینکنے والی منجیقیں زیادہ ہونی چاہئیں۔ میں یہ مشورہ دوں گا کہ شمالی علاقے کی زمین اجازت دے تو دشمن کے بحری بیڑے کو ساحل تک آنے دو۔ وہاں مزاحمت نہ کرو۔ دشمن کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دو کہ اُس نے تمہیں بے خبری میں آن دیا ہے۔ فوجیں اتر آئیں تو جہازوں پر آگ برساؤ اور صلیبی فوج کو اپنی پسند کے میدان میں گھسیٹ لاؤ۔۔۔۔

”میں تمہاری مجبوریوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ تمہارے قاصد نے تمام حالات بتائے ہیں۔ رب کی قسم، صلیبیوں کی ساری بادشاہیاں طوفان کی طرح آجائیں تو بھی اُمتِ رسول اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اُمتِ لہو دینا جانتی ہے۔ یہ سرفروشل کی اُمت ہے مگر ایمان فروشوں نے ہمیں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ تم ناہرہ میں قید ہو گئے ہو، میں بعد اسے نہیں نکل سکتا۔ عورت، شراب اور زرد دولت نے ہماری مغل میں شگاف کر ڈالے ہیں۔ اگر ہمارے گھر میں سکون اور اعتماد ہوتا تو ہم دونوں صلیب کا مقابلہ کرتے مگر کفار نے ایسا ملسم پیدا کیا ہے کہ مسلمان بھی کافر ہو گئے ہیں۔ یہ کافر مسلمان اتنے مردہ ہو چکے ہیں کہ یہ احساس بھی نہیں رکھتے کہ ان کا دشمن ان کی بیٹیوں کی عصمت سے کھیل رہا ہے۔ کرک کے مسلمان بہت بُری حالت میں تھے۔ صلیبیوں نے اُن پر جو نظام ڈھالے وہ سنو تو لہو کے آنسو رو۔ میں اپنی قوم کے غداروں کو کیسے سمجھاؤں کہ دشمن کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے۔۔۔۔

”تم نے آنسوؤں کا اظہار کیا ہے کہ تمہارے اپنے بھائی اور اچھے اچھے حاکم اور کمانڈر تمہارے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ صلاح الدین! آنسو اس پر نہیں کہ وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے آنسو ایک امر یہ ہے کہ وہ غدار ہوئے اور یہ بھی آنسو ناک ہے کہ صلیبی خوش ہو رہے ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کر رہے ہیں۔ تم غداروں کو بخش نہیں سکتے۔ غدار کی سزا قتل ہے۔۔۔۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جب آؤ تو تمہارے ساتھ فوج زیادہ ہونی چاہیے۔ صلیبی تمہیں قلعہ بندیوں میں لڑا کر تمہاری طاقت زائل کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کے راستے میں ہی تم بے دست و پا ہو جاؤ تم جب آؤ تو مصر کے اندرونی حالات کو پوری طرح تابو میں کر کے آنا۔ سوڈانیوں کی طرف سے چوکنا رہنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سامنے کچھ مالی مسائل بھی ہیں میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ بہتر ہے کہ اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرو، اور یہ کوشش بھی کرو کہ قاہرہ سے جلدی نکل آؤ لیکن اندر اور باہر کے حالات دیکھ کر وہاں سے نکلنا۔ اللہ تمہارا حامی ہے۔“

صلاح الدین ایوبی نے مجلس کے حاضرین کو یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور انہیں یہ امید افزا خبریں سنائیں کہ فوج میں شامل ہونے کے لیے دیہاتی علاقے سے لوگ آئے گئے ہیں، تو ہم پرستی کی جو مہم دشمن نے شروع کی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے لیکن کہیں کہیں اس کے اثرات باقی ہیں۔ ایک فتور مسجدوں سے بھی اٹھا تھا۔ اُسے بھی دبا لیا گیا ہے۔ تین چار اماموں نے انہی توہمات کو جو صلیبیوں نے ہمارے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا ایلی بنالیا تھا۔ ہمارے سامنے ایسے لوگ آئے ہیں جو کسی مصیبت کے وقت براہِ راست خدا سے دعا مانگنے کے بجائے اماموں کو نذرانے دیتے رہے کہ وہ ان کے لیے دعا کریں۔ یہ وہم پھیلا دیا گیا تھا کہ عام آدمی خدا سے کچھ نہیں مانگ سکتا، نہ خدا اس کی سنتا ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں نے ان اماموں کو مسجدوں سے نکال دیا ہے اور مجھے ایسے اماموں کے حوالے کر دی ہیں جن کے نظریات اور عقیدے قرآن کے عین مطابق ہیں۔ وہ اب لوگوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ مسلمان کا خدا عالم اور بے علم کے لیے، امیر اور غریب کے لیے، حاکم اور رعایا کے لیے ایک جیسا ہے۔ وہ ہر کسی کی دعا سنتا ہے۔ اچھے عمل کی جزا اور بُرے عمل کی سزا دیتا ہے۔ میں اپنی قوم میں یہی فوج اور یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کریں، میرے دوستو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا دشمن صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑ رہا۔ وہ تمہارے دلوں میں نئے عقیدے ڈال رہا ہے۔ یہودی اس مہم میں پیش پیش ہے۔ یہودی اب کبھی تمہارے آسنے سامنے آکر نہیں لڑے گا۔ وہ تمہارے ایمان کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس عمل میں وہ اتنی جلدی کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن وہ ناکام بھی نہیں ہوگا۔ وہ وقت آئے گا، جب خدا کی دھنکائی ہوئی یہ قوم مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ایسی چال چلے گی کہ اپنے مقصد کو پالے گی۔ اس کا خنجر سلطنتِ اسلامیہ کے سینے میں اتر جائے گا۔ اگر اپنی تاریخ کو اس ذلت سے بچانا چاہتے ہو تو آج ہی پیش بندی کر لو۔ اپنی قوم کے قریب جاؤ۔ اپنے آپ کو حاکم اور قوم کو مظلوم سمجھنا چھوڑ دو۔ ان میں اتنا وقار پیدا کرو کہ یہ قومی وقار پر جانیں قربان کر دیں۔“

سلطان ایوبی نے بتایا کہ صلیبیوں کے پاس عورت اور دولت ہے اور ہمارے ہاں ان دونوں کا لاپھ بوجھ ہے۔ ہمارے سامنے ایک مہم یہ بھی ہے کہ قوم کے دل سے عورت اور دولت کا لاپھ نکال دیں۔ اس کے لیے ایمان کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔

”امیرِ محرم!“ ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا۔ ”ہمیں دولت کی ضرورت بھی ہے۔ اخراجات پورے کرنے مشکل ہو رہے ہیں۔ ہمیں بعض کاموں میں مشکل پیش آتی ہے۔“

”میں یہ مشکل آسان کر دوں گا۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے قبول کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کے پاس دولت کی اور فوج کی کمی رہی ہے اور رہے گی۔ ہمارے رسول نے پہلی جنگِ تین سو تیرہ مجاہدین کی طاقت سے لڑی تھی، اُس کے بعد مسلمان جہاں بھی لڑے اسی تناسب سے لڑے۔ مسلمانوں کے پاس دولت کی کمی کبھی نہیں رہی۔ دولت چند ایک افراد کے گھروں میں چلی گئی، اب بھی ہماری قوم کا یہی

ہاں ہے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جو مالک مسلمان ہیں ان کے پاس دولت کے ڈھیر ٹپے ہیں۔
 "دولت کے ڈھیر یہاں بھی پڑے ہیں سالارِ اعظم! غیاث بلبلیں نے کہا۔" اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک نئی مہم شروع کر سکتے ہیں.... آپ کو معلوم ہے کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہاں جو فرعون بھی مراد اپنا تمام تر خزانہ اپنے ساتھ زمین کے نیچے لے گیا۔ وہ خزانے کس کے تھے؟ یہ اُس غریب مخلوق کی دولت تھی جسے جھوٹا رکھ کر اُس سے سجدے کرائے گئے۔ اُس دور کے انسان نے فرعون کو خدا مورت اس لیے کہا تھا کہ وہ انسان جھوٹا تھا۔ اُس کی قسمت فرعونوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُس کی زندگی اور موت بھی فرعونوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ انسانوں سے زمین کھدوا کر اور پہاڑ کٹوا کر فرعونوں نے اپنے زمین دوز مقبرے بنائے، تو وہ ایسے جیسے اُن کے مل تھے۔ ان میں انہوں نے وہ دولت ڈھیر کر لی جو لوگوں کی تھی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم فرعونوں کے زمین دوز مقبروں اور مدفونوں کی تلاش شروع کر دیں اور خزانے ملک اور قوم کی خاطر استعمال کریں۔ غیاث بلبلیں کی تائید میں کئی آوازیں اٹھیں۔ "یہ صحیح ہے امیر محترم! ہم نے اس سے پہلے کبھی غوی نہیں کیا تھا۔" ہم اس مہم میں فوج کو استعمال کر سکتے ہیں۔ "شری آبادی سے ایک لشکر جمع کیا جاسکتا ہے۔" ہاں۔ ہاں بغیر فوجوں کو استعمال کیا جائے اور انہیں اجرت دی جائے۔

مجلس میں ہنگامہ سا پیدا ہو گیا۔ ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا اگر کوئی خاموش تھا تو وہ صلاح الدین الیوبی تھا۔ مجلس میں بہت دیر بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم خاموش ہے۔ مجلس پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ سلطان الیوبی نے سب پر نگاہ ڈالی اور کہا۔ "میں اس مہم کی اجازت نہیں دے سکتا جس کی جویر میرا بلبلیں نے پیش کی ہے۔" مجلس پر سننا طاری ہو گیا۔ کسی کو تو توقع نہیں تھی کہ سلطان الیوبی اس تجویز کو ٹھکرا دے گا۔ اس نے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد تاریخ مجھے قبر چور اور مقبروں کا ڈاکو کہے۔ تاریخ نے مجھے ذلیل کیا تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہوگی۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ صلاح الدین الیوبی کے شیر اور وزیر بھی قبر چور تھے۔ بلبلیں اس الزم کو خوب اچھالیں گے اور تمہاری قربانیوں اور جذبہ اسلام کو ذلتی اور رہزنی کا نام دے کر تمہیں تمہاری ہی نسلوں میں رسوا کر دیں گے اور تم ہی نہیں ہماری تاریخ ذلیل اور رسوا ہو جائے گی۔" "گستاخی معات امیر محترم! علی بن سفیان نے کہا۔" تھوڑے سے عرصے کے لیے مصر بلبلوں کے قبضے میں آیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کے خزانوں کی تلاش شروع کی تھی۔ قاہرہ کے مضافات میں ہم نے جن کنندوں سے صلیبی تخریب کاروں اور فدا بیوں کا ایک گروہ پکڑا تھا کہ کسی فرعون کا مدفن تھا۔ وہاں سے وہ سب کچھ لے گئے تھے۔ بلبلوں کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہی ورنہ وہ یہاں کے تمام خزانے نکال کر لے جاتے۔ مہترم غیاث بلبلیں نے ٹھیک کہا ہے کہ یہ خزانے اگر کسی کی ملکیت ہیں تو وہ فرعون نہیں تھے، ان کے مالک اُس کے وقت کے انسان تھے۔ میں یہ مشورہ پیش کرنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ یہ خزانے نکال کر راج کے انسان کی فلاح و بہبود اور وقار کے لیے استعمال کیے جائیں۔

"اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں۔" سلطان الیوبی نے کہا۔ "کہ یہ خزانے تمہارے سامنے آئے تو تم بھی

فرعون بن جاگے۔ انسان کو یہ جرأت کس نے دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھے؟ دولت اور دولت کی ہوس نے۔ انسان کو انسان کے آگے سجدہ کس نے کرایا تھا؟ مفلسی اور صوبک نے۔ تم بلبلوں کی بات کرتے ہو کہ انہوں نے فرعونوں کے ایک مدفن کو لوٹا۔ میں تمہیں بتانا ہوں کہ جب پہلے فرعون کی لاش تمام تر خزانے کے ساتھ زمین میں دبائی گئی تھی قبر چوری اُسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ انسان وحشیوں اور دندلوں کی طرح پہلے فرعون کے مدفن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اُن کا دین اور ایمان موت دولت بن گیا تھا۔ پھر فرعون ہر کر اپنے خزانے زمین میں لے جاتے رہے اور قبر چوری باقاعدہ پیشہ بن گئی۔ اس کے بعد ہر فرعون نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مدفن کسی ایسی جگہ تیار کر لیا جہاں تک کوئی پہنچ نہ سکے اور مرنے کے بعد اُس کے پناہ گاہ اور جانشین نے ایسے طریقے سے بند کر لیا کہ کوئی اُسے کھول نہ سکے اور جب فرعونوں کا دور ختم ہو گیا تو مصر جس کے قبضے میں بھی آیا اُس نے ان چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش شروع کر دی۔ میں جانتا ہوں کہ فرعونوں کے بہت سے مدفن ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی جانتا ہی نہیں کہ کہاں ہیں۔ وہ زمین دوز محل ہیں۔ قیامت تک مصر کے حکمران اور حملہ آور ان مدفونوں کو ڈھونڈتے رہیں گے....

"ان تمام سکوتوں کو زوال کیوں آیا؟ موت اس لیے کہ ان کی تو بجز خزانوں پر مرکوز ہو گئی تھی۔ رعایا کو یہ تاثر دیا گیا کہ دولت سب سے تو عزت ہے۔ ہاتھ خالی ہے تو تم بھی اور ہماری بیٹیاں بھی اُن کی ہیں جن کے پاس دولت ہے.... میرے رفیقو! صلاح الدین الیوبی کو اس قطار میں کھڑا کر دو۔ میں اپنی قوم کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اصل دولت قومی وقار اور ایمان ہے لیکن یہ تاثر صرف اس صورت میں پیدا کیا جاسکتا ہے کہ میں خود اوقاف سب جو حکومت کے ستون ہوں اسے دولت کا لالچ نکال دو۔"

"ہم ان خزانوں کی تلاش فلاحی لالچ کے لیے نہیں کرنا چاہتے۔ ایک کاماڈرنے کہا۔" ہم قومی ضروریات کے پیش نظر یہ مہم شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں میرا انکار تم میں سے کسی کو پسند نہیں۔" سلطان الیوبی نے کہا۔ "میری بات سمجھنے کے لیے تمہیں اپنے ذہن بالکل خالی کرنے ہوں گے۔ میری عقل مجھے بتا رہی ہے کہ باہر سے آئی ہوئی دولت جو قومی ضروریات کے لیے ہی آئی ہو ماحولوں کے ایمان متزلزل کر دیا کرتی ہے۔ یہ دولت کی لعنت ہے اگر میرے پاس گھوڑا خریدنے کے لیے رقم نہیں ہوگی تو میں فوج کے ساتھ پیدل بیت المقدس ہاؤں گا۔ گھوڑا خریدنے کے لیے مردوں کے کفن اتار کر نہیں بیچوں گا۔ میرا مقصد بیت المقدس کو بلبلوں سے آزاد کرنا ہے گھوڑا خریدنے کے لیے رقم کا حصول میرا مقصد نہیں۔ تم جب خزانوں کی تلاش کرنے لگو گے تو قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طور پر چوری چھپے مقبروں کو اکھاڑنے لگیں گے۔ مصر میں ایسا ہوتا آیا ہے اور جب یہ خزانے تمہارے سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کے اگر دشمن نہ ہوئے تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھو گے۔ جہاں خزانے آجاتے ہیں وہاں انسانی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ حقوق العباد کا ہند نہ ہو جاتا ہے۔ ان مزدوروں نے انسان کو خدا بنایا تھا۔ وہ خدا اب کہاں ہیں؟ آسمانوں پر نہیں زمین کے نیچے۔ میرے رفیقو! میں ایک نئے جرم کی بنیاد

نہیں ڈالنا چاہتا۔ ان خزانوں سے بچو۔ یہ خزانوں کے لالچ کا ہی کوثر ہے کہ تمہاری مغولوں میں غلہ بھی موجود ہیں۔ تم دو غلہ والوں کو قتل کرتے ہو تو چار اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اپنی تقدیر اپنی تدبیر سے بناؤ۔ تم مسلمان ہو اپنی قسمت کفار کے ہاتھوں میں نہ دو، ورنہ سب غلہ ہو جاؤ گے۔ فرعون مر چکے ہیں۔ انہیں زمین کی تھول میں دبا ہے۔ دو۔ ”آپ کے حکم کے بغیر ہم ایسی کوئی ہم شروع نہیں کریں گے۔“ کسی نے کہا۔

”غیاث!“ سلطان الیوتی نے غیاث بلبیس سے سکرا کر پوچھا۔ ”آج تمہیں ان پوشیدہ خزانوں کا خیال کیسے آگیا ہے؟ مجھے یہاں آئے چار سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ تجویز کیوں پیش نہ کی؟“

”میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا امیر مہرزم!“ غیاث بلبیس نے کہا۔ ”تقریباً دو مہینے ہوئے کُتب خانے کے محتر نے مجھے بتایا تھا کہ پرانے کاغذات میں سے کچھ کاغذات گم ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کاغذات کی نوعیت اور اہمیت پوچھی تو اُس نے بتایا کہ وہ ایسے اہم نہیں تھے کہ تلاش ضروری سمجھی جائے۔ یہ کچھ نقشے تھے اور فرعونوں کے دستوں کی تحریریں تھیں۔ بہت ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ کاغذات اور کپڑے تھے۔ محتر نے جب فرعونوں کا نام لیا تو مجھے خیال آیا کہ ان تحریروں اور نقشوں میں فرعونوں کے خفیہ مقبروں کے متعلق معلومات ہو سکتی ہیں۔ میں نے وہ پندرہ دیکھے جن میں سے کاغذات گم ہوئے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر زیادہ توجہ نہیں دی کہ ان تحریروں کو آج کون پڑھ اور سمجھ سکتا ہے؟“

”تم نے صحیح نہیں سوچا غیاث!“ سلطان الیوتی نے کہا۔ ”مصر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان تحریریں اور اشاروں کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کاغذوں اور نقشوں کی چوری حیران کن نہیں۔ یہ چوری خزانے کے کسی لالچی نے کی ہوگی۔ ان کاغذوں کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں مجھے چور کے ساتھ دل چسپی ہے۔ وہ کوئی تمہارا ہی رفیق نہ ہو۔ اس چور کا سراغ لگاؤ۔“

”مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ ان کاغذوں کی کچھ نہ کچھ اہمیت منور ہے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”میں محترم غیاث بلبیس کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ بہت دنوں سے ہمارے مخبر اور شہر کے اندر کے جاسوس ہمیں کسی پراسرار سرگرمی کی اطلاعیں دے رہے ہیں۔ قدومی یہاں کی ایک مشہور زقاصمہ ہے جسے امیروں کی محفلوں کی شمع کہا جاتا ہے، پانچ چھ دنوں سے غائب ہے۔ ایک زقاصمہ کا شہر سے غیر حاضر ہو جانا کوئی اہم واقعہ نہیں ہو سکتا لیکن قدومی کو میں نے خاص طور پر نظر میں رکھا ہوا ہے۔ میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس کے ہاں اجنبی اور شکوک سے دو آدمی آئے رہے ہیں۔ پھر قدومی کے گھر سے ایک روز ایک پردہ پوش عورت کو نکلے دیکھا گیا۔ وہ ایک اجنبی تاجر مسافر کے ساتھ جا رہی تھی۔ مجھے شک ہے کہ قدومی بھییں بدل کر نکل گئی ہے۔ دوسرے مخبروں کی اطلاعوں سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ آدمی جنوب کی طرف مشکوک حالت میں جاتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سرگرمیوں سے مجھے شک ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ان گم شدہ کاغذات کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور یہ شبہ بھی ہے کہ یہ صلیبی تخریب کار ہوں گے۔ جو کچھ بھی ہے، ہم ان سرگرمیوں کا کھوج لگا رہے ہیں۔“

”منور کھوج لگاؤ۔“ سلطان الیوتی نے کہا۔ ”اور ان خزانوں کو اپنے ذہنوں سے اتار دو۔ میں جانتا

ہوں کہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہمیں مالی استحکام کی ضرورت ہے، مگر میں کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ محترم نور الدین زنگی نے مالی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ میں یہ امداد قبول نہیں کروں گا۔ مالی امداد گئے بھائی سے ملے تو بھی انسانی صلاحیتوں کے لیے محنت اور دیانتداری کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ پھر انسان خزانوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگتا ہے۔ مصر کی زمین ہاتھ نہیں ہوگی۔ محنت کرو کہ یہ زمین تمہیں شہر دے۔ قوم کو بتاؤ کہ حکومت پر اس کے حقوق کیا ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو رعایا سمجھنا چھوڑ دے اور قوم کو یہ بھی بتاؤ کہ اُس کے فرائض کیا ہیں۔ اگر قوم نے فرائض سے نگاہیں پھیریں تو حقوق ہمال ہو جائیں گے۔ تم جس زمین کی پاسداری میں خون نہیں بہاؤ گے اور جس کے قتل کے لیے پسینہ نہیں بہاؤ گے وہ تمہارا حق کبھی ادا نہیں کرے گی۔ پھر اس ملک کے حکمران باہر کے خزانوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور قوم افراد میں منتشر ہو کر کفار کی غلام ہو جائے گی۔“

☆

جن خزانوں کو سلطان صلاح الدین الیوتی ہاتھ لگانے سے بھی گریز کرتا تھا اُن تک اُس کے اپنے ہی ایک جرنیل کے بھیجے ہوئے سپاس آدمی پہنچ گئے تھے۔ مارکونی، اسماعیل، قدومی اور ایک اور صلیبی شام کو پہنچے۔ اُن کے باقی ساتھی سوانگ الگ ٹولیوں میں روانہ ہوئے تھے اُسی رات پہنچنا شروع ہوئے اور آدمی رات کے بعد پورے سپاس آدمی پہنچ گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، یہ جگہ ایسی تھی جس کے قریب سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرتا تھا۔ جگہ ڈراؤنی ہونے کے علاوہ کسی راستے پر پڑتی ہی نہیں تھی۔ یہ چونکہ سرحد سے دور تھی اس لیے سرحدی دستوں کی نظر میں بھی نہیں تھی۔ مارکونی نے رات کو ہی سب کو اس خطے کے اندر پہنچا دیا تاکہ باہر سے کوئی دیکھ ہی نہ سکے اور انہیں مکمل آرام دینے کے لیے کہا کہ وہ جتنی دیر سو سکتے ہیں سو جائیں، یہاں سے آگے پھیل جانا ہوگا اور یہ سفر جسم کی بجائے اعصاب کو زیادہ تھکائے گا۔ مارکونی خود قدومی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔

وہ سب اُس وقت جاگے جب سورج اُن ٹیلوں کے اوپر آگیا جس کے دامن میں سب سوئے ہوئے تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ وہ کون کون سا سامان، اوزار اور ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھ لیں، ان میں مضبوط رتے، کدالیں اور موٹی موٹی سلاخیں تھیں اور ہتھیاروں میں تیروکمان اور تلواریں۔ راستے کی مشکلات کے متعلق بھی اُس نے سب کو بتا دیا۔ اُس دیوار کے متعلق بھی نہیں ذہنی طور پر تیار کر دیا جس سے اُس کا ایک ساتھی گر کر ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو گیا تھا۔ اُس نے انہیں رونے کی آوازوں سے بھی خبردار کر دیا جو اس علاقے میں سنائی دیتی تھیں۔ اونٹنوں کو ساتھ نہیں لے جایا جاسکتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے اُس نے مرنے والے آدمی بھیجے رہنے دیا۔ قدومی کو بھی وہ ساتھ نہیں لے جاسکتا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ کہیں کوئی راستہ اندر جانے کے لیے مل ہی جائے گا اور وہ قدومی کو اُس راستے سے لے جائے گا۔ قدومی کی حفاظت کے لیے بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے مرنے والے اسماعیل موزوں آدمی تھا۔

مارکونی نے اسماعیل سے کہا۔ ”تم قدومی کے لیے یہیں رہو گے لیکن یہ خیال رکھنا کہ تمہاری حیثیت

اس لڑکی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس کے آرام اور مخالفت کے تم ذمہ دار ہو گئے۔ میں بہت جلدی واپس آ رہا ہوں۔ تم دونوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔

وہ اپنی باریکی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس راستے سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ بے خوف و خطر چلا گیا۔ جوں جوں یہ آدمی آگے بڑھتے جا رہے تھے ان پر خوف مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ محاذوں سے پوری طرح واقف تھے مگر ایسا خطہ اور اس قسم کے پہاڑ انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور وہ جب اُس جگہ پہنچے جہاں رونے کی آوازیں آتی تھیں تو سب یک کر غلاؤں میں دیکھنے لگے۔ بلا شک و شبہ توڑیں رو رہی تھیں۔ ان آدمیوں میں دو تین ایسے بھی تھے جنہوں نے اس علاقے کے متعلق وہ تمام ڈراؤنی کہانیاں سن رکھی تھیں جو بہت مدت سے مشہور تھیں۔ انہوں نے اپنے صلیبی ساتھیوں کو بھی یہ کہانیاں سنا کر ڈرا دیا۔ وہ سب ڈر کی گرفت میں پلے ہی تھے لیکن انہیں جو انعام بتایا گیا تھا اس میں اتنی طاقت تھی جو ان کے خوف کو دبا رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ صلیب کے تنخواہ دار ملازم بھی تھے اور مارکونی ان کا افسر تھا۔ وہ انعام اور حکم کی پابندی کے تحت چلے جا رہے تھے۔ رونے کی آوازیں پر وہ بد کے تو مارکونی نے انہیں بتایا کہ یہ عورتیں یا عورتوں کی بد عورتیں نہیں یہ ہلاکی آوازیں ہیں گروہ ڈرتے رہے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔

اُس وقت سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ اُس وسیع اور بے انتہا گہرے نشیب تک پہنچے جو انہیں قدرتی دیوار پر چل کر پار کرنا تھا۔ مارکونی کو وہاں کچھ مشکل پیش آئی۔ دیوار پر پاؤں رکھنے سے سب گھبراتے تھے مارکونی آگے آگے چلا۔ وہ ایک بار اس خطرے سے گزر چکا تھا۔ اُس کے پیچھے دوسرے آدمی نے دیوار پر قدم رکھا اور بچے باقی سبھی چل پڑے۔ سورج اس جہنم میں ہی روپوش ہو گیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ کھائی کی گہرائی نظر نہیں آتی تھی۔ مارکونی دیوار عبور کر گیا۔ اُسے ایسی چیخ سنائی دی جو نہر کی طرف جا رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ایک اور مصیبت ناک چیخ سنائی دی۔ یہ بھی دُور نیچے جا کر ایک دھیمی سی دھمک میں خاموش ہو گئی۔ ایسی پانچ چیخیں سنائی دیں۔۔۔ یہ گروہ جب دیوار سے گزر کر کچھ آگے جامع ہوا تو اس میں پانچ آدمی نہیں تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ اس سے آگے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے اور وہ منزل کے قریب آگئے ہیں۔ اُس نے اس امید کا اظہار بھی کیا کہ ان کی واپسی اس راستے سے نہیں ہوگی بلکہ سیدھا اور آسان راستہ مل جائے گا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی جب وہ اُس جگہ پہنچے جس کے نیچے وسیع سرسبز خطہ تھا۔ مارکونی نے تمام آدمیوں کو وہاں سے تھوڑی دُور چھپا دیا۔ دو آدمی اپنے ساتھ لیے اور باقی سب بچے کہہ کر ان کے پاس جو کچھ ہے وہ کھا کر سو جائیں، انہیں ضرورت کے وقت جگایا جائے گا۔ مارکونی دو آدمیوں کو ساتھ لے کر اُس جگہ کی کچھ بھال کے لیے چلا گیا۔ نیچے موت کا سکوت تھا۔ کہیں ہلکی سی روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اور زیادہ قریب جانے سے ڈرتا تھا۔ اُس نے حملہ صبح کے لیے ملتوی کر دیا اور اپنے آدمیوں کے پاس واپس آ گیا۔

☆

قدومی اور اسماعیل اکیلے رہ گئے تھے۔ قدومی اُن ہنگامہ خیز محفلوں کی عادی تھی جن میں شراب اور دولت

پانی کی طرح بہتی تھی۔ مارکونی اسے اس ہولناک دیرانے میں لے آیا تھا اور اُسے ایک آدمی کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا تھا۔ اسماعیل اُسے جانتا تھا۔ وہ اسماعیل سے واقف نہیں تھی۔ اسماعیل جرم و گناہ کی دنیا کا انسان تھا۔ اُس کی شکل و صورت اتنی اچھی اور طبیعت اتنی شگفتہ تھی کہ قدومی نے اُسے کوئی عام آدمی نہ سمجھا، لیکن اسماعیل اُس کے ساتھ بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ شام کے وقت اُس نے قدومی کو بھنا ہوا گوشت گرم کر کے دیا اور شراب بھی اُس کے آگے رکھ کر کہا کہ کھانا کھا کر سو جانا۔ کوئی ضرورت ہو تو نیچے سے بلا لینا۔ وہ باہر نکل گیا۔ قدومی نے کھانا کھا لیا۔ شراب بھی حسب عادت پی لی لیکن تنہائی اسے پریشان کرنے لگی۔ اُسے اپنے حسن اور ناز وادار پر سوچ کر فخر تھا اس لیے اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اس کے قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس فخر پر تکرار و تکرار زیادہ تھا مگر اسماعیل نے اُس کی طرف ایسی کوئی توجہ نہ دی جس کی قدومی کو توقع تھی۔

قدومی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنے نیچے سے نکلی اور اسماعیل کے نیچے میں چلی گئی۔ وہ ابھی ہلکا۔ ہا تھا۔ قدومی کے لیے اُس نے دیا جلا دیا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ قدومی نے کہا کہ اس کی طبیعت گھبراہٹ تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا۔ "تم شاید مسلمان ہو؟"

"تمہیں مذہب سے کیا دل چسپی ہو سکتی ہے؟" اسماعیل نے جواب دیا۔ "تمہاری دل چسپی انسانوں کے ساتھ ہے کسی کے مذہب کے ساتھ نہیں۔ میرا نام اسماعیل ہے اور میرا کوئی مذہب نہیں رہا۔"

"اور؟" قدومی نے مسکراہٹ اور حیرت سے کہا۔ "تم ہو اسماعیل۔ احمد رویش کے نام آدمی۔ اُس نے پوچھا۔ "یہ آدمی کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟" وہ مارکونی کے متعلق پوچھ رہی تھی کہنے لگی۔ "اُس نے اپنا نام سلیمان سکندر بتایا ہے لیکن یہ مسلمان معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ مصری بھی نہیں۔" اسماعیل نے کہا۔ "اور یہ سوڈانی بھی نہیں، اور سلیمان سکندر اس کا نام نہیں۔" "پھر یہ کون ہے؟" قدومی نے پوچھا۔ "اس کا اصلی نام کیا ہے؟"

"میں اس کا نام نہیں بتا سکتا۔" اسماعیل نے کہا۔ "یہ لازچپائے رکھنے کے لیے مجھے معاوضہ ملتا ہے۔۔۔ تمہیں اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کون ہے۔ تم سن مانگی اجرت پر اس کی تفریح طبع کے لیے آئی ہو۔ یہ تمہارا پیشہ ہے۔ اس نے تمہیں خزانے میں سے کچھ حصہ دینے کا وعدہ دیا ہوگا۔"

"وہ تو میرا حق ہے۔" قدومی نے کہا۔ "اس نے مجھے جو اجرت دی ہے وہ اس خطرناک بیابان میں ساتھ آنے کے لیے بہت ہی تھوڑی ہے۔ میں تو خزانے میں سے حصہ لینے کے وعدے پر ساتھ آئی ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں وہ حصہ دے دے گا؟" اسماعیل نے پوچھا۔ "اور کیا تمہیں یقین ہے کہ اُسے وہ خزانہ مل جائے گا جس کا حصہ وصول کرنے کے لیے تم آئی ہو؟"

"میں اتنی قیمتی لڑکی ہوں کہ لوگ مجھے خزانوں کے عوض خریدنا چاہتے ہیں۔" قدومی نے غرور کے لہجے میں کہا۔ "یہ شخص تو میری قیمت ادا ہی نہیں کر سکتا۔ میں ایسے امیر زادوں اور شہزادوں کو اپنا غلام بنانے کے رکھا کرتی ہوں۔" "کب تک؟" اسماعیل نے مسکرا کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ دو سال۔ اس کے بعد تمہاری قیمت اتنی گر

اُس کی آنکھ کھلی تو وہ اسماعیل کے نیچے میں تھی اور اسماعیل نیچے سے باہر کیل میں اٹھا سوا ہوا تھا۔ قدوسی نے اسے جگایا اور کہا۔ "میں نے خواب دیکھا ہے۔ عجیب سا خواب تھا۔ پوری طرح یاد نہیں رہا۔ کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ سلیمان سکندر کے خزانے کی نسبت اسماعیل کی باتیں زیادہ قیمتی ہیں۔" وہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں رقاصہ کا قلعہ نہیں ایک معصوم لڑکی کی سادگی تھی۔

☆

سُوج نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ مارکونی اپنے آدمیوں کو اُس سرسبز نشیب کے اوپر اپنی سکیم کے مطابق موزوں جگہوں پر چھپا چکا تھا۔ صبح روشن ہوئی تو نیچے نکلے آدمی اور قدوسی نظر آنے لگیں۔ مارکونی نے اپنے ایک دلیر اور نڈر آدمی کو نیچے جانے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اسی ڈھلان سے جس سے اُس کا ایک ساتھی لڑھک کر نیچے گرا اور اس پُر اسرار قبیلے کی ضیافت بن گیا تھا، مارکونی نے اپنے اُس آدمی کو نیچے لڑھک جانے کو کہا۔ وہ ڈھلان کے اوپر بیٹھا اور نیچے سرک گیا۔ کچھ آگے جا کر وہ تلابازیاں کھانے لگا اور زمین پر جا پڑا۔ وہ اٹھ کر مل پڑا۔ تین چار نکلے آدم خوروں نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ وہ خوشی سے چلا رہے تھے۔ وہ جب اس آدمی کے قریب آئے تو اوپر سے چار تیر نکلے اور اُن کے سینوں میں اتر گئے۔ اُدھر سے دو اور نکلے مرد دوڑے آئے۔ وہ بھی تیروں کا نشانہ بن گئے۔ مارکونی نے اوپر ایک چٹان کے ساتھ رستہ بندھا دیا تھا جسے اُس نے ڈھلان سے نیچے پھینک کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر سب ایک دوسرے کے پیچھے نیچے اتر جائیں۔

سب نیچے چلے گئے۔ مارکونی نے اوپر سے رستہ کھول کر نیچے پھینک دیا اور ڈھلان سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ یہ سارا گروہ تلواریں نکال کر آگے کو دوڑ پڑا۔ چند اور نکلے مرد سامنے آئے انہیں بھی کاٹ دیا گیا۔ جو ذرا دور تھے وہ اُسے پاؤں بھاگے۔ نیچے سے سرسبز علاقے کے کئی ایک حصے تھے۔ مارکونی نے دیکھا کہ بھاگنے والے ایک حصے میں چلے گئے تھے۔ وہ اُن کے پیچھے گیا۔ اُسے اُن آدمیوں کا داویلا سناؤ دے رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار پر وہ اُن کے تعاقب میں گیا۔ اس کے باقی آدمی خون خرابہ کر رہے تھے۔ وہ خود ان آدمیوں کے تعاقب میں رہا۔... تھوڑی ہی دور اسے آدمی نظر آگئے۔ وہ اب دو نہیں تین تھے۔ وہ تینوں ایک چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ مارکونی نے ان کے پیچھے دوڑتے کچھ فاصلہ رکھا۔ وہ تینوں چٹان کی دوسری طرف اتر گئے۔ وہ بھی چٹان پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اُسے سیاہ پہاڑی کا دامن نظر آیا۔ وہاں ایک غار کا دہانہ تھا جس میں سے جھک کر گزرا جا سکتا تھا۔ مارکونی اس غار میں چلا گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

اندر سے غار کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے اس میں کسی کے دوڑنے کی ہلکی ہلکی آہٹ سناؤ دے رہی تھی۔ وہ دوڑتا گیا۔ یہ غار نہیں سُرنگ تھی جو معلوم نہیں قدوسی یا فرعون زمینیں نے مرنے سے پہلے بنوائی تھی۔ سُرنگ کے کئی موڑ تھے اور اندر گہپ اندھیرا۔ اُسے بولنے کی آوازیں بھی سناؤ دیں۔ وہ دوڑتا گیا اور اُسے دُور سامنے روشنی کا ایک گولا نظر آیا۔ اس میں اُسے تین آدمی دوڑتے دکھائی دیے۔ وہ غار کا دوسرا دہانہ تھا۔ وہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سکیم کا سیاہ ہو رہی تھی۔ وہ تینوں غار سے نکل گئے۔ وہ بھی غار سے نکل گیا۔ تینوں میں ایک آدمی

جلنے لگی کہ تم کھیل میں باگلوں کی طرح دوڑتی پھرو گی تمہیں پوچھے گا کوئی نہیں۔ جن کے پاس خزانے ہیں انہیں ایک اور قدوسی مل جائے گی۔ تم جیسی کئی مل جائیں گی۔... سنو قدوسی! اتنا غور نہ کرو۔"

"کیوں نہ کروں؟" قدوسی نے کہا۔ "یہ شخص جو اپنا نام سلیمان سکندر بتاتا ہے میرے طلسم میں ایسا گرفتار ہے کہ اُس نے مجھے تمہیں کھا کر کھا تھا کہ وہ مرے میرے لیے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہے۔ وہ مجھے سکندر پر لے جائے گا جہاں ہم سمندر کے کنارے مل جائیں گے۔ پھر میں رقاصہ نہیں رہوں گی۔ کیا تمہیں اس میں کچھ شک ہے؟" "شک نہیں مجھے یقین ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔" اسماعیل نے کہا۔ "میں اپنی اُجرت کے لیے اس کے ساتھ آیا ہوں۔ احمد درویش کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ۔ میں آگیا۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں کرائے کا گناہگار ہوں۔ میں اُجرت پر قتل بھی کیا کرتا ہوں، مگر میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں کبھی پکڑا ہی نہیں گیا۔ احمد درویش مجھے بچا لیتا ہے۔ مجھ میں دوسری خوبی یا خرابی یہ ہے کہ میں عورت کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں ایسا کیوں کرتا ہوں۔ عورت پر وہ وار ہو یا عصمت فروش، میں اس کی عزت کرتا ہوں، میں عورت کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں بھی دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔ میں تمہیں یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں، کہ یہ خزانہ تمہارے لیے محل تعمیر کرنے کے لیے نہیں نکالا جا رہا۔ یہ مصر کی جڑیں کاٹنے کے لیے استعمال ہوگا۔ یہاں میلیبی حکومت قائم کی جائے گی۔ مسجدوں کو گرے بنایا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خزانہ مصر سے باہر چلا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے تمہیں مصر کے ساتھ کوئی دل چسپی نہیں۔ مجھے بھی نہیں۔ ہم دونوں ہمیشہ در ہیں۔ گناہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں تمہیں مرے دو باتیں بتانا چاہتا تھا جو تباہی کا ہوں۔ ایک بار پھر سن لو۔ تمہارے حسن، اور جوانی کی عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں یہ شخص اپنے ساتھ تفریح اور عیاشی کے لیے لایا ہے۔ اس کی نظر میں تم ایک لواطت ہو۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو ایک دو ہیرے تمہارے ہاتھ میں دے دے گا اور اگر اُس نے کسی کے لیے محل تعمیر کیا بھی تو وہ کوئی نوخیز لڑکی ہوگی۔ وہ تم نہیں ہوگی۔ تمہارے چہرے پر مجھے بال جیسی باریک دو لکیریں نظر آ رہی ہیں جو آج اچھی لگتی ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں بعد یہ گہری ہو کر تمہاری قدر و قیمت ختم کر دیں گی۔"

اسماعیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں طنز نہیں تھی، دھوکہ اور فریب نہیں تھا۔ ایک گونہ اپنائیت سی تھی اور ایسی حقیقت جو قدوسی نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اُس پر ڈورے ڈالے گا مگر اسماعیل نے اُسے ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ اس کی بجائے اُسے یہ تاثر دے دیا کہ اس کی اہمیت دو روز کی ہمان ہے۔ قدوسی تو اپنے حسن کی تعریفیں سننے کی عادی تھی۔ اپنے آپ کو قلوب پور و ثانی سمجھتی تھی۔ اسماعیل نے ایسا تاثر پیدا کیا جسے قدوسی دھتکار نہ سکی۔ اسماعیل کا انداز ہی ایسا تھا کہ اُس کا پیدا کیا ہوا تاثر اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور قدوسی کی آنکھوں سے مینہ غائب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسماعیل کے ساتھ باتوں میں رات گزارنا چاہتی تھی۔ اس خواہش کو وہ دبائے کی۔ اسماعیل نے اسے یلوس نہ کیا۔ رات کا آخری پہر تھا جب قدوسی کی آنکھ لگ گئی۔

”میں ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دوں گا“ — بوڑھے نے جواب دیا۔

مارکونی نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان کی عورتوں کو لے آؤ۔ اس نے جیل سے پہلے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی عورت کو قتل نہ کریں، اور نہ چھڑیں۔ انہیں پرغمال کے طور پر کچھ نہیں مارکونی کے ساتھی دس گیارہ عورتوں کو سامنے لائے۔ ان میں دو عین بوڑھی باقی جوان، نو جوان اور دو مین کسن سچیاں تھیں۔ وہ ماور زاوننگی تھیں۔ ان کے رنگ گندمی اور سات تھے۔ شکل و صورت بھی سب کی اچھی تھی۔ ان کے بال کمر تک گئے ہوئے تھے اور ان میں چمک تھی۔

”کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری سورتوں کو تمہارے سامنے بے عزت کر کے انہیں قتل کر دیا جائے؟“
مارکونی نے بوڑھے سے پوچھا۔

”کیا تم اس سے پہلے مجھے قتل نہیں کر دو گے؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”نہیں!“ — مار کوئی نے جواب دیا۔

”سنو گناہگار دنیا کے انسان!“۔ لڑھے نے کہا۔ ”تمہاری عورتیں کپڑوں میں دھکی رہتی ہیں، تم انہیں پردوں میں چھپا چھپا کر رکھتے ہو مگر وہ بے حیائی سے باز نہیں آتیں۔ تم عورت کی خاطر سلفستیں قربان کر دیتے ہو۔ عورت کو سچا تے ہو اور انہیں گناہوں کا زلیعہ بناتے ہو۔ ہماری عورتیں ننگی رہتی ہیں مگر بے حیائی نہیں کرتیں، کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے تم نے میری دنیا کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ میں تو تمہاری نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خدا کے مقدس رہنمائی کے خلاف نے لوٹ لو میری بیٹیوں کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالنا۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے ان پہاڑوں کا بھید بتاؤ۔“ مارکونی نے کہا۔ ”میں تمہاری عزت تمہارے حوالے کر دوں گا۔“

”ڈاکو کے وعدے پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔“ بڑھے کے ہونٹوں پر طنز کی مسکراہٹ اُگنی۔ اُس نے کہا ”جس آدمی کے دل میں دولت کا لالچ ہوتا ہے، اُس کی آنکھ میں غیرت نہیں ہوتی۔ اس زبان پر وعدے آتے ہیں اور اسی زبان سے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ تم اُس دنیا کے انسان ہو جہاں دولت پر اپنی بیٹیاں قربان کی جاتی ہیں اور سنو میرے اجنبی دوست! تم مصری نہیں ہو تمہاری آنکھوں میں سمندر کی چمک ہے نیل کے پانی کی نہیں۔ تمہارے جسم سے مجھے سمندر پار کی بُو آتی ہے۔“

”میں رہنمائی کے سفر کی تلاش میں آیا ہوں۔“ مارکونی نے اسے غصے کہا۔ ”مجھے وہ سفر بتا دو۔“

”میں تباہوں کا“۔ بوڑھے نے کہا۔ ”اس سے پہلے میں نہیں یہ تباہی بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مرنے کے بعد جا کر تم زندہ باہر نہیں آ سکو گے“۔

”کیا تمہارے آدمی اندر چھپے ہوئے ہیں جو مجھے قتل کر دیں گے؟“

”نہیں!“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”تمہیں قتل کرنے کے لیے میرے پاس کوئی آدمی نہیں رہا۔“

گر پڑا مار کوئی نے جا کر دیکھا۔ یہ وہی بوڑھا آدمی تھا جس نے اُسے اُس روز دیکھا تھا جس روز اس کا سانحہ
 نیچے گر پڑا اور آدم خوروں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ بہت ہی بوڑھا تھا۔ زیادہ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ غلام سے باہر
 ریتیکہ اور پتھر پلے ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ایک طرف سیاہ پہاڑ دوڑا دپر تک چلا گیا تھا۔ مار کوئی نے بوڑھے کو سمجھا
 دے کر اٹھایا اور اس کے بھاگتے ہوئے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے اشاروں میں اسے سمجھایا کہ ان آدمیوں کو
 واپس بلاؤ۔

بڑھے نے انہیں پکارا۔ وہ رکے تو انہیں اپنی طرف بلایا۔ اُس نے مارکونی کے ساتھ مصری زبان میں بات کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہاری زبان بولتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے قتل کر کے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

مارکونی بھی مصری زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ اس نے بڑھے سے کہا۔ ”میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارے ان آدمیوں کو بھی قتل نہیں کروں گا۔ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو۔“

تمہارے ان آدمیوں کو بھی قتل نہیں کروں گا۔ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو۔

”کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟“ — بوڑھے نے پوچھا۔

”ہاں!“ مارکونی نے جواب دیا۔ ”میں تمہاری بادشاہی سے نکل جانا چاہتا ہوں۔“

بوڑھے نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ وہ دونوں بہت ہی ڈرے ہوئے تھے۔ بوڑھے نے مار کوئی سے کہا: "ان کے ساتھ جاؤ۔ یہ تمہیں سیدھے راستے پر ڈال دیں گے۔"

”تم مجھ سے ملو۔“ مار کوئی نے کہا۔ ”یہ دونوں مجھے غلط راستے پر ڈال دیں گے۔“

بوترھا ساتھ چل پڑا۔ وہ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزرے ایک ٹیلے کے اوپر گئے اور ایسی ہی کچھ معمول جھیلوں میں سے گزر کر وہ کھلے صحرائ میں پہنچ گئے۔ مارکونی نے دیکھا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہے جو اند کی پُراسرار دنیا میں لے جاتا ہے۔ بوترھے نے اسے کہا۔ ”تم اب چلے جاؤ ورنہ خدا کا قہر تمہیں جسم کر دے گا۔“ مارکونی نے تینوں کو ساتھ لیا اور یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو بھی باہر لائے گا۔ مارکونی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس سے وہ تینوں ڈر رہے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ واپس چل پڑے۔ مارکونی نے راستہ اور اس کے موڑ اچھی طرح دیکھ لیے۔ وہ پھر غار کے دہانے میں داخل ہوئے اور اس میں گزرتے سرسبز دنیا میں پہنچ گئے۔ بوترھا اُسے اُس جگہ لے گیا جہاں مارکونی کے ساتھی کو آگ پر محمول کر رکھا گیا تھا۔ مارکونی کے ساتھی اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی ایک ننگی لاشیں پڑی تھیں۔ بچوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بوترھے نے یہ قتل عام شاید پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ رُک گیا اور بڑے تحمل سے مارکونی سے پوچھا۔ ”ان بے گناہوں کو کاٹ کر تم نے کیا پایا؟“

”اور تم ہمارے آدمی کو ٹھہرون کر کھا گئے تھے۔“ ملا کوئی نے پوچھا۔ ”اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟“

”وہ گناہگار دنیا کا انسان تھا۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”اس نے ہماری مقدس سلطنت میں آکر اسے نایاک کر دیا تھا۔“

”تم لوگ یہاں کیوں رہتے ہو؟“ مارکونی نے پوچھا۔ ”فرعون رمینس دوم کا مقبرہ کہاں ہے؟“

تہاں اپنے آدمی تمہیں قتل کریں گے۔ تمہاری لاش یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا۔
 ”تم غیبِ دلان ہو؟“ مارکونی نے پوچھا۔ ”آئے والے وقت کی خبر دے سکتے ہو؟“

”ہیں!“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”میں نے گزرا ہوا وقت دیکھا ہے جس نے گزے ہوئے وقت کو عقلِ مادرِ دل کی نظر سے دیکھا ہو وہ آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے۔ موت تمہاری آنکھوں میں آکر بیٹھ گئی ہے۔ مارکونی نے تہقیر لگا کر کہا۔ ”تم جنگلی ہو بڑھے! مجھے بتاؤ وہ مرن کہاں ہے جس کی تلاش میں میں اتنی دُور سے آیا ہوں۔“

”تمہارے سامنے ہے“ بوڑھے نے کہا۔ ”وہ اُوپر۔ آؤ۔“

مارکونی نے کچھ سوچا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ ”ان عورتوں کو عزت سے رکھو۔ اس بوڑھے کے ساتھ گپ شپ لگاتے رہو اور اس کے ان دونوں آدمیوں کو بھی کچھ نہ کہنا۔ ان کے ساتھ دوستی پیدا کرلو۔ میں قدیمی اور اسماعیل کو اپنے بارہا ہوں۔“

وہ اُسی راستے پر چل پڑا جو سُرنگ میں سے گزرا کرتا تھا۔

☆

مارکونی اس راستے سے باہر نکل گیا جو اُسے بوڑھے نے دکھایا تھا۔ اُسے اس سمت کا اندازہ تھا جہاں سے وہ اس مولنگ علاقے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اُس نے کم دیش دوشیل سفر طے کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اُس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں سے وہ اپنے گروہ کے ساتھ اندر گیا تھا وہ اپنے نیچے تک گیا۔ اُس سے اسماعیل اور قدیمی کو ایک ہی غیمے میں اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حکم کے بعد میں اسماعیل سے کہا۔ ”میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی حیثیت میں رہنا۔ اس کے پاس بیٹھے تم کیا کر رہے ہو؟“

”کیا میں اس دیرانے میں اکیلی بیٹھی رہتی؟“ قدیمی نے کہا۔ ”میں نے خود اسے اپنے پاس بلایا ہے۔“
 ”تمہیں میں اپنے ساتھ صرت اور صرت اپنے لیے لایا ہوں۔“ مارکونی نے غصے سے کہا۔ ”میں تمہیں اپنی اُجرت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے گھر میں اپنے پاس سو آدمیوں کو بلاؤ۔ یہاں تم میری نوٹدی ہو۔“

گذشتہ رات اسماعیل نے اُس پر غلوں دل سے ایسا ناثر طاری کر دیا تھا کہ اُس کے دل میں مارکونی کے غلات شک اور نا پسندیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے وہ اب اپنا ایک گاہک سمجھنے لگی تھی۔ اب مارکونی نے اُسے اپنی نوٹدی کہہ دیا تو اُس کے دل میں مارکونی کے غلات نفرت پیدا ہو گئی۔ اُس نے اچھے اور بُرے انسان میں فرق دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اسماعیل نے اُسے بالکل نہیں کہا تھا کہ وہ اچھا آدمی ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ کرائے کا گناہگار اور اُجرت لے کر قتل کرنے والا آدمی ہے۔ قدیمی مارکونی کو دھتکار نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ اپنی طے کی ہوئی اُجرت پر آئی تھی جو وہ وصول کر کے گھر رکھ آئی تھی۔ اُسے خزانے کے کچھ حصے کا وعدہ تھا جو مشکوک نظر آتا تھا۔ اُس نے برداشت نہ کیا کہ مارکونی اسماعیل کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرے۔

اسماعیل مارکونی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مارکونی کو بانو سے پکڑا اور فلاپ سے لے ہار دھبی سی آواز میں کہا۔ ”احمد درویش نے تمہیں شاید میرے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ میرے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم میرے ملک اور میری قوم کی جڑیں کاٹنے آئے ہو۔ میں اتنا بڑا گناہگار ہوں کہ کرائے پر تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اپنی پوری اُجرت لوں گا اور اگر خزانہ برآمد ہو گیا تو اپنا حصہ الگ وصول کروں گا۔“

”تم ایسی باتیں احمد درویش کے ساتھ کرنا۔“ مارکونی نے اسے کمانڈوں کی طرح کہا۔ ”یہاں تم میرے ماتحت ہو۔ خزانہ جو نکلے گا وہ میری تحویل میں ہوگا۔ میں اسے جہاں چاہوں لے جاؤں۔“

”سنو سلیمان سکندر!“ اسماعیل نے پہلے کی طرح دھبی آواز اور ہلکے سے ہسم سے کہا۔ ”میں جانتا ہوں تم مارکونی ہو سلیمان سکندر نہیں ہو۔ میں ایک عادی مجرم ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہاری باتیں مجھے مجرم سے مصری مسلمان بنادیں گی اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان آدمی جہاد کا اتنا ادھار ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کی لاش میں یہ سبز بے پیل ہو جائے تو لاش بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ تمہارا نامہ اسی میں ہے کہ مجھے مجرم بنے دو۔“ مارکونی نے مسوس کر لیا کہ یہ شخص بہت گہرا سدا پھیدہ بھی اس لیے اس سے اس موت پر دشمنی مول لینی اچھی نہیں۔ اُس نے اسماعیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوستوں کی طرح مسکرا کر کہا۔ ”تم بلاؤ جو کسی غلط فہمی میں پڑ گئے ہو۔ میں دراصل یہ نہیں چاہتا کہ یہ طوائف تمہارے یا میرے دماغ پر سوار ہو جائے۔ یہ بہت چالاک عورت ہے۔ یہ ہم دونوں میں غلط فہمی پیدا کر کے خزانے پر ہاتھ مارنا چاہتی ہے۔ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو۔ احمد درویش نے تمہیں بتایا نہیں کہ اُس نے تمہارے متعلق کیا سوچ رکھا ہے؟“

”کیا تمہیں اُمید ہے کہ خزانہ مل جائے گا؟“

”مل گیا ہے۔“ مارکونی نے جواب دیا۔ ”میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں۔“

اسماعیل اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ قدیمی بھی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر نا پسندیدگی کے آثار بڑے نمایاں تھے مارکونی نے اُس آدمی کو آواز دی جسے وہ اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ اونٹوں کو ایک دوسرے کے پیچھے بانڈھ کر لے آئے۔ غیمے بھی لپیٹ لیے گئے۔

☆

مارکونی انہیں وہاں لے گیا جہاں اُس کے دوسرے آدمی تھے اور جہاں فرعون ریمینس کا خفیہ مدفن تھا۔ قدیمی نے ایسی سرسبز جگہ دیکھی تو بہت حیران ہوئی۔ ایک اونچی پہاڑی کے دامن میں غمی سی جھیل تھی۔ پہاڑی کے نیچے سے پانی چھوٹا تھا۔ یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ مارکونی ننگے تنیلے کے بوڑھے سردار کے پاس چلا گیا۔ اُسے مدفن کا سراغ لگانا تھا۔ قدیمی اسماعیل کے ساتھ ادھر ادھر ٹھٹھکے گی۔ اُسے ایک چھوٹے سے بچے کی لاش پڑی دکھائی دی۔ بچہ ننگا تھا اور اُس کا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔ قدیمی خوف سے کانپنے لگی۔ کچھ اور آگے گئے تو وہ لاشیں اکٹھی پڑی تھیں۔ یہ بڑی عمر کے آدمیوں کی تھیں۔ دونوں میں تیرہ پورست تھے اور جب وہ اسماعیل کے ساتھ

تو ایسا اس کے نیچے اور پہاڑ کے سینے میں جو دنیا آباد ہے وہ زمینیں نے اپنی زندگی میں تیار کر لی تھی، اور اسے باہر کی دنیا کے انسانوں سے تاقیامت پہنچانے رکھنے کے لئے اُس نے یہ چٹان بنوائی، رکھو کر دیکھی اور اُن آدمیوں کو قید میں ڈال دیا تھا جنہوں نے اُس کا مدفن اور چٹان تیار کی تھی۔ وہ مر گیا تو اس کا تابوت یہاں لایا گیا۔ اُس کا ضرورت کا سامان اندر رکھا گیا۔ کاریگریوں کو قید سے نکال کر اور چٹان کھدائی گئی اور ان تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ بارہ آدمیوں کو یہاں غاروں میں آباد کیا گیا۔ انہیں مصر کی بارہ خوبصورت عورتیں دی گئیں۔ انہیں غاروں میں رہنے کو کہا گیا۔ ان کے ذمے اس جگہ کی رکھوالی تھی۔ آج تم نے جنہیں قتل کر دیا ہے اور میں جو زندہ ہوں انہی بارہ آدمیوں اور بارہ عورتوں کی نسل سے ہیں۔

”اس چٹان کو ہم وہاں سے ہٹا کس طرح سکتے ہیں؟“ مارکونی نے پوچھا۔

”تمہاری آنکھیں کہاں ہیں؟“ بوڑھے نے پوچھا۔ ”تمہاری عقل کہاں ہے؟“ اور اس نے کہا۔ ”چٹان کی چوٹی دیکھو۔ کیا تم اس کے ساتھ رستے نہیں باندھ سکتے؟ اگر تمہارے آدمیوں میں طاقت ہے تو ان کو رستے کو کھینچیں تو چٹان نیچے آ سکتی ہے۔“

مارکونی مدفن کو بہت جلد بے نقاب کرنے کے لئے تیار تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو بلایا۔ سب مل کر اور دو رستے اوپر والی چٹان کی اکھری ہوئی چوٹی کے ساتھ بندھوا دیئے۔ اُس نے تمام آدمیوں سے کہا کہ نیچے سے رستہ پوری طاقت سے کھینچیں۔ وہ خود اوپر چلا گیا۔ نیچے سے جب سب نے زور لگایا تو اُس نے دیکھا کہ چٹان ہل رہی تھی۔ ایک بار یہ اتنی زیادہ ہل گئی کہ اُسے اس کے نیچے غلاف اُگڑا۔ اُس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُس نے غرے لگانے شروع کر دیئے۔ اس کے آدمیوں نے اور زور لگایا تو چٹان سرک گئی۔ مارکونی نے اپنے آدمیوں کو ذرا آرام کرنے کو کہا۔ سوچ سیاہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا۔ مارکونی کے پاس شراب کا ذخیرہ تھا۔ اُس نے شراب کا مشکیزہ منگوا کر کہا پیو اور اس چٹان کو کنکر کی طرح نیچے پھینک دو۔

سب شراب پر لٹ پڑے۔ مارکونی نے پرجوش ہجے میں کہا۔ ”میں آج رات تمہیں روادنٹ بھون کر کھلاؤں گا۔“ تھوڑی دیر بعد شراب نے سب کی تھکن دور کر دی اور ان میں نئی تازگی آ گئی۔ اتنے میں سوچ افق سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ مشعلیں جلا کر رکھ لی گئیں اور سب نے ایک بار پھر زور لگنا شروع کیا۔ مارکونی اوپر کھڑا تھا۔ اسے مشعلوں کی ناجیتی روشنی میں چٹان کا بالائی حصہ آگے کو جھکتا اور کچھ سرکتا نظر آیا۔ اُس نے اور زیادہ جوش سے غرے لگانے شروع کر دیئے۔ ابھانک چٹان مہیب آواز کے ساتھ سرک گئی اور اُلٹ کر نیچے کو لوٹ چکی گئی۔ جہاں مارکونی کے آدمی تھے وہ جگہ تنگ تھی۔ اُن کے پیچھے بھی ایک پتھر ملی ٹیکری تھی۔ اوپر سے چٹان اتنی تیزی سے آئی کہ نیچے سے آدمی بھاگ نہ سکے۔ روشنی بھی کم تھی۔ پہاڑوں اور چٹانوں میں گھری ہوئی یہ دنیا بیک وقت کئی ایک پتھروں سے لرزا اٹھی اور سکوت طاری ہو گیا۔ مارکونی دودھائی نیچے آیا۔ ایک مشعل اٹھا کر دیکھا۔ گری ہوئی چٹان کے نیچے سے خون بہ رہا تھا۔ کسی کا ہاتھ نظر آ رہا تھا۔ کسی کی ٹانگ کسی کا سر، اور کچھ ایسے بھی تھے جو درمیان میں نیچے آ گئے تھے۔

فراخ جگہ گئی جہاں مارکونی کے آدمی اوپر سے اترے تھے۔ وہاں اُسے کئی اور لاشیں نظر آئیں۔ ان میں پانچ بچہ لاشیں بچوں کی تھیں۔ تمام لاشوں کے منہ اور آنکھیں کھلی ہوئیں اور چہروں پر اذیت اور کرب کے عیاں تھے۔ تاشیں تھیں۔ قدوی کسی بڑے ہی حسین دنیا کی عورت تھی۔ اُس نے ایسا ہیبت ناک منظر کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹے سے بچے کی لاش دیکھ کر اُس کی چیخ نکل گئی۔

مارکونی کے تین چار آدمی چیخ مٹ کر دوڑے آئے۔ قدوی کو پکڑا گیا تھا اور اسماعیل نے اُسے تمام دیا تھا۔ مارکونی کے آدمیوں کو بتایا گیا کہ وہ لاشیں دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ ایک آدمی اُس کے پیچھے پانی لینے کو دوڑا۔ قدوی جلدی سنبھل گئی۔ اُس نے پوچھا کہ یہ مرنے والے کون تھے اور انہیں کیوں ہلاک کیا گیا ہے۔ اسماعیل کو معلوم نہیں تھا۔۔۔ مارکونی کے ایک آدمی نے اُسے بتایا کہ یہ کون تھے اور انہیں کیوں قتل کیا گیا ہے۔ قدوی نے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اسماعیل نے کہا۔ ”ہم سے یہ لوگ اچھے تھے جو اس خزانے کی رکھوالی کر رہے تھے۔ یہ ننگے آدم خور دیانت دار تھے جنہوں نے جان دے دی، خزانے کا بھید نہ بتایا۔ اگر یہ فرعون کا مدفن اکھاڑ کر مال و دولت نکال لے جاتے تو انہیں کون پکڑ سکتا تھا، مگر یہ دیانت دار تھے۔ ہم ڈاکو اور قاتل ہیں جو اپنے آپ کو مہذب سمجھتے ہیں۔ یہ مارکونی کی کارستانی ہے۔“

”میں اس خزانے میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی جس کی خاطر ان معصوم بچوں اور بے گناہ آدمیوں کو اس بیدردی سے قتل کیا گیا ہے۔“ قدوی نے کہا۔ ”ان کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آتا۔ یہ ننگے تھے۔“ اُس وقت مارکونی بوڑھے کے ساتھ ایک چٹان کے پیچھے گیا ہوا تھا۔ بوڑھے نے اُسے کہا۔ ”ادھر پر چل جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک بہت بڑا پتھر جو ہمیں سے نظر آ رہا ہے، اسے تم چٹان ہی سمجھ رہے ہو۔ اگر اُسے وہاں سے ہٹا سکو تو تمہیں اُس دنیا کا دروازہ نظر آئے گا جس میں زمینیں دم کا تابوت اور اُس کا خزانہ رکھا ہے۔ اس چٹان کو اُس وقت سے کسی نے نہیں بلایا جب سے یہ یہاں رکھی گئی ہے۔ پندرہ صدیوں سے اس چٹان کو کسی نے چھوا بھی نہیں۔ ہم پندرہ صدیوں سے اس کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ میں تمہیں زمینیں کی موت کے واقعات اس طرح سناسکتا ہوں جیسے وہ کل میرے سامنے ملا ہو۔ یہ مجھے باپ اور دادا نے سنائے تھے۔ دادا کو اس کے باپ اور دادا نے سنائے تھے اور اس طرح پندرہ صدیوں کی باتیں میرے سینے میں آئیں جو میں نے اپنے قبیلے کو سنا دی ہیں۔“

”میں یہ باتیں بعد میں سنوں گا۔“ مارکونی نے بے تاب ہو کر کہا اور وہ چٹان پر چڑھ گیا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوپر کی فزولی چٹان الگ ہے یا الگ کی جا سکتی ہے۔ اُس نے ادھر ادھر سے دیکھنے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جس سے یہ چٹان الگ معلوم ہوتی۔ وہ نیچے اُتر آیا۔

”میں جانتا ہوں تم یقین نہیں کرو گے کہ اس چٹان کے دو حصے ہیں۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”اوپر کا حصہ جو پیچھے پہاڑ کے ساتھ ملا ہوا ہے، پہاڑ اور چٹان کا حصہ معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں۔ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال ہے۔ اس کی ساخت قدرتی لگتی ہے لیکن یہ انسانوں کی کاریگری ہے۔ زمینیں نے یہ اپنی نگرانی میں

مارکونی کو کسی کے دوڑنے کی آہٹیں سنائی دیں۔ شاید کوئی بچ بھی گئے تھے۔ وہ بھاگ گئے تھے۔ اُس نے ٹیکری پر دیکھا۔ وہاں چار انسان کھڑے تھے۔ ایک بوڑھا تھا۔ دوسرا اسماعیل، تیسرا مارکونی کا ایک ساتھی جو ہنس رہا تھا۔ وہ بھاگا نہیں تھا اور چوتھا انسان قدومی تھی جو سراپا نخوت بنی کھڑی تھی۔ مارکونی آہستہ آہستہ ٹیکری پر آیا۔ اس نے چاروں کو باری باری دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ سب سے پہلے بوڑھا بولا۔ اس نے کہا۔ ”میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں موت نظر آرہی ہے۔ میں نے اپنے فرض کو نظر سنا کر ذکر کے تمہیں یہ بھی بتا دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ موت کا بھیدم ہے اور موت میرا فرض پورا کرے گی۔ کیا تم واپس چلے جاؤ گے؟“

”نہیں!“ مارکونی نے آہستہ سے کہا۔ ”میرے یہ ساتھی میرے ساتھ ہیں۔ یہ میرا ساتھ دیں گے۔“ اُس نے ان سے پوچھا۔ ”معلوم ہوتا ہے کوئی زندہ نکل گئے ہیں۔ کون کون بھاگا ہے؟“

”مجھ سے پوچھو۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”تمہارے چار آدمی میرے دو آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئے ہیں۔ میرے آدمی انہیں باہر کا راستہ نہیں بتائیں گے۔ انہیں اب اندر ہی بھٹک بھٹک کر مرنے ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ چٹان کے نیچے آکر مر جاتے۔ یہ موت آسان تھی۔ آج رات کے لیے یہ کام بند کر دو۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔“

☆

مارکونی پر اس حادثے کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے بوڑھے کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اسماعیل نے بوڑھے کو ایک چادر دی جو اُس نے اپنے اوپر ڈال لی۔ قدومی پر خاموشی طاری تھی۔ وہ اُن عورتوں کو بھی دیکھ چکی تھی جنہیں مارکونی نے یہ حال بنا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اب کسی اور جگہ تھیں۔

”تم میرے ایک آدمی کو کھا گئے تھے۔“ مارکونی نے کہا۔ اس سے پہلے تم نے کتنے انسان کھائے ہیں؟“

”جتنے ہاتھ لگ سکے۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”میں بتا نہیں سکتا کہ ہماری نسل میں انسانی گوشت کب داخل ہوا۔ جو تائیں میرے کانوں میں ڈالی گئی ہے اس میں پندرہ صدیوں پرانی ایک پیشین گوئی شامل ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ جو لوگ خدا سے زمین کی حفاظت کریں گے انہیں ریگزار اپنی ٹھنڈی آغوش میں رکھے گا۔ انہیں پانی اور سائے سے محروم نہیں ہونے دے گا۔ انہیں دنیا کے لاپرواہ سے آزاد کر دے گا۔ انہیں سونے، چاندی، عورت اور شرب کی خواہش سے آزاد کر دے گا۔ انہیں یہ بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ وہ اپنے ستر ڈھانپیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ہوگی۔ ان میں کوئی لالچ نہیں ہوگا۔ لاپرواہی انسان کو قاتل، ڈاکو اور بددیانت بناتا ہے۔ وہ کبھی دولت کا لاپرواہ کرتا ہے اور کبھی عورت کا۔ اس کا دین نہیں رہتا۔ لاپرواہی فساد کی جڑ ہے۔ ہمیں اس لعنت سے آزاد کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ زمین کے محافظ انسان کا گوشت کھائیں گے۔ یہاں سے باہر جایا کریں گے۔ انسان کا شکار کھیلیں گے اور کوئی جانور ملے تو اسے بھی کھائیں گے۔ اگر نہیں کھائیں گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی۔“

”کیا تم آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہو؟“ قدومی نے بوڑھے سے پوچھا۔

”انسان ٹہری کمزور چیز ہے۔ اپنے خدا بدلتا رہتا ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”اور کبھی انسان خود ہی

خدا بن جاتا ہے۔ اس وقت تم لوگ میرے خدا ہو کیونکہ میری جان اور میری بچتوں کی عزت جو تمہاری قید میں ہیں تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تم پر یہ راز تمہیں خدا سمجھ کر فاش کر دیا ہے کیونکہ میں منے سے ڈرتا ہوں اور اپنی بچتوں کو بے پروا کرانے سے ڈرتا ہوں۔ فرعون نے مجھے تمہاری طرح اپنے وقت کی مخلوق کی گردن پر چڑک اور بگلی کی چھری رکھ کر کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔ انسان نے مجھ پر ہر کر کہا۔ ”ہاں! تم ہی خدا ہو۔“ بھوک اور فطری انسان کو حقیقت سے بہت دور ہے جا کر بھینک دیتی ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ جسے حقیقی خدا نے اشرن المخلوقات کہا تھا۔ اُس کا صرف جسم رہ جاتا ہے جسے پیٹ کی آگ جلاتی ہے تو وہ اس انسان کے آگے سجدے کرنے لگتا ہے جو اُس کے پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری نے بادشاہ پیدا کیے۔ ڈاکو اور رہزن پیدا کیے۔ انسان کو حاکم اور محکوم، ظالم اور مظلوم بنایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو بھوک نے بدی سے آشنا کیا۔ یہ غلط ہے۔ انسان کو بدکار و زندہ جوارات نے بنایا ہے۔... تم کون ہو؟ کیا ہو؟“ اُس نے قدومی سے پوچھا۔ ”ان میں سے کس کی بیوی ہو؟ ان میں سے کسے اپنا آدمی کہہ سکتی ہو؟“ بوڑھے کو معلوم ہو چکا تھا کہ قدومی قاہرہ کی نقاب کش ہے۔

قدومی اس کے سوال سے پریشان ہو گئی۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ بوڑھے کے سوال نے اس کا پسینہ نکال دیا۔ بوڑھے نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا۔ ”تم اپنے حسین چہرے اور جوانی کی بدولت اپنے آپ کو خدا سمجھتی ہو اور تمہاری خواہش کرنے والے تمہیں خدا کہتے ہیں۔ مجھے جنگلی اور وحشی نہ سمجھو۔ میرے پاس کپڑے ہیں جو میں پہن کر کبھی کبھی قاہرہ جایا کرتا ہوں۔... تمہاری مذہب دنیا کو دیکھتا ہوں، پھر واپس آکر کپڑے اندر دیتا ہوں۔ میں نے تمہاری دنیا میں گھمبیلوں پر شہزادے سیر کرتے دیکھے ہیں۔ تمہاری طرح کی شہزادیاں دیکھی ہیں۔ ناچنے اور گانے والی بھی دیکھی ہیں اور انہیں جو بچانے ہیں انہیں بھی دیکھا ہے۔ میں نے فرعونوں کے دفنوں کی باتیں سنی ہیں اور آج کے دفن کے فرعون بھی دیکھے ہیں۔ ان سب کا انجام بھی دیکھا ہے۔ تمہارا انجام بھی جو تمہیں ابھی نظر نہیں آ رہا دیکھ رہا ہوں۔ تم نے خزانے کے لالچ میں اتنے بے گناہ انسانوں کا خون کیا۔ اس گناہ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ فرعون بھی نہیں بچ سکے تھے۔ میں مسیح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔ ان کا انجام دیکھنا۔ وہ خدا نہ ہوتے تو ان کا یہ انجام نہ ہوتا۔ خدا وہ ہوتا ہے جو انجام تک پہنچایا کرتا ہے، انجام تک پہنچا نہیں کرتا۔ میں نے اُس انسان کو کبھی خدا نہیں مانا جو آج پہاڑی کے نیچے بڑیوں کا ڈھانچہ بنا رہا ہے۔ میں اور میرا قبیلہ اس کی حفاظت نہیں کر رہے۔ ہم نے دنیا کے لاپرواہ سے بچنے کے لیے اپنا ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ ہم اس عقیدے کی حفاظت کر رہے ہیں۔“

بوڑھا ٹھہری ٹھہری آواز میں بولتا جا رہا تھا۔ قدومی اُسے دیکھ رہی تھی اور بوڑھے کی باتوں میں اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ مارکونی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس نے بوڑھے سے

کہا۔ "تم اپنی عورتوں کے پاس چلے جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا۔ ہمیں اندر جانا ہے۔"
 بوڑھا چلا گیا تو مارکونی نے قدومی سے کہا۔ "آؤ۔ ہم بھی سو جائیں۔"
 "میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" قدومی نے کہا۔

مارکونی اس کی طرف لپکا۔ قدومی پیچھے ہٹ گئی۔ مارکونی نے اسے دھمکی دی۔ اسماعیل اس کے آگے
 آگیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ مارکونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور مارکونی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ جب چلا
 گیا تو قدومی اسماعیل کے سینے پر سر پھینک کر پتھلوں کی طرح رونے لگی۔

☆

صبح جاگے تو مارکونی نے بوڑھے کو ڈھونڈا۔ بوڑھا وہاں نہیں تھا۔ عورتوں کو دیکھا۔ وہ بھی غائب تھیں۔
 انہیں آوازیں دیں۔ ادھر ادھر دیکھا۔ ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ مارکونی کو اب ان کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ سفین
 کا دہانہ کھل چکا تھا۔ بوڑھا اگر وہاں ہوتا بھی تو اسے معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہے۔ مارکونی نے اسماعیل، اپنے
 ساتھی اور قدومی کو اپنے ساتھ لیا اور وہ سب اس چٹان پر چڑھ گئے جہاں مدفن کے اندر جانے کا دہانہ تھا۔
 مارکونی نیچے اترا۔ یہ ایک کشادہ گڑھا تھا، جو سرنگ بن کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ وہ مشعلیں ساتھ لے گئے تھے
 جو جلائی گئیں۔ کچھ دور آگے جا کر سرنگ بند ہو گئی۔ مارکونی نے وہاں الٹی کلال ماری تو ایسی آوازیں آئیں جیسے
 اس کے پیچھے جگہ کھوکھلی ہے۔ یہ پتھر کا جو کور دروازہ تھا۔ اس پر مزیں لگائی گئیں تو کناروں سے خلا نظر آنے
 لگے۔ سلاخوں اور ہتھوڑوں وغیرہ کی مدد سے اس تراشے ہوئے پتھر کو ہلایا گیا اور بہت سی محنت اور طاقت
 کے بعد اس چوکور پتھر نے اس طرح راستہ سے دیا کہ پیچھے کو گرا۔ اس کے وزن کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرنے سے زلزلے
 کا جھٹکا محسوس ہوا۔ اندر سے پندرہ سولہ صدیوں کی بدبو جھلکڑی طرح باہر آئی۔ سب پیچھے کو بھاگے اور انہوں
 نے ناک منہ پر کپڑے لپیٹ لیے۔ ذرا دیر بعد مشعلوں کے ساتھ اندر گئے۔ چند قدم آگے سیر پڑھیاں نیچے
 جاتی تھیں۔

سیر پڑھوں پر انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیوں کے پتھر پڑے تھے۔ ان کے ساتھ برہیاں اور ڈھالیں بھی
 تھیں۔ یہ پہرہ داروں کی ہڈیاں تھیں۔ انہیں اندر زندہ پہرے پر کھڑا کر کے مدفن کے منہ پر اتنی وزنی سل جما
 دی گئی تھی۔ سیر پڑھیاں انہیں دُور نیچے لے گئیں۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا۔ یہ زمین پتھر کی تھی۔ کاریگروں نے لمبی مدت
 صرف کر کے دیواریں اور چھت اس طرح تراشی تھی کہ یہ بیسویں صدی کی عمارت معلوم ہوتی تھی۔ وہاں ایک بڑی
 ہی خوشنما کشتی رکھی تھی جس کے بادبان لپٹے ہوئے تھے۔ کشتی میں بھی انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں پڑی تھیں۔ یہ
 ملاخول کی تھیں۔ ایک تاریک راستہ جو کاریگری سے تراشا گیا تھا ایک اور کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک سبھی سجائی
 گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے آگے آٹھ گھوڑوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور گھجی کی لگی سیٹ
 پر انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔ اس کمرے میں کئی اور ہڈیوں کے پتھر تھے۔ اس سے آگے ایک اور کمرہ تھا، جو صبح
 منوں میں شیش محل تھا۔ چھت اور دیواروں پر چتر کاری کی گئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ سیر پڑھیاں اور ان

پر ایک پتھر کی کرسی اور کرسی پر رئیس کا بت بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھی پتھر کا تھا۔

سیر پڑھوں پر ہڈیوں کے پتھر اور کھوپڑیاں پڑی تھیں۔ قدومی نے ایک کھوپڑی کے ساتھ موتیوں کا
 ایک مار دیکھا جس کے ساتھ ایک نیلا ہیرا تھا۔ کانوں میں ڈالنے والے زیورات تھے اور انگوٹھیاں بھی چند اور
 ڈھانچوں کے ساتھ اس نے مار اور زیورات دیکھے۔ مارکونی نے ایک ماراٹھیا اور پتھر ہزار سال گزر جانے کے بعد
 بھی ان موتیوں اور ہیروں کی چمک مانند نہیں پڑی تھی۔ مشعل کی روشنی سے ہیرے رنگ رنگ شمعیں دیتے
 تھے۔ مارکونی مار قدومی کے گلے میں ڈالنے لگا تو قدومی چیخ مار کر اسماعیل کے پیچھے ہو گئی۔ مارکونی نے تھکے لگا
 کر کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ تمہیں ملکہ قلو پتھر بناؤں گا۔ درد مت قدومی! یہ سب مار تمہارے ہیں؟"

"نہیں!" قدومی نے لڑتی کانپتی آواز میں کہا۔ "نہیں! میں نے ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں میں اپنا انجام
 دیکھ لیا ہے۔ یہ بھی مجھ جیسی تھیں۔ یہ اس 'خدا' کی محبوبہ کا مار ہے جو ہمیں کہیں مار پڑا ہے۔ میں نے ان کا انجام دیکھ
 لیا ہے جنہیں مکبر نے 'خدا' بنایا۔ میں نے اپنا خدا دیکھ لیا ہے۔ وہ اس قدر گہرائی ہوئی تھی کہ اس نے اسماعیل
 کو گھسیٹے ہوئے کہا۔ "مجھے یہاں سے لے چلو۔ مجھے پلو یہاں سے۔ میں ہڈیوں کا پتھر ہوں۔" اس کے
 گلے میں اپنا مار تھا۔ اس نے یہ مار اتار کر ہڈیوں پر پٹخ دیا۔ انگلیوں سے بیش قیمت انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں
 اور چلانے لگی۔ "میں نے اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔ میں نے خدا دیکھ لیا ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔"

مارکونی ایک اور کمرے میں جا چکا تھا۔ اسماعیل نے قدومی سے کہا۔ "ہوش میں آؤ۔ ہم چلے گئے تو
 یہ کمرہ توڑ کر یہ دونوں صلیبی اٹھائے جائیں گے۔" اسماعیل کو ایک اور راستہ نظر آگیا۔ مشعل اس کے ہاتھ میں
 تھی۔ وہ قدومی کو اس طرف لے گیا اور وہ ایک اور فراخ کمرے میں داخل ہوئے۔ وسط میں ایک چوبترے پر
 تابوت رکھا تھا۔ چہرہ ننگا تھا۔ یہ تھا فرعون رئیس دم جس کے آگے لوگ سجدے کرتے تھے۔ لاش حنوط کی
 ہوئی تھی۔ چہرہ بالکل صبح تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اسماعیل اس چہرے کو بہت دیر دیکھتا رہا۔ قدومی نے
 بھی دیکھا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا تو وہاں بھی ہڈیوں کے
 پتھر نظر آئے اور وہیں انہیں بڑے خوشنما کس بھی دکھائی دیئے۔ ایک کس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ انہوں نے دیکھا
 کہ اس میں سونے کے زیورات اور ہیرے پڑے تھے۔ ان پر ایک انسانی بازو کی ہڈی اور ایک ہاتھ کی ہڈیاں
 پھیلی ہوئی تھیں۔ کس کے ساتھ کھوپڑی اور باقی ہڈیاں پڑی تھیں۔

"آہ انسان!" اسماعیل نے کہا۔ "اس شخص نے مرنے سے پہلے یہ زیورات اور ہیرے اٹھانے کی
 کوشش کی۔ اسے امید ہو گی کہ یہاں سے نکل بھاگے گا مگر دم گھٹنے سے خزانے کے اوپر گر گیا۔ بوڑھے نے ٹھیک
 کہا تھا کہ انسان کی دشمن بھوک نہیں ہوس ہے۔" اس نے کس کی طرف ہاتھ پٹھا کر کہا۔ "قدومی! تم بھی ہوس
 لے کے آئی ہو۔ میں تمہیں کچھ دے دوں۔"

"نہیں اسماعیل!" قدومی نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔ "میری ہوس مرچکی ہے۔ قدومی مرچکی ہے۔"
 اسماعیل نے پھر بھی کس میں ہاتھ ڈالا۔ قدومی نے پٹھا کر کہا۔ "بچو اسماعیل!"

اسماعیل استاد تھا۔ وہ ایک طرف گر کر لوٹا گیا اور اٹھا اُس نے دیکھا کہ مارکونی تلوار سونے اُس پر حمل آور ہوا تھا۔ اُس کی تلوار کا وار کس پر پڑا۔ مارکونی کی آواز سنائی دی۔ ”یہ خزانہ میرا ہے۔“ اٹھے میں مارکونی کا ساتھی بھی آگیا۔ اسماعیل کے پاس خنجر تھا جس سے وہ تلوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ قدومی کو قریب ہی ایک برہمی پڑی نظر آگئی۔ مارکونی اسماعیل پر وار کر رہا تھا جو وہ مشعل پر روک رہا تھا۔ مارکونی کے ساتھی نے بھی اسماعیل پر حملہ کیا۔ دونوں میلیبی خزانہ دیکھ کر پاگل ہو چکے تھے۔ قدومی کو انہوں نے نہ دیکھا کہ کیا کر رہی ہے۔ جوں ہی مارکونی کی پیٹھ قدومی کی طرف ہوئی قدومی نے پوری طاقت سے برہمی اُس کے پہلو میں اتار دی۔ برہمی مارکونی کا ایک اور وار کیا اور اُسے لڑھکا دیا۔ اس کا ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا۔ وہ قدومی پر تلوار کا وار کرنے کو نکال کر ایک اور وار کیا اور اُسے لڑھکا دیا۔ اس کا ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا۔ وہ قدومی پر تلوار کا وار کرنے کو پکا تو اسماعیل نے خنجر سے اس کے پہلو سے برہمی چیر ڈالا۔

قدومی جو خزانے میں سے حصہ لینے گئی تھی اپنے گئے کا بار، بیش قیمت دوا لگوٹھیاں اور کانوں کے زیورات وہاں پھینک کر اسماعیل کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دہانے والے دروازے سے نکلتے ہوئے اسماعیل نے جلتی ہوئی مشعل اندر ہی پھینک دی۔ وہ دونوں ان اشیاء کے علاوہ بہت کچھ اندر ہی پھینک آئے تھے۔ قدومی کو جب باہر کی تازہ ہوا لگی تو اُس نے اسماعیل سے کہا۔ ”ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟ میں کون ہوں؟“

”میں بھی کچھ ایسے ہی محسوس کر رہا ہوں۔“ اسماعیل نے کہا۔ ”ہم شاید سارے گناہ اندر ہی پھینک آئے ہیں۔“ اس علاقے سے باہر نکلنے کا راستہ انہیں معلوم تھا۔ وہ باہر نکل گئے۔ باہر تھوڑے سے دور گئے۔ باقی معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے۔ وہ دواؤں پر بیٹھے اور قاہرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

☆

وہ اگلی رات تھی۔ آدمی گزرتی تھی جب غیاث بلبیس نے قدومی اور اسماعیل کی ساری داستان ہر ایک تفصیل کے ساتھ سن کر لمبی آہ بھری اور کہا۔ ”مجھے صلاح الدین الیوبی کی باتیں اب صحیح معلوم ہو رہی ہیں۔ اس نے کہا تھا ان خزانوں سے دُور رہو۔“

غیاث بلبیس شہری امور کا کو تو ال تھا۔ اسماعیل اور قدومی اُسے اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ محرا سے لوٹ کر احمد درویش کے پاس جانے کی بجائے غیاث بلبیس کے پاس چلے گئے اور اسے ساری واردات سنا کر بتایا کہ اس کا اصل سرغنہ احمد درویش ہے۔ غیاث بلبیس نے اُسی وقت علی بن سفیان کو اپنے پاس بلا لیا۔ اُسے یہ واردات سنائی۔ احمد معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ ان دونوں نے سلطان الیوبی کو جاسگایا اور اجازت مانگی کہ وہ احمد درویش کو گرفتار کر لیں۔ انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے فوج کے کچھ آدمی ساتھ لیے اور احمد درویش کے گھر چھا پہلا۔ سارے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں سے وہ نقشے اور کاغذات برآمد ہوئے جو پرانی دستاویزات کے پلندے سے غائب تھے۔

صبح علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کے ساتھ فوج کے ایک بڑے دستے کو اس پر اسرار علاقے کی طرف

بھیجا گیا جہاں رئیس کا مدین تھا۔ سلطان الیوبی نے حکم دیا تھا کہ ثبوت وغیرہ دیکھ کر مدین کو اسی طرح بند کر دیا جائے جس طرح پہلے تھا۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا جائے۔ اسماعیل راہنمائی کر رہا تھا۔ وہاں گئے تو وہ جگہ خونچکاں کہانی بیان کر رہی تھی۔ فوج کی مدد سے مدین کے دہانے کو اُسی دزدنی چکور خنجر سے بند کر دیا گیا۔ چٹان جو نیچے پڑی تھی اسے فوج کی ایک بڑی جمعیت نے تھول اور زنجیروں سے اُپر کیا اور فزولن ایک بار پھر زنجیروں سے اوجھل ہو گیا، مگر اب وہ اپنے پیسے دوا اور گناہگاروں کی لاشیں اپنے مدین میں لے گیا۔

اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟

صلیبیوں کا سن ۱۱۷۴ء دنیا سے اسلام کے لیے اچھا ثابت نہ ہوا۔ یہ مسلمانوں کا سن ۵۶۹ ہجری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان نے سال کے آغاز میں یہ خبر سنائی کہ عکرمہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا کپڑا گیا ہے۔ یہ اطلاع ایک اور جاسوس لایا تھا جو ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ جاسوس کچھ قیمتی معلومات بھی لایا تھا لیکن ایک جاسوس کی شہادت اور دوسرے کی گرفتاری نے سلطان ایوبی کو پریشان کر دیا۔ علی بن سفیان بھانپ گیا کہ سلطان ایوبی کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گیا ہے۔ فوجی سرنگز سانی اور جاسوسی کا یہ ماہر سربراہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی نے سینکڑوں فوجیوں کی شہادت پر بھی کبھی پریشانی اور افسوس کا اظہار نہیں کیا لیکن ایک چھاپہ مار یا کسی ملک میں بھیجے ہوئے ایک جاسوس کی شہادت کی خبر سن کر اس کا چہرہ بچھ جابا کرتا ہے۔

اب ایک جاسوس کی شہادت اور ایک کی گرفتاری کی اطلاع پر علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے چہرے پر رنج کا تاثر دیکھا تو اس نے کہا: ”امیر محترم! آپ کا چہرہ اداس ہوتا ہے تو لگتا ہے سارا عالم اسلام ہل رہا ہے۔ اسلام کی آبرو جانوں کی قربانی مانگتی ہے۔ ایک دن ہم دونوں کو بھی شہید ہونا ہے۔ ہمارے دو جاسوس ضائع ہو گئے ہیں تو میں دواور بھیج دوں گا۔ یہ سلسلہ رک تو نہیں جائے گا۔“

”یہ سلسلہ رک جانے کا مجھے خدشہ نہیں علی!“ سلطان ایوبی نے رنجیدہ سی مسکراہٹ سے کہا۔ ”کسی چھاپہ مار کی شہادت میرے ذہن میں یہ سوچ بیدار کر دیتی ہے کہ ایک یہ سرفروش ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل، وطن سے دور، اپنے بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ سے دور دشمن کے ملک میں تنہا اپنا فرض ادا کرتے اور جان کی قربانی دیتے ہیں، اور ایک یہ ایمان فروش ہیں جو گھروں میں بادشاہوں کی طرح رہتے، عیش و عشرت کرتے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے میں اپنے دشمن کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔“

”کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ سالاروں، نائب سالاروں اور تمام کمانداروں کو باقاعدہ وعظ دیئے جائیں؟“

”ہاں!“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”آپ انہیں معینے میں ایک بار اسلام کی عظمت اور صلیبیوں کے عزائم کے متعلق وعظ دیا کریں۔ میرا خیال ہے کہ جن کارجمان دشمن پردری کی طرف ہے انہیں بتایا جائے کہ ان کا دشمن کون ہے اور کیسا ہے تو وہ اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لیں گے۔“

”نہیں!“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”جب انسان ایمان بیچنے پر آمادہ ہے تو اس کے آگے قرآن رکھ دو تو وہ اس مقدس کتاب کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دے گا۔ ایک طرف مرنے والے ہوں اور دوسری طرف دولت،

حکومت کو شریک تو انہیں ملتا ہے مگر انہیں ہوتا ہے ان کا لفظ نہیں دے سکے، بادشاہی نہیں دے سکے۔
 بدلی قوم کے خدائے بننے نہیں، وہ گنہگار نہیں، وہ سب ماکم ہیں۔ نوج اور حکومت کے اونچے مسدوں
 کے ملک میں وہ ہادی نہیں، دشمن کے ساتھ مل کر ماکم ہی کیا کرتے ہیں۔ سب ہی اوتے اور مرتے ہیں۔ انہیں
 ہمارے سر پر حکومت نہ کیا جاتا ہے۔ میں کسی کو دھوکہ دے کر غلبہ نہیں دیتا گا۔ غلبہ دیتے دے مگر وہ اصل
 کو رہ سب دانت ہوتے ہیں۔ وہ قوم کا دل اٹھاتا ہے اور ہوشیے نہیں سمجھتا پکارتے ہیں۔ غلبہ اور تقریریں
 کوہی کی طاقت ہوتی ہیں۔ یہ نوج و قوم سے یہ نہیں کہوں گا کہ ہم تاج اور خوشمال ہیں۔ میں طاقت کو بدلوں
 کو ہر طاقت پریش گئے کہ ہم یہی باغیہ تاج ہیں یا شکست خوردہ قوم اور نوج جو سے تاج ہائے کی تو
 میں انہیں اٹھانے کی طاقت نہیں دیتا گا۔ غلبہ کو میں سزا دیتا گا، انہیں جینے کے حق سے محروم کر دوں گا۔
 علی بن سفیان کے لکھے ہاتھوں نے اٹھلا، اگر مجھے ہونے کی طاقت ہوتی تو میں جبرٹ بولتا، مگر نوج کر دوں گا:

میرے جنت کو دھوکہ دیا گیا تھا کہ وہ ختم کر دیا گیا تھا۔ اسی مسدوں کے چند ایک ماکم کچھ سے گئے اور سزا
 پا چکے تھے۔ سب نے خود ہی سلطان بن کر ماکم کیا اور مسلمانوں نے لی تھی۔ سلطان ابوبکر کا یہ کہنا اصل
 میں تھا کہ غلبہ اور یہ طاقتیں پیدا کرنے کے لئے وہ دھوکہ دے رہے تھے۔ نوج اور قوم کو گمراہ کر کے سب کو اٹھانے
 جاتے اور طاقت نہ کیا جاتا ہے۔ میرے ۱۰۰۰ کے آکا لک نوج میں طاقت کا نام دانتان تک نہ رہا تھا۔
 اب میری ہادی اور تحریک گدی میں وہ تہذیبوں کے ہاسوس اور تحریک کار میرے ہاتھوں سے گئے تھے جو
 سلیم تھے۔ یہ سب کا بھی نہیں پاسکتا تھا۔ سلطان ابوبکر نے بھی اپنے ہاسوس ان علاقوں میں بھیج رکھے تھے جو
 میسوپوٹامیا کے تھے۔ سلطان ابوبکر اس زمین میں ہڈی کا مہر تھا۔

”خبر کی سزا میں کا ایک مقام تھا جو اس علاقے میں تھا کہ وہاں میسوپوٹامیا کا سب سے بڑا پادری
 جے سلیم بن عزم کا لفظ گناہ تھا۔ یہاں تھا وہیں سے سلیم بن عزم کی بیویات اور حوصلہ افزائی حاصل کرتے تھے
 اور وہ اس مقدس میسوپوٹامیا کی اپنی گناہ کا بیٹا کوڑی رہ گیا تھا۔ جب نور الدین زنگی نے کرک کا قلعہ فتح کر لیا تو
 علی کو بیٹا کوڑی بنا کر بہت اقتدار کو سلطان ابوبکر اور زنگی سے بھانے کی ٹیکہیں بنا رہے تھے۔ وہاں کے طاقت
 مسوم کئے اور دشمن کی سکیم کی اطلاع کرک میں زنگی کو قاتل ہوئی سلطان ابوبکر کو پہنچانے کے لیے تین ہاسوس بھیج
 دیتے گئے تھے۔ ان کا نام مزین بن عزم کا ایک شہر اور زنگی ہاسوس تھا۔ یہ علی بن سفیان کا انتخاب تھا۔

یہ تین نہایت غریب سے مکہ میں داخل ہو گئے تھے۔ بیٹا کوڑی بنایا جا چکا ہے کہ سلطان ابوبکر نے کرک پر
 کا قلعہ اور شہر فتح کیا تو وہاں سے بیٹا کوڑی اور یودی کرک کی طرف بھاگ گئے تھے۔ مسلمانوں نے کرک پر
 چڑھائی کر کے یہ شہر بھی لے لیا تو وہاں سے بھی غیر مسلم بھاگے اور مختلف مقامات پر چلے گئے۔ ان دونوں
 مفتور جنگوں کے ارد گرد کے علاقوں کے بھی مسلمان اور یودی بھاگ گئے تھے۔ سلطان ابوبکر کا انہیں منس کا
 حکم بھی اپنی نوج کے ساتھ تھا۔ علی بن سفیان کی ہدایت کے مطابق کئی ہاسوس عیسائیوں کے بہروپ میں
 عیسائیوں کے علاقوں میں بھیج دیئے گئے۔ ان میں سے تین کو یہ شن دیا گیا کہ مکہ سے جنگی معلومات حاصل

کر کے قاتل ہو جائیں، انہیں وہاں پہلی نوج کی انہیں دھوکہ دیا گیا تھا کہ انہیں قاتل کر دیں اور انہیں قاتل کر دیں
 ہی پہلے ہی قتل اور یہ اطلاع بھی دینی تھی کہ وہاں اس قسم کی قاتل کاری رائج ہے۔

یہ تین لکھ پٹھ عیسائیوں کے بہروپ میں مکہ داخل ہو گئے انہیں وہاں پہلے ہی قاتل کر دیں
 اور یودیوں کا قاتل بننا تھا۔ یہ سب ہاسوس تھے اور تپا ہیں اور سب سے پہلے یہ قاتل کر دیں
 تھا۔ عمران اور اس کے دونوں ہاسوسوں کو وہاں عیسائیوں کی پیشیت سے پہلے ہی قاتل کر دیں
 یا نہ تھے۔ عمران سیٹھا بڑے پادری کے پاس پہنچا۔ اپنے آپ کو کسی ایسے شخص کا پتا دیا کہ اس کا نام کیا ہے
 مسلمانوں کا قاتل ہو گیا تھا۔ اس نے اس طرح باتیں کیں کہ عیسائیوں کا بہروپ میں قاتل کر دیں
 میں ملا ملا پھر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی بیوی اور بچے مسلمانوں کے قاتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس نے
 کا اور بیوی کا کوئی غم نہیں۔ اس نے بتائی ہے کہ خواہش تھی کہ وہ عیسائی قاتل کر دیتا ہے۔
 اس نے سنا ہے کہ خدا اور روحانی سکون عیسائیں ہے۔ اس نے اپنا نام بیان کر دیا تھا۔

”... اور میں نے تو اسلام قبول کر ہی لیا تھا۔ عمران نے پادری سے کہا۔ ”ان کے ایک ہادی نے
 کہا تھا کہ خدا مسد میں ہے۔ میری بیوی اور میرے بچے یہ سب خدا کے دیئے ہوئے ہیں۔ انہیں قاتل کر دیں اور انہیں قاتل کر دیں
 تھا۔ خدا اور روحانی سکون کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا۔ میں خدا کے دیئے ہوئے ہیں۔ یہ خدا ہی تھا
 جس نے میری بیوی کو مسلمانوں کے قاتل کر دیا۔ انہیں قاتل کر دیں جو اس کا قاتل تھا۔ اس نے
 میں دیا تھا۔ وہ خدا ہی تھا جس نے میرے بچوں کو بھی سنبھال لیا۔ یہ وہاں کے بچے ہیں۔ انہیں قاتل کر دیں
 میں جو ان کا باپ تھا ان کی طرف سے سب پر تھا۔ میں مسلمان ہو چکا تھا مگر مسلمانوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا
 مار ڈالا۔ انہوں نے ہم پر بہت مظالم ڈھائے۔ میں جان گیا کہ خدا مسلمان کے بچے میں ہے۔ انہیں قاتل کر دیں۔
 اس نے اپنا نام پادری کے کندھے پر لکھا اور اس نے کہا۔ ”میں اب اپنا
 بچے بتاؤں میں پائل تو نہیں ہو گیا؟ میں اپنی ماں اپنے قاتلوں نے قاتل کر دیں۔ انہیں قاتل کر دیں اور انہیں قاتل کر دیں
 خدا کے سامنے سے ہاؤں گا اور کھوں گا کہ یہ شخص مذہبی پیشا نہیں ایک دھوکہ تھا۔ اس نے مذہب کے نام
 پر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں؟

اس کی ذہنی کیفیت ایسی ہو گئی کہ سلیم بن عزم کا لفظ چوٹ لگا۔ اس نے عمران کے سر پر ہاتھ رکھا
 کر کہا۔ ”تم میرے غمزدہ بیٹے ہو۔ خدا تم سے اپنے بچے میں ہے۔ تم قاتل کر دیں۔ انہیں قاتل کر دیں
 گا۔ تم عیسائی ہو جان گئے۔ تم اسی مذہب اور اسی مذہب میں خدا کو دھوکہ دیتے ہو۔ تم بھوکا میرے پاس آ جاؤ
 میں تمہیں خدا دکھا دوں گا۔“

”میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ مقتدر آپ!“ عمران نے کہا۔ ”میرا کوئی گھر نہیں۔ نہ کیا میں اپنی عیسائی
 بچے اپنے پاس رکھیں۔ میں آپ کی اور خدا کے بیٹے کے مسد کی اتنی خدمت کروں گا جتنی آپ نے میری کی
 عمران نے علی بن سفیان سے تربیت لی تھی۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو چکر سلیمین کے ہاتھ

کر کے اُس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ ماں بیٹی نے تاجر سے بھی کہا کہ اس آدمی کا خیال رکھو۔ دراصل رحیم کی شکل و صورت اور ذلیل ڈول ایسی تھی کہ وہ کسی اونچے اور کھانے پیتے نامزدان کا بیٹا لگتا تھا اس تاثر میں اگر کوئی گسٹری تو وہ اس کی زبان اور ادکاری سے پوری ہوجاتی تھی جس کی اُسے ٹریننگ دی گئی تھی۔

تین چار روز بعد وہ تاجر کے پاس بیٹھا تھا کہ اُسے اپنا ایک ساتھی جاسوس رضا البادہ تعارف دے دیا۔ رحیم اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُسے کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔ رضا خیرہ کار گھوڑ سوار تھا اور گھوڑے پالنے اور سنبھالنے کی مہارت رکھتا تھا۔ رحیم اُسے تاجر کے پاس لے آیا اور اس کا تعارف فرانسس کے نام سے کر کے کہا کہ یہ بھی کرک کا لٹاپٹا میسائی ہے۔ اسے کہیں ڈر کر دیا جائے۔ رحیم نے کہا کہ یہ گھوڑوں کے سائیسوں کا اسپاچ تھا۔ یہی کام کر سکتا ہے۔ تاجر نے کہا کہ اس کے پاس بڑے بڑے فوجی افسر آتے رہتے ہیں۔ ان کی دسالت سے وہ فرانسس کو ملازمت دلا دے گا۔۔۔ دو تین روز بعد رضا کو اُس مطلب میں ملازمت مل گئی جہاں فوج کے بڑے افسروں کے گھوڑے رہتے تھے۔

تاجر کے پاس فوج کے افسر آتے رہتے اور وہ ان کے پاس جاتا رہتا تھا۔ رحیم نے دیکھا کہ تاجر ان افسروں کو شرب و خمر کے علاوہ چوری چھپے نوٹیں بھی دیا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے ان سب کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ رحیم تاجر کو صلاح الدین الیوبی اور نور الدین زنگی کے خلاف بھڑکانا رہتا تھا اور اس خواہش کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج پورے عرب اور مصر پر قابض ہو جائے اور کوئی مسلمان زندہ نہ رہے۔ اس خواہش میں وہ جتنی اقتدار اٹھا کرتا تھا اور بے قابو نظر آتا تھا جیسے مکر کے مسلمانوں کا خون پی گئے کا تاجر اُسے تسلی دیتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج اس کی خواہش پوری کر دے گی۔ وہ صلیبی فوج کے ان افسروں کو بھی بڑا بھلا کہنے لگتا تھا جو مکر میں بیٹھے پیش کر رہے تھے۔ ان جذباتی باتوں کے ساتھ ساتھ رحیم قتل مندی کی باتیں بھی کرتا تھا اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ایسے جنگی نقشے اور منصوبے بناتا تھا کہ تاجر اُسے غیر معمولی طور پر دانش مند سمجھتا تھا۔ ایسے ہی جذبات اور دانشمندانہ باتوں کا نتیجہ تھا کہ تاجر نے اُسے وہ فوجی ملازمت شروع کر دی جو اُسے فوجی افسروں سے حاصل ہوتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایلین رحیم کی گرویدہ ہو گئی۔ رحیم نے ابتدا میں اُسے بھی اپنے فرض کی ایک کڑی بھائی کہ ایلین کے والدین نے رحیم کے دل میں اُس کی محبت پیدا کر دی۔ رحیم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنا فرض پورا کر کے وہ ایلین کو اپنے ساتھ قاہرہ لے جائے گا اور اُسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرے گا، مگر ابھی دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ صلیبی فوج کا ایک بڑا افسر اس لڑکی پر نظر رکھ رہے ہیں۔

رضا البادہ بھی تربیت یافتہ جاسوس تھا۔ مطلب میں اُسے فوج کے کسی بڑے افسر کا گھوڑا مل گیا تھا۔ اس افسر نے موسیٰ کو کہا کہ رضا عام قسم کا سائیس نہیں بلکہ عقل و دانش بھی رکھتا ہے۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا۔ جب کبھی یہ افسر مطلب میں آتا تو رضا اس سے پوچھتا۔ صلاح الدین الیوبی کو آپ کب شکست دے رہے ہیں؟ اور پھر وہ بتاتا کہ سلطان الیوبی کی فوج میں کیا خوبیاں اور صلیبی فوج میں کیا خامیاں ہیں۔ ایک روز اُس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اگر کوئی جنگی امور کا ماہر نہ کہے تو کم از کم ایک سائیس کے دماغ میں نہیں آ سکتی۔ اس افسر نے اُسے کہا۔

معلوم کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس لیے انہیں عیسائیت کے متعلق، گرجوں کے اندر کے آداب اور طور طریقوں کے متعلق نہ صرف معلومات دی گئیں بلکہ ریسرل بھی کرائی گئی تھی۔ عمران نے اس ریسرل کو ایسی خوبی سے عملی شکل دی کہ بڑا پادری اور اُس کے چیلے پائے اُس سے بہت متاثر ہوئے اور اسے گرجے میں رکھ لیا۔ عمران نے پادری کی خدمت ایسے والہانہ انداز سے شروع کر دی کہ وہ پادری کا خصوصی ملازم بن گیا۔ چونکہ وہ ذہین بھی تھا اس لیے اُس نے پادری کے دل پر قبضہ کر لیا۔ پادری نے تسلیم کر لیا کہ یہ شخص غیر معمولی طور پر ذہین ہے لیکن اس پر مذہب کا جنون اتنی شدت سے طاری ہو گیا ہے کہ اس کی ذہانت بیکار ہو رہی ہے۔ پادری نے اس کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔

۲۴

عمران کا ایک ساتھی ایک عیسائی تاجر کے پاس گیا اور بتایا کہ وہ کرک سے بھاگا ہوا عیسائی ہے جہاں اس کا سارا خاندان مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اُس نے اپنی داستان غم ایسے جذباتی انداز سے سنائی کہ تاجر نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ وہ رحیم ہنگوہ نام کا سوڈانی مسلمان تھا۔ عمران کی طرح ذہین، دلیر اور خوب رو۔ اُس نے اس تاجر کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اُس نے چند دن مرگ کر کے دیکھا تھا کہ وہاں صلیبی فوج کے افسر آتے ہیں اور فوج کے لیے سامان خریدتے ہیں۔ ٹریننگ اور اپنی قتل کے زور پر وہ تاجر کا قابل اعتماد ملازم بن گیا۔ چند دنوں بعد تاجر نے اُسے گھر کے کام بھی دینے شروع کر دیے۔ رحیم نے ایلی مور کے عیسائی نام سے تاجر کے گھر والوں پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے تاجر کی بیوی، اُس کی جوان بیٹی اور بیٹے کو ایسے انداز سے اپنی تباہی کی کہانی سنائی تھی کہ ان سب کے آنسو ٹپک پڑے تھے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کا مکان انہی کے مکان جیسا تھا۔ ایسی ہی سہاوت تھی۔ ایسا ہی سامان تھا۔ اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا تھا۔ تاجر کی بیٹی جیسی خوبصورت جوان بہن تھی۔ اُس کے گھر میں حاجت مندوں کو نوکر رکھا جاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اب خدا نے یہ دن دکھایا ہے کہ میں نوکری کر رہا ہوں۔

تاجر کی بیٹی ایلین اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئی۔ وہ رحیم سے اس کی بہن کے متعلق ہی پوچھتی رہی۔ رحیم نے کہا۔ وہ بالکل تمہاری طرح تھی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بہن اور زیادہ یاد آنے لگی ہے۔ اگر وہ مر جاتی تو اتنا غم نہ ہوتا۔ غم یہ ہے کہ مسلمان اُسے اٹھا لے گئے ہیں۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ اُس کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ مجھے اب یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اُسے مسلمانوں سے کس طرح رہائی دلاؤں۔ کبھی دل میں زیادہ ابال اٹھا تو شاید میں پاگلوں کی طرح وہیں جا پہنچوں جہاں بہن کو چھوڑ آیا ہوں۔ بہن تو نہیں ملے گی مجھے موت مل جائے گی۔ بہن زندہ نہیں رہنا چاہتا۔

ماں بیٹی نے مزید سوچا ہوگا کہ اتنا خوب و جوان جوانی کی عمر میں ہی غم میں گھٹنے لگا ہے اور اس کی جذباتی حالت بتا رہی ہے کہ اس کا غم ہلکا نہ کیا گیا تو یہ پاگل ہو جائے گا یا خودکشی کر لے گا۔ ایلین جو تاجر کی جوان اور غیر شادی شدہ بیٹی تھی رحیم کے درد کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگی۔ یہاں تک کہ رحیم جب باہر نکلا تو ایلین نے کسی بہانے باہر جا کر رحیم کو راستے میں روک لیا اور کہا کہ وہ اُن کے گھر آ رہا ہے۔ اُس نے رحیم سے کچھ جذباتی باتیں

”تم کون ہو؟ تمہارا پیشہ سائنسی نہیں ہو سکتا۔“
 ”آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرا پیشہ سائنسی ہے؟“ رضوانے کہا۔ ”میں کرک میں گھوڑوں کا مالک تھا۔ میں خود تو فوج میں نہیں تھا میرے دو گھوڑے جنگ میں گئے تھے۔ یہ تو زمانے کے انقلاب ہیں کہ گھوڑوں کا مالک آج اصطبل میں سائیس ہے۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دیں تو میں باقی عمر آپ کے جوتے صاف کرتے گزار دوں گا۔“

”صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے فرانس!“ اس نے رضوانے کہا۔
 ”لیکن کیسے؟“ رضوانے کہا۔ ”اگر ہمارے بادشاہوں نے کرک اور شوبک پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو اسی طرح محاصرے میں لے کر شکست دینے کی کوشش کی جس طرح انہوں نے ہمیں محاصرے میں لیا تھا تو آپ کامیاب نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی جنگ کے استاد ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے ہماری فوج کو قلعوں سے دُور روکنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ عقل مندی اس میں ہوگی کہ حملہ کسی ایسی سمت سے کیا جائے جو ایوبی کے دہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ ایوبی اور زنگی قلعوں میں بیٹھے رہیں اور آپ مصر پر چھاپائیں۔“
 ”ایسے ہی ہوگا۔“ افسر نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ ”سمندر میں کوئی قلعہ نہیں ہوتا۔ مصر کے ساحل پر کوئی قلعہ نہیں۔ مصر پر اب صلیب کی حکمرانی ہوگی۔“

یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد رضوانے اس افسر سے کئی راز کی باتیں معلوم کر لیں۔ دشمن اپنا جنگی راز تفصیل سے بیان نہیں کیا کرتا۔ ہوشیار جاسوس اشاروں میں باتیں اگلا لیتا اور ان اشاروں کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے مطابق جو ذکر وہ کہانی بنا لیتا ہے جسے لازم کہتے ہیں۔

☆

رحیم اور رضوانہ ہر اتوار کی صبح گرجے میں جاتے اور عمران سے ملاقات کر لیتے اور اُسے اپنی رپورٹیں بھی دیا کرتے تھے۔ رحیم نے عمران کو بتا دیا تھا کہ تاجر کی بیٹی اُلیس اُسے بڑی شدت سے چاہنے لگی ہے۔ عمران نے اُسے کہا کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرائے نہیں ورنہ اُسے اس جگہ سے نکال دیا جائے گا اور یہ احتیاط بھی کرے کہ اس کی محبت میں ہی نہ گم ہو جائے، مگر رحیم اُلیس کے حُسن و جوانی میں گم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُن کی شادی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ عکرو سے بھاگ چلیں کیونکہ کوئی فوجی افسر لڑکی کے باپ کے ساتھ دو تانہ گانٹھ رہا تھا۔ رحیم نے عمران کو یہ صورت حال نہ بتائی۔

عمران نے پادری کا قُرب اور اعتماد اس حد تک حاصل کر لیا تھا کہ اُس کا ہمراز درباری بن گیا تھا۔ وہ پادری سے ایسے سوال پوچھتا تھا جن میں ذہانت کی پختگی اور علم کی تشنگی ہوتی تھی۔ پادری اپنی فراغت کے اوقات میں اُسے مذہب کے سبق دیا کرتا تھا۔ وہ عمران کو یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ عیسائیت کا یہ فرض ہے کہ کرۂ ارض سے اسلام کا وجود ختم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جنگ کی جائے اور جو بھی ذلیل کامیاب ہو سکتا ہے استعمال کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کو قتل کیا جائے۔ انہیں ہر ذریعے سے عیسائیت میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ

سیاسیت قبول نہ کریں تو ان کے ذہنوں سے اسلام بھی نکال دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں بدی کا بیج بویا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو استعمال کیا جائے۔ یہ عورتیں مسلمان عورتوں میں بکری پیدا کریں اور جوان لڑکیاں مسلمان فوجیوں اور ان کے حکمرانوں اور مالکوں کا کردار نبھائیں۔ چونکہ یہودی بھی مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اپنی عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کی تباہ کاری کے لیے یہودی عورتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا ہے۔ پھر ہر طریقہ اختیار کیا جائے۔ وہ خواہ دوسروں کی تقریریں نامیاں، ظالمانہ اور شرمناک ہی کیوں نہ ہو۔

عمران پادری سے ایسی باتیں سنتا اور اطمینان کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہاں فوجی افسر اور حکومت کے افسر بھی آتے رہتے تھے۔ اُن دنوں چونکہ صلیبیوں کو یکے بعد دیگرے دو میدانوں سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا اس لیے عکرو میں ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھا کہ جوانی حملہ کیا جائے گا۔ پادری کی ذاتی فاضل میں تو اور کوئی بات ہوتی ہی نہیں تھی۔ عمران وہاں سے قیمتی راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صلیبی حکمرانوں میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے۔ اُن کی اپنی بادشاہیاں اور سلطنتیں تھیں۔ وہ چونکہ ہم مذہب تھے اس لیے صلیب پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسلام کے خاتمے کی جنگ شروع کر دی تھی، مگر اندر سے وہ بچھے ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو درپردہ مسلمانوں کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر کے اپنے صلیبی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی تیاریاں بھی کرتے رہتے تھے۔ ان میں قابل ذکر سیزمیونیل تھا جس نے ایک میدان میں نور الدین زنگی کے ساتھ مل کر لڑا اور مسلمانوں کے جنگی قیدی رہا کر دیئے تھے۔ اب سیزمیونیل دوسرے حکمرانوں کو بھڑکاتا تھا کہ وہ سب مل کر زنگی پر حملہ کریں۔ حملے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک زنگی پر اور دوسرا مصر پر۔ اُس وقت زنگی کرک میں تھا۔

بہر حال پادری اُن کے اتفاق پر پریشان رہتا تھا۔ عمران نے اُسے یہ زکا کہ جو قوم اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی، اس کے افراد ایک دوسرے کو دھوکہ دینے سے بچوں گیز کریں گے۔ میدان میں بار کر رہیں دوز جنگ لڑنے والی قوم کی اخلاقی حالت یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائیوں سے بھی دغا اوفریب کریں۔ عمران نے اپنے ذہن میں یہ بات سلطان ایوبی کو بتانے کے لیے محفوظ کر لی کہ اگر اسلام کی مغفوں میں غدار نہ ہوں تو صلیبیوں کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے یورپ بھی لیا جا سکتا ہے۔ غدار مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری بن گئے تھے۔ عکرو کا پادری اور صلیبی حکمران مسلمانوں کی اس کمزوری پر بہت خوش تھے۔ عمران کو وہاں پتہ چلا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے کردار میں تخریب کاری کی مہم اور تیز کر دی ہے۔ اُسے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام بھی معلوم ہو گئے جو درپردہ صلیبیوں کے اتحادی بن چکے تھے۔ انہیں صلیبی بے دریغ یورپ کی شراب، دولت اور جوان لڑکیاں سپلائی کر رہے تھے۔

عمران اور رضوانہ اپنے فرائض میں مگن تھے مگر رحیم فرض کے راستے سے ہٹا جا رہا تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اُسے تاجر کے گھر کا ہی کوئی کام دیا جائے۔ اُلیس کی محبت نے اُسے اندھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند

وہ اگر رحیم کے پاس ہوتا بھی تو وہ اُسے نہ ملتا۔ وہ اپنے ٹھکانے میں بھی نہیں تھا اور وہ عکرم میں بھی نہیں تھا۔ جب عمران اپنے فرزند کی ادائیگی کے لیے پریشان رہا تھا، اُس وقت اُمیس نے رحیم کو کسی اور ہی پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ ملیبیوں نے رقص اور کھانے کی فعل منعقد کی تھی۔ اُمیس کے امیدوار نے اُسے اپنے ساتھ رقص کے لیے کہا تو اُمیس نے اُسے ٹھکرا دیا اور وہ اس سے کم عمر کے انسرول کے ساتھ ناجیتی رہی۔ اُس کے امیدوار نے اُس کے باپ سے شکایت کی۔ اس کا باپ بھی اس فعل میں موجود تھا جہاں شرب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ باپ نے اُمیس کو ڈانٹ کر کہا کہ وہ اپنے سنگین ترکی تو بین نہ کرے اور اس کے ساتھ تاپے۔ اُمیس ناراض ہو کر گھر چلی گئی اور باپ کو یہ فیصلہ سنا آئی کہ وہ اس بوڑھے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔

اس کا باپ اور امیدوار اس کے پیچھے گئے۔ وہ دُور جا چکی تھی۔ گھر جا کر دیکھا وہ وہاں نہیں تھی۔ تلاش کرتے کرتے وہ رحیم کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ باپ نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ اس نے تنک کر جواب دیا کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے۔ اُس کے امیدوار کو شک ہو کر یہاں معاملہ گڑبڑ ہے۔ اُمیس کو باپ گھر لے گیا۔ امیدوار نے رحیم سے پوچھا کہ یہ لڑکی یہاں کیوں آئی تھی۔ رحیم نے جواب دیا کہ وہ پہلے بھی یہاں آیا کرتی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ امیدوار بڑا انسر تھا۔ اس نے رحیم کو دیکھ کر دیکھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے ورنہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ رحیم کے جسم میں جوانی کا خون تھا۔ اُس نے ترکی بترکی جواب دیا۔ معاملہ بگڑ گیا۔ تاجر نے آکر بیچ بچاؤ کر دیا۔ اُمیس کے امیدوار نے کہا کہ وہ اس آدمی کو یہاں دیکھا میں پانتا۔

دوسرے دن تاجر نے رحیم سے کہا کہ وہ اُسے ملازمت میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ فوج کے اتنے بڑے فہر کو ناراض کر کے وہ اپنا کاروبار تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ اُس نے رحیم کو یہ نصیحت کی کہ وہ وہاں سے چلا جائے کیونکہ فوجی انسر اُسے کسی جرم کے بغیر قید خانے میں ڈال سکتا ہے۔ رحیم بھول چکا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے یہاں آیا تھا۔ اُس نے اُمیس کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنایا۔ اس کے امیدوار کی دھمکی کا وہ علی جواب دینا چاہتا تھا۔ تاجر اپنی دکان میں تھا۔ رحیم اُس کے گھر گیا۔ اُمیس سے ملا اور اُسے بتایا کہ اس کے باپ نے اُسے نوکری سے نکال دیا ہے۔ اُمیس اس کے ساتھ بھاگ جانے کو تیار ہو گئی۔ بھاگنے کا وقت شام کے بعد کا مقرر کیا گیا، جب اُس کا باپ گھر نہیں ہوتا تھا۔

رات کو اُس وقت جب عمران رضا کے پاس بیٹھا اس راز کے متعلق بائیں کر رہا تھا جس کے لیے انہوں نے جان کا خطرہ مول لے رکھا تھا، رحیم اُمیس کے انتظار میں شہر سے باہر اُس جگہ کھڑا تھا جو اسے اُمیس نے بتائی تھی۔ اُمیس نے اُسے کہا تھا کہ وہ باپ کے گھوڑے پر آئے گی اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر بھاگیں گے۔ وہ بے صبری سے اُمیس کا انتظار کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ وہ باپ کا گھوڑا کس طرح چڑا کر لاسکے گی۔ لڑکی نے گھوڑا چڑایا تھا۔ اس پر زین ڈال کر کرسی لی تھی اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکل ہی آئی تھی۔ رحیم نے جب اُسے دیکھا تو اُسے یقین نہ آیا کہ یہ اُمیس ہے۔ اس کی آواز پر وہ گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا۔ کچھ دُور تک انہوں نے گھوڑے

دونوں بعد اُمیس نے اُسے بتایا کہ اس کی شادی ایک ایسے فوجی انسر کے ساتھ کی جا رہی ہے جو عمر میں اُس سے بہت بڑا ہے۔ بڑا بھی ہوتا تو اُمیس رحیم کے سوا کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے مناجاتی تھی کہ اس انسر کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا باپ نہیں ماننا تھا۔ وہ ان فوجی انسرول سے ہی دولت کما رہا تھا۔ اپنی لڑکی دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اُمیس نے ایک روز اپنے گھر میں ڈالی ہوئی ملیب رحیم کے ہاتھ پر رکھ کر اُس پر اپنا ہاتھ رکھا اور ملیب کی قسم کھائی تھی کہ وہ رحیم کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ رحیم نے بھی ملیب پر ایسی ہی قسم کھائی تھی۔

✽

ایک روز پادری کے پاس چار پانچ فوجی انسر آئے اور اس کے خاص کمرے میں جا بیٹھے۔ عمران نے اُن کے چہروں کے تاثرات سے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ عمران پادری کے کمرے میں چلا گیا۔ ایک فوجی انسر بات کرتے چپ ہو گیا۔ پادری نے عمران سے کہا۔ ”جان گنتھرا تم کچھ دیر باہر رہو۔ ہم کوئی مزدوری بائیں کر رہے ہیں۔“ عمران دوسرے کمرے میں چلا گیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ بول رہے تھے، پھر بھی کام کی باتیں عمران نے سمجھ لیں۔ جب فوجی انسر چلے گئے تو عمران وہاں سے ادھر ادھر ہو گیا تاکہ پادری کو شک نہ ہو۔ اُس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ اسی وقت بھاگ جائے اور کہیں رُکے بغیر تاجر پہنچے اور سلطان ایوبی کو اطلاع کر دے کہ حملہ روکنے کی تیاری کر لے، مگر پادری نے اُسے بلا کر ایسے کام پر لگا لیا کہ وہ فوری طور پر بھاگ نہ سکا۔ اس کے علاوہ اُسے رحیم اور رضا سے بھی رپورٹیں لینی تھیں۔ لیکن تھا کہ ان کے کانوں میں بھی یہی خبر تھی۔ جو اس نے سنی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اُن سے تصدیق ہو جائے تو تینوں اکٹھے عکرم سے نکل جائیں۔ اس کام کے لیے وہ تین چار روز انتظار کر سکتا تھا لیکن اس کی بے تابی اُسے ٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

دوسرے دن وہ رضا کے پاس گیا۔ رضا اُسے اطمینان ملا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے کوئی نئی خبر ملی ہے؟ رضا نے بتایا کہ کچھ غیر معمولی سی سرگرمی نظر آ رہی ہے اور اس نے اڑتے اڑتے سنی ہے کہ ملیبی جوانی حملہ خشکی کے رستے نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر کی طرف سے آئیں گے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے حملے کی تفصیل کیا ہے۔ عمران نے اُسے بتایا کہ اس حملے کو ملیبی فیصلہ کن بنانا چاہتے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سنا تھا وہ رضا کو سنا دیا اور اسے یہ مشن دیا کہ وہ اس حملے کی تفصیلات معلوم کرے۔ عمران صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا، ورنہ وہ تفصیل سے تو آگاہ ہو ہی چکا تھا۔ اُس نے رضا سے کہا کہ اب وہ ایک آدھ دن میں یہاں سے روانگی کی تیاری کرے، اُن کا فوجی پورا ہو چکا ہے۔ واپسی کے لیے انہیں تین گھوڑوں یا اونٹوں کی بھی ضرورت تھی، جو انہیں کہیں سے چوری کرنے تھے۔

عمران رحیم سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اُسے بھی چوکنا کر کے واپسی کی تیاری کے لیے کہہ دے لیکن رات ہو چکی تھی اور وہ اُس کے ٹھکانے پر جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ تاجر نے اُسے رہنے کے لیے جو جگہ دے رکھی تھی وہاں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ عمران گرجے چلا گیا۔

کی رفتار آہستہ رکھی۔ شہر سے دُور جا کر رحیم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دیر بعد وہ عکڑے سے کافی دُور جا چکے تھے۔

✽

اُسی رات کے وقت وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پانی تھا۔ رحیم نے اس خیال سے گھوڑا روک لیا کہ اسے پانی پلایا جائے اور آرام بھی کر لے۔ اسے معلوم تھا کہ آگے بہت دُور تک پانی نہیں ملے گا۔ اُسے یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ کسی کو کیا خبر کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اُس نے اِیس سے کہا کہ آرام کر لیں۔ سحر کا وقت میں روانہ ہو جائیں گے۔

”تم بیت المقدس کا راستہ جانتے ہو؟“ اِیس نے اس سے پوچھا۔

انہوں نے عکڑے سے جھانکے وقت یہ طے کیا ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ اب لڑکی نے بیت المقدس کا نام لیا تو رحیم نے کہا۔ ”بیت المقدس کیوں؟ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا جہاں تمہارے تعاقب میں کوئی آنے کی جرأت نہ کرے گا۔“

”کہاں؟“ اِیس نے پوچھا۔

”مصر؟“ رحیم نے جواب دیا۔

”مصر؟“ اِیس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ ”وہ تو مسلمانوں کا ملک ہے۔ وہ یہیں زندہ نہیں رہیں گے۔“

”مسلمانوں کو تم نہیں جانتی اِیس! رحیم نے کہا۔ ”مسلمان بڑی رحمدل قوم ہے۔ تم چل کے دیکھنا۔“

”نہیں!“ اِیس نے پک کر کہا۔ ”مجھے مسلمانوں سے ڈر آتا ہے۔ بچپن سے مجھے مسلمانوں کے متعلق بڑی

غلیظ باتیں بتائی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈرایا کرتی ہیں۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت ہے۔ وہ دُور ہی تھی اور رحیم کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اُس نے کہا۔ ”مجھے بیت المقدس سے چلو۔ وہاں ہم شادی کر لیں گے۔ بیت المقدس کدھر ہے؟ میں سمت بھول گئی ہوں۔“

”میں مصر کی طرف جا رہا ہوں۔ رحیم نے کہا۔

اِیس بگڑ گئی اور پھر وہ رونے لگی۔

”تم مسلمانوں سے نفرت کرتی ہو؟“

”بہت زیادہ!“

”اور مجھ سے تمہیں محبت ہے؟“

”بہت زیادہ!“

”اور اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں مسلمان ہوں، تو تم کیا کرو گی؟“

”میں ہنسوں گی۔“ اِیس نے کہا۔ ”مجھے تمہارے لطیفے اور مذاق بہت اچھے لگتے ہیں۔“

”میں مذاق نہیں کر رہا اِیس!“ رحیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ”میں مسلمان ہوں اور دُور اس نذرانی پر غور کرو جو مجھ

سے تمہاری محبت نے کرائی ہے۔ میں یہ قربانی بخوشی دے رہا ہوں۔“

”کیسی قربانی؟“ اِیس نے کہا۔ ”تم تو پہلے ہی بے گھر تھے۔ اب ہم اپنا گھر بنائیں گے۔“

”نہیں اِیس!“ رحیم نے کہا۔ ”میں اب بے گھر ہوا ہوں۔ تم اپنے گھر سے نکلی ہو۔ میرے ساتھ شادی کر کے

تم اپنا گھر بنا لو گی لیکن میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ میں اپنے فرض کا بھگڑا ہوں۔ میں اپنی فوج کا بھگڑا ہوں۔ میں ہمارے ہوں۔ عکڑے میں ہاسوسی کرنے آیا تھا مگر تمہاری محبت پر میں نے اپنا فرض قربان کر دیا ہے۔“

”تم مجھے ڈرا رہے ہو۔“ اِیس نے ہنسنے ہوئے کہا۔ ”چلو سو جاؤ۔ میں تمہیں جلدی ہو گا دوں گی۔“

”میں تمہیں ڈرا نہیں رہا اِیس!“ رحیم نے کہا۔ ”میرا نام رحیم بنو کور ہے۔ اِیل ٹو نہیں۔ میں تمہیں دھوکے میں

نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں جہاں رکھوں گا پورے آرام میں رکھوں گا۔ تمہیں تمہارے باپ کے

گھر والی بادشاہی نہیں دے سکوں گا لیکن تکلیف بھی نہیں ہونے دوں گا۔ تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی۔“

”مجھے اسلام قبول کرنا پڑے گا؟“ اِیس نے پوچھا۔

”تو اس میں کیا ہرج ہے؟“ رحیم نے کہا۔ ”تم ایسی باتیں نہ سوچو۔ وقت مٹا رہا ہے۔ سو جاؤ۔ ہمارا سفر دُور

دُور ہے۔ باتوں کے لیے بہت وقت ہے۔“

وہ لیٹ گیا۔ اِیس بھی لیٹ گئی۔ فلاسی دیر بعد اِیس کو رحیم کے خوابے سنائی دینے لگے۔ اسے نیند نہیں آ

رہی تھی۔ وہ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔

urdunovelist.blogspot.com

✽

رحیم کی آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا سفید ہو چکا تھا۔ وہ گہرا کراٹھا۔ اُسے اتنی دیر نہیں سونا چاہیے تھا۔ آنکھیں

مل کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں گھوڑا بھی نہیں تھا اِیس بھی نہیں تھی۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا۔

صحرا کی دیرانی کے سوا اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اُس نے اِیس کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سوچوں میں کھو گیا ایک

خیال یہ آیا کہ اُن کے قناتب میں کوئی آگیا ہوگا اور وہ اِیس کو سوتے میں اٹھا کر لے گیا ہے۔ اس صورت میں رحیم کو

زندہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُسے وہ لوگ قتل کر جاتے یا اُسے اغوا کے جرم میں پکڑ لے جاتے۔ حیرت اس پر تھی کہ وہ

اِیس کو ایسی خاموشی سے اٹھا کر لے گئے کہ رحیم کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اِیس خود بھاگ گئی ہے۔

اُس سے رحیم کو صرت اس لیے ٹھکرا دیا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

اِیس جہاں کہیں بھی گئی اور اُسے جو کوئی بھی لے گیا، رحیم کو اب یہ سوال پریشان کرنے لگا کہ وہ کہاں جائے۔

عکڑے والپس جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قاہرہ جانے سے بھی ڈرتا تھا۔ اُس نے اپنا فرض پورا نہیں کیا تھا۔

اُس نے اپنے کمانڈر عمران کو نہیں بتایا تھا کہ وہ ہمارا ہے۔ سرچ سوچ کر اُس نے ایک بہانہ گھڑ لیا۔ اس نے فیصلہ کر

لیا کہ دعاب قاہرہ کی بجائے کرک چلا جائے اور وہاں بتائے کہ اُسے پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور جاسوس

ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بھاگ کر وہاں سے نکلا ہے۔ اُسے مہلت نہیں ملی کہ عمران یا رضا کو اطلاع دے سکتا، کہ

اس کی گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ اچھا بہانہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُسے کوئی یہ تو نہیں کہے گا، کہ کوئی

”یہ صلاح الدین التیمی کا پاسوس ہے۔ ایک فوجی نے خواب دیا اور فتنہ یہ بھیجیں کہ اب یہ سرفارے میں جاسوسی کرے گا۔ جاؤ گھوڑے لے جاؤ۔“

اس دوران رضا اور رحیم نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کے کچھ اشارے مقرر کر رکھے تھے۔ اگر ایسی صورت حال میں دو جاسوسوں کا سامنا ہو جائے تو وہ ایک اشارہ تو یہ کرتے تھے کہ بھاگ جاؤ۔ دوسرا یہ کہ کوئی خطرہ نہیں۔ رحیم نے رضا کو ایسا ہی ایک اشارہ کیا جس سے اُسے تسلی ہو گئی کہ اس نے کسی کی نشاندہی نہیں کی۔ تاہم ان کے لیے یہ خوشی کی بات نہیں تھی۔ اس کا ساتھی پکڑا گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ تہہ خانے میں اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ رحیم کو اب مرنا تھا مگر بڑی ہی اذیت ناک موت مرنا تھا۔ رضا کو معلوم تھا کہ رحیم کو کون سے کمرے میں سے ہایا ہار ہا ہے اور اس کے بعد اُسے کہاں سے جائیں گے۔

☆

عمران گوجے کے ساتھ اپنے کمرے میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ رحیم کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ رضا تھا۔ اندھا کرا اس نے دروازہ بند کر دیا اور گجراتی ہوئی سرگوشی میں کہا۔ ”رحیم پکڑا گیا ہے۔“ اُس نے جو دیکھا تھا وہ عمران کو سنا دیا۔ رضا نے اُسے یہ بھی بتا دیا کہ رحیم نے اشارے سے اُسے بتا دیا ہے کہ اس نے ہماری نشاندہی نہیں کی۔

”اگر نہیں کی تو تہہ خانے میں جا کر کر دے گا۔“ عمران نے کہا۔ ”اس دوزخ میں زبان بند رکھنا آسان نہیں ہوتا۔“

ان دونوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا محال ہو گیا کہ وہ فوراً نکل جائیں یا ایک آدھ دن انتظار کر لیں۔ ایسے نازک وقت میں ان سے ایک غلطی سرزد ہو گئی۔ وہ یہ تھی کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے۔ چچا ہاروں (کمانڈر) اور جاسوسوں کے لیے یہ ہدایت تھی کہ وہ تحمل، بردباری اور صبر سے کام لیں۔ غلبت اور جذبات سے بچیں۔ اگر ان کا کوئی ساتھی ایسے طریقے سے کہیں پھنس جائے کہ اس کی مدد کرنے میں دوسروں کے پھنسنے کا بھی خطرہ ہو تو اس کی مدد نہ کی جائے۔ رضا جذبات میں آ گیا۔ اس نے کہا۔ ”میں رحیم جیسے خوبصورت اور دلیر دوست کو قید سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔“

”ناممکن ہے۔“ عمران نے کہا اور اُسے ایسے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میں چونکہ وہیں رہتا ہوں جہاں رحیم کو لے گئے ہیں اس لیے دیکھوں گا کہ اُسے وہاں سے نکالنا ممکن ہو سکتا ہے یا نہیں۔“ رضا نے کہا۔ ”میں نے وہاں اتنی دوستی پیدا کر رکھی ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رحیم کہاں ہے اگر میں اُس تک پہنچ گیا تو رحیم آزاد ہو جائے گا یا میں بھی اس کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ اور اگر میں بھی پکڑا گیا تو تم صل جانا۔ راز تمہارے پاس ہے۔ میں رحیم کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔“

ناممکن تھا کہ رضا رحیم کو وہاں سے آزاد کرالیتا، لیکن اس کے جذبات اتنے شدید تھے کہ عمران بھی اس کا

ثبوت اور شہادت لاؤ۔

وہ پانی پی کر کرک کی سمت چل پڑا۔ اُسے ایس کی گمشدگی پریشان کر رہی تھی اور اسے انہوں پر ہاتھ تھا کہ اُسے کبھی بھی پتہ نہ چل سکے گا کہ ایس کہاں غائب ہو گئی ہے۔ وہ بمشکل تین میل چلا ہو گا کہ اُسے دوڑتے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ گرد کا بادل اڑا رہا تھا۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا پھیننے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوار کون ہیں۔ اسے یہی معلوم تھا کہ وہ خود کون ہے۔ یہی خطرناک پہلو تھا۔ وہ گھوڑوں کے راستے سے ہٹ کر پلٹا گیا۔ گھوڑے قریب آگئے۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ میلیں تھے اور انہوں نے گھوڑے اس کی طرف موڑ دیے تھے۔ وہ نہنہ تھا۔ بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔ سواروں نے اُسے گھیر لیا۔ اُس نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ ایس کا امیدوار تھا۔ اُس نے رحیم سے کہا۔ ”مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو۔“

اُسے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر اسے ایک سوار نے لاش کی طرح گھوڑے پر ڈال لیا۔ گھوڑے عکس کی سمت روانہ ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عمران رحیم سے ملنے گیا تو وہ اسے نہ ملا۔ تاجر کے ایک نوکر نے اُسے بتایا کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ عمران شش و پنج میں پڑ گیا۔ رحیم جا کہاں سکتا تھا۔ اس کے پاس کیوں نہیں آیا؟ عمران گرجے میں واپس چلا گیا۔ رضا سے وہ شام کے بعد مل سکتا تھا۔ انہیں رحیم کو ڈھونڈنا تھا۔ یہ خطرہ بھی محسوس کیا گیا کہ وہ گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ اس صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی نشاندہی نہ کر دی ہو۔ عمران کو یہ سوچ پریشان کر رہی تھی کہ رحیم اگر پکڑا گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور رضا بھی پکڑے جائیں۔ پکڑے جانے اور مارے جانے کا انہیں فکر نہ تھا۔ فکر یہ تھا کہ انہوں نے وہ راز حاصل کر لیا تھا جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب انہیں یہاں سے نکلنا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رضا اسٹبل سے باہر کہیں کھڑا تھا۔ چار گھوڑے اسٹبل کے دروازے پر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے آگے کسی کو لاش کی طرح ڈال رکھا تھا۔ اُسے اتارا گیا۔ یہ دیکھ کر رضا کا خون خشک ہو گیا کہ وہ رحیم تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ سواروں میں ایک بڑا افسر تھا۔ رضا اُسے ابھی جانتا پہچانتا تھا۔ دوسروں سے بھی وہ واقف تھا۔ رحیم کو وہ لے جانے لگے تو بڑے افسر نے رضا کو دیکھ لیا۔ اُسے ”فرانس“ کے نام سے بلایا۔ رضا دوڑا گیا لیکن اس کے پاؤں نہیں اٹھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔

”چاروں گھوڑے اندر لے جاؤ۔“ اس افسر نے رضا سے کہا۔ ”ہمارے سائیسوں کے حوالے کر دینا۔۔۔“

اُس نے رحیم کے متعلق حکم دیا۔ ”اُسے اُس کمرے میں لے چلو۔“

رضا کو چونکہ فرانس کے نام سے بلایا گیا تھا اس لیے وہ جان گیا کہ رحیم نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ یہ میلیں افسر اُسے ابھی تک سائیس فرانس سمجھ رہے تھے۔ اُس نے ایک افسر سے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟ اس نے چوری کی ہوگی۔“

کر سکتا کہ اس کا رویہ اور رد عمل کیا ہونا چاہیے۔ اس کی یہ کیفیت ظاہر کرتی تھی کہ اس کے دل میں ایس کی محبت بہت گہری اُتری ہوئی ہے۔

”تمہیں آخر کار ہمارے تمام سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔“ ایک افسر نے اُسے کہا۔ ”اُس وقت تک تم بیویوں کا ڈھانچہ بن چکے ہو گے۔ تم جیو گے نہ مرؤ گے۔ اگر پہلے ہی جواب دے دو تو ایس تمہارے پاس ہوگی اور تم آزاد ہو گے۔ اس وقت تم قید خانے میں نہیں۔ یہ ایک افسر کا کمرہ ہے۔ اگر تم سوچنے کی مہلت چاہتے ہو تو آج رات تمہیں اسی کمرے میں رکھا جائے گا۔“

رحیم خاموش رہا اور خالی خالی نظروں سے افسروں کو دیکھتا رہا۔ افسروں کو ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے سے بھاگ جائے گا۔ برآمدے میں پہرہ تھا۔ یہ علاقہ فوج کا تھا۔ گشتی پہرہ بھی تھا۔ رحیم بھاگ کر باہر کماں سکتا تھا۔ ایک افسر نے باہر آکر اپنے ساتھی افسر سے کہا۔ ”تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ اسے تہہ خانے میں لے چلو۔“

لوہے کی لول گرم سلاخ جسم کے ساتھ لگاؤ، ساری باتیں اُگل دے گا۔ نہیں بولے گا تو بھوکا اور پیاسا پڑا رہے دو۔

”میرا تجربہ مختلف ہے میرے دوست!۔“ دوسرے افسر نے کہا۔ ”یہ نہ بھولو یہ مسلمان ہے تمہیں سب تک کہتے مسلمان جاسوسوں سے راز اُگوائے ہیں؟ کیا تم نہیں مانتے کہ کینٹ ایک بارڈر بائیں تو مر جاتے ہیں زبان نہیں کھولتے۔ یہ شخص کہہ چکا ہے کہ ہماری ہر اذیت اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کرے گا۔ یہ کٹر مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ یہ تہہ خانے میں جا کر بھی کہہ دے گا کہ وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ ہمارا مقصد اسے جان سے مارنا نہیں، یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں اس جیلے کا پتہ تو نہیں چل گیا جو ہم مصر پر کرنے والے ہیں؟“

”ان کے باپ کو بھی پتہ نہیں چل سکتا۔“ دوسرے افسر نے کہا۔ ”ہاں! کمانڈر کے افسروں کے سوا کسی کو حلقے کے متعلق علم ہی نہیں۔ یہ جاسوس تاجر کی بیٹی کے عشق میں اُلجھا ہوا تھا۔ اسے تو دنیا کی ہوشیاری نہیں تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسے ایس نے گرفتار کر لیا ہے۔ یہ ابھی تک اس کی محبت میں مر رہا ہے۔“

”ہیں ایس کو ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں۔“ ایک نے کہا۔ ”اُسے آج رات اسی کمرے میں رہنے دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جو راز ہم کئی دنوں بعد بھی نہیں اُگوا سکیں گے وہ ایس جیسی دلکش لڑکی چپ نہ مٹوں میں اُگوا لے گی۔“

”کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟“

”کیا تمہیں ابھی تک شک ہے؟“ دوسرے نے کہا۔ ”تم نے شاید پوری بات نہیں سنی۔ ایس نے

واپس آکر جو بیان دیا ہے، وہ تم نے پورا نہیں سنا۔ اب چونکہ آفتیش ہم دونوں کے سپرد کی گئی ہے، اس لیے تمہارے ذہن میں ہر ایک بات واضح ہونی چاہیے۔ ایس اس شخص کو بُری طرح چاہتی تھی۔ وہ اسے اپنی مونا نام کا عیسائی سمجھتی رہی۔ ایس کا باپ اس کی شادی کمانڈر ولیم میکٹ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ دراصل اپنی بیٹی رشتہ کے طور پر دے رہا تھا۔ ایس اس جاسوس کے ساتھ بھاگ گئی۔ راستے میں اس نے ایس کو بتا دیا کہ وہ

ہنسوا ہو گیا اور وہ حقائق کو بھول گیا۔ رہنا اُسے یہ کہہ کر چلا گیا کہ رات کو کسی وقت آکر اُسے بتائے گا کہ رحیم کی رہائی کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ اگر کوئی صورت نہ ہوئی تو وہ رات کو نکل جائیں گے۔ عمل کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ گھوڑوں کا انتظام کرے۔ گھوڑوں کا انتظام آسان نہیں تھا۔ پادری کے باڈی گارڈوں کے گھوڑے وہاں موجود رہتے تھے۔ انہی میں سے دو یا تین گھوڑے چوری کرنے تھے۔

اس وقت تک رحیم کو قید خانے میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ اُسے انٹیلی جنس کے دو وحشی قسم کے افسروں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ جاسوس جب پکڑا جاتا ہے تو سزا کا مرحلہ سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ پہلے اس سے معلومات لی جاتی ہیں۔ جاسوس اکیلا نہیں ہوتا، پورا گروہ ہوتا ہے۔ گرفتار کیے ہوئے جاسوس سے یہی ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور دوسرا سوال یہ کہ اس نے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔ رحیم سے بھی یہی سوال پوچھا گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرا سوال پوچھا گیا کہ اس نے یہاں سے کوئی خفیہ بات معلوم کی ہے تو وہ بتا دے۔ رحیم نے جواب دیا کہ اس کے پاس کوئی راز نہیں۔ تاجر کی بیٹی ایس کے ساتھ تعلقات کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ایس کی شادی ایک بوڑھے افسر کے ساتھ کی جا رہی تھی اس لیے وہ گھر سے بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس طرح پکڑے گئے ہو؟“

”نہیں۔“ رحیم نے جواب دیا۔ ”میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں پکڑا گیا ہوں۔“

”تم اور بھی بہت کچھ جانتے ہو۔“ ایک افسر نے اُسے کہا۔ ”وہ سب کچھ بتا دو جو تم جانتے ہو۔ ہمیں

کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔“

”میں یہ جانتا ہوں کہ میں اپنا فرض نبھول گیا تھا۔“ رحیم نے کہا۔ ”میں اس کی سزا خوشی سے قبول کروں گا۔

مجھے جس قدر تکلیف اور سختی اذیت دے سکتے ہو دو، میں اسے اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کروں گا۔“

”کیا تمہارے دل میں ابھی تک ایس کی محبت ہے؟“

”ابھی تک ہے۔“ رحیم نے کہا۔ ”اور ہمیشہ رہے گی۔ میں اُسے اپنے ساتھ قاہرہ لے جا رہا تھا۔ اے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرنی تھی۔“

”اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے تو تم مان لو گے؟“

”نہیں۔“ رحیم نے کہا۔ ”جس نے میرے لیے اپنا گھر اور اپنے عزیز چھوڑ دیئے تھے وہ دھوکا نہیں دے سکتی

اس کے ساتھ کسی نے دھوکا کیا ہے۔“

”اگر ہم ایس تمہارے حوالے کر دیں تو کیا تمہیں بتا دو گے کہ عکڑہ میں تمہارے کتنے ساتھی ہیں اور وہ کہاں

ہیں؟“ اس سے پوچھا گیا۔ ”اور یہ بھی بتا دو گے کہ تم نے یہاں سے کون سا راز حاصل کیا ہے؟“

رحیم کا سر جھک گیا۔ ایک افسر نے اس کا سر اُپر اٹھایا تو رحیم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ افسروں کے بار بار

پوچھنے پر بھی وہ خاموش رہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایسی کش مکش پیدا ہو گئی ہے جس میں وہ فیصلہ نہیں

ابلی مور نہیں رہیم ہے اور وہ مسلمان ہے اور وہ جاسوس ہے۔ ائیس نے اسے مذاق سمجھا مگر رحیم نے اسے یقین دلادیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔ رحیم نہیں جانتا تھا کہ ائیس کے دل میں مسلمانوں کی کتنی دہشت اور حقارت پھپھن سے بیٹی ہوئی ہے اور رحیم کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ائیس مذہب کی پکٹی ہے۔ ہر وقت صلیب طے میں ڈالے رکھتی ہے۔ اس نے جان لیا کہ ان مسلمان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ تاجرہ لے جا کر نہ صرف خود خراب کرے گا بلکہ دوسروں سے بھی خراب کرے گا اور آخر میں کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ ہم نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں کا جو گھناؤنا تصور پیدا کر رکھا ہے وہ ائیس کے سامنے آگیا۔۔۔۔

”ائیس کے دل میں مذہب کی محبت پیدا ہو گئی اور یہ محبت مسلمان کی محبت پر ایسی غالب آئی کہ اُسے حقارت میں بدل دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ عکرو واپس آکر اُسے بوڑھے کمانڈر کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ اسے صلیب کا یہ فرض یاد آگیا کہ مسلمان کو ہر حال میں دشمن سمجھنا اور اسلام کے خانے کے لیے کام کرنا ہے۔ بڑی چونکہ ہتیار اور دیہے، اس لیے اس نے بھاگنے کا نہایت اچھا طریقہ سوچا۔ رحیم پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لیٹ گئی۔ رحیم اطمینان سے سو گیا تو ائیس گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایسی خاموشی سے نکل آئی کہ رحیم کو خبر تک نہ ہوئی۔ راستے سے واقف تھی۔ عکرو پہنچ گئی اور اپنے باپ کے سامنے اقبال جرم کر کے اُسے رحیم کے متعلق بتایا۔ باپ نے اُسی وقت کمانڈر ویسٹ میکاٹ کو جگایا اور اسے یہ واقعہ سنایا۔ کمانڈر نے تین سپاہی ساتھ لیے اور رحیم کے تعاقب میں گیا۔ رحیم پیدل کہاں جاسکتا تھا، پکڑا گیا اور اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔“

”رحیم کو معلوم نہیں کہ اسے ائیس نے دھوکہ دیا ہے۔“

”نہیں۔“ دوسرے نے کہا۔ ”میں اب ائیس کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ رحیم کو ہم نہایت اچھا کھانا کھلائیں گے۔“

☆

وہاں کے ملازموں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر یہی موضوع تھا کہ ایک مسلمان جاسوس پکڑا گیا ہے۔ رینا بھی فرانس کے روپ میں ان ملازموں میں شامل تھا۔ وہ بھی مسلمان جاسوس کو بڑا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسروں کی طرح خواہش ظاہر کر رہا تھا کہ جاسوس کو سرعام پھانسی دی جائے یا اُسے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا بھگا دیا جائے۔ رینا کو معلوم ہو چکا تھا کہ رحیم ابھی تک اسی کمرے میں ہے۔ سب حیران تھے کہ اسے قید خانے میں کیوں نہیں لے گئے اور جب باورپی خانے کے ایک ملازم نے انہیں بتایا کہ قیدی کے لیے افسروں کا سا کھانا لایا ہے اور وہ خود کھانا دے آئے تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ رضایا توں بانوں میں باورچی خانے کے اس آدمی کو الگ لے گیا اور پوچھا۔ ”کیا تم مذاق کر رہے ہو کہ مسلمان جاسوس کو اتنا اچھا کھانا دیا گیا ہے جو افسر کھاتے ہیں؟ پھر وہ جاسوس نہیں ہوگا۔“

”بڑا خطرناک جاسوس ہے۔“ ملازم نے کہا۔ ”جو افسر گفتیش کر رہے ہیں میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔“

وہ ابھی اُسے کھانا پلا کر اس سے باتیں پوچھیں گے۔ پھر وہ کسی دکان کی باتیں کر رہے تھے جو اس قیدی کو بچانے کے لیے اس سے باتیں اٹھائے گی؟

رحیم کھانا کھا چکا تھا اس کے کمرے میں ائیس داخل ہوئی۔ دونوں افسر چلے گئے تھے۔ انہوں نے ائیس کو بلا کر اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے اور قیدی سے کیا پوچھنا ہے۔ ائیس کو دیکھ کر رحیم بہت حیران ہوا۔ اسے خواب کا دھوکہ ہوا ہوگا۔

”تم؟“ اس نے ائیس سے پوچھا۔ ”کیا تمہیں بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے؟“

”ہاں!“ ائیس نے کہا۔ ”میں کل رات سے قید میں ہوں۔“

”تم وہاں سے غائب کس طرح ہوئی تھی؟“ رحیم نے کہا۔ ”میں ان نہیں سکتا کہ تم خود بھاگ آئی تھی؟“

”میں کیوں کر بھاگ سکتی تھی۔“ ائیس نے کہا۔ ”میرا تو جینا مرنا تھا۔ ساتھ ہے۔ تم سو گئے تھے مگر مجھے

ببند نہیں آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر ٹھٹھنے لگی اور کچھ دور نکل گئی۔ کسی نے پیچھے سے میرا منہ ہاتھ سے بند کر دیا اور اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے ہمارا گھوڑا بھی لے لیا۔ میرا منہ بند تھا۔ تمہیں پکار نہیں سکتی تھی۔ وہ مجھے یہاں لے آئے۔“

”انہیں کس نے بتایا ہے کہ میں ابلی مور نہیں رہیم ہوں؟“ رحیم نے پوچھا۔ ”اور جنہوں نے تمہیں

وہاں جا پکڑا تھا وہ مجھے بھی کیوں نہ پکڑ لائے؟ انہوں نے مجھے قتل کیوں نہ کر دیا؟“

”میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی۔“ ائیس نے کہا۔ ”میں خود مجرم ہوں۔“

”تم جھوٹ بول رہی ہو اس!“ رحیم نے کہا۔ ”تمہیں دھوکا کر میرے متعلق پوچھا گیا ہے اور تم نے ڈر

کے مارے بتا دیا ہے کہ میں کون ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا، کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو۔“

”اگر تمہیں میری تکلیف کا خیال ہے تو یہ لوگ تم سے جو کچھ پوچھتے ہیں وہ انہیں بتادو۔“ ائیس نے

کہا۔ ”انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں رہا کر دیں گے۔“

”بات پوری کرو ائیس۔“ رحیم نے طنز پر لہجے میں کہا۔ ”یہ بھی کہو کہ میں سب کچھ بتا دوں تو مجھے رہا کر دیں

گے اور تم میرے ساتھ شادی کر لو گی؟“

”شادی بھی ہو سکتی ہے۔“ ائیس نے کہا۔ ”بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ۔“

”کیا تم یہ امید ہے کہ آئی ہو کہ میں رہائی کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دوں گا؟“ رحیم نے کہا۔ ”ائیس! میں

فوج کا معمولی سا سپاہی نہیں۔ جاسوس ہوں۔ عقل رکھتا ہوں۔ میں اسی گناہ کی سزا جھگت رہا ہوں کہ عقل پرستاری

محبت کو سوار کر لیا تھا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو جس صلیب کی تم تمہیں کھا رہی ہو وہ گلے میں ڈال کر جھوٹ بول رہی

ہو۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم خود وہاں سے بھاگی ہو؟ کیونکہ تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔

تمہیں مجھ پر اعتماد نہ رہا۔ مجھے سوتا چھوڑ کر بھاگ آئیں۔ یہاں اگر تم نے اپنے بوڑھے منگیتر کو میرے پیچھے بھیج دیا

میرے دل میں بھی تمہاری قوم کے خلاف نفرت ہے۔ میں تمہاری قوم کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنی جان تمہاری قوم کو تباہ کرنے کے لیے داؤ پر لگائی ہے، لیکن تمہاری محبت، محبت ہی رہے گی۔ اس پر نفرت غالب نہیں آسکے گی۔ میں نے تمہاری خاطر اپنا فرض فراموش کیا۔ اپنا مستقبل تباہ کیا مگر تم نے ناگن کی طرح ڈنک مارا۔

وہ ایسے انداز سے بول رہا تھا کہ ایس کی زبان بند ہو گئی۔ اس کے دل میں رحیم کی محبت موجود تھی رحیم نے جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے اور پڑا اثر انداز میں بائیں کیں تو یہ جوان لڑکی اپنے سینے سے اٹھے ہوئے جذبات کے گہوے کی لپیٹ میں آگئی۔ پہلے تو اس کے آنسو پھوٹے پھر اس نے بے تابی سے رحیم کے دونوں ہاتھ ختم کیے اور روتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تم سے نفرت نہیں۔ تم اپنا فرض بھول گئے تھے میں بھول سکی۔ میں مجرم ہوں۔ میں نے تمہیں پکڑ دیا ہے۔ اس جرم کی سزا مجھے بڑی سخت ملے گی۔ مجھے چند دنوں میں اس بوڑھے کمانڈر کی بیوی بنا دیا جائے گا، جو وحشی ہے اور شراب پی کر زندہ بن جاتا ہے۔ مجھے کچھ نہ بتاؤ ایلی مور۔“

”میں ایلی مور نہیں ہوں۔ رحیم نے کہا۔“ میں رحیم ہوں۔“

☆

تفتیش کرنے والے دونوں انسر کہیں اور بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ یہ خوبصورت لڑکی رحیم کو مہم کرے گی اور صبح سے پہلے پہلے ہمارا کام پورا کر دے گی۔ وہاں صرف ایک پہرہ دار تھا جو برآمدے میں بیٹھ گیا تھا۔ کمرے کے پھوپھڑے اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں ایک سایہ اتنی آہستہ آہستہ آگے کو سرک رہا تھا۔ ہوا کا جھونکا رک رک کر آگے بڑھ رہا ہو۔ ادھر عمران گرجے سے ملحق اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ سناؤ دیتی تھی تو وہ اٹھ کر دروازے میں آ جاتا تھا۔ اُسے ہر آہٹ رضا کی آہٹ لگتی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری سے تین گھوڑے منتخب کر لیے تھے جو آٹھ گھوڑوں کے ساتھ بندھے تھے۔ اُس کے زینیں بھی چوری چھپے الگ کر لی تھیں۔ اسے امید تھی کہ رضا اور رحیم آجائیں گے مگر جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی امید بھی تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت نکھرتی آرہی تھی کہ اس نے رضا کو یہ اجازت دے کر کہ رحیم کو آزاد کرانے سخت غلطی کی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔ وہ اب سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑا کھولے اور نکل جائے مگر اسے رضا کا خیال آ جاتا تھا۔ رضا نے اُسے کہا تھا کہ وہ رات کو آئے گا ضرور خواہ اکیلا آئے۔

اُس وقت رضا موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ وہ ایک سیاہ سایہ بن کر اُس کمرے کے ایک دریچے کے پاس پہنچ گیا تھا جس میں رحیم بند تھا۔ اُس نے کان لگا کر اندر کی باتیں سنیں۔ اسے اس کے یہ الفاظ سنائی دیئے۔

”میں تمہیں رہا نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ جو کچھ پوچھتے ہیں وہ بتا دو پھر میں اپنے باپ سے کہہ کر تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں۔ مجھے اسی مقصد کے لیے تمہارے پاس لایا گیا ہے کہ میری محبت تم سے راز لگوا دے گی۔“

دریچے کے کواڑ پر نہایت آہستہ سے کسی نے تین بار دستک دی۔ رحیم اس اشارے کو سمجھتا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ اُس کا کون سا ساتھی ہو سکتا ہے۔ ایس کچھ نہ سمجھ سکی۔ رحیم ٹپٹے ٹپٹے درے پہنچ نکلا اور کواڑ کھول دیا۔ رضا باہر کھڑا تھا۔ کوہ اندر گیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے ایک لمحہ مذاق کیے بغیر ایس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور خنجر

اس کے دل میں آ کر دیا۔ اسے قتل کرنا ضروری تھا، ورنہ وہ شور مچا کر انہیں پکڑوا سکتی تھی۔ رضا اور رحیم درہمچے سے کود کر باہر گئے اور اندھیرے میں بھاگ اٹھے۔ رضا اس جگہ سے واقف تھا۔ اُس نے راستہ تو اچھا اختیار کیا تھا لیکن برآمدے میں جو پہرہ دار تھا اس نے کسی طرف سے دوسرے بھاگتے دیکھ لیے۔ اس کے شور پر دوسرے سڑی ہو کر بھاگے۔ جانے کہاں سے ایک تیر کیا جو رحیم کے سپلو میں اتر گیا۔ وہ جوان اور توانا آدمی تھا، گرائی نہیں، رضا کے ساتھ بھاگتا چلا گیا مگر زیادہ دُور تک نہ ہاسکا۔ اُس کے قدم ڈنگا گئے تھے تو رضا نے اُسے اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ تیر پہلے سے مکان ناممکن نہیں تھا۔

رحیم رضا سے کہنے لگا کہ وہ اُسے وہیں پھینک کر بھاگ جائے۔ وہ اب زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن رضا اپنے دوست کو اُس وقت تک اپنے آپ سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک وہ زندہ تھا۔ اُس نے رحیم کی ایک نہ سنی اور تاریک راستوں میں چھپتا چھپتا چلا گیا۔ اسے خیال آ گیا کہ وہ اس جگہ سے گزر رہا ہے جہاں تمام مکان مسلمانوں کے ہیں۔ اُسے دُور دُور بھاگ دوڑا اور شور شرابا سنائی دے رہا تھا۔ ان کا تائب کرنے والے کہیں اور تھے۔ رضا کو معلوم تھا کہ عکروہ کے مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور صلیبیوں کی نگاہ میں ہر مسلمان ہاسوس اور مشتبہ ہے۔ ذرا سے شک پر کسی بھی مسلمان کو قید خانے میں ڈال دیا جاتا تھا اور اس کے گھر کی تلاشی تو بین امید طریقے سے لی جاتی تھی۔ رضا کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر وہ رحیم کے بوجھ تلے شل ہو چکا تھا، اور اسے یہ امید بھی تھی کہ شاید رحیم کی زندگی بچانے کا کوئی بندوبست ہو جائے۔

اس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ رضا تیزی سے اندر چلا گیا۔ جس نے دروازہ کھولا تھا گھبرا گیا۔ رضا نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا۔ وہاں تو صرف یہ کہ دنیا ہی کافی تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ رضا کو پناہ مل گئی مگر رحیم شہید ہو چکا تھا۔ رضا کے کپڑے خون سے لپٹے گئے تھے۔ اس نے گھر والوں کو سارا واقعہ سنایا اور عمران کے متعلق بھی بتایا۔ گھر میں تین مرد تھے۔ وہ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے رضا کے کپڑے تبدیل کر دیئے۔ رحیم کی لاش کے متعلق فیصلہ ہوا کہ اسے گھر کے کسی کمرے میں دفن کر دیا جائے گا۔ رضا عمران کو بلانے کے لیے پولا گیا۔

☆

رات کے اس وقت جب دنیا سے اسلام گہری نیند سوئی ہوئی تھی قوم کے غلام دشمن کی بھیجی ہوئی عورتوں اور شراب میں بہست پڑے تھے ان سے دُور، بہت دُور ایک مسلمان اسلام کی ناموس پر اپنی جان پر کھیل گیا تھا اور دو جان کی بازی لگا کر اس راز کے ساتھ عکروہ سے نکل کر قاہرہ پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے جس پر مصر کی عزت اور اسلام کی آبرو کا دار و مدار تھا۔ اس راز کو وہ خدا کی امانت سمجھتے تھے۔ وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا کہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا عیش کر رہے ہیں لیکن انہیں یہ احساس تھا کہ انہیں خدا دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

عمران کا سر اس تندیب اور اضطراب میں دکھنے لگا تھا کہ رحیم آجائے گا یا نہیں، بھلا آجائے گا یا نہیں، یہ بتاؤ

”ہم شہری ہیں دوستو!۔“ عمران نے کہا۔ ”ہم بھی تمہاری طرح ڈیوٹی دے رہے ہیں۔“

”تین چار شعلیں مل اٹھیں جن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں گھوڑا سواروں کا ایک دستہ تھا جو ابھر اُدھر پھیلا ہوا تھا۔ تب انہیں احساس ہوا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ عمران نے اپنے کپڑے نہیں دیکھے تھے۔ اس کے کپڑوں پر سنتری کا خون تھا۔ شعل کی روشنی میں یہ خون صلیبی سواروں کو نظر آگیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ خون کس کا ہے تو عمران نے لگام کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو اڑا دیا۔ رضوان نے بھی ایسا ہی کیا مگر اس نے ذرا دیر کر دی۔ عمران نکل گیا۔ رضوان گھیرے میں آگیا۔ عمران کے پیچھے بھی تین چار سوار گئے۔ اسے رضوان کی بلند چار سائی دینے لگی۔ ”عمران رکنا نہیں۔ نکل جاؤ۔ خدا حافظ۔“ عمران بہت دور تک یہ پکار سناتا رہا۔ پتہ چلتا تھا جیسے وہ گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عمران کا گھوڑا اڑا اچھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں سے تیر گزرنے لگے لیکن وہ تماقب کرنے والوں کو پیچھے ہی پیچھے چھوڑتا چلا گیا۔ وہ راستے سے واقف تھا۔ اس نے کرک کا رخ کر لیا۔ گھوڑا بدلتے کی ضرورت تھی۔

جب صبح کی روشنی سفید ہو رہی تھی اس کا گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے پانی کی تلاش کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ آگے رتنی چٹانوں کا علاقہ آگیا۔ وہ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے سامنے چٹان میں دو تیر گزے جس کا مطلب تھا کہ کرک جاؤ۔ وہ رک گیا اور یہ دیکھ کر اس کی سوان میں جان آئی کہ اسے روکنے والے کون ہیں۔ نوجو کے آدمی تھے۔ اسے اپنے کانٹر کے پاس لے گئے۔ کانٹر نے اُس کی بات سن کر اسے تازہ دم گھوڑا دیا اور دو سپاہی اس کے ساتھ کرک کے رستے پر ڈال دیا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نور الدین زنگی سے مل کر قاہرہ جائے گا۔ عکرو سے جو خبر لیا تھا وہ زنگی تک بھی پہنچی پاس ہے تھی۔

✱

عمران جب کرک کے قلعے میں نور الدین زنگی کے سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا زنگی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس خوبو جوان کو دل میں بٹالینا چاہتا ہو۔ اُس نے اٹھ کر بیٹائی سے عمران کو سینے سے لگایا اور اس کے دونوں گال چوم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور پھر نیام میں ڈال کر نیام کو چوما۔ اسے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر عمران سے کہا۔ ”اس وقت جب صلیب ایک خوفناک گدھ کی طرح پانچ ستارے پر منڈا رہی ہے ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تلوار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ تم بغداد میں کہو، دمشق میں کہو، کہیں بھی کہو، میں تمہیں ایک محل دے سکتا ہوں۔ تم نے جو کارنامہ کر دکھایا ہے اس کے صلے میں تم دولت کے انبار کے حقدار ہو لیکن میرے عزیز دوست! میں تمہارے لیے محل کھڑا نہیں کروں گا۔ تمہیں دولت کی شکل میں ملے نہیں دوں گا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اندھا اور اپانچ کر دیا ہے۔ یہ قبول کرو، میری تلوار! اور یاد رکھو اس تلوار نے بڑے بڑے جابر صلیبیوں کا خون پیا ہے۔ اس تلوار نے بہت سے قلعوں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا ہے اور یہ تلوار اسلام کی پاسبان ہے۔“

عمران نور الدین زنگی کے آگے دو زانو بیٹھ گیا اور اُس کے ہاتھوں سے تلوار لے کر چوٹی، آنکھوں سے

نکسہ خیر پنپا کے گایا نہیں کہ مصر پر حملے کے لیے جو دھرم میں صلیبیوں کا بہت بڑا بیڑہ آ رہا ہے۔ عمران اس لیے بھی قاہرہ یا کم از کم کرک جلدی پہنچنا چاہتا تھا کہ نور الدین زنگی یا سلطان الیوتی یا دونوں کسی اور طرف حملے یا پیش قدمی کی حکیم نہ بنالیں۔ ایسی صورت میں انہیں روکنا تھا۔ اگر ان کی فوج کسی اور طرف نکل گئی تو مصر کا خدا ہی حافظ تھا۔ عمران کو ان سوچوں نے اس قدر پریشان کیا کہ اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ اسے شہر کی خاموشی میں کوئی سرگرمی سنائی دے رہی تھی۔ کچھ بھاگ دوڑی تھی۔ یہ اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اُس نے دو چار نفل پڑھ کر ہاتھ خدا کے حضور پھیلا دیئے اور گڑگڑایا۔ ”یا خدا! مجھے اپنے فرض کی تکمیل تک زندگی عطا کر میں یہ امانت ٹھکانے پر پہنچا دوں تو مجھے میرے خاندان سمیت ختم کر دینا۔“

اُس کے دروازے پر دھڑکی ہی دستک ہوئی جیسی رحیم کے دیکھے پر ہوئی تھی۔ عمران نے دروازہ کھولا۔ رضوان کھڑا تھا۔ اُسے اندر بلا کر عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ رضوان اپ رہا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ اس پر کیا گوری ہے اور رحیم شہید ہو چکا ہے۔ عمران نے جب یہ سنا کہ رحیم کی لاش ایک مسلمان گھرانے میں ہے جو اسے گھر میں دفن کر دیں گے تو عمران پریشان ہو گیا۔ وہ عکرو کے کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رضوان نے اُسے بتایا کہ اس گھر میں تین مرد ہیں اور باقی عورتیں۔ انہوں نے فوراً ایک کمرے کے کونے میں کھلائی ضرور کر دی تھی۔ عمران اس گھر جانا چاہتا تھا تاکہ دیکھ لے کہ ان کے کپڑے جانے کا کوئی خطہ تو نہیں۔ رضوان نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہوشیار لوگ معلوم ہوتے ہیں، سنبھال لیں گے۔

عکرو سے نکلنا دشوار ہو گیا تھا۔ شہر کی ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔ ایک لڑکی کا قتل اور ایک جاسوس کا فرار معمولی سی واردات نہیں تھی۔ نکلنا رات کو ہی تھا۔ ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اگلے نکلیں گے اور دونوں میں سے کوئی پکڑا گیا یا دونوں پکڑے گئے تو اور جو کچھ بھی کہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ رحیم کی لاش کہاں ہے یا وہ ملا گیا ہے۔ اگلا مسئلہ گھوڑوں کا تھا۔ عمران رضوان کو اُس بگڑے گیا جہاں آٹھ گھوڑے بندھے تھے مگر دُور سے دیکھا کہ محافظوں میں سے ایک وہاں ٹھہل رہا تھا۔ عمران رضوان کو ایک جگہ چھپا کر آگے گیا اور اس سنتری کے پاس چلا گیا۔ اس سے پوچھا کہ آج اسے پہرہ دینے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔ سنتری عمران کو جان گنہگار کے نام سے اچھی طرح جانتا تھا اور بڑے پادری کے خصوصی نام کی حیثیت سے اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ آج ایک مسلمان جاسوس کو پکڑا گیا تھا۔ کسی لڑکی کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہے۔ اس لیے حکم آیا ہے کہ ہوشیار رہا جائے۔

اس سنتری کی موجودگی میں گھوڑے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ عمران نے اسے باتوں میں لگا لیا اور پیچھے ہو کر اس کی گردن بازو کے گھیرے میں لے لی۔ سنتری کا دم گھٹنے لگا۔ عمران نے اس کے پہلو سے خنجر نکال کر کھینچ لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ مرنے تک اس کی گردن بازو کے شکنجے میں دبائے رکھی۔ اسے مار کر عمران نے رضوان کو بلایا۔ دو گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور سوار ہو گئے۔ گرچہ کے باقی محافظ کمرے میں کہیں سوئے ہوئے تھے۔ عمران اور رضوان چل پڑے۔ شہر سے نکلنے کے کئی راستے تھے۔ وہ ایک طرف چل پڑے اور شہر سے نکل گئے۔ اچانک وہ گھیرے میں آگئے اور انہیں لگا لگا گیا۔

کمی پوری کرنے کو شش کر دیں گا۔ سب سے بڑی ضرورت لازداری کی ہے۔ لازداری کی خاطر میں پیغام تحریری نہیں بھیج رہا۔ فتح کی صورت میں، میں کرک فوج کے حوالے کر کے بغداد پہنچا جاؤں گا۔
یہ پیغام ذہن نشین کر کے عمران قاہرہ روانہ ہو گیا۔

میلیبیوں کے سن ۱۱۴۴ کے ابتدائی دن تھے جب علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ عکروہ میں ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا بچہ لایا گیا ہے اور ان کا کمانڈر عمران واپس آ گیا ہے تو یہ جان لینے کے باوجود کہ عمران بڑا ہی قیمتی لڑ لایا ہے سلطان ایوبی بچہ سا گیا۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ چند ایک بھائی کر کے عمران کو اندر بلایا اور انہیں گرا سے لے لگا لیا، پھر کہا۔ ”پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا ایک ساتھی شہید کس طرح ہوا اور دوسرا بچہ کس طرح لایا گیا ہے؟“

عمران نے پوری تفصیل سے ساری کہانی بیان کر دی اور جب اس نے وہ راز بیان کیا جو وہ عکروہ سے لایا تھا تو سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ عمران نے یہ بھی بتایا کہ وہ نور الدین زنگی کو اطلاع دے آیا ہے۔ اس نے سلطان ایوبی کو زنگی کا پیغام سن لیا۔ اس سے سلطان ایوبی کا بہت سا وقت بچ گیا تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کے لیے ذمہ دہن مقرر کیا اور ان خاندانوں کے متعلق معلومات پیش کرنے کو کہا تاکہ اس کے مطابق ان کی مزید مدد کی جائے۔ اس کے بعد اس نے عمران سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ عمران نے اسے بتایا کہ میلیبیوں کا بحری بیڑہ چار پانچ سال پہلے کی نسبت زیادہ ہو گا۔ حملہ ایک ماہ کے اندر اندر ہو گا۔ یورپ سے تازہ دم فوج لائی جائے گی جسے سکندریہ کے شمال میں اتارا جائے گا۔ دوسری فوج بیت المقدس کے علاقے سے آئے گی جو مصر کی طرف پیش قدمی کرے گی۔ سکندریہ کے شمال میں اتارنے والی فوج سکندریہ پر قبضہ کر کے اسے اڑھ اور رسد گاہ بنائے گی اور شمال کی طرف سے مصر پر حملہ آور ہوگی۔ عمران کے کہنے کے مطابق میلیبیوں کو یہ توقع ہے کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جالیں گے اور نور الدین زنگی اسے مدد اور کمک نہیں دے سکے گا کیونکہ راستے میں میلیبیوں کی بیت المقدس والی فوج حائل ہوگی۔

یہ ایسا طوفان تھا جو بے خبری میں آجاتا تو مصر پر میلیبیوں کا قبضہ یقینی تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے تمام سینئر کمانڈروں کو بلا لیا۔ علی بن سفیان کو اس نے یہ ہدایت دی کہ وہ دشمن کے جاسوسوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دے تاکہ اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی خبر باہر نہ جا سکے۔ سکندریہ کے متعلق اس نے خصوصی ہدایات دیں۔

✱

برطانیہ ابھی اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ انگریزوں کو غالباً یہ توقع تھی کہ کسی وقت وہ اکیلے ہی مسلمانوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں گے لیکن پوپ (سب سے بڑے پادری) کے کہنے پر انگریزوں نے میلیبیوں کو اپنے کچھ جنگی جہاز دیئے تھے۔ سپین کا تمام بیڑہ اس حملے میں شرکت کے لیے تیار تھا۔ فرانس، ہسپانیہ اور بلجیم کے جہاز بھی آگئے تھے اور اس متحدہ بیڑے میں یونان اور سسلی کی جنگی کشتیاں بھی شامل تھیں۔ یہ

لگائی اور کمرے باندھ لی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اُس پر رقت طاری ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔
”اور اپنی قدر و قیمت جان لو میرے دوست!“ زنگی نے کہا۔ ”ایک جاسوس دشمن کے لشکر کو شکست دے سکتا ہے اور ایک غلام اپنی پوری قوم کو شکست کی ذلت میں ڈال سکتا ہے۔ تم نے دشمن کو شکست دے دی ہے۔ تم جو خبر لائے ہو یہ دشمن کی شکست کی خبر ہے۔ میلیبی انشاداً مصر اور فلسطین کے ساحل سے آگے نہیں آ سکیں گے اور ان کا بحری بیڑہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہ تمہاری فتح ہوگی اور اس کا صلہ تمہیں خدا دے گا۔“

”مجھے قاہرہ کے لیے جلدی روانہ ہو جانا چاہئے۔“ عمران نے کہا۔ ”دن ٹھوڑے رہ گئے ہیں۔ امیر مصر کو بہت دن پہلے اطلاع مل جانی چاہئے۔“

”تم ابھی روانہ ہو جاؤ۔“ نور الدین زنگی نے کہا۔ ”میں تمہیں بڑی اچھی نسل کا گھوڑا دے رہا ہوں۔“ اُس نے عمران کو تاہر تک کا وہ راستہ بتا دیا جس پر کئی چوکیاں تھیں۔ ان پر قاصدوں کے گھوڑے بدلنے کا انتظام تھا۔ اور صلاح الدین سے پہلی بات یہ کہنا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کو اپنے خاندان میں جذب کر لو۔ ان کے خاندانوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے کرو۔ اس نے عمران سے پوچھا۔ ”تم صرف جاسوسی کر سکتے ہو یا جنگ کو بھی سمجھ سکتے ہو؟“

”کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہوں۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”آپ سکھ دیں۔“

”پیغام لکھنے کا وقت نہیں۔“ زنگی نے کہا۔ ”صلاح الدین سے کہ دینا کہ مجھے کرک تمہارے حوالے کر کے بغداد

جلدی واپس جانا تھا۔ اطلاعیں مل رہی ہیں کہ اُن علاقوں میں میلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے سکرن ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں لیکن اس تازہ خبر نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چار پانچ سال پہلے تم نے بحیرہ روم میں میلیبیوں کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ وہ تمہارے پھندے میں آگئے تھے۔ اب وہ مختاہ ہو کر آئیں گے۔ اسی لیے انہوں نے سکندریہ کے شمالی ساحل کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم ان سے سمندر میں براہ راست ٹکرائیں تو فیصلہ کرو تو یہ تمہاری غلطی ہوگی۔ تمہارے پاس میلیبیوں جتنی بحری طاقت نہیں ہے۔ ان کے جہاز بڑے ہیں اور ہر جہاز میں ہاتھوں کے علاوہ بے شمار چپو ہیں۔ چپو پھلانے کے لیے ان کے پاس غلاموں کی بے انداز تعداد ہے۔ تم اتنی تعداد سے محروم ہو۔ تمہارے جہازوں کے چپو پھلانے والے ملائح ہیں اور سپاہی بھی۔ سمندری جنگ میں وہ دونوں کام نہیں کر سکیں گے۔ میلیبیوں کو ساحل پر آتے دو۔ سکندریہ کو بحری گولوں کا خطرہ ہو گا۔ آتشیں گولے شہر کو آگ لگا دیں گے۔ اس کا کوئی انتظام کر لینا۔۔۔۔

”اگر دشمن نے اسی انداز سے حملہ کیا جیسا کہ عمران خبر لایا ہے تو میں دشمن کے پہلو پر ہوں گا۔ یہ اس کا بایاں پہلو ہو گا۔ تم دائیں پہلو کو سنبھالو گے اور تمہارے ذمے ایک کام یہ ہو گا کہ میلیبیوں کا کوئی جہاز واپس نہ جائے۔ آگ لگا دینا۔ اگر تمہارے پاس سمندری چھاپہ مار ہوں تو تم سہانے ہو گے ان سے کیا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوڈان کی طرف سے چوکتا رہنا۔ وہ سرحد خالی نہ رہے۔ مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس فوج کم ہے۔ میں یہ

تاہم یہ لشکر نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو آسانی سے شکست دے سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کی فوج کم تھی۔ اس کے علاوہ مصر میں غلاخروں نے باطنی پھیلاؤ کر رکھی تھی اور سب سے بڑا خطرہ یہ کہ سوڈانی بھی حملہ کر سکتے تھے۔ نورالدین زنگی کو بھی کچھ ایسی ہی دشواریوں کا سامنا تھا۔ دنیا سے اسلام پھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ حکمران عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ میلیمیوں نے انہیں اپنے زیر اثر لے رکھا تھا۔ وہ آپس میں بھی پھٹے ہوئے تھے اور انہیں اسلام کی ناموس کا فرقہ بھرا حساس نہ تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سینئر کمانڈروں کو بلا کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اُس نے سوڈان کی سرحد پر چلے جانے کو کہا۔ اس کے کمانڈر کو یہ ہدایت دی کہ وہ سرحد سے غامما تھکے خیمہ زن رہے لیکن فوج کو مختلف جگہوں پر اس طرح متحرک رکھے کہ گورڈاؤں کی رہے اور یہ ظاہر ہو کہ فوج کی تعداد بے حساب ہے۔ سلطان ایوبی نے خصوصی حکم یہ دیا کہ کسی بھی وقت فوج آرام کی حالت میں نہ رہے۔ دوسرے حصے کو سکندریہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ کوچ رات کو ہوگا اور تمام ڈپارٹمنٹ کے وقت ہوں گے اس کے کمانڈر کو بتایا گیا کہ اسے یہ حکم بعد میں ملے گا کہ اس کی منزل کیا ہے اور آخری خیمہ گاہ کہاں ہوگی۔ تیسرے حصے کو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس نے کسی بھی کمانڈر کو نہ بتایا کہ یہ احکام کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ یہ سب نے دیکھا کہ تمام تر متنبقیہ اس فوج کو دی گئی تھیں جو سکندریہ کی طرف جا رہی تھیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آٹھ روز بعد سلطان ایوبی قاہرہ میں نہیں تھا اور نورالدین زنگی کرک میں نہیں تھا۔ وہ دونوں سکندریہ کے مشرق میں گھوم پھر رہے تھے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں کسی ملک کے حکمران اور فوجوں کے کمانڈر ہیں اور یہ وہ دو انسان ہیں جو میلیمیوں کے لیے سراپا دہشت بنے ہوئے ہیں۔ وہ غریب سے دو شہزادے تھے جو معلوم نہیں کہاں سے آئے تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ انہوں نے ساحل پر جا کر بحیرہ روم کی وسعت کو نظروں سے بھانپا اور ناپا۔ وہ تین چار دن میں دور دور گھوم گئے۔ سلطان ایوبی سکندریہ اور نورالدین زنگی کرک چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو کچھ احکام دیئے اور وہ چلا گیا۔

☆

میلیمیوں کا بیڑہ مکمل خاموشی اور رازداری سے آیا۔ بیت المقدس سے میلیمیوں کی فوج چل پڑی۔ دونوں کی روانگی کے اوقات میں مطابقت تھی۔ میلیمیوں نے بڑے اچھے موسم کا انتخاب کیا تھا۔ اس موسم میں سمندر خاموش رہتا ہے۔ تلاطم اور طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ میلیمی جہازوں کے کپتانوں کو مصر کا ساحل نظر آنے لگا، لیکن انہیں سلطان ایوبی کا کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب سے اگے جہاز کے کپتان نے سمندر میں ماہی گیروں کی ایک کشتی دیکھی۔ اس نے جہاز ان کے قریب کر کے اوپر سے جھک کر پوچھا۔ ”جنگی جہاز کہاں ہیں؟ اگر غلط بتاؤ گے تو تمہیں ڈبو کر مار ڈالیں گے۔“

ماہی گیروں نے کہا۔ ”مصر کے جہاز اس طرف نہیں رکھے جاتے۔ یہاں سے بہت دور ہیں۔“ جہاز روک کر رستہ پھینکا گیا۔ دو ماہی گیر رستے کے ذریعے جہاز پر چلے گئے۔ انہوں نے کپتان کو مصر کے جنگی

اور ساحل کے لیے ماہی گیروں سے بادبانی کشتیاں لے لی گئی تھیں۔ ان میں بعض خامی بڑی تھیں۔ اس بیڑے میں اُن تمام ممالک سے تازہ دم فوج آ رہی تھی جس سے میلیم پر حملہ لیا گیا تھا کہ فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گی۔ ”اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمارا مقابلہ اپنے بحری بیڑے سے کیا تو اس کی اُسے مصر جتنی قیمت دینی پڑے گی۔“ فرانسیسی بحریہ کے کمانڈر نے کہا۔ ”ہم ہانتے ہیں اس کے بحری بیڑے کی کتنی کچھ طاقت ہے۔“ وہ بحیرہ روم کے دوسرے کنارے پر ایک کانفرنس میں بیٹھا کہ رہا تھا۔ ”صلاح الدین اور نورالدین خشکی پر پڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اس حملے کی خبر مسلمانوں کو قبل از وقت نہیں ہوگی اور صلاح الدین ایوبی کو اُس وقت خبر ہوگی جب ہم قاہرہ کو محاصرے میں لے چکے ہوں گے۔ نورالدین زنگی اُس کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے گا اور ہمارا یہ حملہ فیصلہ کن ہوگا۔“

”میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سوڈانیوں کو استعمال کرنا کمزوری ہے۔“ رینالڈ نے کہا۔ رینالڈ ایک مشہور میلیمی حکمران اور جنگجو تھا۔ اسے بیت المقدس کی طرف سے خشکی پر آنا اور حملہ کرنا تھا۔ وہ شروع سے اندر سے رہا تھا کہ وہ مصر پر شمال اور مشرق سے حملہ کریں تو جنوب سے سوڈانی بھی مصر پر حملہ کر دیں گے۔

”آپ پچھلے تجربوں کو بھول جاتے ہیں۔“ اسلام کے سب سے بڑے دشمن فلپ آگسٹس نے کہا۔ ”۱۱۶۹ء میں ہم نے سوڈان کو بے دریغ مدد دی تھی اور اس توقع پر ہم نے سمندر سے حملہ کیا تھا کہ سوڈانی جنوب سے حملہ کریں گے اور صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو سوڈانی ہیں وہ بغاوت کر دیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ دو سال بعد پھر انہیں مدد دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی ضائع کر دی۔ اب کے پھر انہوں نے ہمیں مایوس کیا۔ ہم کہیں آپس اپنے منصوبے میں شریک کریں؟ اگر مصر ہم نے اپنی طاقت سے لے لیا تو سوڈانی ہم سے حصہ مانگیں گے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ سوڈانیوں میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں۔ مسلمان پر پھر دوسرے کرنا غلطی ہے۔ اگر آپ سچے دل سے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا دوست نہ سمجھیں۔ انہیں خرید کر اپنا دوست مقرر نہ بنائیں لیکن دل میں اس کی دشمنی قائم رکھیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ ایک اور میلیمی بادشاہ نے کہا۔ ”آپ لوگوں نے فاطمیوں کو دوست بنایا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہوتے ہوئے بھی اسے ابھی تک قتل نہیں کر سکے۔ ہم نے انہیں بڑے بڑے قسابل باسوس اور مخرب کار دیئے جو انہوں نے اپنی غلطیوں سے پکڑوا کر مراد دیئے۔ اب ہم کسی پر پھر دوسرے نہیں کریں گے۔ ہمیں اپنی جنگی طاقت پر پھر دوسرے کرنا چاہیے اور اب ہم کامیاب ہوں گے۔“

ان کی جنگی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس سے زیادہ تکبر کرنے میں حق بجانب تھے۔ بحری بیڑے کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ بیت المقدس کی طرف سے جو فوج آ رہی تھی وہ سمندر کی طرف سے آنے والی نفری سے دگنی تھی۔ یورپی مؤرخوں میں تعداد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس حملے کا میلیمی جنگوں میں ذکر ہی نہیں کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اس حملے میں کم و بیش میلیمیوں کی چھ بادشاہیاں شامل تھیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے حکمران بھی تھے جو اپنی فوجیں لے آئے تھے۔ ان میں غامی یہ تھی کہ ان کی کمان متحدہ نہیں تھی

آنے لگے۔

سب سے پہلے واسے دو تین جنگی جہازوں میں سے شعلے اٹھے۔ ملبیہ کی کپتانوں نے پیچھے دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر سے آگ کے گولے اٹھتے ہیں اور ان کے جہازوں میں آکر گرتے ہیں۔ ملبیہوں نے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر جہازوں کو ہجوم کی صورت میں اکٹھا کر دیا تھا اور وہ سلطان الیوبی کے چہندے میں آ گئے تھے۔ دن کے وقت آگے جہاز کو جو ماہی گیر ملے تھے وہ علی بن سفیان کے ٹکے کے آدمی تھے۔ یہ تصدیق سی بات تھی کہ سمندر میں ماہی گیر ملے تو ملبیہ کپتان نے ان سے معلومات حاصل کیں۔ ماہی گیروں نے غلط معلومات دیں اور انہوں نے صرف یہ بات ٹھیک بتائی تھی کہ مصری بیڑہ یہاں سے دُور ہے۔ وہ واقعی دُور تھا۔ سلطان الیوبی نے اپنے امیر البحر کو بتا دیا تھا کہ وہ سمندر پر نظر رکھے۔ کسی بھی وقت حملہ آبائے گا۔ امیر البحر نے دیکھ بھال کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ اسے قبل از وقت پہنچ چلا گیا تھا کہ ملبیہ بیڑہ سمندر کے وسط تک آ گیا ہے۔ چنانچہ امیر البحر اپنے چند ایک جنگی جہاز جن میں آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں تھیں ایک طرف دُور سے گیا تھا۔ اُس نے بادبان بھی اتار لیے تھے اور مستول بھی تاکہ دُور سے جہاز نظر آ سکیں۔ ان کی بجائے اس نے ایک ایک چپو پر دو دو آدمی لگا دیئے تاکہ رفتار تیز رہے۔

شام کے بعد جب ملبیہ بیڑہ ساحل کے قریب گیا تو امیر البحر نے مستول بھی چڑھا دیئے اور بادبان بھی اُڑا دیئے۔ چپوؤں کی رفتار بھی تیز رکھی اور اس طرح وہ ملبیہ بیڑے کے عقب میں آئے۔ اُس وقت پہنچ گیا جب ملبیہوں نے اپنے جہاز ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیئے تھے۔ ملبیہوں کو دوسرا دھوکہ اُن "ماہی گیروں" نے دیا تھا جو سکندریہ سے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے ملبیہ کمانڈر سے کہا تھا کہ وہ ان کے پاس ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ سکندریہ میں کوئی فوج نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شہر کے ان مکانات میں جو سمندر کی طرف تھے وہاں صرف فوج تھی شہر والوں کو محفوظ حصے میں بھیج دیا گیا تھا۔

سلطان الیوبی کا امیر البحر بہت تھوڑے جہاز لے کر گیا تھا۔ انہوں نے نقصان تو بہت کیا لیکن دشمن کے کئی ایک جہاز بچ کر نکل گئے۔ دوسروں نے مقابلہ کیا۔ جلتے جہازوں نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ اس روشنی میں سلطان الیوبی کے جہاز بھی نظر آنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز ملبیہوں کی منجنیقوں کی زد میں آ گیا۔ امیر البحر نے اپنے جہازوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا کیونکہ دشمن جہازوں کی افراط کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھیراؤ لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندریہ میں سلطان الیوبی کے جہازوں نے جوش میں آکر ساحل پر پل بول دیا اور جہازوں پر آتشیں تیر پھینکنے لگے۔ یہ جہاز مصر کی فوج کے اُس تیسرے حصے کے تھے جسے سلطان الیوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ انہیں غیر فوجی لباس میں سکندریہ میں مکانات میں مورچہ بند کیا گیا تھا اور نہایت خاموشی سے شہر والوں کو دوسرے مکانات میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ صلاح الدین الیوبی عقل اور دھوکے کی جنگ لڑ رہا تھا اور کم سے کم طاقت استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ابھی خامی لفزی اپنے زیرِ کمان بیڑہ میں رکھی ہوئی تھی۔

رات بھر یہ جنگ جاری رہی۔ سمندر میں کئی جہاز جل رہے تھے۔ وہاں قیامت کا منظر بنا ہوا تھا۔ ملبیہ

جہازوں کے متعلق جو معلومات دیں وہ یہ تھیں کہ کئی جہاز مرمت ہو رہے ہیں۔ جو جہاز اچھی حالت میں ہیں وہ اتنی دور ہیں کہ سکندریہ تک پہنچتے دو دن لیں گے کیونکہ بادبانوں اور چپوؤں کے لحاظ سے وہ کمزور اور کم رفتار ہیں۔ ماہی گیر نے جو سب سے زیادہ قیمتی بات بتائی وہ یہ تھی کہ چونکہ سلطان الیوبی بحریہ کی طرف توجہ نہیں دیتا اس لیے جنگی ملاح پیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں۔ حاصل کے ساتھ جو دیہات میں وہاں پہلے جاتے ہیں ماہی گیروں سے پھلیاں چھین لیتے ہیں۔

ملبیہ بحریہ کے رہنما کے لئے یہ معلومات خوشخبری سے کم نہ تھیں۔ اُس نے اپنا جہاز روک لیا اور ایک کشتی کے ذریعے اس بیڑے کے کمانڈر کے جہاز تک گیا۔ اُسے اس نے یہ معلومات دیں جو اس نے ان دو ماہی گیروں سے لی تھیں۔ ان کے لیے میدان صاف تھا۔ کمانڈر نے بیڑے کو وہیں روک لیا۔ وہ شام کے بعد انہیں جیسے ہی ساحل تک پہنچنا پڑتا تھا۔ اُسے وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں ساحل کے ساتھ پانی اتنا گہرا تھا کہ جہاز ریت میں پھنسے بغیر ساحل تک آ سکتے تھے۔ وہاں فوج کو آسانی سے اتارا جاسکتا تھا۔... سکندریہ کی بندرگاہ سے ایک کشتی کھلے سمندر کی طرف چلی گئی جو بظاہر ماہی گیروں کی تھی۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا جب یہ کشتی بیڑے تک پہنچ گئی۔ کم و بیش اڑھائی سو جنگی جہاز سمندر میں دُور دُور تک بکھرے ہوئے تھے۔ ماہی گیر اپنی کشتی کو بیڑے کے درمیان لے گئے اور پوچھ پوچھ کر کمانڈر کے جہاز تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بتایا کہ سکندریہ کے اندر کوئی فوج نہیں ہے۔ صرف شہری آبادی ہے اور مصری بیڑے کے جنگی جہاز یہاں سے بہت دُور ہیں۔ یہ ماہی گیر مسلمانوں کے پاس تھے۔

رات کا پہلا پہر تھا جب اگلی صبح کے جنگی جہاز ساحل کی طرف بڑھے اور کسی دشواری کے بغیر ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ پچھلی صبح کے جہاز ان کے قریب، عقب میں آئے اور لنگر ڈال دیئے۔ تیسری صبح بھی قریب آ گئی۔ فوج اتارنے کا انتظام غالباً یہ تھا کہ ہر ایک جہاز کو ساحل پر نہیں آنا تھا بلکہ تمام جہازوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے فوج کو گزر کر اترنا تھا۔ سکندریہ پر خاموشی سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اطلاع کے مطابق وہاں چونکہ فوج نہیں تھی اس لیے قبضہ مشکل نہ تھا۔ آگے جہازوں سے جو فوج اتری اسے سکندریہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا اور سپاہیوں کو بتایا گیا کہ شہر ان کا اپنا ہے، کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ سپاہی دُور پڑے۔ انہیں شہر کو لوٹنا تھا اور ان کی نظر عورتوں پر بھی تھی۔

جو نہی سپاہیوں کا یہ ہجوم شہر کے قریب آیا شہر کے باہر دائیں اور بائیں شعلے اٹھے جن سے رات روشن ہو گئی۔ یہ گھاس، لکڑیوں اور کپڑوں کے انبار تھے جن پر نیل ڈالا گیا تھا۔ ان سے روشنی کا کام لینا تھا۔ شہر کی گلیوں میں بھی مشعلیں جل اٹھیں اور مکانات کی چھتوں سے تیروں کا میہ برسے لگا۔ ملبیہ جیسے کو بھاگے تو دائیں اور بائیں سے ان پر تیرے برسے لگے۔ ان کے لیے سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے رات لرزنے لگی۔ ان ملبیہوں کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ بچے گیا ہوگا۔ ملبیہ فوج جو ابھی جہازوں میں تھی اُسے آگے آنے کا حکم ملا۔ جہازوں میں سے ملبیہوں کی منجنیقیں آتشیں گولے پھینکنے لگیں اور دُور مار تیر بھی

تقاعد نے سلطان ایوبی کو اطلاع دی کہ سکندریہ سے شمال مشرق کی طرف تین مل دور میلیدیوں کی کچھ فوج آ رہی ہے اور وہاں خونریز معرکہ لڑا جا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے وہاں جانے کی بجائے کچھ احکام جاری کر دیئے اور سمندری جنگ کو دیکھتا رہا۔ اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ میلیدیوں کا ایک جہاز ساحل کے قریب آگیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بیڑے کا ایک جہاز اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میلیدیوں نے تیروں کی ہتھیاریں ماریں لیکن مسلمان ملاحوں نے پروانہ کی۔ وہ اپنے جہاز کو میلیدی جہاز کے اتنا قریب لے آئے کہ گولہ اس میں چلے گئے اور دست بردست لڑکر جہاز پر قبضہ کر لیا، مگر یہ معرکہ اتنا سہل نہ تھا جیسا بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان بحریہ کے سرکردہ شہسوار نے خون اور جان کی بے دریغ قربانی دی۔ وہ تین تین چار چار جہازوں کے گھیرے میں لڑے۔ دشمن کے جہازوں میں گولہ گولہ کر لڑے۔ تیروں سے پھلتی ہوئے مگر اس طرح معرکے میں سے بچنے کی نہ سوچی جس طرح میلیدی اپنے جہاز نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میلیدیوں کی کمرات کو ہی ٹوٹ گئی تھی۔ اُن کے کمانڈر میلیب کا سٹ پورا کر رہے تھے اور انہیں صبح تک یہ اُمید لڑائی رہی کہ وہ سلطان ایوبی کی قلیل سی بحری قوت پر قابو پالیں گے لیکن اگلے دن کے پچھلے ہرنگ اُن کی کیفیت اتنی بگڑ چکی تھی کہ جہاز بکھر کر اُدھر کو ہی جا رہے تھے۔ وہ اپنی زیادہ تر قوت مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کر گئے تھے۔ اور اُن کی جو تھوڑی سی فوج ساحل پر اُترتی تھی وہ سکندریہ سے تین چار میل دور شمال مشرق میں کچھ کٹ گئی تھی باقی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج کا دوسرا حصہ ابھی جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے پاس قیادہ آ رہے تھے، جا رہے تھے، اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ میلیدی ناکام ہو گئے ہیں تو اُس نے فوج کے دوسرے حصے کو ایک اور محاذ دے دیا۔ عمران کی اطلاع کے مطابق بیت المقدس کی طرف سے بھی میلیدی فوج کو آتا تھا۔ اُس کے لیے نور الدین زنگی گھات میں تھا، تاہم بیش ہندی کے طور پر سلطان ایوبی نے دناغ مضبوط کر لیا۔ تیسرے حصے کو جو اُس نے اپنے زیرِ کمان ریزہ میں رکھا ہوا تھا، اُن میلیدیوں کو پکڑنے پر لگا دیا جو سمندر سے نکل رہے تھے۔

سورج کی آخری کرنوں نے سلطان ایوبی کو یہ منظر دکھایا کہ میلیدیوں کے وہی جہاز نظر آ رہے تھے جو مل چکے تھے اور ابھی ڈوبے نہیں تھے یا وہ جنہیں پکڑ لیا گیا تھا یا اُن جہازوں کے بادبان نظر آ رہے تھے جو ابھی جاتے ہوئے دور ہی دور ہٹتے جا رہے تھے۔ اُس کی اپنی بحریہ کے جہاز جو بچ گئے تھے ساحل کی طرف آ رہے تھے دیکھنے والوں نے اندازہ لگایا کہ سلطان کی آدمی بحریہ مصر پر قربان ہو گئی تھی۔ کشتیاں ساحل پر آ رہی تھیں۔ ان میں اپنے بحری سپاہی آتے تھے جو زخمی تھے یا سمندر سے نکالے گئے تھے۔ ان کے جہاز تباہ ہو گئے تھے۔ ایک کشتی اُس جہان کے قریب آ کے ساحل سے لگی جس پر سلطان ایوبی کھڑا تھا۔ اس میں کسی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے پوچھا۔ ”یکس کی لاش ہے؟“

”امیر البحر سعدی بن سعد کی۔“ ایک ملاح نے جواب دیا۔

سلطان ایوبی دورِ کریمے اترا۔ لاش سے کپڑا ہٹایا۔ اُس کے امیر البحر کی لاش خون سے لال ہو چکی تھی۔ ملاحوں

بیڑوں پر کچھ زیادہ تھا بلکہ سلطان ایوبی کے جہازوں کی نسبت بہت ہی زیادہ اس لیے میلیدی جہاز تباہی سے نکل کر مسلمانوں کے جہازوں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سمندر گھیرے والی بن گئی تھی۔ رات کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ اپنے جہازوں کی کیفیت کیا ہے۔ سلطان ایوبی وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنے اُن جہازوں کو جنہیں اُس نے محفوظ کے طور پر رکھا ہوا تھا حکم بھیج دیا کہ میلیدی جہازوں کو دور کا پکڑ کاٹ کر اُلجھائیں۔ رات کے پچھلے پہر باقی جہاز بھی معرکے میں شریک ہو گئے۔ اس میں ہمدردی تو اُن ملاحوں کی تھی جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اپنے جہازوں کو تیرا آتش گیر مادہ اور گولے پہنچا رہے تھے۔ اپنے جہازوں کو ڈھونڈنا بہت ہی مشکل کام تھا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب امیر البحر ایک کشتی میں ساحل پر آیا۔ اس کے ساتھ چند ایک بحری سپاہی تھے۔ امیر البحر کے کپڑے خون سے لال تھے اور اس کی ایک ٹانگ جھلکی ہوئی تھی۔ اس کا جہاز نذر آتش ہو گیا تھا۔ اور وہ چند ایک جہازوں کو سمندر سے نکال لیا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بڑی عجلت میں معرکے کی صورت حال بتائی جو مختصر یہ تھی کہ اس کے آدھے جہاز تباہ ہو چکے تھے لیکن میلیدیوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے بتایا کہ باقی جہازوں کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ یہ اندام امیر البحر کی خواہش اور ضرورت کے عین مطابق تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا۔ ”میلیدیوں کو سب سے زیادہ نقصان وہ بوجہ دے رہا ہے جو انہوں نے جہازوں میں لاد رکھا ہے۔ رسد کے علاوہ اُن کے جہازوں میں فوج بھی ہے اور بعض جہازوں میں گھوڑے ہیں۔ اس بوجہ کی وجہ سے اُن کے جہاز رفتار میں نہیں آتے اور گھومنے میں دیر لگاتے ہیں۔ میرے جہاز خالی ہیں۔“

امیر البحر اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اس کا سر ڈول رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے طبیب اور جراح کو بلایا مگر امیر البحر نے پروانہ کی۔ سلطان ایوبی کا ہیڈ کوارٹر ساحل کے چٹانی علاقے میں تھا۔ وہ ایک ادنیٰ چٹان پر کھڑے تھے۔ سورج کی پہلی کرنوں نے سمندر اور ساحل کا جو منظر دکھایا وہ ہیبت ناک تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سمندر میں جہاز دست ساندوں کی طرح سمندر کو چیر رہے تھے۔ بہت سے جہاز مل رہے تھے۔ بعض مستول ٹوٹ جانے اور بادبان بے کار ہو جانے سے ایک ہی جگہ کھڑے ہکڑے کھڑے تھے۔ سمندر میں بہت سے انسان تیرتے نظر آ رہے تھے اور مویں لاشوں کو ساحل پر پٹخ رہی تھیں اپنے جہازوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ دورِ مغرب کی طرف سمندر سے مستولوں کے بالائی حصے اُبھرے، پھر بادبان نظر آئے۔ جہاز ایک صف میں ایک دوسرے سے دور دور معرکے کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”تمہارے جہاز آ رہے ہیں۔“ اُس نے ادھر دیکھا۔ وہاں امیر البحر نہیں تھا۔

امیر البحر اپنے جہازوں کو آتا دیکھ کر سلطان کو بتائے بغیر چٹان سے اتر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو وہ اُس وقت نظر آیا جب وہ ایک کشتی میں بیٹھ چکا تھا اور کشتی کا بادبان کھل چکا تھا۔ یہ دس چوڑوں کی کشتی تھی۔ سلطان ایوبی نے چلا کر اسے پکارا۔ ”سعدی! تم واپس آ جاؤ۔ میں نے تمہاری جگہ ابو فرید کو بھیج دیا ہے۔“

امیر البحر دورِ نکل گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ ”یہ میری جنگ ہے۔ خدا حافظ۔“ اور اُس کی کشتی دورِ ہی دور ہٹتی گئی پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اندھا دھندل جھپٹا اور تلواریں چلانے لگے اور آگے نکل گئے۔ ملیبی سنبھلے نہ پاسے تھے کہ سواروں نے پھر ہاتھ بول دیا۔ ملیبیوں کے بندھے ہوئے گھوڑوں کی ریشیاں کھول دی گئیں۔ یہ سب بھاگ اٹھے۔ ریشیاٹ دہاں سے بھاگ گیا اور دائیں سمت والی فوج میں جا پہنچا۔ یہ حصہ کہیں دھڑلے پر چلے ہوئے تھا۔ نور الدین نے اسی طرف تھا۔ اس ساری فوج کی رسد پیچھے آ رہی تھی۔ زنگی نے اس کے لیے الگ دستے مقرر کر رکھے تھے۔ انہوں نے صبح تک بد پرتھو کر لیا۔ دائیں والا حصہ رات کو ہوشیار ہو گیا تھا۔ ریشیاٹ اسے اپنے حصے کی طرف لانے لگا کیونکہ وہ اسی بلکہ میدان جنگ سمجھتا تھا۔ صبح کے دھندلے میں یہ فوج پہل پڑی۔ نور الدین زنگی نے عقب سے اس کے پہلو پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اس فوج کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس پر کس طرف سے حملہ ہو رہا ہے۔ سلطان الیوبی کی طرح زنگی بھی جم کر نہیں لڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے دستوں سے حملے کر کے ملیبیوں کو بکیرا تاراج کرتا تھا۔

اُس نے رات کو سلطان الیوبی کی طرف تمام بھیج دیا تھا۔ ان دونوں نے سکیم پہلے ہی بنا رکھی تھی۔ زنگی کا ہر عمل اور اقدام اور دشمن کا رد عمل ان کی سکیم کے عین مطابق تھا۔ ریشیاٹ نے اپنی فوج کے اگلے حصے کو پیچھے آنے کا پیغام بھیجا۔ چار روز ریشیاٹ اور زنگی میں لامحدود دوست میں محرکے ہوتے رہے۔ زنگی نے ملیبیوں کو بکیرا تاراج اور مغرب لگاؤ اور بھاگو کے اصول پر لڑ رہا تھا۔ ملیبیوں کی فوج کا آگے والا حصہ واپس ہوا تو رات کو اس کے عقب پر حملہ ہوا۔ یہ سلطان الیوبی کے چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے دو تین شب توں مارے اور غائب ہو گئے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ملیبی آٹھ سالہ کی جنگ لڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن سلطان الیوبی انہیں کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ یہ طریقہ آسان نہیں تھا۔ چھاپہ مار اگر ایک سو کی تعداد میں جاتے تھے تو بمشکل ساٹھ واپس آتے تھے اس کے لیے خصوصی مہارت، دلیری اور تیزی کی ضرورت تھی جو سلطان الیوبی نے اپنے چھاپہ مار دستوں میں پیدا کر رکھی تھی۔

جنگ بہت دور دور تک پھیل گئی۔ ملیبی فوج میں نہ جمیعت رہی نہ مرکزیت۔ ان کی رسد زنگی کے قبضے میں آگئی تھی۔ میدان جنگ میں نہ کوئی سامنا نہ عقب۔ ملیبی اس جنگ کی موجودہوجہ نہیں رکھتے تھے جو مسلمان لڑ رہے تھے۔ پھر کیفیت یہ ہو گئی کہ جو ملیبی سپاہی بھاگ سکے بھاگ گئے اور جن میں تاب نہ رہی وہ ہتھیار ڈالنے لگے۔ ریشیاٹ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے کسی اور بلکہ کچھ فوج اکٹھی کر لی، اور اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ زنگی کہاں ہے۔ اس نے نہایت اچھی سکیم سے وہاں حملہ کر دیا۔ یہ ایک بڑا ہی سخت معرکہ تھا۔ ملیبی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ریشیاٹ کی چالیں اور اپنی فوج پر کنٹرول بہت اچھا تھا مگر چوتھی پانچویں رات زنگی کے شب توں مارنے والے ایک دستے کے چند ایک ہاتھ باندھنے جان کی بازی لگا دی اور ریشیاٹ کی ذاتی خیمہ گاہ پر جاتا۔ شب توں مارا۔ یہ زنگی کی سکیم کے تحت اقدام کیا گیا تھا۔ زنگی نے چھاپہ ماروں کی لٹکار پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت میں رات کے وقت لڑائی نہیں لڑی جاتی تھی۔ یہ طرح مسلمانوں نے ڈالی تھی کہ رات کو بھی حملے جاری رکھتے تھے۔

صبح طلوع ہوئی تو ملیبیوں کا سپریم کمانڈر ریشیاٹ قیدی کی حیثیت سے نور الدین زنگی کے سامنے کھڑا تھا اور زنگی اسے اپنی شرائط بتا رہا تھا۔ یہ ملیبی کمانڈر ہر شرط ماننے پر آمادہ تھا لیکن بات جب بیت المقدس پر آئی تو

نے بتایا کہ امیر البحر نے ایک جہاز تک پہنچ کر بحیرہ کی کمان لے لی تھی اور جنگ لڑاتے رہے۔ انہوں نے اس جہاز پر اپنی کمان کا بھٹکا چڑھا دیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ملیبیوں کے چار جہازوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں سے دو تباہ ہوئے اور امیر البحر کا جہاز بھی تباہ ہو گیا۔ اس وقت تک معرکہ ختم ہو چکا تھا۔ سلطان الیوبی نے امیر البحر کی لاش کا ہاتھ چوما اور کہا۔ ”تم سمندر کے فاتح ہو۔ میں کچھ بھی نہیں۔“

اس نے جہاں یہ حکم دیا کہ دشمن کے جو جہاز بچے وہ گئے ہیں ان سے سامان نکالا جائے وہاں بچا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ تمام کشتیاں سمندر میں ڈال دو اور کسی شہید کی لاش سمندر میں نہ رہنے دو۔ انہیں یہیں دفن کرنا جہاں بحیرہ روم کی ہوائیں ان کی قبروں کو ٹھنڈی رکھیں۔“

بحیری شہیدوں کی تعداد کم نہیں تھی۔

☆

بیت المقدس سے ملیبیوں کی فوج کوچ کر چکی تھی اور ادھا راستہ طے کر آئی تھی۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ ان کی بحیرہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے قلب میں ملیبیوں کا مشہور جنگجو حکمران ریشیاٹ تھا۔ اس فوج کے بھی تین حصے تھے۔ ایک آگے تھا۔ دوسرا کچھ دور پیچھے درمیان میں اور تیسرا بہت دائیں کو مہٹ کر آ رہا تھا۔ اس کی متحدہ کمان ریشیاٹ کے پاس تھی اور اسے یہ توقع تھی کہ وہ سلطان الیوبی کو بے خبری میں جا لے گا۔ قلعہ داروں میں اُسے قاہرہ نظر آ رہا تھا۔ گھوڑا گاڑیوں کے قافلے، رسد بھی ساتھ لارہے تھے۔ سکندر سے بہت دور شمال مشرق میں ایک وسیع خطہ ریت اور مٹی کے ٹیلوں اور نشیب و فراز کا ہوا کرتا تھا۔ آٹھ صدیوں نے اس خطے کو آب و ہوا نہیں رہنے دیا۔ اس کے قریب باقی علاقہ صحرا تھا اور اس صحرا میں پانی بھی تھا۔ ریشیاٹ نے ایک پڑاؤ وہاں کیا۔ اس کی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تھا۔ دائیں طرف والا حصہ دُور تھا۔ آدھی رات کا وقت ہو گا ریشیاٹ کے کیمپ میں قیامت بپا ہو گئی۔ اس کے کچھ بھی پتے نہ پڑا کہ یہ قیامت آسمان سے ٹوٹی ہے یا اس کی اپنی فوج نے بناوٹ کر دی ہے۔

اُس کے دم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ نور الدین زنگی کی گھات میں آ گیا ہے۔ زنگی نے کئی دنوں سے اپنی فوج کو ٹیلوں اور نشیب و فراز کے اس علاقے میں لاکے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ یہاں پانی قریب ہے اس لیے ملیبی یہاں پڑاؤ کریں گے۔ ملیبی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تو زنگی کے کمانڈروں کو مایوسی ہوئی۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ رات کو پڑاؤ پر حملہ کرنا ہے۔ وہاں پڑاؤ نہ ہوا۔ بہت دیر بعد انہیں دُور سے گرد کے بادل نظر آئے تو وہ سمجھے کہ آندھی آ رہی ہے۔ مگر آندھی بڑی خوفناک ہوا کرتی ہے لیکن یہ آندھی نہیں ملیبی فوج کا درمیانی حصہ تھا جو اسی جگہ آکر رک گیا، جہاں نور الدین زنگی کو توقع تھی۔ ملیبیوں نے خیمے نہ لگائے کیونکہ انہیں صبح کوچ کرنا تھا۔ ہاتھوں کو الگ باندھ دیا گیا اور پھر سورج ڈوب گیا۔

آدھی رات کو زنگی کے دستے جو گھات میں تھے باہر آئے۔ یہ سب سوار تھے۔ انہوں نے پہلے تو اندھیرے میں تیروں کا مینہ برسایا اور جب سوئے ہوئے سپاہیوں میں بھگدڑ مچی تو سواروں نے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ وہ

ریجنٹاٹ نے انکار کر دیا۔ زندگی نے اسے کتنا تھا کہ بیت المقدس ہمارے حوالے کر دو اور آزاد ہو جاؤ۔۔۔۔۔ شام تک سلطان ایوبی بھی آگیا۔ ریجنٹاٹ کو پورے احترام کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اُس سے بغل گیر ہو کر ملا۔

”آپ عظیم سپاہی ہیں۔“ ریجنٹاٹ نے سلطان ایوبی سے کہا۔

”یوں کہو کہ اسلام عظیم مذہب ہے۔“ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ”سپاہی وہی عظیم ہوتے ہیں جن کا مذہب عظیم ہوتا ہے۔“

”مہرم ریجنٹاٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ان کا بحری بیڑہ تمہیں آیا تھا؟“ نور الدین زنگی نے سلطان ایوبی سے کہا۔ ”انہیں صحیح جواب تم ہی دے سکتے ہو۔ میں تو یہاں تھا۔“

”آپ کا بحری بیڑہ پورے طہراق سے آیا تھا۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”اور واپس بھی چلا گیا ہے۔ آپ کے بہت سے جہاز سمندر کی تہ میں ہوں گے اور جو ڈوبے نہیں اُن کے جلے ہوئے ڈھانچے سمندر پر تیر رہے ہیں۔ جو فوج جہازوں سے اتر آئی تھی وہ واپس نہیں جاسکی۔ ہم نے آپ کی تمام لاشیں پورے احترام سے دفن کر دی ہیں۔“ سلطان ایوبی اُسے جنگ کی صورت حال سنا رہا تھا اور ریجنٹاٹ کی آنکھیں اور منہ کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ روئیدار سچی ہے۔

”اگر یہ سچ ہے تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ کیوں ممکن ہوا؟“ ریجنٹاٹ نے پوچھا۔

”یہ راز اُس معز آپ پر نفاش کر دوں گا جس روز فلسطین سے صلیب کا آخری سپاہی بھی نکل جائے گا۔“ نور الدین زنگی نے کہا۔ ”آپ کی شکست آخری نہیں کیونکہ آپ اس سرزمین سے نکلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔“

”میں آپ کو اپنے علاقے دے دوں گا۔“ ریجنٹاٹ نے کہا۔ ”مجھے رہا کر دیں۔ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی کروں گا۔ آپ کی سلطنت بہت وسیع ہو جائے گا۔“

”ہمیں اپنی سلطنت کی ضرورت نہیں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”ہمیں خدا کی سلطنت قائم کرنی ہے، اسلام کی سلطنت جس کی وسعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کا مقصود اسلام کی نیچ کنی ہے جو ممکن نہیں۔ آپ نے فوجیں استعمال کر رکھی ہیں۔ بحری بیڑہ بھی آزمایا ہے۔ اپنی بیٹیوں کو بھی استعمال کر دیکھا ہے۔ آپ نے ہماری قوم میں غلام بھی پیدا کیے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی میں آپ نے کتنی کاسیابی حاصل کی ہے؟“

”کیا یہ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ ہم نے اسلام کو کہاں کہاں سے نکالا ہے؟“ ریجنٹاٹ نے کہا۔ ”اسلام تو بحیرہ روم کے پار پہنچ گیا تھا۔ سپین سے اسلام کی پسپائی کیوں ہوئی؟ ہم آپ کے ہاتھ سے کیوں نکلا؟ سوڈان آپ کا کیوں دشمن ہوا؟ صرف اس لیے کہ ہم نے تمہارے اسلام کے مخالفوں کو خرید لیا تھا۔ آج بھی تمہارے حکمران بھائی ہمارے نہ خرید غلام ہیں۔ ان کی ریاستوں میں مسلمان رہ گئے ہیں، اسلام ختم ہو گیا ہے۔“

”ہم وہاں اسلام کو زندہ کریں گے دوست!“ سلطان ایوبی نے کہا۔

”آپ خواب دیکھ رہے ہیں صلاح الدین!“ ریجنٹاٹ نے کہا۔ ”آپ دونوں کب تک زندہ رہیں گے؟

کب تک مرنے کے قابل رہیں گے؟ اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟ میں آپ دونوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں

کہ آپ سچے دل سے اپنے مذہب کے پاسبان اور یہی خواہ ہیں لیکن آپ کی قوم میں مذہب کو نیلام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم خرید رہے ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ و جدل کی بجائے اپنی قوم کو زبردستی، الفت پرستی، اور تعیش پسندی سے بچانے کی ہم چاہیں تو ہم یہاں ایک دن نہ ٹھہر سکیں گے، مگر میرے دوستو! آپ اس ہمہ میں کامیاب نہیں ہوں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ عیاشی آپ کی قوم میں نہیں آئی بلکہ قوم کے سربراہ اور حکمران عیاش ہو گئے ہیں۔ اس حقیقت سے آپ چشم پوشی نہ کریں کہ جو بانی حکمرانوں کی طرف سے شروع ہوتی ہے وہ قوم میں رواج کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حکمرانوں کو اپنے جال میں پھانسا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مجھے قتل کر دیں۔ مجھ جیسے چند اور صلیبی حاکموں کو قتل کر دیں، اسلام کو ہر حال ختم ہوتا ہے۔ ہم نے جس مرض کا زہر آپ کی قوم کی رگوں میں ڈال دیا ہے وہ بڑے کام نہیں ہوگا۔“

وہ ایسی حقیقت بیان کر رہا تھا جس سے نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی انکار نہیں کر سکتے تھے۔ ہم وہ صلیبیوں پر بہت بڑی فتح حاصل کر چکے تھے اور ایک صلیبی بادشاہ جو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر تھا ان کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ مرنے والے ایک ہا سوس کا لاکھ تھا جو حکمرانوں کے حملے کی خبر بر وقت سے آیا تھا۔

✱

ریجنٹاٹ اور دوسرے تمام جنگی قیدیوں کو نور الدین زنگی کرک لے گیا اور سلطان ایوبی اس سے رخصت ہو کر قاہرہ چلا گیا۔ اُس نے سوچا کہ وہ اب نور الدین زنگی سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ وہ اس سترت کے ساتھ قاہرہ گیا کہ زنگی ریجنٹاٹ جیسے قیمتی قیدی کو بڑی محنت و شرائط پر لے لیا۔ نور الدین زنگی نے بھی وہاں میں کچھ منصوبے بنائے ہوں گے مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مارچ ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے کہ بغداد کے کسی علاقے میں شدید زلزلہ آیا جس نے چھ سات دیہات کو تباہ کر دیا۔ بغداد میں بھی نقصان ہوا۔ مرنے والے اسے تباہی کا سب سے زیادہ تباہ کن زلزلہ کہا ہے۔ نور الدین زنگی کے دل میں اپنے عوام کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اُن کی امداد کے احکام جاری کرنے کی بجائے خود کرک سے چل پڑا۔ وہ ان کی دستگیری اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا تھا۔ ایسے بھی اُسے کرک سے جانا تھا۔ بغداد اور ارد گرد کے حالات اچھے نہیں تھے۔ وہ کرک سے ریجنٹاٹ اور دوسرے صلیبی قیدیوں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

بغداد پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے زلزلے کا شکار ہونے والے لوگوں کی طرف توجہ دی۔ دوا بخلائے سے باہر رہنے لگا۔ وہ دل و جان سے اپنے لوگوں کی مدد کرتا رہا۔ جہاں رات آتی وہیں رک جاتا۔ اس نے کھانے کی پروا نہ کی کہ کیا ملتا ہے اور کس کے ہاتھ کا پکا ہوتا ہے۔ اُسے تباہ سال لوگوں کی خوشحالی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اپریل کے آخر تک اُس نے تمام متاثرین کو آباد کر دیا۔ جب ذرا فرصت ملی تو اُس نے اپنے طبیب کو بتایا کہ وہ اپنے گلے کے اندر درد محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے دوا دارو کیا لیکن مطلق میں سوزش برپا تھی۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن مرض کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ بات کرنے سے بھی معذور ہو گیا اور مئی ۱۱۷۴ء کے پہلے ہفتے میں خاموشی سے

جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

یورپی موزخوں نے لکھا ہے کہ زنگی کو خناق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لیکن بعض موزخوں نے ذوق سے کھا ہے کہ زنگی کو حسن بن صباح کے فدائیوں نے نہر دیا تھا۔ اُن دنوں جب زنگی ریزے سے تنہا کیے ہوئے دیہات میں بھاگتا دوڑتا رہتا اور اس کے کھانے کے اوقات اور پکانے کے طور طریقے بے قاعدہ ہو گئے تھے، فدائیوں نے اُسے کھانے میں ایسا زہر دینا شروع کر دیا تھا جس کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ زہر حلق کی ایسی سوزش کا باعث بنا جسے طبیب سمجھ ہی نہ سکے۔ جنرل محمد اکبر خاں (رنگرٹ) نے اپنی انگریزی کتاب ”گوریل وار فیز میں کئی بڑے بڑے اور مستند موزخوں کے حوالے سے اسی کی تصدیق کی ہے کہ نور الدین زنگی فدائیوں کا شکار ہوا تھا۔

زنگی کوئی وصیت نہ کر سکا۔ سلطان ایوبی کو کوئی پیغام نہ بھیج سکا۔ سلطان ایوبی کو اُس وقت اطلاع پہنچی جب زنگی دفن ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی دن بغداد سے ایک اور قاصد یہ اطلاع لے کے آیا کہ نور الدین زنگی کی وفات کے ساتھ ہی موصل، حلب اور دمشق کے امراء نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور سلطان ایوبی کو یہ اطلاع بھی ملی کہ بغداد کے امراء وزراء نے نور الدین زنگی کے بیٹے الملک الصالح کو جس کی عمر سن گیارہ سال تھی، سلطنت اسلامیہ کا خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ یہ امراء نابالغ خلیفہ کو کس راستے پر ڈالیں گے اور وہ کیا اُگل کھلائیں گے۔

urdunovelist.blogspot.com

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا ”تم نے پانچ مہینے گزرے مجھے اطلاع دی تھی کہ عکرو میں اپنا ایک باسوس شہید ہو گیا اور دوسرا بچا گیا ہے تو میرا دل بیٹھ گیا تھا اور مجھے ایسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے صلیبیوں کا یہ سال دنیا سے اسلام کے لیے اچھا نہیں ہوگا.... بیٹھ جاؤ میری باتیں غور سے سنو اب ہمیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔“

اسلام کی بقا کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی

مئی ۱۹۴۱ء کا دن دنیا کے اسلام کا ایک تاریک دن تھا۔ نور الدین زنگی کی میت کو ابھی غسل بھی نہیں دیا گیا تھا کہ بہت سے انسانوں کے چہرے سترت سے چپک اٹھے تھے۔ یہ میلیبی نہیں تھے، یا یوں کہئے کہ مرثیہ میلیبی نہیں تھے جو زنگی کے انتقال پر سرور تھے، ان میں مسلمان بھی تھے جو میلیبیوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی خوش نظر آتے تھے۔ یہ مسلمان ریاستوں اور جاگیروں کے امراء اور حاکم تھے۔ وہ سب زنگی کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ وہ جنازے کے لیے آئے تھے۔ ان میں سے بعض بے چین تھے جیسے زنگی کے انتقال سے غمزہ ہوں، مگر بے چینی یہ تھی کہ وہ زنگی کو شام سے پہلے پہلے دفن کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اکٹھے تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو شکی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کا مذہب ایک، خدا ایک، رسول ایک، توقعات ایک اور دشمن ایک ہی تھے۔ ان کے دل میں ایک ہی بات تھی کہ ان کی مثال ایک درخت کی ٹہنیوں کی سی تھی جو ٹوٹ کر درخت سے الگ ہو گئی ہوں اور اب الگ الگ اپنے آپ کو ہلکا ہلکا رکھنے کی توقع لیے ہوئے ہوں۔

وہ دور دراصل جاگیر داری اور نوابی کا تھا۔ بعض مسلمان ریاستیں ذرا وسیع تھیں اور باقی چھوٹی چھوٹی... ان کے حکمران امیر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مرکزی خلافت کے تخت تھے۔ اسلام کے کسی بھی دشمن کے خلاف جنگ ہو تو یہ امراء خلافت کو مالی اور فوجی مدد دیتے تھے، مگر یہ مدد صرف مدت تک محدود رہتی تھی، اس میں کوئی تعویذ نہیں ہوتا تھا۔ وہ امن اور سکون سے عیش و عشرت کرنے کی خاطر خلافت کا مطالبہ پورا کر دیتے تھے۔ عیش و عشرت کی خاطر وہ اپنے سب سے بڑے (بلکہ واحد) دشمن میلیبیوں سے درپردہ دوستی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے میلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر بھی رکھے تھے لیکن نور الدین زنگی کا وجود میلیبیوں کے راستے میں ایک چٹان تھا۔ وہ مسلمان امراء کو کئی بار شرمسار کر چکا تھا اور اس نے انہیں نہیں نشین کرانے کی سرتوڑ کوشش کی تھی کہ میلیبی انہیں اسلامی وحدت سے توڑ کر ٹپ کرتے جائیں گے مگر میلیبیوں کی مہیا کی ہوئی یورپی شراب، نوجوان لڑکیوں اور سونے کی اینٹوں میں اتنی قوت تھی، جس نے ان کے کان بند اور عقل سر بہر کر رکھی تھی۔ زنگی کی آواز جیسے پتھر دل سے ٹکرا کر واپس آجاتی تھی۔

وہ سب سے پہلے جاگیر دار اور نواب تھے، امیر اور حاکم تھے اور اس کے بعد اگر مذہب کی بات چل نکلے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ ان کا اگر دین تھا تو وہ ان کی ریاستیں اور جاگیریں تھیں۔ یہی ان کا ایمان تھا۔ وہ اسلامی

دوست کے قاتل نہیں تھے۔ جنگ کے سخت خلاف تھے کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ ملیبیوں کی جاگیروں پر قبضہ کر لیں گے۔ اس کے علاوہ ان کے دلوں میں یہ ڈر بھی تھا کہ ان کی رعایا نے اپنے دشمن کو پہچان لیا تو اس میں روحانی بیلیری اور قومی وقار بیدار ہو جائے گا، پھر رعایا ان کی قوتابی کے لیے خطرہ بن جائے گی۔ حقیقت یہ تھی کہ رعایا ان کے لیے مستقل خطرہ تھی۔ لوگوں میں قومی وقار موجود تھا۔ زندگی کی فوج انہی لوگوں کی فوج تھی۔ اس کے مجاہدوں نے دس گنا دشمن کا مقابلہ بھی کیا تھا۔ یہ جذبہ کار شہد تھا۔ امراء کو یہ جذبہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لہذا وہ زندگی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے اور صلاح الدین ایوبی کو تو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اب زندگی فوت ہو گیا تو وہ خوش تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس قوم میں اب کوئی زندگی نہیں رہا اور جہاد بھی زندگی کے ساتھ جی دن ہو جائے گا۔ زندگی دن ہو گیا۔ ملیبیوں پر مسلمانوں کی جو دہشت ماری تھی وہ ختم ہو گئی۔ ان کے دل میں اب صلاح الدین ایوبی کا کٹارہ گھس گیا تھا جس کے متعلق اب وہ اتنے فکر مند نہیں تھے جتنے زندگی کی زندگی میں تھے۔ اب سلطان ایوبی اکیلہ رہ گیا تھا۔ اسے مدد اور کمک دینے والا زندگی مر گیا تھا۔ ملیبیوں کو اصل خوشی تو اس پر ہوئی کہ زندگی کے بعد سرکردہ امراء دہرا رہنے زندگی کے کسٹن بیٹے الملک الصالح کو گدے پر بٹھا دیا تھا جس کی عمر گیارہ سال تھی۔ یہ انتخاب ان امراء نے کیا تھا جو درپردہ ملیبیوں کے دوست تھے۔ اس طرح سلطانی کی گدی ملیبیوں کے ہاتھ آگئی تھی۔ ان امراء میں گشتیں نام کا ایک امیر جو دراصل قلعہ دار (قلعہ کا گورنر) تھا اور دوسرا سیف الدین والی موصل تھا۔ دمشق کا حاکم شمس الدین بن عبدالملک تھا۔ الجزیرہ اور فوجی علاقوں پر نور الدین زندگی کے جتنیے کار راج تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور جاگیر دار تھے۔ ان سب نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ وہ بظاہر خلافت کے ماتحت تھے لیکن عملاً آزاد ہو گئے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت مسرور تھے مگر محسوس نہ کر سکے کہ وہ ذروں کی طرح بکھر کر ملیبیوں کا آسان شکار بن گئے ہیں۔

زندگی کی وفات سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا اسے زندگی کی بیوی نے محسوس کیا۔ سلطان ایوبی نے محسوس کیا اور ان لوگوں نے محسوس کیا جن کے دلوں میں اسلام کی عظمت زندہ تھی۔

✽

اس حادثے کو بہت دن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹھل رہا تھا۔ کمرے میں مصطفیٰ جو درت ہم کا ایک اعلیٰ فوجی افسر بیٹھا بول رہا تھا۔ مصطفیٰ ترک تھا۔ وہ نور الدین زندگی کی فوج میں منصبیوں کا کمانڈر تھا۔ زندگی کی وفات کے بعد اس نے عالم اسلام میں جو تباہ کن انقلاب دیکھا اس نے اسے تڑپا دیا۔ اس نے یہ کہہ کر لمبی چٹائی سے لی کہ اسے ترکی گئے کئی سال گزر گئے ہیں لہذا وہ ترکی اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ وہ دمشق سے روانہ ہوا، تاہم پہنچ گیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ مصطفیٰ ان فوجی افسروں میں سے تھا جو فسرک اور مسلمان زیادہ ہوتے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ زندگی کے بعد صرف سلطان ایوبی ہے جو عظمت اسلام کی پاسبانی کر سکتا ہے اور کسے گا۔ اسے ڈر تھا کہ سلطان ایوبی کو اس طرف کے حالات کا علم نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ سلطان ایوبی کو وہاں کے حالات سنا رہا تھا۔

..... اور فوج کس مال میں ہے؟“ سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

”محترم زندگی مرحوم نے فوج میں جو جذبہ پیدا کیا تھا وہ زندہ ہے۔“ مصطفیٰ نے جواب دیا۔ ”مگر یہ جذبہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ملیبیوں کے سیلاب کو صرف فوج نے روک رکھا ہے۔ محترم زندگی مرحوم کی زندگی میں عملاً فوج حکومت کر رہی تھی۔ جنگی منصوبے اور فیصلے فوج کے ہاتھ میں تھے، لیکن یہ اقدام خلافت کے احکام کے خلاف تھا۔ اب ہم خلافت کے پابند ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ اگر خلیفہ کوئی جنگی منصوبہ بنائے گا ہی نہیں تو فوج کیا کرے گی؟ ملیبی جانتے ہیں کہ مسلمان امراء میں وہ غیرت ہی نہیں جو قومی عظمت کی خاطر لڑائی اور مروتی ہے اور لوگ ہمیں قربان کرتے ہیں۔ ملیبیوں نے امراء کی غیرت ختم کر لی ہے اور اب وہ سالاروں کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی تنہی سرگرمیاں فوج میں بھی اور قوم میں بھی شروع ہو گئی ہیں۔ اگر یہ عمل جلدی نہ روکا گیا تو ملیبی فوجی حملے کے بغیر ہی سلطنت اسلامیہ کے مالک بن جائیں گے۔ سلطنت اسلامیہ جاگیروں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ امراء کو اب راہ راست پر نہیں لایا جاسکتا۔ وہ ملیبیوں کی شراب میں ڈوب گئے ہیں۔ انہوں نے دہاں لوگوں کی فوج اتار دی ہے۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لوگ امراء کے دموں میں رہتی ہیں۔ ان کے کہنے پر جشن منائے جاتے ہیں جن میں سرکردہ فوجی افسروں کو مدعو کر کے یہ لڑکیاں انہیں بے حیائی سے اپنے جال میں پھانس رہی ہیں۔“

اور اس کے بعد میں جانتا ہوں کیا ہوگا۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”فوجیوں کو نشے اور بیکاری کا عادی بنایا جائے گا۔“

”بنایا جا رہا ہے۔“ مصطفیٰ نے کہا۔ ”خشیشیں بھی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اب بول ہوگا کہ جو سالار یا نائب سالار ملیبیوں کی دشمنی دل سے نہیں نکالے گا اور جہاد کا قابل رہے گا اسے خشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کے ہاتھوں پر اسرار طریقے سے قتل کر دیا جائے گا۔“

مصطفیٰ نے سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا کہ کون سا امیر کیا کر رہا ہے۔ اس تفصیل کا لب لباب یہ تھی۔ کہ امراء جہاں خود مختار ہو گئے تھے، وہاں انہوں نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ملیبی اس اتفاق اور جھگڑا کو ہوا دے رہے تھے۔

”آپ نے اچھا کیا ہے جو مجھے دہاں کے حالات بتائے آگئے ہیں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”اگر آپ آتے تو مجھے ان تفصیلات کا علم نہ ہوتا، البتہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ گیارہ سال کے بچے کو سلطان بنا کر وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

”اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔ ”اگر آپ نے فوری کارروائی نہ کی تو مجھ لیں کہ سلطنت اسلامیہ کا سوچ ڈوب گیا ہے۔ آپ کی کارروائی صرف جنگی ہوئی چاہیے۔“

”یہ دن بھی مجھے دیکھنا تھا کہ میں بجائیوں کے خلاف جنگی کارروائی کی سوچوں گا۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد غلامانہ تاریخ میں یہ نہ لکھ دیں کہ صلاح الدین ایوبی غلام

جنگی کا جویم تھا۔
 "اگر آپ اس دُور سے ناہر میں بیٹھے رہے تو تاریخ آپ پر یہ شرمناک الزام عائد کرے گی کہ نور الدین زنگی مر گیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھی دم نکل گیا تھا۔ اس نے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے سلطنت اسلامیہ کو قربان کر دیا تھا۔"

"ہاں!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ الزام زیادہ شرمناک ہوگا۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں مصلحت! اگر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہوں تو میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ میرے گھوڑے تلے کون رہتا جاتا ہے۔ میری ناک وہ کھڑکھڑ سے بہتر ہے جو کافر کو دوست سمجھتا ہے۔... آپ واپس چلے جائیں۔ میں نے علی بن میان کو وہاں بھیج رکھا ہے لیکن یاد رکھنا کہ وہ باسوسوں کے ہمیں میں گیا ہے۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں ہوئے گا کہ علی بن سفیان ان کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور بارہا سے رہا ہے کہ وہاں کس قسم کی کارروائی کی ضرورت ہے۔ آپ با کریم دیکھیں کہ کون کون سا سالار مشکوک ہے۔ علی بن سفیان کے ساتھ بہت سے آدمی گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں وہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تمام اُمراء کی طرف اس پیغام کے ساتھ اپنی بھیج دی ہے کہ اُمراء ان حالات میں جب کہ ملیں ان کے سر پر بیٹھے ہیں ایک نادر پروردہ بند ہو جائیں اور آپس کے اختلافات مٹانے کی کوشش کریں۔ مجھے اُمید نہیں کہ وہ پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے لیکن میں انہیں مرنے ایک بار بتا دینا چاہتا ہوں کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ انہوں نے میرے کبے پر حملہ کرنا تو میں کیا کروں گا۔"

مصلحتی جوہر کو رخصت کر کے سلطان ایوبی نے اپنے دربار کو چند ایک سالاروں اور انتظامیہ کے حکام کے نام لے کر کہا کہ انہیں بہت جلدی اس کے پاس بھیجا جائے۔ یہ اس کی بانی گماندہ تھی جسے اس نے بلایا تھا۔

۲۷۴

قاسم بن ہباز الدین شہداد جو صلاح الدین ایوبی کا دست راست اور ہمارے دوست تھا اور جو اس کی مجلس مشاورت میں اعلیٰ رتبہ اور مقام رکھتا تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ "صلاح الدین ایوبی کو نہانے فولاد کے اسباب ہذا کیے تھے۔ اُس نے اپنی شخصیت اور کردار کو اس قدر مضبوط بنا رکھا تھا کہ پہاڑوں جیسے صدمے ہنس کھیل کر برداشت کر لیتا تھا۔ عزم کا مندی اور مستقل مزاج تھا۔ امیر ہو یا غلام وہ ہر کسی کا کیساں احترام کرتا تھا۔ البتہ کسی کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا تو مروت بھاری اور شجاعت کی بنا سمجھتا تھا۔ اُس کے قریب رہنے والے اس سے دو طرح کا تاثر لیتے تھے۔ ایک رعب کا دوسرا محبت کا۔ اُس کے سپاہی جب میدان جنگ میں اُسے دیکھتے تھے تو دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک بار یوں ہوا کہ ایک خادم نے دوسرے خادم پر چوڑا آواز کر چھپکا۔ صلاح الدین ایوبی کمرے سے نکل رہا تھا جو تا اسے ہانگا۔ دونوں خادم تھرتھرتھار کانپنے لگے لیکن صلاح الدین ایوبی نے دونوں طرف سے منہ پھیر لیا اور آگے نکل گیا۔ یہ کردار کی عظمت کا مظاہرہ تھا۔ دوست تو دوست، دشمن اُس کے سامنے آتے تو اُس کے مرید بن جاتے تھے۔۔۔۔۔"

"نور الدین زنگی کی موت نے سلطنت اسلامیہ کو تاریخ کے سب سے بڑے خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس خطرے کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا کہ اپنے ہی امیر اور وزیر ملیبیوں کے دوست اور اسلام کے دشمن ہو گئے تھے۔ مصر کے اندرونی حالات ابھی پوری طرح نہیں سمجھلے تھے۔ صلاح الدین ایوبی مصر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایسے حالات میں وہ یہی کر سکتا تھا کہ سلطنت اسلامیہ کے دفاع کا ارادہ دل سے نکال دے اور مصر کے دفاع کو مضبوط رکھے، لیکن میرا یہ دوست ذرہ بھر نہ گھبرایا۔ اس ضمن میں میرے ساتھ بات کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "اگر میں اسلام کی پاسبانی سے دستبردار ہو جاؤں تو روزِ قیامت ملیبیوں کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا۔ اسلام کی پاسبانی اور فرسوغ کو وہ فرمان خداوندی سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو کبھی ماک یا مکران نہیں سمجھا۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی نوجوانی بھی یاد ہے جب وہ پوری طرح عیش و عشرت میں ڈوب گیا تھا۔ وہ شراب بھی پیتا اور رقص و سرود کا دلدادہ تھا۔ موسیقی اور رقص کی باریکیوں اور گھڑائیوں کو سمجھتا اور نسوانی حسن کو دل کھول کر خراج تحسین پیش کرتا اور تعیش کے لیے حسین ترین لڑکی کا انتخاب کرتا تھا۔ کبھی کسی کے دم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ یہ نوجوان چند ہی سال بعد اسلام کا سب سے بڑا علمبردار اور اسلام کے دشمنوں کے لیے برفی اور لوفنان بن جائے گا۔ اپنے چچا کے ساتھ وہ ملیبیوں کے خلاف پہلے ہی مصر کے لیے گیا تو اُس نے سب کو حیران کر دیا اور جب وہ اس مصر کے سے واپس آیا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ عیش و عشرت پر لعنت بھیجی اور اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی۔ اُس نے قوم کو اور اپنی فوج کو یہ نعرہ دیا کہ سلطنت اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔۔۔۔۔"

"اُسے اس بدلی ہوئی کیفیت میں دیکھتے دے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ کبھی عیاش بھی ہو کر رہا تھا۔ کردار کی بھندری اور پتلی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کو مار دیا جائے۔ یہ پتلی صلاح الدین ایوبی کے کردار میں تھی۔ دوستوں کی مغللوں میں وہ کہا کرتا تھا۔ "مجھے کافروں نے مسلمان بنایا ہے۔ اگر ہم اپنے ان نوجوانوں کو جو مذہب سے منحرف ہو گئے ہیں کافر کی ذہنیت دکھادیں تو وہ راہِ راست پر آجائیں گے۔ دشمن کے ساتھ ہمیں ہمارے جو سبق دیئے جا رہے ہیں وہ انہیں قومی وقار سے محروم کر رہے ہیں۔ میں اپنی قوم کو اپنے رسول کی یہ حدیث یاد کرانا چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو بان لو کہ تم کون ہو اور کیا ہو، اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لو کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے اور تمہارے متعلق وہ کیا ارادے رکھتا ہے۔" اُس کے کردار کا رخ دشمن نے ہی بدلا تھا۔۔۔۔۔ صلاح الدین ایوبی اپنے مقصد اور عزم میں اس حد تک مگن رہا کہ اُس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ عالم اسلام کا سب سے بڑا قاتل ہے، مصر کا ماکم کل ہے اور فنِ حرب و ضرب کا ایسا استاد کہ ملیبیوں کے گماندہ متحد ہو کر بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ اس کی مالی حالت یہ تھی کہ وہ حج نہیں کر سکا۔ جہاد نے اسے ہمت نہ دی۔ آخری عمر میں اس کی سبھی ایک خواہش رہ گئی تھی کہ حج پر جائے مگر اب اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ وہ جب فوت ہوا تو اس کی ذاتی متاع مرنے سننا ایس درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کی جائیداد مرنے ایک مکان تھا جو اُس کے باپ دادا کا تھا۔"

یہ اُس کے کردار کی پتلی کا حیران کن مظاہرہ تھا کہ اُس نے جب اپنے سالاروں وغیرہ کو کافر نفس کے

”یہ تماشا ہے میں دکھانا ہی پڑے گا سلطان محترم!“ ایک سالار نے کہا۔ ”اگر اپنے بھائیوں پر الغاء کا اثر نہ ہو تو تلواری استعمال کرنی ہی پڑے گی۔ ہم میں سے کوئی بھی خلافت کی گدی کا خواہشمند نہیں۔ ہم جو کچھ کریں گے اسلام کی خاطر کریں گے۔ وفا کی مفاد کی خاطر نہیں۔“

کس خلیفہ نے امپریوں کو یہی حکم دیا اور کہا۔ "صلاح الدین الیوبی سے کہنا کہ وہ ہمارے حکم کا انظار کرے۔ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ اسلامی وحدت ضروری ہے یا نہیں۔"

"صلاح الدین الیوبی کے پاس جو فوج ہے اس میں زندگی مرہوم کے بھیجے ہوئے بہت سے دستے ہیں۔ ایک امیر نے خلیفہ سے کہا۔ "اُسے حکم بھیجا جائے کہ وہ دستے واپس بھیج دے۔ اُسے اپنی مرضی سے فوج کے استعمال کی اجازت نہیں ملنی چاہیے۔"

”اُسے کہنا کہ وہ دستے، سوار اور پیادہ، جو اُسے خلافت کی طرف سے دے دیئے گئے تھے وہ وہاں پر کر دے۔“ خلیفہ نے کہا۔ ”اور تم لوگ اب جا سکتے ہو۔“

”اور ایوبی سے کہنا کہ آئندہ خلیفہ کو اس قسم کے پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کرے۔“ ایک اور امیر نے کہا۔

ایلمپعیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ دوسرے اُمراء کے پاس گئے۔ سب نے پیغام کا مذاق اڑایا۔ ایبش

”میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔“ سلطان الیقوبی نے جواب دیا۔ ”کل پرسوں تک میرے وہ ایلچی واپس آجائیں گے جنہیں میں نے امراء کی طرف بھیج رکھا ہے۔ اگر مجھے جنگی کارروائی کا فیصلہ کرنا پڑا، تو گریز نہیں کروں گا۔“

”آپ مفر کو خود مختار مملکت قرار دے دیں۔ ایک حاکم نے کہا۔“ ہم گیارہ سال کے بچے کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے۔“

”تو کیا تم سب مجھے سلطانِ مقرر تسلیم کرو گے؟“ صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔
 تمام حاضرین نے بیک زبان کہا کہ وہ اُسے سلطانِ مقرر تسلیم کرتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اُسی وقت
 خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مصر کو آزاد مملکت قرار دے دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسے اُسی وقت قانون
 کے مطابق سلطان کا خطاب مل گیا۔
 ”میں اُمّتِ رسول اللہؐ کا نہیں میدانِ جنگ کا بادشاہ ہوں۔“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”تم نے دیکھا ہے۔“

نے سلطان الیوبی کے خلاف توہین آمیز الفاظ بھی کہے۔ انہی واپس آگئے۔ سلطان الیوبی کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی جیسے اسے ایسے ہی جوب کی توقع تھی۔ اسے دراصل علی بن سفیان کا انتظار تھا جسے اس نے خفیہ دمشق بھیج رکھا تھا۔ فوجی جاسوسی اور سرگرمی کا یہ ماہر اپنے ساتھ کم و بیش ایک سو ستر کا جاسوس لے کر دمشق گیا تھا۔ یہ لوگ تاجروں کے خانے کی صورت میں تاجروں کے گھروں میں گئے تھے۔ سلطان الیوبی کو ان کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ نور الدین زنگی کی وفات کی اطلاع کے فوراً بعد سلطان الیوبی کو یہ اطلاع ملی کہ امیروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھیجنے والا کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا بلکہ نور الدین زنگی کی بیوی تھی، جو اس نے خفیہ طور پر اپنا ایک قاصد قاہرہ کی طرف دودھ دیا تھا۔ اس نے سلطان الیوبی کو دی حالت بتاتے جو زنگی کی وفات کے بعد وہاں پیدا ہو گئے تھے۔

اس نے سلطان الیوبی کو کھلا بھیجا تھا۔ اب اسلام کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے میرے کس بیٹے کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں کیونکہ میں خلیفہ کی ماں ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں خوش قسمت ماں ہوں مگر میرا دل خون کے آنسو دھو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا گیا بلکہ مجھ سے بیٹا چھین لیا گیا ہے۔ سیف الدین امیر موصل نے اور دوسرے تمام امیروں نے میرے بیٹے کے گرد گھیر ڈال لیا ہے۔ میرے خاندان کے بھتیجوں نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر ان امیروں کا آپس میں اتحاد ہوتا تو میں اتنی پریشان نہ ہوتا۔ یہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو قتل کر دوں لیکن اس کے نتائج سے ڈرتی ہوں۔ آپ آجائیں۔ یہ آپ بتر سمجھتے ہیں کہ آپ کس طرح آئیں گے اور کیا کریں گے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس طرف توجہ نہ دی یا وقت ضائع کیا تو قبلہ اول پر تو صلیبی قابض ہیں ہی، خاندان کعبہ پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ کیا ان لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا جنہوں نے زنگی کی اور آپ کی قیادت میں ہمارے قربان کی ہیں؟ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے زہر پر زکریا نہیں کہتی؟ میں اس کا جواب دے چکی ہوں۔ امرہ نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ مرت ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ وہ میرا بیٹا لگتا ہی نہیں تھا۔ اسے شاید شیش پلائی گئی تھی۔ وہ بھول چکا ہے کہ میں اس کی ماں ہوں۔۔۔۔۔ بھائی صلاح الدین! جلدی آؤ۔ دمشق کے لوگ آپ کا استقبال کریں گے۔ مجھے اسی قاصد کی زبانی جواب دیں کہ آپ کیا کریں گے یا کچھ بھی نہیں کریں گے؟

سلطان الیوبی نے قاصد کو اسی وقت بھیج دیا تھا۔ اس نے زنگی کی بیوہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ بڑا سنگین اقدام کرے گا لیکن سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے گا۔ قاصد کو واپس بھیجنے کے فوراً بعد سلطان الیوبی نے علی بن سفیان کو دمشق، موصل، حلب، یمن اور تمام تر اسلامی علاقوں میں جا کر وہاں کا جائزہ لینے کے لیے کہا۔ یہ کوئی سرکاری نوعیت کا دورہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان کو جاسوسوں کے انداز سے بہروپ میں وہاں جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ معلوم کرے کہ مسلمان امراء جو خود مختاری کا اعلان کر چکے ہیں کیا ان سے رکھتے ہیں، صلیبیوں کے ساتھ ان کا رابطہ ہے یا نہیں، خلیفہ کی فوج کا رجحان کیا ہے، کیا اس فوج کو خلیفہ کے ایسے احکام کی خلاف ورزی کے لیے

تیار کیا جاسکتا ہے جو اسلام کے لیے نقصان دہ اور دشمن کے لیے سودمند ہوں؟ اور علی بن سفیان کو یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ ان علاقوں کے عوام کے جذبات اور نظریات کیا ہیں، اور کیا دہلی بھی خلیفہ کے ساتھ مل گئے ہیں؟ یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ سلطان الیوبی دمشق یا کسی اور مسلمان علاقے پر فوج کشی کرے تو وہاں کے عوام کا رد عمل کیا ہوگا۔ سلطان الیوبی کی کامیابی کا اندازہ یہی تھا کہ وہ اندھیرے میں نہیں چلنا تھا۔ اسے جہاں جانا ہوتا، اپنے جاسوسی کے نظام کے ذریعے وہاں کے احوال و کوائف، دشواریوں اور خطروں کا جائزہ لے لیتا تھا۔ جیسا کہ پہلی کہانیوں میں بتایا جا چکا ہے کہ اس کا جاسوسی کا نظام بہت تیز اور ہوشیار تھا۔ اس کے جاسوس جہاں اداکاری اور بہروپ دھارنے کی مہارت رکھتے تھے وہاں وہ ماہر چھاپہ مار (گوریلے اور کامنڈو) بھی تھے۔ اسی لیے انہیں لڑاکا جاسوس کہا جاتا تھا۔ وہ بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے بھی ماہر تھے۔ علی بن سفیان کو خود نے جاسوسی اور سرگرمی کا وصف پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا تھا۔ اب زنگی کی وفات کے بعد اسلامی ممالک کے حالات مندش ہو گئے اور صلیبی خطرہ سرخ آگیا تو اسے سلطان الیوبی کے اس حکم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ ان جیسے ہوئے حالات کا جائزہ لینا ہے اور یہ جائزہ کس طرح لینا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین الیوبی اس کی لائی ہوئی پورٹ کے مطابق کوئی کارروائی کرے گا اور یہ کارروائی بقائے اسلام کے لیے بے حد ضروری ہوگی۔

✽

یہاں ہم کہانی کو کچھ دن پیچھے لے جاتے ہیں۔ جب علی بن سفیان قاہرہ سے روانہ ہوا تھا، اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے لڑاکا جاسوسوں میں سے کم و بیش ایک سو افراد کو منتخب کیا۔ انہیں مشن بتایا اور کہا کہ اسلام کی آبرو ان سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے اور اس مشن میں انہیں اپنی مہارت کا پورا پورا استعمال کرنا ہے۔ ان ایک سو آدمیوں کو تاجروں کا لباس پہنایا گیا۔ علی بن سفیان مصنوعی داڑھی کے ساتھ قافلے کا سرور ہوا۔ انہوں نے اونٹوں پر مختلف اقسام کا سامان لاد لیا جو انہیں دمشق وغیرہ کی منڈیوں میں بیچنا اور اس کے بدلے وہاں سے سامان لانا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ تجارتی سامان میں اس پارٹی نے تمواروں اور برہمیوں جیسے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ اس میں تنش گیر مادہ بھی تھا اور آگ لگانے کا دیگر سامان بھی۔ یہ قافلہ رات کے وقت قاہرہ سے روانہ ہوا اور طلوع سحر تک بہت دیر تک گیا۔

کچھ دیر آرام کر کے قافلہ پھر روانہ ہوا۔ علی بن سفیان بہت جلدی منزل پر پہنچا پاتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو بھی اس نے قافلے کو نہ روکا۔ رات خامی گونہ کی تھی جب ایک بڑی موزوں جگہ آگئی۔ یہ سرسبز خطہ تھا اور وہاں پانی نیچے پٹنائیں بھی تھیں۔ غلہ بے حد وہاں پانی بھی تھا۔ قافلہ آرام اندہ پانی کے لیے رک گیا۔ یہ لوگ تاجر نہیں فوجی تھے۔ ان کی ہر حرکت میں ڈسپلن تھا، احتیاط تھی اور ٹریننگ کے مطابق وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی ایسے تربیت یافتہ تھے کہ انسانوں کی طرح خاموش تھے۔ علی بن سفیان نے چٹانوں اور ٹیلے کے اندر جانے کی بجائے باہر ہی پڑاؤ کیا۔ فوجی دستوں کے مطابق دو آدمیوں کو پانی کی تلاش کے لیے بھیجا گیا۔ سب نے ہتھیار نکال لیے تھے کیونکہ ان دنوں سفر میں دو خطرے تھے۔ ایک خطرہ محرماتی ڈاکوؤں کا تھا اور دوسرا

میلیبیوں کے چہرے پر دستوں کا۔ ان کے یہ دستے دھاسل ڈاکو ہی تھے جو مسلمانوں کے قانون کو لوٹتے پھرتے تھے۔

دواوی اس خطے کے اندر چلے گئے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ یہاں دشمن کے چہرے ماروں یا گشتی دستوں نے قیام نہ کر رکھا ہو۔ کچھ دور اندر گئے تو کمبیں روشنی کا دھوکہ سا ہوا۔ وہ آگے گئے اور ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انہیں بڑی اچھی جگہ نظر آئی جو میلانی سی تھی۔ وہاں پانی بھی تھا۔ ہریالی بھی تھی اور کھجور کے درخت بھی تھے۔ وہاں دو شعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں انہیں چھ سات آدمی اور چار لڑکیاں نظر آئیں۔ بہت خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے آگ بھی جلا رکھی تھی جس پر وہ گوشت بھون رہے تھے اور پالوں میں وہ کچھ پی رہے تھے جو شراب ہی ہو سکتی تھی۔ ذرا پر سے گھوڑے اور تین چار اونٹ بندھے تھے۔ بہت سارا سامان بھی ایک طرف پڑا تھا۔ علی بن سفیان کے دونوں آدمی چھپ کر قریب چلے گئے۔ رات کے سکوت میں ان لوگوں کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان کا ہنسی مذاق بتا رہا تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں۔ لڑکیاں بے حیائی کی حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔ ان دونوں آدمیوں نے انہیں نظر انداز نہ کیا۔ واپس آکر علی بن سفیان کو بتایا۔

علی بن سفیان گیا اور چھپ کر قریب سے دیکھا۔ ان آدمیوں اور لڑکیوں کی زبان کچھ اور تھی جو علی بن سفیان سمجھتا تھا۔ وہ عیسائی تھے۔ علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے پاس چلا جائے اور معلوم کرے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یا ان کی نقل و حرکت دیکھتا رہے۔ اُس کے ساتھ ایک سولڈا کا جاسوس تھے۔ اُسے ان چھ سات آدمیوں اور چار لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن وہ انہیں سرغریب سمجھتا تھا۔ اُسے شک ہو گیا تھا کہ یہ میلیبی جاسوس اور خراب کار ہیں اور کسی اسلامی مملکت میں جا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ اُس کے مطلب کے لوگ تھے۔ وہ اندر زیادہ قریب ہونے کے لیے ٹیلے کے اوپر اوپر سرکنا ہوا آگے گیا تو ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہاں ٹیلے ختم ہو جاتا تھا۔ اُسے اپنے بالکل نیچے دواوی نظر آئے جن کے منہ اندر سیاہ کپڑوں میں پٹے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے ان آدمیوں اور لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بلا شک، شبہ و گمانی ڈاکو تھے اور ان کی نظر لڑکیوں پر تھی۔ یہ دونوں نقاب پوش پیچھے ہٹ آئے۔ انہوں نے آپس میں جس زبان میں باتیں کیں وہ علی بن سفیان کی مادری زبان تھی۔

”ان کے پاس ہتھیار ہیں“ ایک ڈاکو نے کہا۔

”ہاں“ دوسرے نے کہا۔ ”میں نے دیکھ لیا ہے۔ ان کی تلواریں سیدھی ہیں۔ یہ عیسائی ہیں۔“

”یہ نام قسم کے مسافر معلوم نہیں ہوتے۔“

”انہیں سو جانے دو۔ سب کو بلا لیتے ہیں۔“

”ہم آٹھ آدمی انہیں سوتے ہیں ہی پکڑ سکتے ہیں۔“

”پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آدمیوں کو سوتے میں ختم کر دیں گے اور لڑکیوں کو گھوڑوں پر ڈال

لیں گے۔“

وہ دونوں اپنے ساتھیوں کو بلانے کے لیے چل پڑے۔ علی بن سفیان نے چھپ چھپ کر اُن کا تعاقب کیا۔ وہ کسی اور راستے سے باہر نکل گئے۔ وہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ علی بن سفیان کا قافلہ ایسی طرف قیام کیے ہوئے تھا جو دریا کو نہیں گئے تھے۔ علی بن سفیان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کو خبردار کر دے یا انہیں اپنے تلکے میں لے جائے۔ گہری سوچ بچار کے بعد اُس نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ اپنے آدمیوں میں واپس آیا۔ بیس بائیس آدمیوں کو برہنہ کی حالت میں لے کر اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں موزوں جگہوں پر تیار کھڑا کر دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ خود بھی چوکس اور ہوشیار رہا اور ادھر ادھر گھومتا پھرتا رہا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ ڈاکو کس وقت آئیں گے۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکیاں اور ان کے ساتھ کے آدمی سو گئے ہیں بہت ایک آدمی برہنہ کی حالت میں لیے ٹھٹھار رہا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ تربیت یافتہ ہیں۔ اس آدمی کا منہ نے سنتری کھرا کیا تھا۔ شعلیں جلتی رہیں۔

☆

سحر ہو چکی تھی جب ٹیلیوں کے اندر گھوڑوں کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ سب ہوشیار ہو گئے۔ لڑکیوں کا سنتری بل گیا تھا۔ اب دوسرا آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ ڈاکو ٹیلیوں کے درمیان تھے اور علی بن سفیان اور اس کے آدمی ٹیلیوں کے اوپر۔ بخوڑی ہی دیر بعد آٹھ نوڈا کو اُس جگہ داخل ہوئے جہاں ان کا شکار سوا ہوا تھا۔ سنتری گھبرا گیا۔ اُس نے جلدی سے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ ڈاکوؤں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیا اور گھوڑوں سے کود آئے۔ لڑکیوں کے ساتھ کے آدمی جاگ اٹھے مگر ڈاکوؤں نے انہیں ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہ دی۔ ایک نے لاکار کر کہا۔ ”اپنا سامان اور لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو اور اپنی جانیں بچاؤ۔“ اُس نے لڑکیوں سے کہا۔ ”تم اس طرف آ جاؤ، ماری جاؤ گی۔“ دو ڈاکوؤں نے انہیں دھکیل کر ایک طرف کر دیا۔ ان کے آدمی ہتھے تھے۔ پھر بھی دو نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ واقعی تربیت یافتہ تھے۔ بے مگر ہی سے لڑے۔ علی بن سفیان کی آواز پر جو اُس نے پہلے مقرر کر رکھی تھی، اُس کے آدمی متقابلوں کی طرح ٹیلیوں سے اترے اور ڈاکو ابھی سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ ایک ایک برہنہ ایک ایک ڈاکو کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لڑکیوں کے ساتھ کے دواوی مارے جا چکے تھے جس کا علی بن سفیان کو کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ غالباً یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک دواویوں کا خون بہائے تاکہ دوسروں پر، خصوصاً لڑکیوں پر، دہشت طاری ہو جائے۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو ٹیلیوں پر چڑھایا اور ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ لڑکیاں بہت ہی ڈری ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے دو لاشیں اپنے ساتھیوں کی اور دو لاشیں ڈاکوؤں کی پڑی تھیں۔ علی بن سفیان نے اُن کی زبان میں ان آدمیوں اور لڑکیوں سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ لوگ اُس کے اس قدر ممنون تھے جیسے اس کے مرنے بن گئے ہوں۔ اُس نے انہیں موت

کے منہ سے نکالا تھا۔ ان سے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تو علی بن سفیان مسکرایا اور بولا۔ ”اگر تم لوگ مجھ سے یہ سوال پوچھتے تو میں بھی ایسا ہی غلط جواب دیتا۔ میں تمہاری تعریف کروں گا کہ اتنی خوفزدگی میں بھی تم نے اپنا پردہ نہیں اٹھایا۔“

”تم کہاں سے آئے ہو؟“ ایک نے اس سے پوچھا۔ ”اور کہاں جا رہے ہو؟“

”جہاں سے تم آئے ہو۔“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ”اور وہیں جا رہا ہوں جہاں تم جا رہے ہو۔“

ہمارے کام مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے۔“

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ حیران سے ہوئے اور علی سفیان کو دیکھنے لگے۔ وہ مسکرایا تھا۔ اس نے کہا۔ ”کیا تم نے دیکھا تھا کہ میں نے کیسی چال سے ان ڈاکوؤں کو ختم کر دیا ہے؟ کیا کوئی مسافر بالکل محفوظ ایسی چال مل سکتا ہے؟ کیا یہ ایک تربیت یافتہ کمانڈر کی استادی نہیں جو میں نے دکھائی ہے؟“

”تم مسلمان فوجی بھی ہو سکتے ہو۔“

”میں صلیب کا سپاہی ہوں۔“ علی بن سفیان نے جواب دیا۔

”کیا تم اپنی صلیب دکھا سکتے ہو؟“

”کیا تم اپنی اپنی صلیب مجھے دکھا سکتے ہو؟“ علی بن سفیان نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھ کر

کہا۔ ”تم نہیں دکھا سکتے۔ تمہارے پاس صلیبیں نہیں ہیں کیونکہ جس کام کے لیے تم جا رہے ہو اس میں صلیبیں ساتھ نہیں رکھی جاسکتی۔ میں تم سے تمہارے نام نہیں پوچھوں گا۔ اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا۔ اپنا کام بھی نہیں بتاؤں گا۔ صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں اور ہم میں سے معلوم نہیں کون کون اپنے وطن کو واپس لوٹ سکے گا۔ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ خداوند یسوع مسیح نے جس طرح مجھے اور میرے آدمیوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے یہ نشانی ہے کہ تم صحیح راستے پر ہو اور تم کامیاب ہو گے۔“

نورالدین زنگی کی موت اس حقیقت کی نشانی ہے کہ دنیا پر صلیب کی حکومت ہوگی۔ مسلمانوں کا کون سا امیر رہ گیا ہے جو ہمارے حال میں نہیں آگیا؟ میں تمہیں یہی نصیحت کروں گا کہ ثابت قدم رہنا۔“ اُس نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تمہارا کام سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ہے۔ خداوند یسوع مسیح تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ ہم جو مرد ہیں وہ اپنی جان دے کر دنیا کی مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ تمہاری کوئی جان نہیں لیتا۔ تم سے آبرو کی قربانی لی جاتی ہے اور یہی سب سے بڑی قربانی ہے۔“

علی بن سفیان استاد تھا۔ اُس کی زبان میں ایسا طلسم تھا کہ وہ سب دم بخود ہو گئے۔ غصہ ٹوٹی سی دیر میں اس نے ان سے کہلوا لیا کہ وہ صلیبی ہیں اور تخریب کاری کے لیے دمشق اور دیگر علاقوں میں جا رہے ہیں۔ وہ بھی تاجروں کے بھیس میں تھے۔ علی بن سفیان صلیبیوں کے نظامِ باسوسی کی خفیہ باتیں اور اصطلاحیں جانتا تھا۔ اُس وقت تک وہ بے شمار صلیبی جاسوس پکڑ کر ان سے اقبال جرم کروا چکا تھا۔ اس نے جب ان اصطلاحوں میں باتیں کیں تو لوگوں اور ان کے ساتھ کے آدمیوں کو نہ صرف یہ یقین ہو گیا کہ وہ صلیبی جاسوس ہے بلکہ وہ اُسے

جاسوسوں کا کمانڈر سمجھنے لگے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ ایک سو آدمی ہیں۔ ان میں لڑاکا جاسوس بھی ہیں اور فلاحی بھی جو دمشق وغیرہ میں اُن اعلیٰ افسروں کو قتل کرنے یا غائب کرنے جا رہے ہیں جو صلاح الدین ایتوبی کے مکتب فکر کے پیروکار ہیں۔ اُس نے انہیں بتایا کہ وہ لیے جسے سے معرکہ کام کر رہا تھا۔ اب اُسے ادھر بھیجا جا رہا ہے۔

اس گروہ نے علی بن سفیان کے سامنے اپنا پردہ اٹھا دیا اور ایک مشکل پیش کی۔ وہ یہ تھی کہ ان کا کمانڈر ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں پہلے بھی آچکا تھا جہاں وہ جا رہے تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد وہ اندھے ہو گئے تھے۔ انہیں ایک راہنما کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں تسلی دی کہ وہ اپنے مشن سے ہٹ کر ان کی راہنمائی کرے گا، وہ اسے اپنا مشن بتا دیں۔ انہوں نے بتا دیا۔ انہیں چند ایک سالاروں کے نام بتا کر کہا گیا تھا کہ ان تک تحفے پہنچانے ہیں اور لوگوں کو ضرورت کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ ایسے سالاروں اور امیروں تک رسائی حاصل کرنی ہے جو صلیبیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ انہیں صلیبیوں کا دوست بنانا ہے۔

”اس مرحلے میں اگر میرا اور تمہارا کام ایک ہو جاتا ہے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”مجھے ان سالاروں اور قائدین کو ختم کرنا ہے جو دل سے صلیب کی دشمنی نہیں نکال رہے۔۔۔ تم دمشق میں کہاں قیام کرو گے؟“

”تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تاجر بن کر جا رہے ہیں۔“ ایک نے جواب دیا۔ ”دمشق کے قریب جا کر یہ دیکھیں باپردہ مسلمان عورتیں بن جائیں گی۔ ہم سرائے میں قیام کریں گے۔ وہاں سے تاجروں کے گھس میں سالاروں وغیرہ تک جائیں گے۔“

☆

اگلی صبح علی بن سفیان کا قافلہ دمشق کی سمت جا رہا تھا۔ یہ صلیبی آدمی اور لڑکیاں بھی اس قافلے میں شامل ہو گئی تھیں۔ جانوروں میں ڈاکوؤں کے گھوڑوں کا امانہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں نے علی بن سفیان کو اپنا لیڈر بنالیا تھا۔ ان کی نظر میں وہ صلیبی تھا۔ اُس نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہ کریں کیونکہ ان میں مسلمان بھی ہیں جو بیشک فلاحی اور تخریب کاریں لیکن ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ راستے میں علی بن سفیان نے ان صلیبیوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں پوچھتا رہا۔ اسے کام کی بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔

اگلے روز قافلہ دمشق میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان کی ہدایت پر سرائے میں جانے کی بجائے قافلے نے ایک میدان میں خمیے گاڑ دیے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ باہر سے جب تاجروں کے قافلے آتے تھے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مال دکانوں میں جانے سے پہلے ہی قافلے سے ہی خرید لیا جائے۔ وہاں سے کم قیمت پر اشیاء مل جاتی تھیں۔ علی بن سفیان نے اعلان کیا کہ دس گھوڑے بھی بکاؤ ہیں۔ اس ہجوم میں دمشق کے تاجر اور دکاندار بھی تھے۔ دو چار گھنٹوں میں وہاں میل لگ گیا۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مال روکے رکھیں اور صلیبی فروخت نہ کریں۔ اتنا زیادہ ہجوم دیکھ کر اُس نے اپنے چند ایک زمین آدمیوں

سے کہا کہ وہ لوگوں میں گھل جاتی ہیں اور ان کے خیالات معلوم کریں۔ یہ آدمی اس کام کے ماہر تھے۔ وہ چنے آنا کر ہجوم میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے دو تین شہر میں چلے گئے۔

علی بن سفیان اور اس کے تمام آدمیوں نے مغرب کی نماز مختلف مسجدوں میں تقسیم ہو کر پڑھی۔ صلیبیوں کو وہ خیمہ گاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ مسجدوں میں انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قاہرہ سے آئے ہیں اور ناجر ہیں۔ لوگوں کے ساتھ گپ شپ کے انداز میں انہوں نے ان کے خیالات معلوم کر لیے۔ لوگوں کے خیالات اور جذبات امید افزا تھے۔ ان میں کچھ لوگ بھڑکے ہوئے بھی تھے۔ وہ نئے خلیفہ اور امراء کے خلاف باتیں کرتے تھے اور ان میں اور بھی حیثیت کے لوگ بھی تھے جو جانتے اور سمجھتے تھے کہ دنیا سے اسلام کو صلیب لگا رہی ہے اور اپنی خلافت عیاش امراء کے ہاتھ آگئی ہے۔ وہ بہت پریشان تھے اور کہتے تھے کہ زنگی کے بعد صرف صلاح الدین الیوتی ہے جو اسلام کا نام زندہ رکھ سکتا ہے۔

علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ یہ لوگ کیاں اور آدمی صلیبی ہیں اور ان پر بھی ظاہر کرتے رہیں کہ ہم سب صلیب کے مشن پر آئے ہیں۔ انہیں کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ آج رات آرام کریں اور اس کی ہدایت کا انتظار کریں۔ رات کو وہ ایک سالار توفیق جو آدمی کے گھر سلا گیا۔ وہ تاج محل کے عیس میں تھا اور مصنوعی ماسک لگا رکھی تھی۔ اس نے دیوان سے کہا کہ اندر اطلاع دو کہ قاہرہ سے آپ کا ایک دوست آ رہا ہے۔ دربار نے سنا اور اطلاع دی تو علی بن سفیان کو اندر بلا لیا گیا۔ توفیق جو آدمی سے پہچان نہ سکا۔ علی بن سفیان نے بات کی تو توفیق جو آدمی نے اسے پہچان لیا اور گھٹے لگا لیا۔ علی بن سفیان کو اس شخص پر بھروسہ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو توفیق جو آدمی بتا دیا کہ وہ کچھ صلیبی جاسوسوں اور دیکھوں کو بچاؤ لایا ہے اور اب یہ سوچنا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا جائے۔ اس سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کے اندرونی اور بیرونی حالات کیا ہیں؟“ علی بن سفیان نے اس سے پوچھا۔

توفیق جو آدمی نے ان تمام خبروں کی تصدیق کی جو قاہرہ پہنچی تھیں۔ اس نے کہا۔ ”علی بھائی، تم اسے غلام جنگی کہو گے لیکن صلیبی خطرے کو روکنے کے لیے صلاح الدین الیوتی کو خلافت کے خلاف فوج کشی کرنی پڑے گی۔“ اگر ہم قاہرہ سے فوج لائیں تو کیا یہاں کی فوج ہمارا مقابلہ کرے گی؟“ علی بن سفیان نے پوچھا۔

”تم لوگ حملے کے انداز سے نہ آؤ۔“ توفیق جو آدمی نے کہا۔ ”صلاح الدین الیوتی یہ ظاہر کریں کہ وہ خلیفہ سے ملے آئے ہیں اور خلیفہ کی تعلیم کے لیے فوج کے کچھ دستے ساتھ لائے ہیں۔ اگر امراء کی نیت ٹھیک ہوئی تو وہ استقبال کریں گے، دوسری صورت میں ان کا رد عمل سامنے آجائے گا۔ جہاں تک یہاں کی فوج کا تعلق ہے، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ فوج تمہارا مقابلہ نہیں کرے گی بلکہ تمہارا ساتھ دے گی، مگر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ تم جتنا وقت ضائع کرو گے یہ فوج اتنی تم سے دور ہوتی جائے گی۔ اس فوج کا وہ جذبہ مارنے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں جو اسلامی فوج کی اصل قوت ہے تم جانتے ہو علی بھائی، حکمران جو عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں تاکہ جنگ و جدل کا خطرہ ٹل جائے پھر وہ فوج

کو کمزور کرتے ہیں اور ایسے سالاروں کو منظور نظر نہ کرتے ہیں جو خلافتی احکام کی بجائے ان کی خواہشات کے تابع ہوں۔ وہ صلاح الدین الیوتی جیسے سالاروں کو پسند نہیں کرتے۔ یہ عمل یہاں شروع ہو چکا ہے۔ پہلے اعلیٰ درجوں کے چند ایک فوجی افسر اپنے جذبے اور ایمان سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ ابھی کچھ جیسے ایسے سالار بھی ہیں جو صلیبیوں کو کبھی دوست نہیں کہیں گے اور نور الدین زنگی کے جذبہ جہاد کو زندہ رکھیں گے مگر وہ اپنے طور پر خلافت کے احکام کے بغیر کیا کر سکتے ہیں؟“

”کیا میں سلطان الیوتی سے یہ کہہ دوں کہ یہاں کی فوج ہمارا ساتھ دے گی؟“ علی بن سفیان نے پوچھا۔ ”مزدور کہہ دو۔“ توفیق جو آدمی نے جواب دیا۔ ”البتہ خلیفہ کے محافظ دستے (باڈی گارڈز) اور امراء کے محافظ دستے تمہارے خلاف لڑیں گے۔ ان دستوں کی نفی کم نہیں اور ان میں چنے ہوئے سپاہی ہیں۔ جب سے زنگی فوت ہوئے ہیں ان دستوں کی خاطر معاملات پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہے۔ انہیں غالباً غارت جنگی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔“

”یہاں کے لوگوں میں مجھے جو قومی جذبہ نظر آیا ہے، اس سے مجھے توقع ہے کہ ہم یہاں آئے تو صلیب ہوں گے۔“ علی بن سفیان نے کہا۔

”قوم اتنی جلدی بے حس نہیں ہو سکتی۔“ توفیق جو آدمی نے کہا۔ ”جس قوم نے اپنے بیٹے شہید کر کے دیے، وہ دشمن کو کبھی نہیں بخشتی اور جس فوج نے دشمن سے دودھ ہاتھ کیے ہوں اسے اتنی جلدی ضرور نہیں کیا جاسکتا مگر حکمرانوں کے پاس ایسے ایسے ہتھکنڈے ہوتے ہیں جو قوم اور فوج کو مردہ کر دیا کرتے ہیں۔ اب قوم اور فوج میں نفاق پیدا کیا جا رہا ہے۔ قوم کی نظر میں فوج کو گرایا جا رہا ہے۔“

”میں محترم نور الدین زنگی کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”وہ خلیفہ کی والدہ بھی ہیں۔ انہوں نے سلطان الیوتی کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی آہ کو بچائیں۔... کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں بلا لیا جائے؟“

”کل ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔“ توفیق جو آدمی نے کہا۔ ”میں انہیں بلا سکتا ہوں۔ تمہارا نام سن کر وہ فوراً آجائیں گی۔“

توفیق جو آدمی نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا کہ خلیفہ کی والدہ کے ہاں جاؤ، میرا سلام کہنا اور ان کے کان میں کہنا کہ قاہرہ سے کوئی آیا ہے۔

☆

جب علی بن سفیان توفیق جو آدمی کے پاس میٹھا تھا اس وقت اس کی خیمہ گاہ میں رونق تھی۔ رات خاصی گرم گئی تھی۔ خریداروں کا ہجوم بہت دیر ہوئی جا چکا تھا۔ علی بن سفیان کے ایک سوا آدمیوں نے کہا سفر طے کیا تھا۔ وہ بازار سے واپس آ رہے تھے۔ انہیں ذبح کر کے وہ کھا رہے تھے اور منہ مذاق میں مصروف تھے۔ لوگ کیاں ایک میچے میں تھیں۔ صلیبی مرد علی بن سفیان کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے شراب نکال لی تاکہ

”کیوں؟“

”کیونکہ میں تم پر قبضہ کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر تمہیں میری باتیں بری لگیں تو اپنا خنجر میرے دل میں اتار دینا۔ میں تمہیں اتفاقیہ نہیں ملی تھی۔ میں نے تمہیں اٹھتے اور اُدھر آتے دیکھ لیا تھا۔ میں تمہارے راستے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سفر کے دوران میں تمہیں بڑی فوسے دیکھتی رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہم کسی اکٹھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم میرے دل میں اتر گئے ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے تمہیں شراب پیش کی تھی۔ خود نہیں پی تھی۔ میں شراب نہیں پیتی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پلاتے ہیں۔“

وہ چونک کر بولا۔ ”تم ان کافروں کے ساتھ کیسے آگئیں؟“

”بارہ سال سے ان کے ساتھ ہوں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں یروشلم کی رہنے والی ہوں۔ اس وقت میری عمر بارہ سال تھی جب مجھے باپ نے فروخت کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے خریدار عیسائی ہیں۔ انہوں نے مجھے اس کام کی ٹریننگ دی جس کے لیے میں یہاں آئی ہوں۔ میں دمشق اور بغداد کا نام سنا کرتی تھی اور یہ نام مجھے اچھے لگتے تھے۔ اس سرزمین پر قدم رکھا ہے تو اس کی ہواؤں نے میرے اندر میرا مذہب بیدار کر دیا ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کی تباہی کے لیے میں کوئی کام نہیں کر سکتی گی۔“ اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ”میرا دل دور رہا ہے۔ میری روح دور ہی ہے۔“ اُس نے اس آدمی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیے اور کہا۔ ”تم بھی مسلمان ہو۔ آؤ بھاگ چلیں۔ مجھے جہاں سے جاؤ گے چلوں گی۔ ریگستان میں لیے لیے پھرو گے تو خوشی سے تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم بھی اپنی قوم کو دھوکہ دینے سے باز آ جاؤ۔ ہمارے پاس سونے کے بہت سے سٹکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہاں پڑے ہیں۔ آسانی سے چورالوں کی۔“

علی بن سفیان کا یہ آدمی تھا تو عقل مند لیکن لڑکی کے جھانسنے میں لگ گیا۔ اُسے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی تھی۔ اسی لیے اس نے حشیش نہیں پی تھی۔ وہ حشیش کی بُرے واقف تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ اور اس کی پارٹی یہاں کیا کرتے آئی ہے، لڑکی نے بتا دیا۔ اس آدمی نے کہا۔ ”میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم یہاں مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکو گی۔ اگر تم بچے دل سے اس کام سے متنفر ہو گئی ہو تو تم خوش قسمت ہو کہ تم ہمارے دھوکے میں آ گئی ہو۔ اب تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ہم میں سے کوئی بھی ملیب کا جاسوس نہیں۔ ہم سب مصر کی فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں۔“ لڑکی جوش مسرت سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس آدمی نے کہا۔ ”میں اپنے کاندھے سے کھول لگا کر تمہیں دوسری لڑکیوں سے الگ رکھے اور کسی امیر وغیرہ کے حوالے نہ کرے۔“

لڑکی بیتابی سے اس کے ہاتھ چومنے لگی۔ اس کا فریب کامیاب ہو گیا۔ علی بن سفیان کا اتنا ہوشیار جاسوس ایک لڑکی کے فریب کا شکار ہو گیا۔

”ذرا ٹھہرو۔“ لڑکی نے اُسے کہا۔ ”میں دیکھ آؤں کہ میرے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں۔“ وہ عجیبے سے نکل گئی۔

مغل کی روٹن دو بالا ہو جائے۔ انہوں نے سب کو شراب پیش کی تو سب نے انکار کر دیا۔ ملیب جیران ہوئے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ ان میں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جو مسلمان تھے ان کے متعلق بتایا گیا تھا کہ فدائی ہیں یعنی وہ برائے نام مسلمان ہیں۔ اصل میں وہ حسن بن مباح کے فرقتے کے تھے جو شراب کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ملیبوں کو کچھ شک ہوا۔ وہ آخر تربیت یافتہ جاسوس تھے۔ انہوں نے دو چار اور ایسی نشانیاں دیکھیں جن سے ان کا شک پختہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح اٹھنے لگے جیسے خیمے میں سوتے جا رہے ہوں۔

انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک لڑکی نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکلی کہ یہ خیمہ خالی کر دو۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر گھومتی پھرتی رہی۔ بہت دیر بعد علی بن سفیان کا ایک آدمی اٹھ کر اُس کی طرف آیا۔ وہ معلوم نہیں کیوں اٹھا تھا۔ لڑکی نے اسے روک لیا اور کہا کہ خیمے میں بیٹھے بیٹھے اُس کا دل گھبرا رہا تھا اس لیے باہر نکل آئی۔ وہ مردوں کو انگلیوں پر سناٹا جانتی تھی۔ اس آدمی کو اُس نے ایسی باتوں میں جکڑ دیا کہ وہ بھول ہی گیا کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ لڑکی نے کہا۔ ”یہ آدمی جو ہمارے ساتھ ہیں بہت بُرے آدمی ہیں۔ ہم تمہاری طرح یہاں کسی اور کام سے آئی ہیں لیکن یہ ہیں بہت پریشان کرتے ہیں۔ کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ تم میرے خیمے میں آ کر سوؤ؟ میں ان سے بچتی رہوں گی۔“ اور اس نے ایسی اداکاری کی کہ یہ آدمی موم ہو گیا اور اُس کے ساتھ اس کے خیمے میں چلا گیا۔

خیمے میں چھوٹی قندیل جل رہی تھی۔ لڑکی نے روشنی میں اس آدمی کو دیکھا تو بڑی ہی پرکشش اور جذباتی مسکراہٹ سے کہا۔ ”اوہ احم تو بہت خوبصورت آدمی ہو۔ تم میری سفاقت کر سکو گے؟“ اس نے شراب کی چھوٹی سی حراجی اٹھا کر کہا۔ ”تھوڑی سی پیو گے؟“

”نہیں!“

”کیوں؟“

”میں مسلمان ہوں۔“

”اگر اتنے پکے مسلمان ہو تو ملیب کے لیے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کیوں آئے ہو؟“

وہ آدمی چونکا۔ اس نے کہا۔ ”اس کی مجھے اُبرت مٹی ہے۔“

لڑکی جتنی خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔ اپنے یہ دونوں ہتھیار استعمال کر کے اُس نے علی بن سفیان کے اس آدمی کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا۔ ”شراب نہ پیو، شربت پی لو۔ وہ دوسرے خیمے میں چلی گئی اور ایک پیالہ اٹھا لئی۔ اس آدمی نے پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا تو مسکرا کر پیالہ رکھ دیا۔ لڑکی سے پوچھا۔ ”اس میں کتنی حشیش ڈالی ہے؟“

لڑکی کو دھچک سا لگا لیکن سنبھل گئی اور بولی۔ ”زیادہ نہیں۔ اتنی سی ڈالی ہے جتنی تمہیں ذرا سی دیر کے لیے بے خود کر دے۔“

علی بن سفیان سالار توفیق جوآدو کے گھر بیٹھا اور الدین زنگی کی بیوہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اسلام کے اس عظیم مجاہد کی بیوہ نے قاصد کے ذریعے صلاح الدین ایوبی تک اپنے جذبات پہنچا دیئے تھے پھر بھی اس سے ملنا ضروری تھا۔ بہت سی معلومات یعنی اور اقدام طے کرنے تھے۔ کچھ دیر بعد یہ پُر غمت عورت آگئی۔ وہ سیاہ اور مٹی میں تھی۔ علی بن سفیان کو پہچان نہ سکی کیونکہ وہ معنوی دلدھی میں تھا۔ جب پہچان لیا تو اس کے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگی۔ ”یہ وقت بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو یوں چھپ کر ادھر بھوپ و حار کر ملیں گے۔ تم یہاں سراد پنچا کر کے آیا کرتے تھے، اب اس سال میں آئے ہو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے اور میں گھر سے اس احتیاط سے نکلی ہوں کہ کوئی میرے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے نہ آئے کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔“

علی بن سفیان کے آنسو بہ رہے تھے۔ جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ بہت دیر بول ہی نہ سکا۔ زنگی کی بیوہ نے کہا۔ ”علی بن سفیان! میں نے یہ لباس اپنے خاندان کے ماتم کے لیے نہیں پہنا، میں اس غیرت کے ماتم میں ہوں جو میری قوم کا لیدر ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے میرے بیٹے کو آزار بنا کر تو می خیرت ملیبیوں کے قدموں میں ڈال دی ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔ کل خلیفہ کے حکم سے اُس ملیبی بادشاہ کو جسے میرے خاندان نے جنگی قیدی بنایا تھا ہار کر دیا گیا ہے۔ یہ رینالڈ تھا جسے چند ہی مہینے پہلے نور الدین زنگی نے بے شمار ملیبی سپاہیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں پکڑا تھا۔ اُسے اور دوسرے قیدیوں کو زنگی کرک سے یہاں لے آئے تھے۔ زنگی بہت خوش تھے۔ کہتے تھے کہ میں ملیبیوں کے ساتھ ایسی سودا بازی کر کے اس ملیبی حکمران کو چھوڑ دوں گا کہ اس کی کمر توڑ دے گی۔ ایک بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر کی گرفتاری معمولی سی بات نہیں ہوتی۔ ہم اس کے بدلے ملیبیوں سے اپنی شرائط منوا سکتے تھے، مگر کل میرا بیٹا میرے پاس آیا اور بڑی خوشی سے کہا۔ ”ماں! میں نے ملیبی حکمران کو اور اس کے ساتھ تمام ملیبی قیدیوں کو ہار کر دیا ہے۔“ میرے دل پر ایسی چوڑی پڑی کہ میں بہت دیر اپنے آپ سے باہر رہی۔ بیٹے سے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے عوض تم نے اپنے جنگی قیدی رکھا کیسے ہیں؟ بیٹے نے بچوں کا سا جواب دیا۔ کہنے لگا کہ ہم ان قیدیوں کو لے کے کیا کریں گے۔ ہم آئندہ کسی سے لڑائی نہیں کریں گے۔“

”میں نے بیٹے سے کہا کہ تم آئندہ اپنے باپ کی قبر پر نہ جانا۔ تم جب مرو گے تو میں تمہیں اس قبرستان میں دفن نہیں کروں گی جس میں تمہارا باپ دفن ہے۔ اس قبرستان میں وہ شہید بھی دفن ہیں جو ملیبیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ تمہیں وہاں دفن کر کے میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی.... لیکن میرا بیٹا بچہ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا۔ میں ان امیروں سے بھی ملی ہوں جن کے قبضے میں میرا بچہ ہے۔ وہ میرا احترام کرتے ہیں لیکن میری کوئی بات نہیں سنتے۔ ملیبیوں نے اپنے حکمران اور جنگی قیدیوں کو ہار کر اسلام کے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ میں حیران ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تاہرہ میں بیٹھا ہوا کیا کر رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں آتا؟ علی بن سفیان! صلاح الدین ایوبی کیا سوچ رہا ہے؟ اسے کہنا تمہاری ایک بہن تمہاری غیرت کا ماتم کر رہی ہے۔ اُسے کہنا کہ وہ سیاہ لباس اُس روز اتارے گی جس روز تم دمشق میں داخل ہو کر مجھے دکھا دو گے کہ تم نے ملت اسلامیہ کی آبرودار عیاش اور ایمان فروشوں سے چھین لی اور اسے بچا لیا ہے، ورنہ میں اسی لباس میں مر جاؤں گی اور وصیت کر

جاؤں گی کہ مجھے اسی لباس میں دفن کیا جائے کفن نہ پہنایا جائے۔ میں روز قیامت اپنے خاندان اور خدا کے سامنے سفید کفن میں نہیں جانا چاہتی۔“

”میں ان جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔“ علی بن سفیان نے کہا۔ ”آئیے حقیقت کی بات کریں۔ سلطان ایوبی آپ کی ہی طرح قیاب اور بے چین ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ہمیں کوئی کارروائی جذبات اور اشتعال کے زیر اثر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہم اس کوشش میں ہیں کہ خانہ جنگی نہ ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ قوم ہمارا ساتھ دے۔ فوج کے متعلق توفیق جوآدو مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ ہماری فوج کے خلاف نہیں لڑے گی۔ البتہ محافظہ دستے مقابلہ کریں گے۔“

”قوم آپ کے ساتھ ہے۔“ زنگی کی بیوہ نے کہا۔ ”میں عورت ہوں۔ میدان جنگ میں نہیں جا سکی۔ میں ایک اور محاذ پر لڑتی رہی ہوں۔ میں نے قوم کی عورتوں میں قی بذر اس حد تک پیدا کر رکھا ہے کہ آپ کسی بھی وقت انہیں میدان جنگ میں لے جا سکتے ہیں۔ میرے استقامات کے تحت یہاں کی تمام نوجوان لڑکیاں تیغ زنی اور تیر اندازی کی مہارت رکھتی ہیں۔ عورتوں نے اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاندانوں کو شعلے بنا رکھا ہے۔ میں نے جن عورتوں کے ہاتھوں انہیں تربیت دی ہے وہ میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر زبوت خانہ جنگی تک آگئی تو ہر گھر کو عورتیں خلیفہ کی فوج کے خلاف مودہ بھری بنا لیں گی۔ اگر صلاح الدین ایوبی لڑے گا تو میرا خلیفہ بیٹا اور اس کے حاشیہ بردار اپنے آپ کو تنہا پائیں گے۔ تم جاؤ برادر علی! فوج لاؤ۔ یہاں کے حالات مجھ پر چھوڑ دو۔ قوم کی طرف سے تم پر ایک بھی تیر نہیں چلے گا۔ اگر تم ضرورت سمجھو کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا جائے تو بھول جانا کہ وہ نور الدین زنگی کا اور میرا بیٹا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے کرالوں گی، سلطنت اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکوں گی۔“

توفیق جوآدو نے بھی علی بن سفیان کو یقین دلایا کہ خانہ جنگی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے سکیم بنائی کہ سلطان ایوبی کس طرح آئے گا اور یہاں کیا ہوگا۔ یہ طے ہوا کہ سلطان ایوبی خاموشی سے آئے گا اور خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو بے خبری میں آن لے گا۔

☆

وہ ملیبی لڑکی جس نے علی بن سفیان کے ایک آدمی سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ ایک سو آدمی ملیب کے آدمی نہیں، اُسے خیمے میں اکیلا چھوڑ کر اور اُسے یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ دیکھنے جا رہی ہے کہ اس کے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ وہ دھوکے میں آگئے ہیں، یہ سب مصری فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں اور ان کا کمانڈر علی بن سفیان ہے جو سراسر سانی اور جاسوسی کا ماہر سربراہ ہے۔ اس انکشاف نے ان ملیبیوں کو چونکا دیا اور وہ سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ ان کے لیے وہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لڑکی اُس مصری جاسوس کے پاس چلی گئی تاکہ اسے بھانپے رکھے۔ ایک ملیبی باہر نکلا اور علی بن سفیان کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ اسے نہ ملا۔ اُس وقت علی بن سفیان توفیق جوآدو کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ملیبی